

# اردو ناولز کلیکشن

Website

<https://urdunovelscollection.com/>

Whatsapp Channel

<https://www.whatsapp.com/channel/0029VaEcPFVChq6Ho15o1EQQ>

Youtube Channel

<https://www.youtube.com/@urdunovelscollection1>

Facebook Page

<https://www.facebook.com/profile.php?id=61565379262101>

Tiktok

<https://www.tiktok.com/@urdu.novels1>

اس جیسے اور اچھے ناولز پڑھنے کے لئے سامنے  
دیے گئے لنکس پے کلک کر کے ہماری ویب سائٹ  
یا واٹس ایپ چینل جوائن کر لیں

ناولز کے شارٹس ویڈیو سٹیٹس آپ ہمارے

**Youtube , Facebook , Tiktok**

پروفائلز سے حاصل کر سکتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دلدارم

قسط نمبر 1

ارتج شاہ

oooooooo

یہاں رات کا سناٹا نہیں، چیخوں کا شور تھا۔ وقت جیسے رُک گیا تھا یا پھر تیزی سے بھاگنے لگا تھا، کسی کے قدموں کے ساتھ، کسی کی چیخوں کے ساتھ، کسی کی آخری سانسوں کے ساتھ۔ جھونپڑیاں آگ کے لقمے بن چکی تھیں۔ خیموں سے دھواں یوں، نکل رہا تھا جیسے کسی نے آسماں پر ماتم طاری کر دیا ہو۔ عجیب وحشت ناک سما تھا، بستی کے بچوں بیچ، لوہے کے شور اور بوٹوں کی چاپ گونج رہی تھی۔ وردیوں والے جنہیں محافظ کہا جاتا تھا، اس وقت شکاری بنے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں رحم کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ان کے سامنے جو آیا، وہ زمین بوس ہو گیا، چاہے بوڑھا ہو، بچہ ہو یا عورت۔ زبان بند تھی، صرف بندوقیں بول رہی تھیں۔

زمین پر گرنے والی لاشیں بس گنتی کا حصہ تھیں۔ کوئی کسی ماں کو کھینچ کر لے جا رہا تھا، کوئی بچے کو دھکا دے رہا تھا، اور کوئی خوف سے تھر تھراتی لڑکی کو بالوں سے گھسیٹ رہا تھا۔ سانسیں رک رک کر چل رہی تھیں، اور زندگی قدم قدم پر مات کھا رہی تھی۔

جہاں کچھ لمحے پہلے بچوں کی ہنسی گونجتی تھی، اب صرف آگ کے شعلے ناچ رہے تھے۔ کچھ لوگ زمین سے چمٹے پڑے تھے، کچھ اندھیرے میں چھپنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ کوئی اپنے جلے ہوئے گھر کو آخری بار دیکھ رہا تھا، کوئی لڑتی عزت پر نظریں بند کر کے زندہ رہنے کی بددعا مانگ رہا تھا۔

اور وہ جو زندہ پکڑے گئے تھے، وہ شاید مرنے والوں سے بدتر حال میں تھے۔ انھیں گاڑیوں میں ٹھونس کر لے جایا جا رہا تھا، جیسے وہ انسان نہیں، کسی جرم کی گواہی دینے والا گناہ ہوں۔ ہر چیخ، ہر آہ، ہر آنکھ کا آنسو، فضا میں جذب ہو رہا تھا۔ مگر زمین، وہ سب محفوظ کر رہی تھی۔ یہ زمین گواہ تھی کہ ظلم کیسے ہوتا ہے اور انسانیت کیسے دفن ہوتی ہے۔

آسمان خاموش تھا۔ شاید وہ بھی خوفزدہ تھا۔

اُس رات کی تاریکی میں صرف اندھیرا نہیں، انسانیت کی موت تھی۔ آگ کی لپٹیں بلند ہو رہی تھیں، مگر ان سے زیادہ بلند چنچیں تھیں۔ وہ چنچیں جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ وہ فریادیں جو صرف ظالموں کے قدموں تلے روندی جا رہی تھیں۔

وردی میں ملبوس یہ درندے محافظ نہیں، قیامت کے قاصد لگ رہے تھے۔ ہر طرف بھاگتی ہوئی عورتیں تھیں، جو اپنے آنچل، اپنی عزت، اپنی زندگی کو بچانے کی آخری کوشش کر رہی تھیں۔ مگر یہ کوششیں رائیگاں تھیں۔ وردی والوں کی نظریں، ان کے ہاتھ، ان کا رویہ—سب درندگی کی آخری حد کو چھو رہا تھا۔

کوئی ماں اپنی بیٹی کو سینے سے لگائے بھاگی، تو کسی باپ کو اس کی بیٹی کے سامنے رسیوں سے باندھ کر گرا دیا گیا۔ معصوم عورتوں کو کھینچ کر جھونپڑیوں میں لے جایا جا رہا تھا۔ کچھ عورتیں روتی، بلکتی، اپنے پیروں پر گریں، مگر درندوں کے چہرے پر ایک شکن تک نہ آئی۔ وہ محافظ نہ تھے، وہ مجرموں سے بدتر تھے۔



کسی کے شوہر کو زندہ جلا دیا گیا، اور اس کی بیوی کو جلتے وجود کے سامنے ننگی بے بسی کا تماشا بنایا گیا۔ کوئی بھائی، بہن کی عصمت کو اپنی آنکھوں سے روندتے دیکھ کر سانسیں توڑ بیٹھا۔ چیخوں کا شور، آگ کے شعلے، گولیوں کی ترڑٹراہٹ اور ٹوٹتے وجودوں کی بے آوازیں... سب کچھ مل کر ایسا ہولناک سماں بنا رہے تھے کہ خود وقت بھی رُک کر لرزنے لگا تھا۔

یہ رات ایک بستی کی بربادی کی نہیں، انسانیت کی قبر تھی۔ اور ان درندوں کے چہرے، وردی کے پردے میں چھپے رہ گئے۔ مگر زمین نے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔

○○○○○○○

وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سانس تیز تیز چل رہی تھی، دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے کوئی اندر سے اسے دبا کر رکھنا چاہ رہا ہو۔ وہ بیڈ سے اٹھتا پہاڑ کی چٹان کی طرف دیکھ رہا تھا، مگر اس کی نظر کہیں اور تھی، اس کی آنکھوں میں بس ایک ہی تصویر گھوم رہی تھی، وہ سب کچھ جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

یہ خواب تھا، یہ سب کچھ صرف خواب تھا، اس نے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی، مگر اندر کا غصہ اس پر غالب آ گیا۔

وہ۔ پہاڑ کے داخلی کنارے کے قریب جا کر ہاتھوں سے اپنے چہرے کو رگڑنے لگا، جیسے خواب کی بھینک یادوں کو جھٹکنا چاہ رہا ہو۔ مگر وہ نہیں جھٹک سکا۔

خواب میں دیکھے گئے مناظر کی شدت اس کے اندر تک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ان چہروں کو نہیں بھلا پا رہا تھا۔ وہ چیخیں، وہ بے بس عورتیں، وہ جلتے ہوئے جسم۔ سب کچھ ابھی تک اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔

کیوں؟ کیوں میں کچھ نہیں کر سکا؟ اس کا دل غصے سے بھر گیا۔ اس نے کرسی پر رکھی گلاس کو ایک جھٹکے سے پھینک دیا، اور پھر ایک گہری سانس لے کر خود کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

یہ سب کچھ دوبارہ کبھی نہیں ہو گا، اس نے خود سے وعدہ کیا، مگر غصہ ابھی تک اس کے اندر تھا، جیسے ایک جنوں کی طرح بے قابو۔ وہ ک

چہل قدمی کرنے لگا، اور اس کا دماغ وہی اندھیرا، وہی خوفناک منظر دہرا رہا تھا۔

اس کی رگوں میں غصہ ابھرنے لگا تھا، اور اب یہ غصہ آسانی سے ختم نہیں ہونے والا تھا وہ ایک جھٹکے سے اس پتھریلے پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔

○○○○○○○

وہ پتھریلے پہاڑوں کی بلند چوٹیوں سے اتر رہا تھا، جیسے غصے اور درد کا طوفان اس کے جسم میں جنم لے رہا ہو۔ اس کے قدموں کی دھڑک اس سخت زمین پر گونج رہی تھی، اور وہ ایک لمحے کی دیر کیے بغیر نیچے پہنچا۔ زمین پر قدم رگڑتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو بھی آرام نہیں کیا، جیسے غصہ اس کے جسم کی ہر نس میں دوڑ رہا ہو۔ اور وہ جانتا تھا یہ غصہ کس طرح سے قابو میں آئے گا۔

وہ نیچے اتر کر ایک خفیہ راستے کی طرف آیا، اور پھر جیسے ہر چیز نظر انداز کرتے اس نے اپنا غصہ برسانا شروع کر دیا۔ وہ پاگلوں کی طرح پتھروں پر مکے مار رہا تھا، اور ہر مکہ زمین میں ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹکرا کر گونج رہا تھا، جیسے وہ اس سنگین منظر کو پھر سے زندہ کرنا چاہ رہا ہو جو 18 سال پہلے اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

اس کی سانسیں بے قابو تھیں، ہر سانس میں شدید غصہ اور پاگل پن تھا۔ ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا، اور اس کی رگیں تنی ہوئی تھیں، جیسے وہ اپنے اندر کی وحشت کو زمین پر اتار رہا ہو۔ اس کے ہاتھوں کے پٹھے پھول چکے تھے، گلے کی نیلی رگیں، ہر بار مکے پر واضح طور پر ابھرتی تھیں۔ اس کا چٹانی سینہ بری طرح سے اُٹھ رہا تھا، اور سبز آنکھوں میں وہی خونخوار جنون تھا۔

ان پتھروں پر مکہ مارتے ہوئے، اس کی نظریں غصے سے چمک رہی تھیں۔ جیسے وہ کوئی پتھر نہیں بلکہ اس کے دشمن ہوں۔ اس کا پورا جسم لرز رہا تھا، جیسے وہ غصے میں کسی کو روند کر رکھ دینا چاہ رہا ہو۔ اُس لمحے اس کا ذہن 18 سال پہلے کے منظر میں گم تھا، جہاں وہ بے بس ہو کر صرف تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہ منظر، وہ خون، وہ درد۔ اس کے اندر جو غصہ تھا، وہ ایک طوفان بن کر اُبل رہا تھا۔

ہر مکہ جو اس نے مارا، اس میں وہ بے بسی، وہ پاگل پن، اور وہ درد تھا جو اس نے اُس دن محسوس کیا تھا، جب وہ کچھ نہ کر سکا۔

وہ اپنے جنون میں پتھروں کو توڑتا گیا، اور ہر ضرب کے ساتھ اس کا جسم، اس کا دماغ، اور اس کا دل بکھرتا جا رہا تھا، جیسے وہ اپنے آپ کو تباہ کرنے کے لیے خود کو آگ میں جھونک رہا ہو۔

اس کا غصہ بے قابو ہو گیا تھا۔ ہر مکے، ہر شدت، میں جیسے وہ اپنے اندر کے طوفان کو باہر نکال رہا تھا۔ اس کا جسم، اس کی رگیں، اس کی سانسیں سب کچھ اس طاقت کی شدت کو ظاہر کر رہی تھیں۔ اس کے ہاتھوں میں ایک جنون تھا، اور وہ ہر ضرب کے ساتھ اس جنون اور زیادہ شدت سے برسا رہا تھا۔

وہ اس وقت تک رکنا نہیں چاہتا تھا۔ جب تک اس کے جسم کی تھکان، اس کا غصہ، اور اس کا پاگل پن، سب کچھ اس کے رگوں سے باہر نہ نکل جائے۔ وہ بس اس جگہ پر کھڑا تھا، جہاں اس نے پتھروں کو چیر کر، اپنے اندر کی وحشت کو باہر نکالنا تھا۔ اس کا بدن پسینے سے شرابور تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں خونخوار جنون تھا، جو ایک ہی لمحے میں کچھ بھی تباہ کر سکتا تھا، وہ جیسے اس وقت پاگل ہو رہا تھا جب دور سے کسی گیا اواز سنائی دی۔

سردار! سردار! سردار! دور سے ایک لڑکا بھاگتا ہوا اس کے پاس آ رہا تھا اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں، وہ تیزی سے سردار کی طرف دوڑ رہا تھا۔

سردار! سردار! "با بھی کا تایا پھر سے پاگل ہو گیا ہے! اب بار کسی حو لدار کو لایا ہے،" نکاح پروانے، وہ ہانپتے ہوئے بولا اس کی آواز میں گھبرائی ہوئی سرگوشی تھی، لیکن جیسے ہی وہ جملہ مکمل ہوا، سردار کا پورا جسم یکدم بدل گیا۔ جیسے ہی اس کے کانوں میں وہ لفظ پہنچے، اس کا غصہ اچانک سکون میں بدل گیا۔ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی، اور وہ مسکراتا ہوا بے حد دلکش لگتا تھا، اس خبر کے ساتھ جیسے اس کا غصہ کسی تیز آندھی کی طرح بس لمحوں میں غائب ہو چکا ہو۔

سردار کا جسم ابھی بھی پسینے سے شرابور تھا، اس کے سینے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں، جو سورج کی روشنی میں جھلک رہی تھیں۔ اس کا مضبوط توانا جسم، جس میں پٹھے اور طاقت نمایاں تھے، اور سکس پیکس اب بھی واضح طور پر اس کے جسم پر ابھر رہے تھے۔ جیسے پتھر کی چٹانوں کے نیچے سے نکل کر ایک مضبوط اور بے قابو وجود کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہو۔

وہ مسکراہٹ جو اس کے لبوں پر تھی، اس کے اندر کی شدت اور طاقت کو چھپاتی نہیں تھی بلکہ اور زیادہ نمایاں کر دیتی تھی۔

اس کے جسم کا ہر حصہ، ہر پٹھا، ہر عضلہ جیسے کسی جنگجو کی نشانی ہو، اور جب وہ اس مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھتا، اس کا پورا وجود ایک چٹان کی مانند محسوس ہوتا تھا، جس پر کئی سالوں کی محنت اور طاقت کی گواہی دی جا رہی تھی۔

وہ اپنے دل کا شمسکراہٹ کے ساتھ جھمرو کی طرف مڑا، اس کی آنکھوں میں عجیب چمک تھی، اور آواز میں دلکشی کی گونج

"جھمرو... یار تجھے ایک بات بتاؤں؟"

جھمرو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، یلغار ایک جھٹکے سے اسے پکڑ کر قریب کر چکا تھا۔ اس کے فولادی ہاتھ نے جھمرو کے کندھے پر زور سے گرفت جمائی، جس سے وہ ہلکا سا جھک گیا۔ اس کے نازک وجود پر سردار کے ہاتھ کی گرفت ایسی تھی جیسے چٹان کسی پھول کو دبائے کھڑی ہو۔

ہاں سردار بولو نا۔۔۔"اپنے چہرے کے تاثرات بدلتے ہوئے بڑی مشکل سے مسکرا کر کہنے لگا۔

تجھے پتہ ہے... یہ فضل و دین ابھی تک زندہ کیوں ہے؟"اس نے جواب دینے کے "، بجائے سوال کیا تھا جھمرو نے بمشکل سر ہلایا

جانتا ہوں سردار، کیونکہ وہ... بھابھی کا تایا ہے... اس لیے۔"وہ کسی طوطے کی طرح " بولا تو یلغار کے لبوں پر قاتل مسکراہٹ کی چمک لہرائی۔

لعنت ایسے تائے پر... لیکن وہ زندہ اس لیے ہے کیونکہ سردار دلدار یلغار اپنے دن " رات کی محنت کی کمائی ناچنے والیوں پر لٹانا نہیں چاہتا۔"اس نے جھمرو کے چہرے پر ، نظریں جماتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا

ویسے بھی وہ میرے "سوہنے مکھڑے" کا تایا ہے... میری بارات پر ناچنے کا تو حق بنتا ہے اس کا۔ میں یہ حق اس سے کیسے چھین لوں؟"وہ آنکھوں میں معصومیت لیے بولا تو جھمرو تو جیسے دیوانہ ہو گیا۔



واہ سردار... کتنا بڑا دل ہے تمہارا۔" اس نے دونوں ہاتھ سردار کے قدموں کی " طرف جھکاتے ہوئے کہا، جبکہ اس کے انداز پر سردار دلدار یلغار کا بے باک قہقہہ ان پتھریلی چٹانوں میں گونج کر واپس آیا، فضا میں ایک عجیب سنجیدہ مگر مزاحیہ سکوت چھا گیا۔ پہاڑ گواہ تھے کہ دلدار یلغار کے قہقہے بھی خنجر جیسے تھے اور اس کی نرمی بھی پہاڑ جیسے سخت دلوں کو ہلا دیتی تھی۔

oooooooo

جلدی جلدی نکاح پڑھاؤ اس چھوڑی کا... اس بار کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔ بس " ایک بار اس مصیبت سے جان چھوٹے، پھر میں اپنی بیٹیوں کے نصیب پر غور کروں گا۔

تایا ابا بے چینی کے عالم میں کبھی ادھر، کبھی ادھر دوڑ رہے تھے۔ ان کے سینے سے پسینے سے بھیگا سفید کرتا چمٹ چکا تھا۔

گرمی تھی یا اندر کا خوف، کچھ کہہ نہیں سکتے۔ لیکن ان کی آنکھوں میں پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔ دوسرا مہینہ ختم ہونے کو تھا اور سورج کی تپش جیسے جون کے عروج کو چھو رہی تھی۔

وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ بس یہ دن خیر سے گزر جائے، یہ آفت کسی طرح سر سے اتر جائے، پھر وہ اپنی بیٹیوں کی زندگی سنوارنے پر توجہ دیں گے۔ لیکن دعام... دعام تو ان کے سر پر سوار ایسا عذاب بن چکی تھی جو نہ نگلا جا رہا تھا نہ اُگلا۔

آج اس کی تیسری بار بارات آنے والی تھی۔ پچھلی دو باراتیں تو ایسی اٹھ گئیں جیسے زمین نکل گئی ہو یا آسمان۔ اب کی بار بارات آنے کی خبر بھی راز رکھی گئی تھی کہ کہیں پھر کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔

اور سچ تو یہ تھا، اب تو کوئی ان کے گھر دعام کے لیے تو کیا، ان کی اپنی بیٹیوں کے لیے بھی رشتہ لے کر نہیں آتا تھا۔

بالآخر، بڑی مشکلوں کے بعد ایک پولیس کانسٹیبل کا رشتہ آیا—چالیس سال سے اوپر کی عمر، تین بچیوں کا باپ، لیکن پولیس میں تھا، کچھ دبدبہ رکھتا تھا۔ بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کر رہا تھا۔ تایا ابا کو یہ سب قبول تھا، کیونکہ دعام ان کے لیے ایک بوجھ تھی۔

ان کے نزدیک 19 سال کوئی کم عمر نہ تھی۔ وہ بس چاہ رہے تھے کہ کسی بھی طرح اس "نخس" لڑکی سے جان چھوٹے۔

بس اللہ کرے آج سب خیریت سے ہو جائے۔ "رفاقت، تایا ابا کا چھوٹا بھائی اور " دعام کا چچا، ان کے پاس آ کر تسلی دینے لگا۔

باراتی صرف چار ہوں گے۔ سیدھا نکاح پڑھوائیں گے، دعام کو رخصت کریں گے، " اور سکون سے سانس لیں گے۔

کمرے کے اندر بیٹھی دعام نے بے بس نگاہوں سے دروازے کو دیکھا۔ آج بھی وہی سرخ جوڑا پہنے، تیسری بار دلہن بنی، خاموشی سے بیٹھی تھی۔

اس کا جرم؟ صرف یہ کہ وہ بے پناہ خوبصورت تھی۔

اور یہی خوبصورتی، اس کے لیے ایک عذاب بن چکی تھی۔ علاقے کا خطرناک ڈاکو، سردار یلغار دلداری، اس پر دل ہار چکا تھا۔ اس کا اعلان تھا، "جب یہ شادی کے قابل ہوگی، میں خود آکر لے جاؤں گا۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

لیکن یہاں عزت، غیرت، اور خاندان کی بدنامی کا سوال تھا۔ اگر ایک ڈاکو ان کی بھتیجی کو اٹھا کر لے گیا، تو وہ کس منہ سے بیٹیوں کے رشتے تلاش کریں گے؟

اسی لیے اب وہ دعام کو کسی بھی حال میں رخصت کرنا چاہتے تھے، چاہے اس کا شوہر چالیس سالہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔

وقت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ جس یتیم بچی کے سر پر انہوں نے "شفقت" کا ہاتھ رکھا، وہی اب ان کے لیے زہر بن چکی تھی۔

جائیداد تو کب کی بیچ کر ہضم کر لی گئی تھی، لیکن دعام... وہ باقی رہ گئی تھی، ایک ایسے کانٹے کی طرح جو ہر روز چبھتا تھا۔

پہلی بارات غائب ہوئی تو تلاش بھی بے سود رہی۔ دوسری بارات کا دولہا ڈیڑھ مہینے بعد نیم مردہ حالت میں ملا، لیکن پہچاننے سے انکار کر دیا۔

اب کی بار، ایک کانسیبل نے ہمت دکھائی تھی۔ اور نکاح کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔

باراتی دروازے پر آچکے تھے۔ دولہا سفید قمیض شلوار میں، مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا، جیسے وہ سب کا نجات دہندہ ہو۔ نکاح کی تیاری مکمل تھی، بس دعام کا "قبول ہے" باقی تھا۔

دعام نے سر اٹھا کر ایک نظر اس اجنبی کو دیکھا۔ پھر دھیرے سے لب ہلانے ہی لگی...

!اچانک باہر گولیوں کی آواز گونجی

!اور اس کے فوراً بعد گھوڑے کی ٹاپوں کی دہشت ناک دھمک

دعام کے پورے وجود میں لرزہ دوڑ گیا۔ گولیاں تو شاید کسی اور کے لیے ہوں، لیکن گھوڑے کی آواز... وہ تو سیدھی اس کی روح میں گھستی تھی۔

کانوں پر ہاتھ رکھے وہ سسک اٹھی، عورتوں کی چیخیں بلند ہو گئیں، نکاح رُک گیا، اور ایک بار پھر... قیامت نے دہلیز پر دستک دے دی۔

ہر طرف خاموشی چھا چکی تھی، گولیاں چلنے کی آواز اب رک چکی تھی جبکہ وہ وہیں زمین پر بیٹھی ہوئی تھی، وہ ایک بے بس خوف سے کانپتی ہوئی دلہن تھی... بری طرح سہمی ہوئی، کانوں پر ہاتھ رکھے، زمین پر گٹھری بنی یوں سمٹی جیسے خود کو نظروں سے چھپانا چاہتی ہو۔

اس کے نازک کندھے خوف سے مسلسل لرز رہے تھے، سانسیں بے ربط، دھڑکن جیسے سینے کو چیر کر باہر آ جائے گی۔

اس کے چہرے پر نہ کوئی میک اپ تھا، نہ زرق برق زیورات کی چمک۔ صرف ایک پرانا، بار بار پہنا ہوا سرخ جوڑا، جو اسے تیسری بار دلہن کے لباس میں ڈھال رہا تھا۔ اس کی پیشانی سے بہتا پسینہ، شفاف بوندوں کی صورت میں چہرے کو تر کر رہا تھا۔ اس کا نکھرا ہوا، دودھ جیسا گورا رنگ... اب پیلا پڑ چکا تھا، لیکن پھر بھی اس کی فطری خوبصورتی چھپائے نہ چھپتی۔

وہ محض اُنیس سال کی، کم عمر سی لڑکی... لیکن حسن میں ایسی بے مثال کہ جیسے قدرت نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہو۔

اس کے چہرے پر بچپن کی معصومیت اور جوانی کی پہلی کرن ایک ساتھ جگمگا رہی تھی۔

لمبی، گھنی پلکوں تلے لرزتی آنکھیں، جو گہراہٹ میں بند تھیں لیکن ان کے گرد سیاہ گھیرے اس کی نیندوں کی قربانیوں کا پتہ دے رہے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ کہیں راتوں اس سے جاگ رہی ہے، آنکھوں کے کنارے بتا رہے تھے کہ آنسو ایک لمحے کے لیے بس کی آنکھوں سے خشک نہ ہوئے تھے۔

اس کی ناک، میں باریک سی چاندی کی بالی تھی، جو اس کے حسن کو چار چاند لگاتی تھی ہونٹ... بغیر کسی لپ اسٹک کے، لیکن گلابی، نرم اور تھر تھراتے ہوئے... ٹھوڑی پر وہ تل، جو اس کے چہرے کو ایک انوکھی کشش دیتا۔ اس کے بال، کالے، ریشمی، اور لمبے اتنے کہ پشت پر لہراتے ہوئے کسی پرانے افسانے کی شہزادی کا گمان دیتے۔

وہ کوئی بناؤ سنگھار کیے بغیر، اپنی فطری بناوٹ میں بھی اتنی دلکش تھی کہ وقت ٹھہر جائے، اور سانسیں رک جائیں۔ لیکن آج... اس دلہن کی آنکھوں میں خوابوں کے جگنو نہیں، بلکہ دہشت کی سیاہی تھی۔ آج وہ حسین نہیں، بے بس تھی۔

آج وہ شہزادی نہیں، منہوس تھی۔ اور وہ تین سال سے منہوس ہی تھی۔

oooooooo

وہ واقعہ بھولنے والا بھی کہاں تھا؟

ابھی تو صرف تین سال ہی گزرے تھے جب وہ باراتیوں کے ہمراہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جا رہے تھے۔ خوشی، ہنسی مذاق، گانوں کی گونج اور باراتی جوش سے لبریز تھے۔ لیکن خوشی کی وہ ساعتیں چند لمحوں میں قیامت میں بدل گئیں۔

بس ایک سنسان سڑک پر رواں دواں تھی، جب اچانک ان کی بس کے آگے ایک شخص سڑک پر لیٹا ہوا دکھائی دیا۔ سب نے یہی سمجھا، کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ ڈرائیور... نے بس روکی اور باہر نکل کر اس شخص کے قریب جانے ہی والا تھا کہ



اچانک جیسے آسمان پھٹ گیا ہو — درجنوں مسلح افراد چاروں طرف سے بس میں داخل ہو گئے۔

خوفناک شور، عورتوں کی چیخیں، بچوں کی سسکیاں اور مردوں کی گھبراہٹ... سب کچھ ایک ہی لمحے میں بدل گیا تھا۔

دعّام اُس وقت بس کی آخری سیٹ پر تایا کی بیٹی رباب کے ساتھ بیٹھی تھی۔ نیند اس کی پلکوں پر ڈیرے ڈال چکی تھی، لیکن اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں اور بندوقوں کی کھچا کھچ نے نیند کو ایسے اڑایا کہ آنکھیں وحشت سے پھیل گئیں۔

بس کے باہر بھی ہلچل تھی، اور پیچھے آنے والی دوسری بس میں بھی باراتی تھے۔ ڈاکو عورتوں سے ان کے زیورات نوچنے لگے، اور مردوں سے والٹ، گھڑیاں، موبائل سب چھین لیے گئے۔

کوئی چیخ رہا تھا، کوئی بچوں کو سینے سے لگائے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اُس لمحے جیسے وقت بھی سہم گیا تھا۔

دعام کے قریب بھی ایک شخص آیا، لمبی بندوق اس کے شانے پر تھی، آنکھوں میں سرد شعلے۔ اس نے دعام کو گھورا۔

،دعام نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا

"میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

وہ شخص اسے محض ایک ڈری سہمی بچی سمجھ کر نظر انداز کر گیا۔

لیکن رباب کے کان سے اس نے سونے کی بالیاں نکال لی تھیں... رباب سسک رہی تھی، اور دعام کی چھوٹی سی روح سہم کر گویا ساکت ہو گئی تھی۔

سردار، خالی باراتی ہیں، ان کے پاس تو کچھ خاص ملا ہی نہیں... دس لاکھ کا بھی مال " !نہیں نکلا

بس کے باہر سے کسی کی مایوس سی آواز گونجی۔

"بے غیرتوں نے مال چھپا رکھا ہے! نکالو"

ایک کرخت، گمبھیر آواز ابھری، جو نہ صرف اس کی سماعت پر، بلکہ رگ و پے میں لرزہ سا دوڑا گئی۔

سرکاری ملازم کی بارات ہے، خالی تھوڑی نہ ہوگی! عورتوں کے بیگ چیک کرو، کم از "کم تیس لاکھ کا مال نکلوانا ہے اس بارات سے

رباب اس کے پہلو میں رو رہی تھی، اور دغام کا تو سارا جسم لرز رہا تھا — جیسے روح جسم میں قید ہو کر تڑپ رہی ہو۔

بس کے چاروں طرف دہشت کا راج تھا۔

ان مسلح ڈاکوؤں کے چہروں پر کپڑے بندھے ہوئے تھے، کپڑوں کے رنگ ایک جیسے، چمکتے ہتھیار بیلٹوں میں اٹکے ہوئے، اور گھوڑے کی مسلسل ٹاپوں کی آواز خوف کی موسیقی بجا رہی تھی۔

بس کے باہر ایک گھوڑا مسلسل چکر لگا رہا تھا، اس پر بیٹھا سوار باقیوں سے مختلف تھا باقی اسے "سردار" کہہ رہے تھے۔ وہ خاموش، گمبھیر، مگر سب سے زیادہ خطرناک — تھا۔

اچانک ایک عورت کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا گیا، جو پولیس کو کال کرنے ہی والی تھی۔

ارے ماتا جی، جان کیوں گنوارہی ہو؟ یہ پولیس والے تو ہمارے ہی دلال ہیں۔ دس "پرسنٹ کمیشن کھاتے ہیں، انہیں گے نہیں

وہ ہنسا، موبائل کی سکرین بند کی اور اسے اپنے ایک ساتھی کی طرف بڑھا دیا۔  
لیکن جیسے ہی اس کی نظر سکرین کے پیچھے موجود دغام پر پڑی، وہ لمحے بھر کو رک گیا۔

دغام کی آنکھوں میں خوف تھا، جسم جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔

اور سردار... اس کی سرخ انگار آنکھیں جیسے دغام کی روح میں اتر گئیں۔

دغام ایک دل دہلا دینے والی چیخ مار کر رباب کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔

میڈا بھولا سائیں ڈر گیا کا کے...؟ "اچانک سردار کے لہجے میں عجب سی نرمی اتر آئی۔"

چہرے سے کپڑا ہٹاؤ سونیو، دیدار تو کرنے دو... آنکھیں تو غضب کی پائیں ہیں!" وہ " کھڑکی کے قریب آ کر ذرا سا جھکا، جیسے اس معصوم چہرے کو مزید قریب سے دیکھنا چاہتا ہو۔

دعّام لرزتی، کانپتی، رباب کے وجود میں چھپنے لگی۔

"بچی ہے... ڈاکو جی... بچی ہے"

باراتیوں میں سے ایک مرد نے ہمت کر کے کچھ کہا۔ سردار نے اسے خطرناک نظروں سے گھورا۔

تیری بچی ہے؟" اس کی آنکھوں میں ایسی وحشت تھی کہ سامنے والا لریز اٹھا

نہیں... نہیں... میری نہیں ہے۔ "وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔"

تو تجھے مرچیں کیوں لگ رہی ہیں؟ باپ بھائی کہاں ہیں بچی کے؟ یا سب کے سب "پستول کی نوک پر غیرت دفن کر آئے ہیں؟

یہ... یتیم بچی ہے... نہ باپ ہے نہ بھائی... سر پر بس تایا اور چاچا ہیں، وہ بھی دوسری "بس میں ہیں۔" ایک اور آواز ابھری تھی

اچھا... یتیم ہے؟ "سردار کے چہرے پر ایک عجب سی مسکراہٹ آئی۔"

"کوئی نہیں ہے اس کا...؟ خیر، اب ہے"

، وہ ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہنے لگا

میرا سوہنا مکھڑا، سن لو سب آج سے سردار دلدار یلغار اس کا سر پرست ٹھہرا۔ اس "

کے تائے چاچے کو میرا پیغام دے دینا... یہ میری امانت ہے۔ جس دن نکاح کے

"قابل ہوئی، لے جاؤں گا

دعّام کی آنکھوں سے بہتا خوف رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا، لیکن سردار نے آخری

بار اسے دیکھا، سامان کی پوٹلی اٹھائی، اور بس میں واپس پھینک گیا۔

سجن سائیں "تاڑے سائیں نے صدقہ اتارا ہے تاڑا!" سردار دلدار یلغار کی امانت ہو، "

یہ بات یاد رکھنا، ورنہ یاد دلانے کے لیے آتا رہوں گا۔ سردار آخری بار پلٹ کر

مسکرایا، پھر گھوڑا موڑ کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھوڑوں کی آوازیں دیر تک

سنائی دیتی رہیں... اور پھر سناٹا چھا گیا۔

بارات واپس اپنے زیورات اور سامان سمیٹنے لگی، کچھ دن بعد سب اپنی زندگیوں میں  
... مگن ہو گئے

، مگر اگر کوئی وہ واقعہ نہ بھول سکا

تو وہ تھی دغام... جسے سردار دلدار "اپنی امانت" کہہ کر گیا تھا۔

وہ رات... ایک یاد نہیں، ایک زخم بن گئی تھی۔

اور کچھ زخم وقت کے ساتھ نہیں، وقت کے اندر دفن ہو جاتے ہیں... مگر جب وہ یاد  
آتے ہیں، روح کا گوشت نوچ لے جاتے ہیں۔

oooooooo

کیا رے تاو۔۔۔۔ بہت تنگ کرنے لگا ہے مجھے "بار بار دہرا دہرا کے تنگ آچکا ہوں  
!" میں

یہ آخری بار آیا ہوں، اس کے بعد صرف انجام ہوگا۔ ایسا انجام جو تیری آنے والی  
نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔

!تیری بھتیجی میری امانت ہے!" جلدی ہے تجھے؟ تو بتا"

میں خود آؤں گا، بارات لے کر خود لے جاؤں گا اسے۔ ایسے لے جاؤں گا کہ تُو بس ان گناہگار آنکھوں سے دیکھتا رہ جائے گا، لیکن کچھ کر نہ سکے گا۔

یہ گھٹیا حرکتیں چھوڑ دے، ورنہ جو ہو گا وہ تجھے بھی نہیں بھولے گا۔ اور اس گاؤں کو بھی،

تُو کیا، اس دنیا کا کوئی شخص سردار کی مرضی کے خلاف اُس لڑکی کی تقدیر نہیں لکھ سکتا۔

وہ گھوڑے پر سوار تھا۔

چہرے پر سیاہ نقاب، صرف سبز آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں... مگر وہ آنکھیں نہیں، دکھتے شعلے تھیں۔ جیسے خوف خود اُن میں بستا ہو۔

ایک ہاتھ تایا ابا کے گریبان پر، دوسرے سے اُنہیں گردن سے دبوج رکھا تھا۔

...پاؤں زمین سے اوپر تھے، جسم ہوا میں معلق



تایا ابا کا چہرہ زرد ہو چکا تھا، آنکھوں میں وہ وحشت تھی جو صرف موت سے پہلے آتی ہے۔

وہ حوالدار... جو خود کو شیر کہلاتا تھا، آج دیوار سے لگا کانپ رہا تھا۔ بندوق ہاتھوں میں لرز رہی تھی، اور آواز جیسے گلے میں کہیں دب گئی ہو۔

یہ کوئی عام آدمی نہیں لگ رہا تھا، قہر کی ایک چپ چاپ چلتی آندھی تھا۔ آیا ایسے تھا، جیسے کسی نے اندھیرے کو شکل دے دی ہو۔  
سردار کا رخ اب اس دلہے کی جانب تھا۔

تو بارات لے کر آیا تھا میری امانت کی۔۔۔!! وہ اس کے پاس آکر رکا تو پولیس " کانسٹیبل نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا خوف سے جیسے جان نکل رہی تھی۔

تو مجھے جانتا نہیں کیا۔۔۔ "کیا تجھے میرے بارے میں کچھ نہیں پتا وہ اس کے سامنے آکر رکتا سوال کرنے لگا جب کہ کانسٹیبل کی تو جان نکل رہی تھی۔

ارے او بالا۔۔۔ "لگتا ہے اسے اپنا تعارف کروانا پڑے گا، وہ ایک نظر موڑ کر پیچھے کالے گھوڑے پر سوار دوسرے ڈاکو کو دیکھتے ہوئے بولا۔

تو کروا دو سردار، اس خبیث کو بھی تو پتہ چلے کہ اس نے کس طوفان سے پنگا لیا ہے،  
بالا ذرا اونچی آواز میں بولا تھا۔ جب کہ وہ ایک نظر بالا کو دیکھتا واپس پلٹ کر حوالدار  
کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

تیرے لیے میرا اتنا ہی تعارف کافی ہے کہ اگر تو نے میری امانت کی طرف، ایک  
قدم بھی اٹھایا، تو سردار دلدار یلغار تیری نسلوں کو ایسا سبق دے گا کہ قبریں بھی  
"چیچ اٹھیں گی"

وہ کونٹیل کو بول رہا تھا لیکن حالت تایا ابا کے خراب ہو رہی تھی تایا ابا کا چہرہ زرد،  
سانسیں رکتی ہوئی، صرف خوف باقی رہ گیا تھا۔

اُس کی نگاہ جیسے سارا منظر کاٹے جا رہی ہو، حوالدار، جو دیوار کے ساتھ بندوق تھامے  
کانپ رہا تھا۔ وہی حوالدار، جو ہمیشہ سینہ تان کر چلتا، اب دیوار سے لگا، آنکھوں میں  
پانی لیے کھڑا تھا۔

سردار... میں... میں بس ڈیوٹی کر رہا تھا... رحم کریں..." حوالدار کے لب لرزے،

مگر سردار کو رحم آتا ہی کب تھا۔ سردار نے اسے ایک جھٹکے سے بالوں سے پکڑ کر زمین پر پٹخا، پھر کالر سے گھسیٹتے ہوئے اندھیرے کی طرف بڑھا۔

سردار! میں نہیں جانتا تھا وہ تمہاری امانت ہے... غلطی ہو گئی... خدا کا واسطہ، معاف " کر دے"! اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی موت دیکھتا حولد ار چیخنے لگا جب کہ سردار کا چہرہ پل میں سرد ہوا، وہ جھکا، اس کے بال مٹھی میں بھینچے

غلطی؟ تو نے میری امانت پر نکاح کا لفظ لیا... یہ 'غلطی' نہیں — 'گناہ' ہے! اور میں "!" گنہگاروں کو زمین پر نہیں، مٹی کے نیچے گنتا ہوں

تجھے نہیں پتہ تھا؟ تو کان کھول کر سن... میری امانت پر نظر ڈالنے والا جیتا نہیں، " اور اس کا نکاح صرف کفن سے ہوتا ہے"! اس نے غصے سے جبرے بے نیچتے حولد ار کی گردن دبوچی، لہجہ زہر آلود تھا وہ اس کے چہرے پر دھارا۔

تجھے معافی مانگنے کا حق تب ہوتا ہے، جب سامنے انسان ہو — اور میں تو تمہارے " قانون میں ایک درندہ ہوں... اور درندوں سے رحم کی امید کرنا تو بے وقوفی ہے، ویسے تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں تمہارا قانون غلط کہتا ہے، کہ میں درندہ ہوں کیوں

کہ میں صرف درندہ نہیں، قہر ہوں! اور قہر معاف نہیں کرتا!" وہ اسے رسی سے باندھ کر زمین پر پٹک چکا تھا اور خود گھوڑے پر سوار ہو گیا وہ ایک جھٹکا دیتا زور سے اسے گھسیٹ کر اندھیرے کی طرف لے گیا

چل، چل کے دکھاتا ہوں وہ جگہ... جہاں تجھے تیری غلطی کی قبر ملے گی!" وہ وحشیانہ "میں اسے گھسیٹتے ہوئے بولا

زمین پر رگڑتا، چیختا حوالدار، اور سردار کا سایہ — اندھیرے میں غائب ہو گیا۔  
اب پیچھے کچھ نہیں رہا تھا سوائے خاموشی کے... قبرستان جیسی خاموشی، جیسے ساری روشنیاں کھا چکی تھی۔

جبکہ دلہن کے کمرے کا دروازہ بند تھا، مگر خوف کھڑکیوں سے جھانک رہا تھا۔  
یہ تو ہونا ہی تھا یہ تو ہمیشہ ہوتا تھا، وہ تیسری دفعہ دلہن بنی اور تیسری دفعہ وہی سب کچھ ہوا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے لیے امتحانات کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو چکا تھا وہ جانتی تھی آنے کچھ مہینے اس کے لیے قیامت ہی رہیں گے۔

oooooooo

رات کا وقت تھا... سناٹا ایسا جیسے سانسیں بھی چپ ہو گئی ہوں۔ مشعلوں کی لو تھرتھرا رہی تھی اور میدان کے بیچ حوالدار زنجیروں میں جکڑا، زمین پر بیٹھا کانپ رہا تھا۔ سردار نے گھوڑے سے اتر کر آہستہ آہستہ قدم بڑھائے۔ نقاب میں چھپا چہرہ، سبز آنکھیں جیسے چمکدار خنجر ہوں۔

"...وہ میری امانت تھی... یہ بات بعد کی ہے"

سردار کی آواز زہر میں بجھی ہوئی تھی۔

لیکن وہ ایک معصوم لڑکی تھی۔ تو پینتالیس سال کا... اور وہ؟ اُنیس سال کی بچی! تیرا "اس کے ساتھ کیا جوڑ تھا؟" سردار کی مٹھی بھینچ گئی۔

تجھے بیٹا چاہیے تھا؟ تو اپنی تقدیر سے مانگتا... کسی کی یتیم بیٹی کو کھلونا بنانے کا اختیار "کس نے دیا تجھے؟" حوالدار گھٹنوں کے بل گر گیا۔ "سردار... غلطی ہو گئی... مجھے معاف کر دو خدا کے لیے مجھے معاف کر دو مجھے مت مارنا میری تین بیٹیاں ہیں... ان کا واسطہ "اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری بچیاں یتیم ہو جائیں گی ان کا اور کوئی سہارا نہیں میرے سوا، وہ گڑ گڑا رہا تھا۔

لیکن لفظوں سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں اپنی بیٹیوں کو ہتھیار بنا رہا ہے ،

سردار کی آنکھیں دہکنے لگیں۔ "بیٹیوں کا واسطہ؟ جن کے پاس بیٹیاں ہوں، وہ دوسروں کی بیٹیوں پر نگاہ نہیں ڈالتے! تجھے بیٹیوں کی یاد اب آئی؟ تب کہاں تھی "تیری سوچ جب کسی اور کی بیٹی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے چلا تھا؟

نہیں سردار! میں نے نکاح کا ارادہ کیا تھا۔" وہ ہاتھ باندھ دیتے گر گرایا۔۔۔"

نکاح نہیں، سودا تھا! اور وہ سودا اب تجھے مہنگا پڑے گا۔ تُو مرد نہیں، مرد کی کھال " میں چھپا ایک بھیڑیا ہے! اور ایسے بھیڑیوں کا شکار کرنا سردار دلدار یلغار کا سب سے پسندیدہ مشغلہ "سردار نے دھاڑ کر کہا، تو حوالدار کی کپکپاہٹ میں اضافہ ہوا

اس نے بالا کو کوئی اشارہ کیا، تو دو آدمی آگے بڑھے۔ حوالدار کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ وہ چلاتا رہا، ہاتھ جوڑتا رہا، لیکن سردار کی آنکھیں ایک لمحے کو بھی نہیں جھپکیں۔

مشعلوں کی روشنی حوالدار کے گھسٹنے کے نشانات کو نمایاں کر رہی تھی، اور سردار نے... آخری بار پیچھے دیکھا

جو معصومیت کو مٹی میں ملانے کی کوشش کرے، اسے صرف دنیا ہی نہیں، بلکہ قبر " بھی قبول نہیں کرے گی۔ " اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا جبکہ بالا صرف ہاں میں سر ہلاتا اس کے پیچھے چلا گیا

○○○○○○○

دو دن گزر چکے تھے اور دلہا غائب تھا۔ اس کی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی اور سب تشویش میں مبتلا تھے کہ آخر وہ ڈاکو اسے کہاں لے گئے ہیں۔ ہر طرف یہی سوال اٹھ رہا تھا، لیکن کوئی بھی اس کا جواب دینے والا نہیں تھا۔

گھر میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ لوگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، مگر کوئی بھی حقیقت سے آگاہ نہیں تھا۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ کیا دلہا کو کچھ ہوا ہے؟ کیا وہ زندہ ہے؟ یا پھر وہ ڈاکو اسے کہیں لے کر گئے ہیں؟ ہر طرف غم کی لہر دوڑ رہی تھی۔

تایا ابو گھر سے باہر نہیں نکل رہے تھے۔ ان کی حالت خراب تھی، اور گردن میں شدید درد تھا۔ سردار نے انہیں گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا، جس کی وجہ سے ان کی گردن میں موج آگئی تھی۔ وہ تکلیف میں تھے، لیکن ان کی حالت اور زیادہ خراب ہو چکی تھی۔

چچا کی نگاہیں کچھ عجیب تھیں۔ وہ دعام کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اس ساری پریشانی کی ذمہ دار وہ ہو۔ ان کی آنکھوں میں نفرت اور غصہ تھا، اور وہ خاموشی سے دعام کو گھورے جا رہے تھے۔ دعام کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی پہلے دو دفعہ بھی جب اس کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی تو یہی سب کچھ اسے دیکھنے کو ملا تھا۔

دعام خود کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ اس کا دل بو جھل تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ شاید وہی اس سب کا سبب بنی ہے۔ اس کی بے بسی اور غم بڑھ رہا تھا، اور وہ اپنے اندر کے درد کو چھپاتی ہوئی خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اس کی زندگی میں بہت برے دن آئے تھے لیکن یہ تین دن جو جس کی زندگی میں خوشیوں کا سبب بن سکتے تھے۔ انتہائی برے ثابت ہوئے تھے



دعام کچن میں کھڑی کام کر رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی سب کے لیے ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اس کے لیے۔ وہ بچپن سے یہی سب کرتی آئی تھی۔ گھر کے باقی بیٹیاں مہارائیاں، اور راجکماریاں تھیں، اس گھر کے سارے کام صرف اسی پر فرض تھے باقی سب کے سروں پر باپ کا سایہ تھا مجال تھی کہ کوئی اونچی آواز میں بھی ان کے سامنے بات کر پاتا، بس اسی لیے تو وہ جو یتیم تھی وہ خاموشی سے سب کچھ کرتی تھی، وہ ہمیشہ سے ہی گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھی۔ اسے ہر کام اتا تھا ایسا کچھ تھا ہی نہیں جو وہ نہیں کر سکتی تھی۔

کبھی کھانا پکاتی، کبھی صفائی کرتی، یا پھر کوئی اور کام کرتی۔ ان سب کاموں کو وہ معمول کی طرح کرتی تھی۔ اس کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا۔ اس کی صبح ہزار کاموں سے ہوتی تھی اور رات ہوتے ہوتے کوئی نہ کوئی کام رہ جاتا۔

ایسا نہیں تھا کہ اس کی چاچی تائی لوگ بہت زیادہ ظالم تھے یا پھر اس پر ظلموں کے پہاڑ توڑتے تھے نہیں اس کے تایا چاچا نے کبھی کسی کو اس پر ہاتھ نہیں اٹھانے دیا تھا ہاں زبان کے جوہر تو ہر کوئی دکھاتا تھا۔

تایا فضل الدین کے تین بچے تھے۔\\*\\*بیٹا ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا، جب \\*\\*\| ایک روز اسکول سے واپسی پر ایک حادثے نے اسے ماں باپ کی دعاؤں سے، زندگی کی رونق سے، ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔ دو بیٹیاں تھیں جو ان کی آنکھوں کا نور تھیں، جان سے بھی زیادہ عزیز۔

چاچا رفاقت کے بھی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کی نعمت اللہ نے دی ہی نہیں تھی۔ تینوں بھائیوں کے گھر بیٹے نہ تھے، مگر نہ کبھی کسی نے شکوہ کیا، نہ کسی ماتھے پر مایوسی کی لکیریں تھیں۔ بیٹیوں کو لے کر جیتے تھے، ہنستے تھے، شکر کرتے تھے۔ اور کہیں دل — کے کونے میں ایک خوش فہمی پل رہی تھی

کہ یتیم بھتیجی کو پالا ہے، تو اللہ ضرور رستے کھولے گا، یہ سمجھے بغیر کہ صرف سر پر ہاتھ رکھنے سے تقدیریں نہیں بدلتیں۔

اپنی بیٹی اور بھائی کی بیٹی میں فرق نہ کرنے کا دعویٰ، بس دعویٰ ہی رہا۔

چاچی کی بیٹی صفا اگر کہہ دیتی کہ کام کرنے کا دل نہیں کر رہا، تو کوئی دوبارہ کہنے کی جرات نہ کرتا۔

اور یہاں — دعام شدید تکلیف میں بھی اٹھ کر کام کرتی، اسے معلوم تھا، یہ لوگ اس کے ماں باپ نہیں۔ اس کے نخرے اٹھانے والا باپ تو برسوں پہلے مٹی تلے سو چکا تھا۔

، شروع میں احساسِ کمتری نے گھیرے رکھا،  
لیکن وقت نے سکھا دیا۔ کہ تایا چچا کبھی باپ نہیں ہو سکتے۔ اور جب یہ بات دل میں  
اتر جائے

کہ تم یتیم ہو تو نادانی سے سمجھداری تک کا سفر خاموش، طویل اور اذیت ناک ہوتا  
ہے، لیکن گزر ہی جاتا ہے... بس، پتہ نہیں چلتا۔

اور پھر باقی کمی تائی اور چاچی کی زبان پوری کر دیتی تھی۔

آج بھی وہ ناشتہ بنا رہی تھی جب تائی اور چاچی اس کے پاس آئیں۔ دونوں کی  
نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں، اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔

ایسی کون سی خوبصورتی ٹپک رہی ہے جو وہ ڈاکو مر مٹا ہے؟ "تائی نے تانے مارنے " شروع کیے۔ تو چاچی بھی ساتھ جڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں جب کہ وہ خاموشی سے کام کر رہی تھی

مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا، بس گوری چمری ہے، اسی پر مرتا ہو گا۔ "چاچی نے بھی " تائید کی۔

دعام کے دل میں ایک گہری گہرائی تھی، لیکن ان الفاظ نے اس کی دنیا میں ایک اور دُکھ کا اضافہ کیا تھا۔ اس نے سر جھکایا اور کام میں مصروف ہو گئی، جیسے یہ سب سن کر بھی اسے کچھ فرق نہ پڑا ہو۔

○○○○○○○

دیکھو حمیدہ، مجھے تو لگتا ہے کہیں نہ کہیں غلطی ہماری لڑکی کی بھی ہے۔ ایسا بھی کیا " سحر ہے اس میں کہ وہ ڈاکو اس پر مر مٹا؟ کچھ نہ کچھ تو اس نے بھی کیا ہی ہو گا۔ " وہ ناشتے کی ٹرے تھامے کچن کے دروازے سے نکلی ہی تھی کہ تائی جمیلہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ جمیلہ تائی کے الفاظ ہمیشہ سے ہی تلخ ہوتے تھے، لیکن چاچی

حمیدہ اُن باتوں میں خوب مزا لیتی تھی۔ وہ چپ چاپ اپنے قدموں میں ضبط لپیٹے آگے بڑھ گئی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پچھلے تین سالوں میں یہ تیسری بار تھا جب اس کی ذات پر انگلی اٹھائی گئی تھی۔ آنے والے چھ سات مہینے یونہی گزرنے لگے۔ الزام سہنے تھے، اور چپ رہنا تھا۔ آنسو پلکوں پر لرز رہے تھے، مگر وہ انہیں بہنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ آہستہ سے بیٹھک کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی، سامنے رکھی لکڑی کی میز پر ٹرے رکھ دی۔ تایا، جو گردن کے درد سے نڈھال، صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اسے خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ چچا بھی ہاتھ دھو کر واش روم سے نکلے اور وہیں آ گئے۔ پچھلے دو تین دنوں سے بیٹھک ہی ان کا بسیرا بنی ہوئی تھی۔ گردن پر چوٹ کی وجہ سے ملنے والے آ جا رہے تھے، تیمارداری چل رہی تھی۔ مہمان آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کمرے میں خود مت آیا کرو۔ چاچی یا تائی کو بھیج دیا کرو۔ ابھی ابھی جوان جہان لڑکے اٹھ کر گئے ہیں، اور تم چلی آئیں ٹرے لے کر؟ جب گھر میں کوئی آیا ہو تو بیٹھک کی طرف آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک ہی مصیبت سر پر سوار ہے، اسی سے نمٹ لیں تو زندگی آسان ہو جائے گی۔ "چچا کے الفاظ سخت تھے، مگر مطلب وہ خوب سمجھ گئی تھی — کہ غیر مردوں کے سامنے آنے

کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ پہلے ہی ایک بدنما داغ کی صورت لگی ہوئی ہے۔ "چاچی اور تائی کچن میں مصروف تھیں، اس لیے میں آگئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ بیٹھک میں کوئی مہمان بیٹھے ہیں۔ میں تو صرف آپ لوگوں کے لیے ناشتہ لے کر آئی تھی۔" اس نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا اور کمرے سے نکل گئی۔ کچن میں تائی اور چاچی ایک دوسرے کے کانوں میں کچھ سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ اسے وہاں جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ چپ چاپ باہر جا کر جھاڑو اٹھایا اور صحن صاف کرنے لگی۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ وہ ناشتہ تب کرے گی جب یہ دونوں اپنے کمرے میں جا چکی ہوں گی۔ ویسے بھی یہاں کون تھا جسے اس کی پرواہ ہو؟ وقت پر کھائے یا نہ کھائے، دیر سے کھائے یا بالکل نہ کھائے — یہ کوئی اس کی ماں تو نہیں تھیں، جو اس کی بھوک سے بے قرار ہو جاتیں، تب تک نوالہ نہ توڑتیں جب تک بیٹی کھانہ لے۔ کبھی کبھی تو اسے صفا، رباب، سمیرہ اور نوشین کی قسمت پر رشک آتا تھا۔ ایک طرف باپ تھے، جو اپنی بیٹیوں پر جان نچھاور کرتے تھے، اور دوسری طرف مائیں، جن کے لہجوں میں ہمیشہ محبت، فکر اور شفقت گھلی ہوتی تھی۔ اگر کبھی ان بیٹیوں نے کھانا نہیں کھایا، تو مائیں بے چین ہو جاتی تھیں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت پڑی، تو پوری دنیا اُلٹ دی جاتی اُن

کی خواہشیں پوری کرنے کو۔ اور وہ؟ بس ایک یتیم — جس کے حق میں کسی نے کبھی سوچنے کی زحمت ہی نہ کی۔ یتیمی کا درد صرف وہی سمجھ سکتا ہے، جو اس تکلیف سے گزرا ہو۔

oooooooo

وہ پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں سے گزرتا ہوا، سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی، جس نے اُس کے جسم کو پوری طرح سے بھیگا دیا تھا۔ اس کا گھوڑا شیر دل جو زندگی کے ہر قدم میں ہر سفر میں اس کا ساتھی تھا وہ اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا، یقیناً وہ بھی بارش کا مکمل لطف لے رہا تھا۔ دلدار کا دل سکون سے بھرا ہوا تھا، لیکن ساتھ ہی ایک عجیب سی بے چینی بھی تھی، جیسے دل کی گہرائیوں میں کچھ تھا جو اسے بے چین کیے جا رہا تھا۔ وہ کس جانب سفر کر رہا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ گھوڑے کو کھینچا، اور اس کی نظریں سامنے بڑھتی ہوئی دعام پر جا کر رک گئیں۔

ہاں وہ دعام ہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں بے قراری سی ابھری تھی۔ وہ اس کے سامنے تھی۔

وہ سفید رنگ کی پاؤں کو چھوتی فراک میں ملبوس تھی، اور اس کے لمبے گھنے بال بارش میں بھگتے ہوئے اس کے کمر پر بکھر گئے تھے۔ وہ بالکل ایک پری لگ رہی تھی، جو پہاڑوں کے درمیان میں کہیں پھولوں کی طرح کھلی ہو۔ اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی اور اُس مسکراہٹ میں ایک انوکھا سا سکون، ایک دل کو لبھانے والی خوبصورتی تھی۔

دلدار کی نظریں دعام سے ہٹ نہیں پا رہی تھیں۔ جیسے وہ بار بار اپنی نظر اُس پر ڈال کر اس کی موجودگی کو اپنے دل میں سمو رہا ہو۔ وہ جتنا بھی اپنے جذبات کو روکنے کی کوشش کرتا، اتنا ہی وہ بے قابو ہوتا جا رہا تھا۔

میرا سوہنا مکھڑا... سردار صدقے، دلدار صدقے، ایسے نظارے پیش کرو گی تو، دل " سے تو پہلے ہی تاڑا ہوں اب میں جان سے بھی جاؤں گا " دلدار نے ہنستے ہوئے کہا،



لیکن اس کے الفاظ میں ایک گہرا جذبہ چھپ ہوا تھا۔ دعام کی طرف بڑھتے ہوئے اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا، جیسے وہ کچھ خاص پانے والا ہو۔

دلدار آہستہ آہستہ گھوڑے سے اتر آیا، اور خاموشی سے دعام کی طرف قدم بڑھائے۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، لیکن دل میں ایک بے چینی تھی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ دعام کے قریب پہنچا، اس نے دعام کا بازو تھام لیا۔ وہ جو گول گول گھوم رہی تھی اسے دیکھ کر کھل کھلائی اُس کا لمس جیسے آہستہ سے دعام کے دل کی دھڑکنوں کو سُن رہا ہو، اور پھر ایک لمحے میں وہ دعام کو اپنے قریب کھینچ کر اُس کی گردن پر بے قابو ہو کر اپنا جان لیوہ خواہش سے بھرپور لبوں کا لمس دے رہا تھا۔

دل۔۔۔" اس کی مونچھوں کی چبن پر دعام کے لبوں سے ہلکی سی سسکاری نکلی تھی

میرا سجن سوہنا، وہ اس کی سسکی کو اپنے لبوں سے چن گیا۔ اور پھر نرمی سے اس کے گلابی لبوں پر اپنی بے قراری کو چھوڑنے لگا۔

دعام کی آنکھوں میں ایک جھجک اور مسکراہٹ تھی، اور وہ بے حد خوبصورت دکھ رہی تھی، جیسے کوئی معصوم سی گڑیا ہو جس نے ابھی تک محبت کی حقیقت کو سمجھنا نہ ہو۔ دلدار نے اپنی گرفت مضبوط کی اور دعام کے جسم کو اپنے اندر سموتے ہوئے، اس کے نرم اور نازک جسم کو اپنی طاقت سے جکڑ لیا تھا۔ دلدار کا دل جیسے دعام کی موجودگی میں تھم سا گیا تھا، لیکن اس کی بے چینی اور اس کی بے قراری جیسے آہستہ آہستہ اُس کی روح میں جذب ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اپنے لبوں کی بے تابیاں اس کے وجود پر بھی بکھیرنے لگا تو احساس ہوا وہ نرم سا سراپا اس کی باہوں میں جکڑتا جا رہا ہے۔

لیکن وہ چاہنے کے باوجود اپنی گرفت کمزور نہیں کر سکا جسے گرفت چھوٹے ہی وہ چھوٹ جائے گی اس کے ہاتھوں سے، وہ دلدار کی محبت تھی لیکن اسے یہ بھی تو سمجھنا تھا کہ دلدار کوئی عام انسان نہیں ہے وہ ایک طوفان ہے اور اس طوفان کا سامنا تو دعام کو کرنا ہی تھا۔

مرضی سے یا مجبوری سے یہ طوفان تو اس نے تا عمر اپنے نازک وجود پر سہنا تھا۔ دلدار کے لبوں کی بے باک گستاخیاں عروج پر تھی۔ دعام کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ دلدار کے حصار میں محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ اُس کے جسم کی ہر نس میں ایک نیا احساس جاگ اُٹھا تھا۔ دلدار کی آنکھوں میں جو جنون تھا، وہ دعام کو بھی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے، لیکن اُس کے دل کی دھڑکن یہی بتا رہی تھی کہ یہ لمحہ اس کی زندگی کا سب سے حسین لمحہ بننے والا ہے۔

اسی دوران، دلدار نے دعام کا دوپٹہ جو گردن سے نکل کر زمین کی طرف گر رہا تھا، اُٹھا کر اس کی نازک کمر کے گرد لپیٹ لیا۔ اور اسے اپنے مزید قریب کرتے ہوئے خود سے جوڑ لیا اس کی یہ حرکت دعام کے دل کی دھڑکن کو اور تیز کر گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے بے قابو ہو کر دلدار کے سینے میں سمیٹ گئی۔ دلدار نے اُسے اس قدر محبت اور شدت سے تھام رکھا تھا کہ وہ اس کے بازوؤں کی قیدی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے وہ اسے کبھی اپنے سے جدا نہ کرے گا۔

میرا سوہنا مکھڑا، میرا قرار جانیا، تمہیں پانے کی چاہ نا ہوتی تو دلدار کو زندگی سے " کوئی سروکار نہیں تھا، دلدار کے لبوں سے الفاظ نکلے، اور پھر ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس نے دعام کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔

یہ ایک بے حد خاموش لمحہ تھا، جس میں دلدار کی بے تابی، محبت اور جذبات کی شدت واضح طور پر ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ اس کی دھڑکنوں میں شامل ہوتا اپنے دھکتے لمس کو اس کی سانسوں میں شامل کر رہا تھا۔ دعام کی مسکراہٹ میں ایک سکون تھا، جیسے وہ مکمل طور پر دلدار کے حصار میں آچکی ہو۔ وہ بار بار اس کے لبوں کو چومتا ان کی میٹھاس کو محسوس کر رہا تھا۔ لیکن یہ کیسی پیاس تھی جو ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اس کی رگ رگ میں اپنا عشق اتار دینا چاہتا تھا۔

لیکن اچانک، کسی کی آواز نے ان کے بے تکلف لمحے کو توڑ دیا۔ دلدار کی آنکھیں جھٹکے سے کھل گئیں، وہ فوراً سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں اُس کا بچپن کا دوست بالا، کھڑا تھا۔

کھوتیا! کیا چلا جاتا تیرا اگر یہ منحوس شکل مجھے آدھے گھنٹے بعد دکھا دیتا؟ کوئی نئی " صورت تو تھی نہیں، جو آج ہی دیکھنی ضروری تھی!" وہی منہوس شکل ہے جو پچھلے سال میں سے دیکھ رہا ہوں۔ سردار غصے سے اسے گھورتا ہوا بولا، جیسے اس 24 25 کے خواب کا قتل بالا نے اپنے ہاتھوں سے کر دیا ہو۔

اس کا حسین مکھڑا اس کا سوہنا ماہی اس کا سجن سائیں اس سے دور جا چکا تھا۔ ا

وہ وسوسے میں ڈوبا، بستر پر بیٹھا، نیچے جھاڑو لگاتے بالا کو تک رہا تھا۔

سردار اگر تُو پہلے بتا دیتا کہ تُو بھابھی کا خواب دیکھنے والا ہے، تو میں صفائی تھوڑی دیر " بعد کر لیتا... لیکن تُو نے بتایا ہی نہیں! اور مجھے یہ کام ختم کر کے تیرے کپڑے دھونے ہیں، بالا نے کندھے اچکاتے ہوئے جیسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی،

"گھورنا بند کرو مجھے میں نے نقصان سے بچایا ہے تمہیں

نقصان، ----؟ سردار نے اسے گھورا تھا۔

ہاں تو میرا کیا جاتا؟ تو زیادہ خواب دیکھ لیتا، تو جذبات میں بہہ جاتا۔ "زیادہ پیار سے نہیں پاتا تُو... پھر کنوارہ رہ نہیں پاتا تو، اللہ نے مجھے فرشتہ بنا کر بھیجا، تیرے کمرے کی صفائی کرنے۔" وہ اور بھی بہت کچھ کہنے لگا تھا جب سردار نے اس کی بکواس کو وہیں ختم کر دیا، اور قریب پڑا تکیہ زور سے اس کے منہ پر دے مارا۔

بالا نے تکیہ کچ کر کے پیچھے پھینکا اور ایک گہری سوچ میں بول پڑا، "ویسے سردار، میں یہ سوچ رہا تھا کہ روز روز بھابھی کے تائے کو بجانے سے بہتر ہے، کہ اصل بھابھی کو "ہی لے آئیں۔"

تم بھی 27 سے اوپر جا چکے ہو، اور بھابھی بھی 18 کر اس کر چکی ہے، اب اس " سے بہتر وقت اور کیا ہوگا؟ وہ انگلی اٹھا کر گنتی کرنے لگا، پھر روکا۔

دیکھو سردار مجھے تو تمہاری بڑی فکر ہے، تمہارے کھانے پینے کی، اٹھنے بیٹھنے کی پہنے " اڑھنے کی، تمہارے چکر میں، میں نے بھی آج تک کسی لڑکی کی طرف نظر نہیں اٹھائی۔ سوچا کہ جب تک بھائی کنوارا ہے، میں بھی کنوارا ہی رہوں گا۔ لیکن بھائی، کب تک؟ "وہ ڈرامائی انداز میں سردار کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگا

اب یا تو تم شادی کر لو، یا پھر مجھے اجازت دو کہ میں اپنے لیے کوئی لڑکی پسند کر "

"!لوں۔ نیا سال آنے سے پہلے یا تو اپنے بچے گود میں لے لوں گا یا تیرے

ویسے بھی جب بھابھی آئے گی تو کم از کم کھانے کو کچھ اچھا ملے گا، اور مجھے روز "

تیرے کپڑے دھونے یا کمرہ صاف کرنے کی فکر بھی نہیں رہے گی "!" وہ جھاڑو ایک

طرف رکھ کر، زمین پر الٹی پالتی مار کر بڑے آرام سے بیٹھ گیا۔

، سردار نے اسے ایسا گھورا، جیسے ابھی زندہ زمین میں گاڑ دے گا

وہ میری چھوٹی سی جان، وہ میرا سوہنا سا سجن، وہ میری سانسوں کی۔ ڈور، تیرے لیے

!وہ کھانا بنائے گی۔۔۔۔

وہ میری شہزادی بن کر یہاں آئے گی، بے غیرت انسان! اُس سے کام کروانے کا

سوچتے ہوئے تجھے شرم نہیں آئی؟ "دوسرا تکیہ بھی پوری طاقت سے اس کے منہ پر

مار کر سردار واپس بستر پر لیٹا، اس کے چہرے پر نرمی چھا گئی، آنکھیں چھت کو

گھورنے لگیں، اور آواز دھیمی ہو گئی، "وہ... میرے دل کا ٹکڑا بن کر یہاں راج

کرے گی۔ "میرا سوہنا سجن، وہ میری دھڑکن ہے، وہ تو راج کرے گی یہاں آ کر اس کے لہجے میں دنیا جہان کی محبت سمٹ آئی تھی

یعنی مطلب یہ کہ تمہاری شادی کے بعد بھی سارا کام میں نے ہی کرنا ہے؟ بالا جیسے " صدے میں تھا۔

، پھر تو بھائی تمہارا کنوارا ہی مرنا بہتر ہے "بالا نے سر کھجایا اور منہ بنایا

تیری تو۔۔۔ "کنوارا تو تو مرے گا کھوتیا تیری شادی قیامت تک نہیں ہونے دوں گا، وہ کچھ اٹھا کر اسے پیٹنے ہی لگا تھا کہ بالا فوراً پھرتی سے دروازے تک آتا نیچے کی طرف کود گیا۔

جب کہ وہ ایک نظر نیچے دیکھتا دوبارہ اپنے بیڈ کی طرف انے لگا تھا لیکن اب نیند تو انے نہیں تھی، خواب ٹوٹ چکا تھا اور اس حسین خواب کا کوئی اختتام نہیں تھا۔ باہیں بے قرار تھی، اس نازکت کو اصل میں محسوس کرنے کے لیے۔

میرا سوہا مکھڑا، کھوتا ٹھیک ہی کہتا ہے روز روز تمہیں خواب میں دیکھنے سے بہتر ہے کہ تمہیں یہاں لے آؤں کم سے کم خواب ٹوٹنے کا افسوس تو نہیں ہو گا۔ آدھی



میٹنگ خواب میں تو آدھی جاگ کر کر لوں گا۔ حسرت تو تمہیں چومنے کی ہی ہے ،  
کیسے بھی پوری ہو

اس سردار کو ایک سردارنی کی کمی ہے جو صرف تمہارے آنے سے پوری ہوگی وہ گہرا  
سانس لے کر واپس پر لیٹا تھا، اس کمرے میں سوائے بالا کے اور کوئی نہیں آتا تھا  
اور نہ ہی کسی اور کو آنے کی اجازت تھی وہ اپنے سے جڑے سارے کام بالا سے ہی  
کرواتا تھا۔ بالا سے زیادہ اعتبار سے کسی پر نہیں تھا۔

○○○○○○○○

باہر کا سورج آگ برسائے جا رہا تھا، اور زمین تپ کر تنور بن چکی تھی۔ ایسی جھلسا  
دینے والی گرمی میں بھی دعام صحن میں بیٹھی دھوپ کے بیچ اپنے کپڑے دھو رہی  
تھی۔ یہ پانی ختم کرنا تھا پھر شام کو نیا پانی بھرنا تھا۔ ماتھے پر پسینہ تھا، مگر چہرے پر  
وہی خاموشی، وہی نرمی، جیسے اسے گرمی نے چھوا ہی نہ ہو۔

ٹب میں جھکے جھکے اس کے نازک ہاتھ لال ہو چکے تھے، جبکہ کے چہرے پر بھی سرخی  
تھی۔ لیکن وہ پھر بھی نرمی سے جھاگ نکال کر ایک ایک کپڑا دھو رہی تھی۔ اُس کے

سامنے ایک چھوٹا سا لوہے کا اسٹول پڑا تھا، جس پر ایک پرانا جگ رکھا تھا، جس میں آدھا گلاس پانی بھی نہ تھا۔

، اتنے میں اندر سے رباب کی آواز آئی

دعام... او دعام! سن تو ذرا!" دعام نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ رباب ہاتھ میں دوپٹہ " پکڑے، بالوں میں کنگھی کرتی ہوئی باہر نکلی۔ اس کے چہرے پر غصہ اور آنکھوں میں جھنجھلاہٹ تھی۔

میرے ساتھ چل نا، درزانی کے گھر جانا ہے۔ کب سے کہہ رہی ہوں، پر تو ہے کہ " کبھی برتن، کبھی جھاڑو، کبھی کپڑے دھونا! سوٹ لے کر ایک مہینہ ہو گیا، اور اس نے ابھی تک سلائی مکمل نہیں کی! شام میں مجھے وہ سوٹ چاہیے، سہیلی کی مہندی ہے، اور میں نے وہی پہننا ہے " رباب نے ناک چڑھاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

جی بابی! بس یہ آخری دو دھولوں، پھر چلتے ہیں رباب۔ میں دیر نہیں کروں گی۔ " ابھی دس بجے ہیں گیارہ تک میں سارا کام ختم کر لوں گی۔

، دعام نے دھیرے سے آنکھیں جھکائیں اور کپڑا نچوڑتے ہوئے بولی

رباب نے آنکھیں گھمائیں۔ "تو اپنی زندگی میں کبھی بھی جلدی نہیں کرتی، 11 تک دھوپ تھپنے لگے گی جلا کے رکھ دے گی پچھلی دو گلیوں میں جاتے جاتے، تجھ پر تو دھوپ بھی اثر نہیں کرتی لیکن میں خود کو نہیں جلا سکتی۔

اور سن، وہ نیلی چارد نہ پہننا پلینز، مجھے شرم آتی ہے تیرے ساتھ چل کر۔ اتنی گرمی "میں تو وہ ٹینٹ جیسے کپڑے لپیٹ لیتی ہے، عجیب ہی ہے تو۔

، وہی آرام دہ لگتا ہے مجھے۔ "دعام نے خفیف سی مسکراہٹ سے کہا"

آرام دہ؟ گرمی میں کباب بن جاتی ہوں تیرے ساتھ چل کر "رباب بڑبڑاتی ہوئی " پلٹنے ہی لگی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ دھڑاک سے کھلا اور چاچی نمودار ہوئیں۔

چوری! کتھے جا رہی ہو؟ "اُن کی آنکھوں میں غصہ، اور لہجے میں کرختگی تھی۔"

تیرے تائے نے صاف کہا ہے، باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں! اور تو، دعام! تو بھی "

سن لے، کسی نے بھی اس دہلیز کو پار کیا نا، تو سارے دن کی چھٹی کر دوں گی!" جو

بھی کام ہو گا شام کو تیرے تایا ابا کر کے آ جائیں گے، ویسے بھی پچھلے دنوں جو کچھ

ہوا ہے وہ نہیں چاہتے کہ گاؤں میں باتیں بنے یا بات باہر نکلے

چاچی ... ہم کہیں دور نہیں جا رہے، بس درزانی کے گھر، وہ بھی دو گلیاں چھوڑ کر۔ " رباب باجی کی سہیلی کی شادی ہے، اور کپڑے لینے ہیں صرف۔ "اج مہندی ہے اور باجی نے وہی جوڑا پہننا ہے

چپ کر "ساڈے علاقے وچ لڑکیاں یوں گلیاں نہیں ناپتیں۔ جو بولی سمجھ آئی؟" جا جا کر اپنا کام ختم کر اور تو بھی اندر جا انہوں نے دونوں کو ڈانٹ دیا تھا جبکہ رباب پیر پٹختے ہوئے کمرے میں جانے لگی ارادہ تو آج کسی بھی حالت میں کپڑے لے کر آنے کا تھا ویسے بھی چاچی کا کیا تھا مزید ایک گھنٹے میں انہوں نے گہری نیند اتر جانا تھا۔ اس کی بہنیں یا چاچی کی بیٹیاں ایسی دھوپ میں کمرے سے نہیں نکلتی تھی گھر سے نکلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس کے پاس دعام کے علاوہ اور کوئی اپشن نہیں تھا۔

○○○○○○○○

یہ چاکرو تھا، سندھ کے ریگستانی علاقے میں بسا گاؤں، جہاں گرمی کا نام نہیں، قہر ہوتا ہے۔ یہاں کے کچے پکے گھر، مٹی کی دیواریں، خالی سڑکیں، اور پانی کے لیے میلوں کا سفر۔ لوگ کبھی سرانیکی بولتے تھے، اب زبان بدل گئی تھی

سرانیکی زبان اب اردو میں بدل چکی تھی لوگ اپنی باتیں سمجھانے کے لیے اردو کا استعمال کرتے تھے لیکن لہجے میں مٹی کی مہک اب بھی تھی۔

یہاں زندگی کی سہولتیں موجود نہ تھیں۔ اور پھر ڈاکوؤں کا خوف ہر لمحہ بنا رہتا کہنے کو اس پاس کے گاؤں میں کم ہی ڈکیتیاں ہوتی تھیں بڑے بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالے جاتے تھے لیکن پھر بھی خوف تو تھا کبھی کسی گاؤں کے نکر پر لاش ملتی تو کسی ڈکیتی کی خبر پر میں ڈاکوؤں کے وحشانہ رویے آتے۔

اسی علاقے میں آٹھ سالوں سے ڈاکوؤں کا خوف بنا ہوا تھا اور آج تک پولیس ان کا کچھ نہیں اکھاڑ پائی تھی۔

○○○○○○○

پولیس اسٹیشن کے کمرے میں چار کرسیاں تھیں اور پنکھا زور زور سے گھوم رہا تھا، جیسے خود بھی گرمی سے بلبلا رہا ہو۔ کمرے میں بیٹھے سپاہی یونیفارم میں تھے مگر باتوں میں وہی بازار و انداز، قہقہے، چائے کے گھونٹ اور موبائل پر ویڈیوز۔

اوائے، تو نے سنا؟ "کہتے ہیں دلدار یلغار کے اوپر پچاس لاکھ کا انعام رکھ دیا ہے" "حکومت نے۔"

سب کے چہروں پر جیسے چمک سی آگئی، مگر اگلے ہی پل وہ چمک خوف کے سائے میں بدل گئی۔

پچاس لاکھ تو ٹھیک ہے، پر زندہ بچ کر آنا بھی تو ہونا، وہ بھی یلغار کے علاقے "سے؟" دوسرے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

ادھر کے پہاڑ بھی ڈاکوؤں کے قابو میں ہیں، وہاں تو پر بھی نہیں مار سکتا۔ "کونے" میں بیٹھے ایک نوجوان سب انسپکٹر نے ہلکی آواز میں کہا، "ریگستان کی وہ پتھرلی پہاڑیاں... وہاں تو دن کے اجالے میں بھی بندہ گزرنے سے ڈرتا ہے، کیا پتہ کب "کون سی چٹان کے پیچھے سے گولی آجائے۔"

لوگ کہتے ہیں سردار یلغار کے بندے زمین میں نہیں، پہاڑوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ " بندوق ان کا زیور ہے اور لوٹ مار ان کا پیشہ۔ " بڑے سپاہی نے سکریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

صاحب! اوپر سے حکم آیا ہے، ٹیم بنانی ہے۔ سردار یلغار کے علاقے میں سروے کے لیے جانا ہے۔

کمرے میں جیسے خاموشی چھا گئی۔ سب کے چہرے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، جیسے کسی نے موت کی دستک سنا دی ہو۔

کون جائے گا؟ "انسپکٹر نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔"

سب نظریں چُرا گئے۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پہاڑوں کے اُس پار قدم رکھ سکے۔ وہ جگہ جہاں ہر راہ پر گولی چلتی تھی، جہاں ہر سائے میں خطرہ تھا، جہاں سردار یلغار کا راج تھا۔

پچاس لاکھ "!!... کا انعام ہے صاحب" بس پکڑ لیں اس یلغار کو... ریٹائرمنٹ کے بعد " "بھی زندگی بادشاہوں جیسی گزرے گی۔"

او بھئی! صرف پچاس لاکھ ہی نہیں، سرکار الگ سے انعام بھی دے گی۔ اور اوپر " سے عزت... میڈیا، میڈل، اور پھر شاید تبادلہ شہر میں "حوالدار رشید کی آنکھوں میں چمک تھی۔

بات تو ٹھیک ہے، "شبیر نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا، "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ بندہ " کوئی عام مجرم تھوڑی ہے... سردار یلغار ہے۔ اُس کے قبیلے تک پہنچنا بھی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ وہ پتھر لے پہاڑ، وہ سناٹے... وہاں تو چرند پرند بھی ڈرتے ہیں۔

لوگ تو ان پہاڑوں کے قریب سے بھی نہیں گزرتے۔ ہر ہفتے کوئی نہ کوئی واردات، " اغوا، قتل، لوٹ مار... اور پھر اُس کی وحشت ناک آواز... ہڈیوں تک کو جما دیتی ہے۔

ہاں، لیکن خطرہ جتنا بڑا ہو، انعام بھی اتنا ہی بڑا ہوتا ہے، "انسپکٹر قاسم نے اپنی " کرسی سے جھکتے ہوئے کہا۔

ہمیں اُس تک پہنچنا ہے... مگر سیدھا حملہ نہیں، ہمیں کوئی کمزوری ڈھونڈنی ہوگی۔ کوئی " ایسا راز... کوئی ایسی چیز جو اُسے انسان بنائے، راکشس نہیں۔



لیکن سر، اُس کی کوئی ہسٹری نہیں ہے۔ پولیس ریکارڈ میں زیرو انٹری ہے۔ اُس کا " چہرہ تک کسی نے نہیں دیکھا۔ "اکرم نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

قاسم نے نظریں دیوار پر ٹنگے نقشے پر جمائیں۔ "تبھی تو ہمیں پہاڑوں میں جانا پڑے گا۔ ان پہاڑیوں کے پیچھے کچھ ہے... کچھ ایسا جو ابھی تک چھپا ہوا ہے۔

، سردار کی کہانی وہاں کہیں دفن ہے، "رشید نے سر ہلایا"

"اور اُسی میں اس کی کمزوری چھپی ہو گی۔"

ہم پانچ لوگ ہیں، پلان بناتے ہیں۔ پہلے دو لوگ بھیجے جائیں جو ایک عام مسافر کے " روپ میں ان پہاڑی علاقوں کے قریب جا کر معلومات نکالیں۔ کوئی لوکل بندہ جو وہاں سے کبھی بچ کے نکلا ہو، یا وہاں رہتا ہو۔ اُن سے کچھ نہ کچھ تو ہاتھ آئے گا۔

اور باقی تین؟ "اکرم نے پوچھا۔"

ہم یہاں بیٹھ کر نگرانی کریں گے، گاؤں کے پرانے کیسز نکالیں گے۔ شاید اُس قبیلے " سے جڑے کسی پرانے واقعے میں وہ راز چھپا ہو۔ قتل، زمین، بدلہ، عورت... کچھ تو ہو گا جس نے سردار کو یلغار بنا دیا۔ "شبیر نے سر ہلایا

اور جیسے ہی کمزوری ہاتھ لگے... وہ ہمارا ہو گا۔" اور پچاس لاکھ بھی\ کمرے میں موجود " سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ نظریں ایک جیسی تھیں، لالچ سے بھری ہوئیں

کمرے کا ماحول بو جھل ہو چکا تھا۔ باہر رات کا اندھیرا مزید گہرا ہو رہا تھا، اور انہی سناٹوں میں دلدار یلغار اپنی سلطنت سنبھالے بیٹھا تھا... بے خبر اور ادھر چند معمولی وردی والے اُس کے خلاف چال چل چکے تھے۔

○○○○○○○

دھوپ اپنے عروج پر تھی مگر پہاڑوں کے بیچ چھپا وہ چشمہ ٹھنڈی سانسوں کی طرح بہہ رہا تھا۔ گہرے سبز درختوں کے درمیان کھڑا وہ گھوڑا بھی یوں لگ رہا تھا جیسے فطرت کی گود میں سستا رہا ہو۔

مگر ان سب کے بیچ اگر کوئی منظر سانس روکنے پر مجبور کر رہا تھا تو وہ شخص تھا جو چشمے کے کنارے جھکا، اپنے گھوڑے کی گردن پر پانی ڈال رہا تھا۔

چمکتی دھوپ اس کے سیاہ رنگ کے بالوں پر پڑ کر انہیں اور تیز کر دیتی تھی۔ چوڑی پیشانی، تیز ناک، کٹے ہوئے جڑے اور نیچے کو کھنچی ہوئی آنکھیں... ایسا لگتا تھا جیسے قدرت نے غصے کو مجسم کر کے ایک انسان کا روپ دے دیا ہو۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چوڑا سینہ، فولادی بازو، اور کالے رنگ کا وہ سادہ کرتا، جس کی آستینیں بازوؤں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ ہر چیز اس کے وحشی رعب کا اعلان کر رہی تھی۔

وہ سردار یلغار تھا۔ ریگستانی پہاڑوں پر راج کرنے والا سردار۔ جو صرف نقاب میں دکھائی دیتا تھا۔ جس کی آواز سنتے ہی بڑے بڑے جوانوں کے ہاتھ کانپنے لگتے تھے۔ سردار، خبر لایا ہوں۔ بڑی کوٹھی کے سیٹھ کے پاس مدرسے کی زکوٰۃ کی 80 لاکھ کی رقم آئی ہے۔ "وہ جلدی جلدی بتانے لگا۔

دلدار نے ہاتھ روکا۔ نہ گھوڑے کو پانی ڈالا، نہ جھرو کی طرف دیکھا۔ ایک لمحہ... صرف ایک لمحے کے لیے وہ کھڑا ہوا۔ آنکھیں بند کیں۔ پھر دھیرے سے، مگر ایسے لہجے میں بولا جیسے لفظ بھی خوف کھا رہے ہوں۔

"جا جھرو... جا کر سب کو بتا دے۔ آج رات... بھری ڈکیتی پر جانا ہے۔"

جمرو ٹھٹھک گیا، ایک پل کو کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر دلدار کی آنکھیں اس پر ٹک گئیں۔

بس حکم سن، سوال نہ کر... یاد رکھ، تُو صرف خبری ہے۔ "جمرو نے گردن جھکا لی۔"

دلدار نے واپس گھوڑے کی زین تھامی

لوگ سمجھتے ہیں، ہمیں صرف پیسہ چاہیے... انہیں کیا خبر، ہم انصاف لوٹتے ہیں۔ "وہ" کو اسے باتیں کرنے لگا۔ نگاہیں نیلے شفاف پانی ہر جہی تھی۔

○○○○○○○

ریگستانی ہوا میں بارود کی بو گھلنے لگی تھی۔ پہاڑوں کے سائے جیسے سہمے سہمے زمین پر لیٹے تھے۔ اور اسی گھڑی، جمرو کے اعلان کے بعد، دلدار یلغار کے خوفناک سوار اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

گھوڑے ہنہنائے، زمین تھر تھرائی، اور پتھر یلے پہاڑوں کی گونج نے گاؤں والوں کو جیسے لرزا دیا۔ سب جانتے تھے — جب یلغار کے سوار نکلتے ہیں، تو کسی کے چراغ نہیں جلتے، صرف راکھ بچتی ہے۔

سردار دلدار یلغار اپنے سیاہ لباس، چمکتے بوٹ اور فولادی نظر کے ساتھ سب سے آگے تھا۔ اس کا گھوڑا دوسروں سے کہیں بڑا، چمکیلا اور وحشی تھا، جیسے اس کا غرور خود اس کے مالک کا عکس ہو۔ نقاب کے پیچھے اس کی آنکھیں موت بانٹنے کو تیار تھیں۔

پہاڑوں سے نکلتے وقت دلدار نے ایک لمحے کو آسمان کی طرف دیکھا۔ شاید کوئی حساب آج کی رات مکمل ہونا تھا۔

"...سائے لمبے ہو چکے ہیں"

وہ بولا، آواز میں یوں گونج تھی جیسے خود وقت نے رُک کر سنا ہو۔

آج کی رات ان لوگوں پر موت کی چادر ڈالنی ہے... کوٹھی کا ہر در، ہر دیوار گواہ "

"بنے گی کہ دلدار یلغار اپنے وعدے پر قائم ہے۔

جمرو، بالا، نورا، صابر، اور باقی سب کے سب سردار کے پیچھے تھے۔ آنکھوں میں شعلے، ہاتھوں میں بندوقیں، اور سینوں میں وہ وحشت جو برسوں میں بنتی ہے۔

ریگستانی زمین پر گھوڑوں کی ٹاپوں نے شور برپا کر دیا۔ گاؤں کی طرف جاتی ہر گلی، ہر رہ، ہر درخت — خاموشی سے ان کا گزر دیکھ رہا تھا۔ جیسے سب کچھ سانس روکے بیٹھا ہو۔

بڑی کوٹھی اب دور سے دکھائی دے رہی تھی۔ دلدار کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔

"...شکار قید میں ہے... شکاری نکل چکے ہیں"

آج کی رات خاموش نہ ہوگی... آج کی رات کہانی لکھی جائے گی... سیٹھ کے خون سے۔

oooooooo

دن کی تیز دھوپ جیسے صحرا پر خنجر کی دھار بن کر برس رہی تھی، لیکن اس سے زیادہ کرخت وہ سناٹا تھا جو گاؤں پر چھایا ہوا تھا۔ نہ کسی در سے ہانڈی کی کھنک سنائی دے رہی تھی، نہ کسی چھت سے بچوں کی ہنسی۔ بس ہوا کا ایک سوکھا سا جھونکا، اور اس میں چھپی بے نام سی دہشت۔

رباب دعام كا هاتھ تھامے گلی كے موڑ موڑ پر نظریں دوڑاتی جا رہی تھی۔ درزاین سے تلخ كلامی نے اس كے مزاج كو ویسے ہی بگھاڑ ركھا تھا، اور اب گاؤں كی یہ غیر فطری خاموشی اس كے دل میں ہلكا ہلكا خوف انڈیلنے لگی تھی۔

پتہ نہیں، ایسا لگ رہا ہے جیسے ہر كھڑکی كے پیچھے كوئی ہمیں ديكھ رہا ہو۔" اس نے " ہولے سے كہا، لیكن خود اسے اندازہ نہیں تھا كہ یہ الفاظ اس كے اپنے دل كی دھڑكن سے بھی دھیمے نكلے۔

دعام بالكل چپ تھی۔ اپنی عمر سے بڑی سی چادر میں لپیٹی، وہ رباب كے ساتھ ایسے چل رہی تھی جیسے كوئی سایا ہو۔ اس كی آنكھوں میں كچھ سوال تھے، اور كچھ وہم۔

رباب كا دوپٹہ ہوا میں ہلكا سا اڑا، اس نے جھٹكے سے اسے دوبارہ اپنی پیشانی پر جماتے ہوئے آگے ديكھا۔ گلی كا اگلا موڑ، جو ہمیشہ زندگی سے لبریز رہتا تھا، آج ویراں تھا۔ كہتے تھے جب سردار یلغار پہاڑوں سے نكلتا ہے تو زمین كی سانسیں رك جاتی ہیں۔ یہ وہی لمحہ تھا۔

دور سے آتی گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی نہیں دے رہی تھیں، لیکن فضا کی گھٹن بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔

رباب کی پیشانی پر پسینہ نہ دھوپ سے تھا، نہ دوپٹے کے نیچے کی گرمی سے — یہ پسینہ خوف کا تھا۔ اس نے دعام کا ہاتھ اور سختی سے پکڑ لیا۔

چلو، تیز چلو..." اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی، اور قدموں میں بے چینی۔ پہاڑوں کی طرف سے آنے والی ہوا میں گرد نہیں، خبردار کرنے والی ہلکی سی گرج تھی۔ ہر کوئی سمجھ رہا تھا کہ دن کی روشنی میں صرف راستے ناپے جا رہے ہیں۔ شکار تو رات میں ہوگا۔

کیا ہوا باجی؟ خیریت تو ہے؟" وہ تیزی سے رباب کے ساتھ قدم سے قدم ملاتے ہوئے گھبرا کر بولی۔

رباب نے ایک جھٹکے سے گردن موڑ کر ارد گرد دیکھا اور پھر دعام کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا،



پتہ نہیں، مگر دوپہر میں ایسے سناٹے کبھی نہیں ہوتے۔ سنا ہے جب پتھر یلے پہاڑوں " پر بسیرا کرنے والے ڈاکو نکلتے ہیں نا... تو گاؤں کی ہوا بھی ان کے خوف سے رک جاتی ہے۔

وہ دھیرے دھیرے نہیں، اب تقریباً بھاگتے ہوئے قدموں سے گلیوں میں آگے بڑھ رہی تھی،

جلدی چلو، اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس طرف کا راستہ لے لیں۔ ہمیں کسی طرح " گھر پہنچنا ہے۔

دعام، جو پہلے تو کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی، "ڈاکوؤں" کا نام سن کر ہی خوف سے لرز گئی۔

رباب کے برابر بھاگتے ہوئے اس نے آنکھوں میں پھیلتا ہوا ڈر چھپانے کی کوشش کی، لیکن رباب کو اس کی گرفت میں آتے لرزتے ہاتھ نے سب بتا دیا۔

وہ دونوں عام طور پر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں، لیکن اتنا ضرور جانتی تھیں کہ اس گاؤں میں صرف ایک ہی شخص ایسا تھا جس کا نام لیتے ہوئے لوگ اپنی زبان کو تھام لیتے تھے۔

وہ تھا سردار یلغار پتھر لے پہاڑوں کا سردار۔

وہ ظالم تھا—بے رحم، سفاک اور خونخوار۔

پولیس اُس کے سامنے محض کاغذی ادارہ تھی۔ قانون، انصاف، سزا—یہ سب الفاظ اُس کے لیے بے معنی تھے۔

آئے دن گاؤں کے ارد گرد سے لاشیں ملتی تھیں—کبھی کسی کھیت میں، کبھی کسی ندی کے کنارے۔ اور بد قسمتی یہ تھی کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ کام کس کا ہے، مگر کوئی بول نہیں سکتا تھا۔

کہا جاتا تھا، وہ لوگوں کی لاشیں گراتا تھا... اور پھر ان کے لیے دعائیں کرتا تھا۔ خود کو دعاؤں کا عاشق کہتا تھا۔ لیکن اس کی دعاؤں میں خون کی بو آتی تھی۔ اور انہی سب

کے بچ... ایک اور سایہ بھی تھا۔ ایک ایسا وجود، جس کے نام سے بھی وہ اب تک انجان تھی۔

وہ تین سال پہلے اس کی زندگی میں آیا تھا—خاموشی سے، پر ایک ایسی دھاڑ کے ساتھ جس نے اس کے اندر نفرت، بے چینی اور انجانا خوف بو دیا تھا۔

اس نے کبھی اُس شخص کا نام نہیں جانا، جاننا چاہا بھی نہیں۔ مگر اُس کی سبز آنکھیں... آج بھی اس کے دل میں اس کے خوف کی دکھتی چنگاری کی طرح موجود تھیں۔

...وہ بھی انھی میں سے تھا—شاید۔ ڈاکو... سردار

اور سب سے خطرناک۔ دعام کے کانوں میں جیسے ہی گھوڑوں کی تیز ٹاپوں کی آواز پڑی، اس کی روح تک دہل گئی۔

قدم تیز کر دیے، آنکھیں وحشت سے سڑک کے دونوں طرف بھاگتی گلیوں کو دیکھ رہی تھیں۔

گاؤں جیسے مرچکا تھا۔ نہ کوئی پرندہ پر مار رہا تھا، نہ کسی کھڑکی سے کوئی سانس کی آہٹ آ رہی تھی۔

پورے گاؤں پر جیسے وحشت کا پہرہ بٹھا دیا گیا ہو۔ ان کا گھر سامنے والی گلی چھوڑ کر  
تھا،

مگر وہی گلی... جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔

"سن دعام" رباب نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو کھینچا

سانس بھی روک لے... ان لوگوں کو تیری آہٹ بھی نہیں محسوس ہونی چاہیے" رباب  
خود ایک کونے میں دبک گئی

میں یہاں چھپتی ہوں... تو وہاں جا! جب تک یہ گزر نہ جائیں، سامنے مت آنا!" اس  
کی آواز میں عجیب سا خوف تھا۔

سنا ہے... یہ لوگ عورتوں کو لوٹنے میں بھی لمحہ نہیں لگاتے۔" رباب کی آواز کپکپاتی  
ہوئی، آنکھوں میں لرزتی پشیمانی کے ساتھ کانوں میں پڑی

"آج سمجھ آیا، باہر نکلنا کتنی بڑی غلطی تھی۔"

دعام نے گردن گھما کر دور آتی گرد دیکھی

، گھوڑوں کی سنبھلی ہوئی رفتار، زینوں کی جھنکار

اور ان میں سے شاید... وہ سبز آنکھوں والا بھی ہو سکتا تھا۔

رباب کی باتیں سن کر دعام کی ہڈیاں بھی کپکپا گئیں۔ وقت کم تھا، راستے بند تھے... اور چھپنے والے صرف وہی دو نہیں تھیں۔ گاؤں کے کتنے ہی دروازے، کھڑکیاں، آنکھیں... آج خاموش تماشائی تھیں۔

کیونکہ موت، ڈاکوؤں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آ رہی تھی۔

گلی میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز تیز ہو گئی تھی، اور پھر ایک دم سے وہ سامنے آ گئے۔ 20 سے 22 گھوڑوں پر سوار کالے لباس میں ملبوس ڈاکو، جن کی آنکھوں میں خوفناک چمک تھی۔ ان کے گھوڑوں کی قدموں کی آواز کے ساتھ پورا گاؤں جیسے سنائے میں ڈوب گیا ہو۔

جب وہ گلی میں داخل ہوئے تو ان کی موجودگی نے پورے ماحول کو اور بھی زیادہ بھاری اور سنگین بنا دیا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ ان کی طاقت اور خوف کا احساس بڑھتا

جا رہا تھا۔ دعام کی نظریں جیسے ساکت ہو گئیں۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا، سانس کی آواز بھی اس کے گلے میں پھنس گئی تھی۔

ڈاکو "...دعام کی آنکھوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اس کا دماغ اور جسم جیسے کام کرنا چھوڑ چکے تھے۔

وہ جہاں چھپ رہی تھی، اسی جگہ پر خوف کی شدت نے اسے جکڑ لیا تھا۔ دعام کا جسم پتھر کی طرح جامد ہو چکا تھا، اور اس کے قدم نہ اٹھ سکے۔ آنکھوں کے سامنے کالے لباس میں ملبوس ڈاکو جیسے پورے گلی کو سیاہ کر کے گزر گئے تھے۔ ان کی موجودگی سے گلی کا ماحول اور بھی زیادہ غمگین اور سیاہ ہو گیا تھا۔

رباب، جو کچھ فاصلے پر چھپی ہوئی تھی، دعام کی طرف دیکھ کر لرزتے ہوئے اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن خوف کے مارے وہ آواز بھی نہیں نکال پا رہی تھی۔ ڈاکو گلی میں آچکے تھے اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس خیال کو دل سے نکال نہیں پائی کہ وہ ان کے سامنے آسکتے ہیں۔

خدا کے لیے، بس یہ گزر جائیں "یا اللہ، یہ لوگ مجھے نا دیکھیں، دعام نے دل میں " سوچا، لیکن اس کی نظریں ان کی طرف ہی جہی ہوئی تھیں۔

وہ ڈاکو ایک ایک کر کے گلی کے آخر تک پہنچتے جا رہے تھے، اور دعام کی نظریں ان کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی تھیں، دل میں خوف اور دہشت کی ایک لہر دوڑتی جا رہی تھی۔ یہ لمحے اس کے لیے ایک زندگی کی سب سے خوفناک حقیقت بن چکے تھے۔

وہ سب گھوڑوں پر سوار تھے... کالا لباس، چمکتے ہتھیار، پتھر یلے چہرے اور بے رحم آنکھیں۔ گاؤں کی سنسان گلی میں ان کے گھوڑوں کی ٹاپیں جیسے موت کی دستک بن کر بج رہی تھیں۔

دعام کا دل حلق میں آچکا تھا، وہ خوف سے اپنے قدموں میں جم چکی تھی، بس اتنی ہمت باقی تھی کہ سانس لے سکے۔

اور پھر... ایک گھوڑا... رک گیا۔ بالکل اس کے سامنے۔

دعام نے پلکیں میچ لیں، دل کے دھڑکنے کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ اس کا بس چلتا تو زمین میں گڑھ جاتی۔ لیکن وہ سوار... وہ ایک پل کو بھی ہلا نہیں، بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں... عجیب سی بے باکی لیے، نرمی لیے، جنون لیے... جیسے برسوں سے بس اسی لمحے کا انتظار کر رہی تھیں۔

دعام نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں، دل سے صرف ایک دعا نکلی  
خدا کرے یہ لوگ بغیر رکے نکل جائیں"... لیکن وقت جیسے رک گیا تھا۔ سوار کی " نظریں جیسے اس کے اندر تک اترتی جا رہی تھیں۔  
پھر ایک گھمبیر، مسکراتی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی

خدا قسم... اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میرا میٹھا سائیں یوں گلی میں کھڑا ہو کر میرے آنے " کا انتظار کرے گا، مجھے اپنا سوہنا مکھڑا دکھائے گا... تو میں ہر روز اس گلی کے صبح شام چکر لگانا، خود پر فرض کر لیتا"... دعام نے چونک کر آنکھیں کھولیں، نگاہ اٹھائی... اور ایک لمحے کے لیے دنیا ساکت ہو گئی۔



یہ وہی تھا۔ ہاں... وہی۔ وہی سبز آنکھوں والا، جسے اس نے تین سال پہلے پہلی بار دیکھا... تھا... بس میں، ڈاکو کی صورت، دہشت کی شکل

لیکن آج... آج وہ دہشت محبت کا پہنوا اوڑھے سامنے کھڑا تھا۔

میرا بھولا ماہی، میرا سوہنا سجن... اس دھوپ میں کیوں اپنا رنگ خراب کر رہی ہو؟ ابھی تو میں نے تمہیں حق سے دیکھا بھی نہیں۔ میری جان قربان، ہر اُس لمحے کے صدقے، جس میں تم میری راہ میں کھڑی ہو کر میرا انتظار کرو۔ "لیکن یہ تو ظلم ہے مجھ پر، وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولا، سبز آنکھوں میں شرارت اور لب کپڑے میں چھپے تھے، لیکن آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ انداز بتا رہا تھا کہ لہجہ اتنا میٹھا نہیں ہے جتنی مٹھاس اس وقت اس میں گھلی ہے۔

میرا میٹھا سائیں.. بغیر نکاح کے دلداریاں جان لیوا ہوتی ہیں۔ ایک دفع نکاح میں آ " جاؤ پھر دلداریاں بھی مزہ دیں گی۔

پھر وہ جھٹکے سے دعام کے قریب آیا، نرمی سے کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے گھوڑے پر بٹھا چکا تھا۔ دعام کی زبان سے بے اختیار چیخ نکلی، لیکن اس کی چیخ وہ نرمی سے اپنے ہاتھ کی پوروں سے چھپا چکا تھا۔

میرے ڈرپوک سائیں، یوں نہیں چیتے۔ چھوٹا سا دل ہے تمہارے دلدار سائیں کا... "ڈر جاتا ہے۔"

اس کے لہجے میں شوخی تھی، جیسے ساری دنیا سے بے نیاز، صرف اپنے "سوہنے ماہی" کے سائے میں جی رہا ہو۔ گھوڑا آہستہ آہستہ گلی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی ایک کچے دروازے کے قریب آیا، وہ ایک لمحے میں نیچے اترا، دعام کو اپنی گرفت میں لیے نرمی سے زمین پر اتارا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

چل میری جان کے ٹوٹے، اندر جا... گلیوں میں چاند اچھا نہیں لگتا۔ "دعام ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔ نہ دل میں اُسے دیکھنے کی خواہش تھی، نہ آواز سننے کی... وہ تو بس اُس وحشت زدہ لمس سے چھٹکارا چاہتی تھی، اُس خوفناک حصار سے نکلنا چاہتی تھی۔"

جب اندر سے اچانک تائی امی کی آواز ابھری

"کہاں تھی تو کلمو ہی؟ جانتی ہو ڈاکو گزر رہے ہیں گاؤں سے؟ رباب کہاں ہے؟"

سردار، جو دوبارہ گھوڑے پر بیٹھنے ہی والا تھا، ایک لمحے کو رُک گیا۔ اس کے پیچھے خاموش کھڑا بالا بھی گہری نظر سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

!!تائی کی زبان ضرورت سے زیادہ جوہر دکھاتی ہے، بالا... کوئی حل ہے اس کا۔۔۔۔۔"

نکاح والے دن کاٹ دیں گے۔ نہ زبان رہے گی، نہ چلے گی۔ وہ آسان حل پیش کر چکا تھا

اسی لمحے، پیچھے سے کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا تو رباب تھی۔ وہ بدحواسی سے دوڑتی، پھر جھٹ سے زمین پر بیٹھ گئی، اور خود کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا، جیسے خود کو چیخنے سے روک رہی ہو۔

سردار نے گھوڑے پر سوار ہونے کے بجائے قدم رباب کی طرف بڑھائے۔ وہ اس کے بالکل قریب آ کر رُکا۔

رباب زمین پر گھڑی بنی، ایک آنکھ سے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اُسے صرف اُس کے سندھی جوتے دکھائی دیے۔

سالی صاحبہ... اگر آج کے بعد سکون نہ ملے، تو اپنی ماں کے پیٹ سے جنی بہنوں کو "تکلیف دیا کرو۔ میرا سجن سائیں اگر آج بھی اس دھوپ میں جلا، تو پوری زندگی تمہیں چھاؤں سے محروم کر دوں گا۔" آواز میں دھمکی چھپی ہوئی نہیں تھی، نمایاں تھی۔

رباب کا جسم کپکپا گیا، وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیے ساکت ہو چکی تھی۔ جب کہ وہ سر جھٹکتا گھوڑے کی طرف چلا گیا۔

oooooooo

تائی امی کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ ان کی آواز ہر کونے میں گونج رہی تھی۔

بس بہت ہو گیا دعام! اب حد ہے بے غیرتی کی "!!... کدھر منہ مارنے گئی تھی اس" دھوپ میں جانتی ہے ابھی ڈاکو گزر کر گئے ہیں یہاں سے، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے تھپڑ ہی لگا دیں۔

لیکن دعام.. وہ تو جیسے سننے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ نہ کچھ بولی، نہ پلکیں جھپکیں، بس سر جھکائے کھڑی رہی۔ جب دروازہ دھڑ سے کھلا۔

رباب تیز قدموں سے اندر داخل ہوئی۔

چہرہ پسینے سے شرابور تھا، سانس پھولی ہوئی تھی، وہ تائی امی کو نظر انداز کرتی ہوئی سیدھی دعام کے قریب پہنچی۔

اگلے ہی لمحے، اس نے دعام کا بازو اس شدت سے پکڑا کہ درد کی شدت سے اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

ارے امی... کوئی قیامت نہیں آگئی!" رباب تیزی سے بولی، لہجہ دفاعی تھا۔"

ہم تو درزانی کے پاس کپڑے لینے گئے تھے۔ آج بھی اس نے میرے کپڑے نہیں سیے۔ پتہ نہیں یہ درزانی چاہتی کیا ہے ذرا آپ چکر لگائیں شام کو اس کی طرف آج مہندی ہے میری سہیلی کی میں آج کوئی اور کپڑے پہن کر چلی جاؤں گی لیکن اس درزانی کے ہوش ٹھیک سے ٹھکانے لگائیں ایک مہینہ ہونے کو آیا ہے، لیکن میرے

کپڑے نہیں سلائی کیے اس نے۔ اور باقی ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔ "وہ جھوٹ بولتے ہوئے بھی بڑی دلیری سے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

کیا مطلب تم لوگوں کو ڈاکوؤں کے گزر کا پتہ نہیں چلا چاچی نے جانچتی نظروں سے سوال کیا

پتہ چلا تھا چاچی لیکن "ہم تو... گھوڑے کی آواز سن کر چھپ گئے تھے۔" رباب کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کے گلے میں کوئی لفظ اٹک گیا تھا۔

تائی امی کا غصہ کچھ پل کو رکا، لیکن نگاہیں اب بھی شعلہ بن کر دعام پر ٹھہری ہوئی... تھیں۔ ایک لمحے کو سناٹا چھا گیا

تمہارے ابا نے منع کیا ہے گھر سے باہر نکلنے کے لیے۔ "تائی امی کے تیز لہجے میں " غصہ کم اور زمانے کا ڈر زیادہ تھا۔

آج کل لوگوں کی نظریں ہم پر ہیں، طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ بہتر ہوگا " کہ تم لوگ گھر سے باہر مت نکلو، اور خاص کر تم، دعام! ویسے بھی تیری وجہ سے ہم

بڑی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں، اور اب اس مصیبت سے جان چھوڑتے نہ جانے کتنا "وقت لگے گا۔ اور تو ہے کہ روز گھر سے باہر نکل جاتی ہے۔

دعام کی پلکیں تیزی سے جھپکنے لگیں۔ ایک معصوم سی لڑکی، جس کا چہرہ ابھی تک بچپن کی معصومیت سے بھرا تھا۔ کیا کہہ سکتی تھی۔

بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں اس وقت صرف ڈر ہی ڈر تھا۔

تائی امی... میں رباب باجی کے ساتھ گئی تھی... ان کو درزانی کے پاس جانا تھا۔ ورنہ "میں کہاں گھر سے نکلتی ہوں؟" اس کی آواز میں سچائی تھی، معصومیت تھی، لیکن افسوس کہ وہ سچ اس گھر کی دیواروں میں گم ہو جاتا تھا۔ تائی امی نے تیز نظروں سے اسے گھورا،

بس ٹھیک ہے، میرے ساتھ منہ ماری مت کر! جو کہا ہے وہ کر، جا کر کھانے کی "تیار کر

رباب ایک کونے پر کھڑی تھی، اس کا چہرہ پسینے سے تر، الجھے بال اور گہری سوچوں میں گم۔ تائی امی کا لہجہ یکدم نرم ہو گیا

رباب، تیرے چہرے کی کیا حالت ہو گئی ہے؟ جا میری بچی، پنکھا چلا اور آرام " کر۔ "رباب نے ایک نظر دعام پر ڈالی، جس کی آنکھوں میں اب بھی وہ گلی پر بیتا خوفناک منظر تازہ تھا۔ وہ کالے کپڑوں والا شخص، اس کی سرد آنکھیں، وہ چند لمحوں کا خاموش سامنا جس نے دعام کے ہوش اڑا دیے تھے۔ رباب کے اندر کھلبلی مچ گئی۔

، اگر دعام نے کچھ بول دیا تو؟ اگر سب کو پتہ چل گیا کہ وہ شخص کون تھا

امی... مجھے بہت گرمی لگ رہی ہے "۔... وہ جھٹ سے بولی، پھر دعام کی طرف دیکھ کر، تیزی سے بولی

دعام، تو بھی آ میرے ساتھ، پنکھے کے نیچے بیٹھ۔ تیرا پسینہ بھی سوکھ جائے گا، پھر " کھانے کی تیاری کرنا۔ "اج تو گرمی نے جان سے نہیں مارا باقی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس سے پہلے کہ دعام کچھ بولتی، رباب نے اس کا ہاتھ اس سختی سے پکڑا کہ دعام کے چہرے پر تکلیف کا سایہ لہرایا۔

آ جا۔ "تھک گئی ہو گی نا، تھوڑا آرام کر لو۔ "وہ دانت پیس کر بولی، لیکن چہرے پر " زبردستی کی مسکراہٹ سجائے ہوئے۔



دعام خاموشی سے کھینچی چلی گئی۔ اس کی نظریں خوفزدہ ہرنی کی مانند ادھر ادھر بھاگتی رہیں۔ رباب کا ہاتھ اس کے نازک بازو پر اس طرح جما ہوا تھا جیسے وہ اسے قابو میں رکھنا چاہتی ہو، جیسے وہ اس کے الفاظ پر قفل ڈال رہی ہو۔

، کمرے میں پہنچ کر رباب نے دروازہ بند کیا، اور آہستہ سے بولی

سو باہر گلی میں جو بھی ہوا کچھ بھی مت کہنا دعام... کسی سے نہیں کہنا۔ جو ہوا وہ " سب بھول جا، سمجھ آئی؟ " دعام کی آنکھیں نم ہو گئیں، لب کپکپائے، لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی خاموشی میں خوف تھا، بے بسی تھی، اور ایک معصوم راز چھپانے کی مجبوری۔

بابی، ہمیں سب کو بتا دینا چاہیے... یہ بات چھپانے والی تو ہے ہی نہیں! " اگر وہ ڈاکو دوبارہ آگیا تو، دعام کی آواز کانپ رہی تھی، آنکھوں میں ڈر ابھی بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ڈاکو... وہ بہت قریب تھا ہم سے۔ مجھے پتہ ہے، وہی تھا! وہی... جو تین سال پہلے " بس میں ملا تھا! " اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے، چہرے پر ایک معصوم خوف، جیسے وہ ابھی تک اس سائے میں چھپی چیخ سے باہر نہ نکلی ہو۔

، رباب کا رنگ یکدم اڑ گیا۔ وہ کچھ دیر دعام کو گھورتی رہی، پھر بے تابی سے بولی  
نہیں آتا دوبارہ "بھول جاؤ دعام... خدا کے لیے، بھول جاؤ۔ کسی کو پتہ نہیں چلنا  
"چاہیے کہ ہم ایسے کسی آدمی سے ملے ہیں۔

اس نے کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھا، جیسے کوئی سن نہ رہا ہو، پھر تیز آواز میں  
بولی، "ورنہ ابا جان نکال دیں گے ہماری! اور چاچا کو تو ویسے بھی باتیں سنانے کا بہانہ  
"چاہیے ہوتا ہے

دعام کی پلکیں بھیگ گئیں، لب ہلنے لگے، لیکن کچھ بول نہ سکی۔  
تم بھی بھول جاؤ، میں بھی بھول جاتی ہوں۔ ویسے بھی... یاد رکھنے جیسا کچھ تھا بھی تو"  
نہیں۔ "رباب کا لہجہ اب سخت ہو چکا تھا۔

وہ مجھے بھی ڈرا کر گیا ہے، دھمکیاں دے کر گیا ہے۔ اور تم؟ تم تو بس کھڑی "  
"رہی... بت بن کر! یہ بھی نہ ہوا کہ کہیں چھپ ہی جاتیں

اس نے دعام کا بازو سختی سے پکڑ لیا، جیسے الفاظ سے نہیں، اب ہاتھ سے اس کے منہ  
پر مہر لگائے گی۔

دیکھو میری بات کان کھول کر سن لو! رباب کے چہرے پر اب صرف خوف نہیں " تھا، غصہ بھی تھا، خود کو بچانے کی کوشش بھی۔

اگر تم نے یہ بات کسی کو بتائی نا... یا کسی کو ذرا سی بھنک بھی پڑی، تو مجھ سے برا " کوئی نہیں ہوگا! سمجھیں تم؟ " دعام خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں آنسو، چہرے پر الجھن۔

پھر رباب نے دھیرے سے کہا، "میرا کیا ہے؟ میں تو بچ ہی جاؤں گی۔ مجھے کوئی کیا کہہ دے گا۔ لیکن تم؟ تمہاری تو شامت آ جائے گی دعام۔ تمہیں کوئی نہیں بچائے گا!" وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی، صرف پنکھے کی گھومتی آواز، باقی تھی... اور دعام کی آنکھوں سے بہتے وہ آنسو

بند کرو یہ رونا دھونا، مرضی ہے تمہاری! اگر بتانا چاہتی ہوں تو بتا دو سب کو " رباب نے تکیے پر زور سے سر مارا، جیسے اپنی جھنجھلاہٹ کو دبانے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔

اگر مصیبتوں میں پھنسنے کا اتنا ہی شوق ہے تو جا کر سب کو بتا دو۔ میں تو بچ ہی " جاؤں گی... تمہاری ہی شامت آئے گی۔ جو دل میں آئے وہ کرو... یا جا کر باہر کھانا " بنا لو

منہ بنا کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی، جیسے اس سارے معاملے سے لا تعلق ہو گئی ہو۔ لیکن دعام؟ وہ تو اندر ہی اندر ہل چکی تھی۔ نازک سی، سہمتی ہوئی، پلکوں کے پیچھے چھپا وہ ڈر جو کسی لمحے بھی چیخ بن کر باہر نکل سکتا تھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا، وہ بے آواز قدموں سے کمرے سے نکل گئی۔ رباب کو یقین تھا کہ وہ کسی سے کچھ نہیں کہے گی۔

وہ اتنی ڈری ہوئی ہے کہ زبان ہی بند ہو گئی ہے اس کی "..." وہ بڑبڑائی، لیکن اگلے "..." ہی لمحے اس کے دل میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہی آنکھیں... وہی نگاہیں۔ "ڈاکو رباب کے ہونٹ خود بہ خود تھرتھرائے، اس نے گہری سانس لی جیسے کسی بوجھ کو سینے سے دھکیلنا چاہتی ہو۔

وہ شخص! اس کی آنکھیں... وہ دعام کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی قیمتی شے پر برسوں سے نظر جمائے بیٹھا ہو۔

"کیا وہ واقعی دعام کو اپنے ساتھ لے جائے گا؟"

ایک خوفناک سوال، جو دل کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آیا۔ "آخر دعام میں ایسا بھی کیا ہے؟"

رباب نے خود سے پوچھا۔

وہ اتنی معصوم، اتنی خاموش، اتنی... سادہ سی۔ "لیکن وہ آدمی؟ اس کی آواز میں وہ جنون تھا جو رگوں میں زہر کی طرح اتر جائے۔"

زبان سے تو وہ محبت کی باتیں کر رہا تھا... لیکن... محبت کیا اتنی آسانی سے ہو جاتی "ہے؟"

رباب کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"اگر وہ دعام کو واقعی لے ہی لیا تو؟"

وہ تو گزارا بھی نہیں کر پائے گی... وہ تو دو لفظ کسی اجنبی سے نہیں بول "سکتی"... رباب نے بیڈ پر سے ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے آنکھیں زور سے بند کر لیں۔

کمرے میں اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور اس کا دل... دھڑکن کی جگہ اب خوف کی چاپ سن رہا تھا۔

oooooooo

پہاڑوں کے نیچے ایک سنسان وادی... جہاں صرف پتھروں کی زبان بولی جاتی ہے، اور خاموشی میں بھی کوئی انجانی سرگوشی سنائی دیتی ہے

اس ویران میدان کے نیچے، دھوپ ابھی پیچھے ہٹی تھی۔ زمین اب بھی تپ رہی تھی، اور اسی تپتی مٹی پر یلغار کی چاپ سنائی دی۔

چادر کندھے سے ڈھلک رہی تھی، سیاہ کپڑے گرد آلود، مگر اُس کا قد، اُس کی چال، اُس کی آنکھیں... ایک خطرناک اعلان تھیں۔

سبز آنکھوں میں خون سا اتر آیا تھا۔ جیسے ان میں کسی اور کی نہیں، صرف دشمنوں کی لاشوں کی جگہ ہو۔

میدان میں بیٹھے ہر ڈاکو نے اس کی آمد پر سر جھکا لیا۔ کوئی آنکھ ملا نہیں سکتا تھا اُس نگاہ سے جو ایک بار اٹھ جائے تو سانسیں روک دیتی ہے۔

دن کے وقت ہم نے ہر راستہ، ہر گلی، ہر سایہ ناپ لیا ہے۔ اب اندھیرا اُن کے لیے نہیں، ہمارے لیے پردہ ہے۔ "اس کی آواز میں نہ لکار تھی نہ سوال بس حکم تھا، جیسے ہڈیوں میں اترتا زہر۔

یہ زکوٰۃ کی رقم ہے؟ سیٹھ سمجھتا ہے اسے دبا کر رکھے گا؟... اب وہی رقم اُس کے لیے موت کا پروانہ بنے گی۔

اس نے زمین پر نقشہ پٹخا۔ دھول اڑتی، مگر کسی آنکھ نے پلک نہیں جھپکی۔ سب کو معلوم تھا، یہ وہ وقت ہے جب یلغار کی سانسیں بھی بارود بنتی ہیں۔

کلے کلے رستے دا حساب اے میرے کول سائیں۔ جے کوئی غلطی ہوئی... تے "گولیاں گننے نال پہلے میں لاشاں گننا گا۔

هر ايك راسته كا حساب ميرے پاس هے، سائیں! اگر كسى نے ذرا سى بهى غلطى كى ...)  
("تو گولياں گننے سے پہلے، ميں لاشیں گننا شروع كر دوں گا

سردار همارى طرف سے غلطى نهیں هو گى، ليكن كوٹھى پر امريكى گارڈز هيں ايك ساتھى  
نے لرزتے هوئے كوئى وضاحت دى، تو يلغار كى گردن گھومى، سبز آنكھيں تپش سے  
لال هوئیں

"!هشش ميرى اگے زبان چلاى تے، نئیں كچھ بنده لبھنا اے نه قبر"  
("!خبردار... اگر ميرے سامنے زبان چلاى، تو نه پچھے تيرا كوئى ملے گا، اور نه هي قبر)  
اُس كى آواز پہاڑوں سے ٹكرا كر واپس آى، جيसे خود فطرت نے بهى اسے جواب  
دينے سے انكار كر ديا هو۔

چھوڑو سردار نيا لڑكا هے، اس كو سيٹ هونے ميں وقت لگے گا، بالانے اس كا دهيان  
هٹايا تھا۔

وه اعتبار كے لائق نهیں تھا نيا لڑكا تھا جو پچھلى ڈكىتى كے درميان انهيں ملا تھا، مجبور تھا  
نوكرىاں تلاش كر كر كے تهك چكا تھا ليكن بندوق چلانى اچھے سے آتى تھى، سو اپنے



ساتھی کے کہنے پر اس نے اسے رکھ لیا تھا وہ صرف ہاں میں سر ہلاتا اپنی بات پھر سے شروع کر چکا تھا۔

اندھیرا اچھا جائے، تو ہر ایک اپنے مقام پر ہو۔ آج رات... میں رحم نہیں دکھاؤں "

"گا۔ جو ساتھ ہے وہ جیئے گا، جو پیچھے رہ گیا... اُس کی قبر اسی میدان میں کھدے گی۔

ساہ نہ ونجے، پر وار نہ رہ جائے) سانس چاہے رک جائے، لیکن وار نہ رہ "

جائے۔ "... (اُس نے فقط ایک سرانیکی فقرہ کہا... اتنا آہستہ کہ ہر ڈاکو کے دل میں کھرام مچ گیا۔

یہاں کے لوگ سرانیکی بولنا ایک عرصے سے چھوڑ چکے تھے۔ نئی نسل نے شہروں کا رخ کیا، نئی زبانیں اپنائیں، پرانے لب و لہجے مٹتے گئے۔ لیکن یلغار... وہ اپنی سرزمین کی مٹی کی طرح ضدی تھا۔ اس کی بولی میں آج بھی سرانیکی جھلکتی تھی، کبھی ایک لفظ، کبھی ایک جملہ، اور کبھی صرف لہجہ۔ لیکن جو چیز سب سے نمایاں تھی، وہ اُس کے الفاظ کی دہشت تھی۔ وہ دھیمے لہجے میں بات کرتا، مگر اس کے ایک لفظ پر لوگ پسینہ پسینہ ہو جاتے۔ رخ ہلانے کا ہنر بھی ایسے رکھتا تھا جیسے تلوار بے نیام ہو گئی ہو۔

اس کے لب ہلتے، اور دوسروں کے قدم ڈمگنا جاتے۔

—سنہ وہ چیختا تھا، نہ گرجتا

بس ایک نگاہ، ایک جملہ، اور دل دہل جاتے۔

○○○○○○○

چولہے پر ہانڈی رکھے اسے کچھ دیر ہی ہوئی تھی، لیکن ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے۔  
چیچ ہانڈی میں چلانے کی بجائے وہ جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پسینہ  
ماتھے سے رینگ کر گردن تک آ رہا تھا، لیکن اسے کسی اور ہی آگ نے گھیر رکھا تھا  
خوف کی، اضطراب کی، بے بسی کی۔ اچانک ایک سرگوشی جیسے اس کے کان سے  
ٹکرائی

میری امانت ہو تم سجن سائیں، "اس ڈاکو کی وہ آواز... اسے لگا جیسے وہ واقعی اس"  
کے کان کے قریب جھک کر بول رہا ہو۔ وہ جھرجھری لے کر پیچھے مڑی، لیکن وہاں  
کوئی نہیں تھا۔ پھر بھی، کمر پر جیسے کسی کا لمس تھا۔

یا اللہ "...وہ دل ہی دل میں کانپ گئی، اور چچ ہانڈی میں چھوڑ کر دیوار کا سہارا لے " کر کھڑی ہو گئی۔

تین سال پہلے کا وہ منظر پلکوں کے پردے پر ایسے ابھرا جیسے ابھی ہوا ہو وہی سڑک، وہی بس، وہی سنسان سا راستہ اور وہ شخص... وہ چہرے پر نقاب لیے اسے دیکھ کر رکا تھا، اس نے پھر سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صرف اتنا کہا تھا

"!تم میری ہو... میری امانت"

یا اللہ، کیا وہ مجھے واقعی لے جائے گا؟ "دعام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، دل کی " دھڑکن گویا باہر نکل کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔

کیوں میرے لیے امتحان بنا ہوا ہے وہ؟ کیوں میری زندگی تباہ کر رہا ہے؟ میں نے تو " کبھی اس کا کچھ بگاڑا بھی نہیں "!" اس کی آواز کچن میں گونجتی ہوئی خاموشی میں دفن ہو گئی۔

میری تو اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں... کوئی واسطہ، کوئی رابطہ بھی نہیں۔ میں نے " "!" تو اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا

لیکن وہ ایک رات، زندگی کا ناسور بن گئی۔

دعام نے کبھی خود کو اس واقعے کے بارے میں سوچنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ تین سال اس نے خود کو اس خیال سے الگ رکھا تھا، لیکن آج... آج سب کچھ جیسے اس کے دماغ پر چھا گیا ہو۔

کیا یہ محبت ہے اس کی؟ ایسی محبت جو انسان کو زندہ درگور کر دے؟ "وہ سوچ بھی " نہیں سکتی تھی کہ محبت کسی کی سانسوں کو یوں قید کر سکتی ہے، کسی کو یوں سسکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ وہ تو یہ امید بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی شہزادہ آ کر اسے زندان سے نکال کر لے جائے گا۔

چولہے کی آگ جل رہی تھی، ہانڈی کی بھاپ اُٹھ رہی تھی، لیکن دعام کے اندر جیسے سب کچھ منجمد ہو گیا تھا۔

کون سے عاشق کے خواب دیکھ رہی ہے تُو، دندہ ہارے چھوڑی "چاچی کی کرخت " آواز اچانک مٹی سے بنے پکن میں گونجی تو دعام کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

تجھے خیال نہیں ہانڈی روٹی کا؟ سالن جل کے سیاہ ہو گیا، اور تُو بس بیٹھ کے دنیا سے " بے خبر بنی رہی؟ "دعام نے بوکھلا کر تیزی سے ہانڈی آگ سے اتاری۔ نازک انگلیاں دھکتے لوہے سے ٹکرا گئیں، انگلیوں پر چھالے پڑ گئے لیکن... کوئی آہ تک لبوں پر نہ آئی۔ وہ اندر سے ویسے ہی جل چکی تھی... اس ڈاکو کی وہ سرگوشی، وہ لمس، وہ نظروں کی بے باکی... یہ سب تو اس کے اندر سلگ رہا تھا، اور باہر سالن کی آگ صرف ایک بہانہ تھا چاچی کے لیے۔

جب ہانڈی روٹی کر رہی ہو تو آنکھیں بند نہ کیا کر، دیکھ لڑکی! پہلے ہی ہمارے گلے کا " طوق بنی بیٹھی ہے۔ تجھے پالا پوسا، کھلایا پلایا، لیکن صلہ کیا ملا؟ اپنے تایا چچا کے سر کا " بوجھ بن گئی ہے۔

اگر کچھ کرنا نہیں آتا، تو کم از کم جب ہانڈی پکا رہی ہو تب ہوش میں رہا کر۔ سالن " سارا برباد کر دیا تُو نے! "چاچی چچھ ہلاتی ہوئی قریب آئیں اور کڑا کے دار لہجے میں بولی۔

حالانکہ سالن نے صرف کنارہ پکڑا تھا، جلا نہیں تھا، لیکن دعام جانتی تھی، چاچی کو باتیں سنانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ چپ رہی، سر جھکا کر جیسے اپنی ہی سانسیں سمیٹنے لگی۔

دل میں ہلچل تھی... خوف اس ڈاکو کا، رباب کی دھمکیاں، اور اب یہ طعنہ زنی۔ بحث کرنا اسے نہ آتا تھا، اور اپنے حق میں آواز اٹھانا تو جیسے اس کے حصے کا ہنر ہی نہ تھا۔ سچ یہ تھا کہ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی... اور کوئی تھا جو اسے ہر لمحہ ٹوٹا دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے اس وجود سے عجیب سی وحشت ہونے لگی تھی۔

وہ وجود، جو کچھ لمحے پہلے تک صرف ایک دھندلا سا خوف تھا، اب اس کی سانسوں میں زہر بن کر سرایت کرنے لگا تھا۔ آج تک دعام کے دل میں اتنی گنجائش ضرور رہی تھی کہ وہ ہر کسی کے لیے نرم گوشہ رکھتی، نفرت جیسے لفظ سے وہ نا آشنا تھی۔ لیکن اب... جیسے ضبط کی طنابیں ہاتھ سے پھسلنے لگیں تھیں۔

عجیب سا گھٹن زدہ احساس... جیسے کوئی انجانی دیوار اس کے گرد کھڑی ہو گئی ہو۔

جس کی بولی میٹھی تھی... لیکن وجود زہر سے کم نہ تھا۔ "دعام کے اندر شور اٹھا وہ" شخص جس کے لہجے میں مٹھاس تھی، آنکھوں میں اپنائیت تھی، آج اس کے لیے ایک عذاب بن گیا تھا۔ وہی نرم بول اب خنجر کی مانند چھنے لگے تھے، وہی دھیمی آواز اب وحشت کی چیخوں میں بدل گئی تھی۔ یہ کیسی محبت تھی؟ یا یہ کوئی قید تھی؟ وہ سوچ رہی تھی

کیا کوئی اتنی شدت سے چاہ کر بھی کسی کو اتنا بے بس کر سکتا ہے؟ کیا محبت واقعی قید بن سکتی ہے... یا پھر یہ صرف جنون کا دوسرا نام ہے؟

○○○○○○○

درجنوں عورتیں، بیوہ، بے سہارا، ایک کمرے میں بیٹھی تھیں۔ آنکھوں میں امید، دل میں خوف۔

مدرسے کے مولوی نے بتایا تھا

یہ سیٹھ طیب بہت نیک دل ہے، ہر سال زکوٰۃ کے پیسے خود تقسیم کرتا ہے، تمہیں "بھی بلایا ہے۔"

انہیں کیا خبر تھی... یہ کوٹھی نہیں... یہ درندے کا پنجرہ ہے۔

کوٹھی کی سفید دیواریں ابھی تک خاموش تھیں... لیکن اندر موت جاگ چکی تھی۔ سیٹھ طیب کی آنکھوں میں حیوانیت کا ناچ تھا۔ سامنے بیٹھی بیوہ، طلاق یافتہ، معصوم عورتیں سب اپنے حصے کی زکوٰۃ لینے آئی تھیں۔ وہ زکوٰۃ جو مدرسے سے امانت کے طور پر جمع ہوئی تھی، جو غریبوں کا حق تھی۔ لیکن طیب نے اس پاک پیسے کو اپنے ناپاک ارادوں کی خوراک بنا دیا تھا۔

آج سب کو ملے گا... بس اندر آ جاؤ... ایک ایک سے بات کرنی ہے۔ "اس نے" مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ہاتھ میں تسبیح... زبان پر مذہب... اور اندر شیطان چھپا بیٹھا تھا۔

عورتیں ڈری ہوئی تھیں... لیکن مجبور تھیں۔

کوئی بیمار بچے کی دوا کے لیے آئی تھی، کوئی کرائے کے کمرے کے لیے، اور کوئی صرف ایک وقت کے کھانے کے لیے۔ لیکن وہ سب نہیں جانتی تھیں... کہ یہاں پیسہ



دینے والا ایک درندہ ہے... انسان نہیں۔ طیب کی نظریں ایک نوجوان لڑکی پر جمی تھیں۔

تو آ... پہلے تیرا نمبر ہے۔ "اس کی سانس بدبو دار تھی... ہاتھ تھر تھرا رہا تھا... لڑکی " پیچھے ہٹنے لگی۔

لگتا ہے تجھے زکوٰۃ کی رقم نہیں چاہے وہ خوبصورت جوان لڑکی کو دیکھتا خباثت سے بولا تھا، اس کا شوہر سپاہی تھا پچھلے سال فوج میں شہید ہو گیا تھا۔ عام سپاہی ہونے کی وجہ سے حکومت سے اب تک پنشن پاس نہ ہوئی تھی یہی وجہ تھی اب میں معصوم بچے کے لیے یہاں تک آ گئی۔

سیٹھ میرا بچہ بیمار ہے وہ پریشانی سے بولی تو سیٹھ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

ہاں تو یوں ہی تو ٹھیک نہیں ہوگا دوا چاہیے اس کو آ کر اپنی زکوٰۃ کے پیسے لے جاؤ وہ ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑے اس کمرے کی طرف کھینچنے لگا جب اچانک دھماکے کی گونج نے پوری کوٹھی کو ہلا دیا

دروازہ زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹا۔ گرد کا طوفان اٹھا۔ سب چیخیں مارنے لگے... اور دروازے میں کھڑا تھا، وہ جسے لوگ ڈاکو سردار یلغار کہتے تھے! سیاہ شلوار قمیض... چہرہ سیاہ کپڑے سے ڈھکا ہوا... ہاتھ میں رائفل... آنکھوں میں قہر... پیچھے اس کے تین اور ڈاکو تھے، جو ہتھیاروں سے لیس تھے

سیٹھ طیب "...سردار کی آواز سانپ جیسی سُسکاری۔"

مدرسے کی زکوٰۃ کی رقم... تیرے جہنم کے راستے کا خرچ بنے گی۔ "اس کی آواز میں " ایسا کہہ رہا تھا کہ طیب کانپنے لگا۔

ت... تم کون ہو؟... پ... پولیس؟ "سردار نے رائفل اٹھائی اور فائر کیا۔"

دو گولیاں سیدھا نوکروں کی ٹانگوں میں لگی وہ گر کر چیخنے لگے۔ خون لکیروں کی طرح فرش پر بہنے لگا۔ عورتیں دیوار سے چمٹ گئیں۔

سمجھنا مشکل نہیں تھا وہ پتھر یلے پہاڑوں کا ڈاکو تھا، سردار آگے بڑھا۔ تو طیب پیچھے ہٹنے لگا۔

لیکن سردار نے بجلی کی تیزی سے جھپٹ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

اور اگلے ہی لمحے بالوں سے گھسیٹتا ہوا اسے فرش پر گھسیٹا چہرہ رگڑتا گیا، چمکتی ٹائلز پر خون کی لکیریں بننے لگیں۔

یقیناً تو مجھے نہیں جانتا سیٹھ طیب اگر تس مجھے جانتا ہوتا اپنے ان ارادوں کو سوچنے سے پہلے تیری روح کانپ اٹھتی۔ لیکن میں آج تجھے بتاؤں گا کہ میں کون ہوں تاکہ تیرے جیسے پیدا ہونے سے پہلے ہزار دفعہ سوچیں۔

میں ہوں سردار دلدار یلغار... پہاڑوں کے سناٹوں میں پلنے والا وہ کہر، جو جب ٹوٹتا "ہے... خون بہتا ہے، چیخیں گونجتی ہیں، اور زمین بھی کانپ اٹھتی ہے! نہ بندوق مجھے روک سکی، ل ہے، نہ قانون مجھے چھو سکا ہے۔ میں وہ انصاف ہوں، جو عدالتوں کے باہر ہوتا ہے... میں وہ آگ ہوں، جو صرف گناہگاروں کو جلاتی ہے۔ تو جس دن میری نظر میں آیا، اسی دن تیری موت میرے خنجر کی نوک پر لکھی گئی تھی۔ اب نہ رحم ہوگا، نہ معافی... اب تو روئے گا، تڑپے گا، بلکے گا... اور میں تیرے ہر قطرے کا حساب!... لوں گا

یہ تیری زبان تھی نا جو عورتوں کو نوچنے کو لپکتی تھی؟ اب وہ زبان تیرے خون میں بہے گی۔

تیری چیخیں تیرے گناہوں کی گواہی بنیں گی... اور تیرا جسم میری سزا کا کاغذ... جس پر میں تیرے درد سے ہر حرف لکھوں گا!" یہ عورتیں تیرے لیے تماشہ تھیں؟ اب یہ تماشا دیکھیں گیں!" سردار نے ایک موٹی زنجیر نکالی، اور ایک جھٹکے سے طیب کے ہاتھ باندھے... پھر اپنے خنجر سے اس کے کپڑے چاک کر دیے... اس نے طیب سیٹھ کا بدن ننگا کر دیا... شرم کی ہر چادر اتار دی۔

یہی ہے تیرا اصل چہرہ" عورتیں ہچکیاں لے رہی تھیں... لیکن چپ تھیں۔ جب سردار نے جیب سے ایک تیزاب کی بوتل نکالی۔ اور اسے طیب کے سامنے لہرایا۔

یاد ہے؟ ایک لڑکی نے تیری ہوس سے بچنے کی بھیک مانگی تھی؟... یہی تیزاب تھا جو "تُو نے اسے دکھایا تھا نا؟

طیب چیخا... رونے لگا۔ "ایسا کیسے ممکن تھا یہ شخص اس کے بارے میں اتنا سب کچھ کیسے جانتا تھا۔ اس کے پرانے کارنامے اس کا منہ چار رہے تھے یہ شخص اس کی رگ رگ سے واقف تھا

نہیں! پلیز! نہیسیس!! وہ گرگرانے لگا لیکن اگلے لمحے تیزاب نے طیب کے چہرے کو چیر کر رکھ دیا۔ چیخ... وہ چیخ جیسے مرنے والے کو آگ میں جھونک دیا گیا ہو۔ جلد پگھلنے لگی، آنکھیں سفید ہو گئیں، چہرہ گلنے لگا۔

اااااااااااااااااااا! "طیب زمین پر لوٹنے لگا... درد سے، جلن سے، موت کی منتیں کرتا " ہوا۔

لیکن سردار کا دل ابھی ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔

... اس نے خنجر نکالا... طیب کی ٹھوڑی پکڑی

اب مکس تیری وہ زبان کاٹوں گا... جس سے تُو نے عورت ذات کو گالیاں دی " تھیں! "وہ غصے سے بھرتا ایک وار کر گیا خنجر چلا لمحے میں زبان زمین پر گری۔

منہ سے خون کا فوارہ نکلا۔ طیب اب صرف ہانپ رہا تھا۔ بولنا تو دور، چیخ بھی نہ نکل رہی تھی۔

سردار نے اس کے بدن کو رسی سے باندھا اور اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے باہر لاتا ایک جھٹکے سے اسے کوٹھی کے گیٹ پر لٹکا دیا۔ پھر اسی کے خون سے دیوار پر لکھا

"!زکوٰۃ کی امانت بیچنے والا، جہنم خرید چکا ہے"

عورتیں اب بھی خاموش تھیں... لیکن ان کی آنکھوں میں پہلا سکون تھا... انصاف کی پہلی سانس۔ سردار ان کی طرف مڑا۔

اگر کبھی پھر کوئی طیب نظر آئے... تو مجھے آواز دینا۔ "سردار ایسے لوگوں کے لیے" قہر بن کر پیدا ہوا ہے۔

بالا! ان عورتوں کے حق کی رقم ابھی یہیں دے دو۔ باقی ساری رقم اُن تک پہنچانا، "جو واقعی اس کی حقدار ہیں... گاؤں کی کوئی بیوہ، یتیم یا مظلوم عورت اپنے حق سے محروم نہ رہ جائے۔"

اس کی آواز میں فیصلہ تھا، دل میں غیرت، اور آنکھوں میں ایک پرسکون سا عزم۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے اپنے سفید گورے پر سوار ہوا۔ سیاہ لبادے میں لپٹا وہ وجود، ان عورتوں کے لیے ایک محافظ کی طرح تھا... جن کے حصے کی زکوٰۃ ہوس کے دلالوں کی نذر ہو رہی تھی۔

عورتیں خاموش تھیں... لیکن اُن کی آنکھوں میں پہلی بار روشنی تھی... شکر تھا... اور احترام۔

وہ جا چکا تھا۔ اُس کے قدموں کی دھمک اب دور جاتی جا رہی تھی، لیکن اُس کی دی ہوئی عزت... اُن کے دلوں میں رہ گئی تھی۔

بالا اور باقی ساتھیوں نے اپنے کام سنبھال لیے تھے۔ ہاتھوں میں رقم تھی، ذمہ داری تھی، اور سردار کا حکم تھا۔ جو ہر چیز سے اہم تھا۔

رات ڈھلنے سے پہلے، یہ رقم ہر اُس در پر پہنچی تھی، جس کا دروازہ برسوں سے بند تھا...

جس در پر آج تک صرف امید دستک دیتی رہی تھی... لیکن انصاف پہلی بار آیا تھا۔

وه پتھرلے پہاڑوں كے اوپر چاند كى روشنى مىں بالكل تنها بیٹھا هوا تھا۔

ٹھنڈى رات كى خاموشى مىں، دور كهیں جهرنے كے بهنے كى آواز مدھم پہاڑوں مىں گونج رہى تھی، جیسے كوئى پرانا سُر دل كو چھو رہا هو۔ اس كے گرد مكمل خاموشى تھی، جیسے وقت تھم گيا هو۔

وه پر سكون انداز مىں اپنا كام ختم كر كے واپس آيا تھا، باقى سا تھی ابھى تك نهیں لوٹے تھے۔ شاید وه اب بهى گاؤں كے ايك ايك گھر مىں زكوٰة كى رقم ادا كر رہے هوں گے۔ وه جانتا تھا اس كا حكم پورا كیے بغير وه لوٹ كر نهیں آئیں گے۔

چاند كى چاندنى مىں، وه سكون سے بیٹھا آسمان پر چمكتے چاند كو ديكھ رہا تھا، لیكن اس كا دل كسى اور هى سمت بھٹك رہا تھا۔

ذهن پر اس وقت اس كا محبوب سائیں، اس كا سجن سائیں پورى شدت سے سوار تھا۔ عنابى لبوں كے كناروں پر ايك ہلكى سی مسكراہٹ تھی، آنكھوں مىں شدت كى



ایک چمک، اس کی موجودگی نے جیسے اس خاموش ماحول کو مکمل کر دیا تھا۔ وہ جیسے اس منظر کو دلکش بنا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہ خوفزدہ ہرنی بن کر کھڑی تھی، جس کا لرزتا وجود اسے پاگل کر دینے کو کافی تھا۔

پورے جسم میں ایک عجیب سی بے چینی تھی... جیسے اسے چھونے کی، اسے پانے کی بے قراری عروج پر ہو۔ وہ اپنے محبوب کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اس لڑکی نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی بے چینیاں تین سال سے اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ آج اسے اتنا قریب سے محسوس کر کے چھو کر وہ جیسے بے قرار ہو اٹھا تھا۔

بالا ٹھیک ہی کہتا تھا، وہ اب شادی کے قابل ہو چکی تھی۔ آج تو وہ خود اسے اپنی باہوں میں محسوس کر چکا تھا، اُس کی قربت، اُس کی موجودگی... اب وہ کیسے رہتا اس کے بغیر؟ اس کی بے تابیاں انتہا پر تھیں۔ وہ صرف ذہن پر ہی نہیں اس کے عصا بوں پر بھی سوار ہو چکی تھی

تین سال جس خاموشی سے گزرے تھے، اب وہی خاموشی شور مچانے لگی تھی، جیسے اندر اختیار ٹوٹنے لگا ہو۔ اب اپنا محبوب سائیں اُسے کسی بھی قیمت پر چاہیے تھا... اس کے بعد، اس کی باہوں میں اس کا ہونا بے حد ضروری ہو چکا تھا

اتنا ضروری جتنا سانس لینا، جتنا دل کا دھڑکنا۔

اب وہ صرف اس کا ہو چکا تھا... مکمل، بے خود اور بے حد اسے چاہیے تھا... اپنا محبوب، ہر قیمت پر چاہیے تھا۔ وہ سوہنا مکھڑا... وہ چہرہ، وہ آنکھیں، وہ معصومیت... اب وہ صرف اسے اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں رکھنا چاہتا تھا، بلکہ اپنی باہوں میں بھر لینا چاہتا تھا۔ پورے حق سے، پورے استحقاق سے اب اس کے بغیر رہنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس چاندنی رات میں، جب چاند کی ٹھنڈی چاندی ہر شے کو نرم لمس دے رہی تھی، اُسے صرف ایک لمس کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اپنے سجن سائیں کے ساتھ کی۔ وہ اب یہاں اکیلا نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ یہ تنہائی اب اُسے کاٹنے لگی تھی... جیسے خنجر کی نوک ہر لمحے اسے چھو رہی ہو۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم، آنکھوں میں تڑپ لیے بیٹھا تھا کہ بالا خاموشی سے آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"سردار... سارا کام ختم کر دیا ہے۔"

وہ اس کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھا تو ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈونگا تھام رکھا تھا، جس کے ساتھ کچھ روٹیاں تھیں۔

جس گھر میں زکوٰۃ کی رقم دینے گیا تھا نا، اُس عورت نے روک لیا۔ کہتی ہے، 'کھانا' 'کھایا؟' میں نے کہا، 'ابھی نہیں کھایا۔'

تو زبردستی کرنے لگی، کہ کھانا کھا کر جانا۔

'میں نے کہا، 'جس نے تمہارے لیے یہ رقم بھیجی ہے، وہ تو پہاڑوں پر بھوکا بیٹھا ہے۔'

تو اس نے تمہارے لیے کھانا پیک کر کے دیا ہے۔ مونگ کی دال ہے۔" بالانے آہستہ آواز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا، جو خاموشی سے سن رہا تھا۔

میں اس کے سامنے نہیں آ رہا تھا، رقم رکھ کر پلٹنے لگا تھا کہ اچانک اُس عورت نے "دروازہ کھول دیا۔ کہنے لگی، 'بڑے عرصے سے نظر رکھی ہوئی تھی تم پر!...' بالا شیطانی انداز میں مسکرایا۔ "اس کی بات پر سردار کے لبوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔

کہتی ہے، 'ہر روز انتظار کرتی تھی تمہارا... کہ کبھی نہ کبھی تو آؤ گے۔ ننگے ہاتھ پکڑ " لوں گی، پتہ چلے گا یہ رقم کون رکھتا ہے۔' میں نے سختی سے منع کر دیا۔ کہ کسی کو پتا نا چلے

کہنے لگی، 'اعتبار کر لو، میں کسی کو تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔' "بالا نے ایک روٹی اس کے ہاتھ میں تھمائی تو سردار نے پرسکون انداز میں نوالہ توڑ کر سالن میں ڈبویا، جیسے اس نوالے میں اُس کے ماں لے ہاتھ کے کھانے کی خوشبو چھپی ہو۔  
...کھانے کا ذائقہ جیسے منہ میں گھل گیا تھا

کہنے کو تو وہ صرف مونگ کی دال تھی، لیکن ذائقہ ایسا تھا جیسے کسی شاہی باورچی نے بہت اہتمام سے پکائی ہو۔ نہ مصالحے زیادہ تھے، نہ کوئی خاص چیز، لیکن پھر بھی ہر  
...نوالے میں ایک انوکھا سکون، ایک خاص مٹھاس چھپی ہوئی تھی

جیسے کوئی ماں اپنی ممتا سمیٹ کر پکا رہی ہو... جیسے کسی بیوہ کے ہاتھوں سے نکلا ہوا ہر نوالہ، دعاؤں میں بھگیا ہو۔ اس عورت کا گھر ان کی فہرست میں ہمیشہ سب سے اوپر ہوتا تھا۔

جب بھی کوئی ڈکیتی ہوتی، جب بھی مالِ غنیمت تقسیم ہوتا، اس کے لیے مخصوص رقم الگ رکھی جاتی۔ وجہ سیدھی سی تھی۔ اُس کا کوئی کمانے والا نہیں تھا۔

ایک بوڑھی عورت... مگر دل سے خالی نہیں۔

اس کا شوہر آٹھ سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔

لاچار بے سہارا تھی وہ... لیکن قسمت نے اس کے ماتھے پر وقت سے پہلے جھریاں لکھ دی تھیں۔

بے اولاد تھی۔ اللہ نے اس کی جھولی میں کوئی بچہ نہیں رکھا تھا۔

تب ہی سے اس کی زندگی ایک سناٹے میں ڈھل گئی تھی۔ اور شاید... شاید اسی لیے اس کے ہاتھوں سے نکلی ہوئی مونگ کی دال بھی دل کے زخموں پر مرہم بن کر اتر رہی تھی۔

سردار نوالہ توڑتا، سالن میں ڈبوتا اور ہر نوالے کے ساتھ خاموش دعائیں اس عورت کے نام کر رہا تھا۔

...دل ہی دل میں یہ سوچ بھی تھی کہ

جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا، وہی سب کچھ بانٹنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اللہ پاک اماں کو زندگی دے... کیا کھانا بنایا ہے لذیذ "بالا نے دل سے تعریف کی تھی، اور ساتھ ہی ایک نوالہ توڑ کر مزے سے منہ میں ڈالا۔

سردار بھی خاموشی سے کھانے میں مصروف تھا، چہرے پر تھکن تھی لیکن دل میں کچھ نرم سا، کچھ چبھتا ہوا سا احساس۔

"اگلی بار اماں کا شکریہ ضرور ادا کرنا۔"

اُس نے نرمی سے کہا، پھر ایک لمحے کو رُک کر بولا

"...میری امی بھی ایسا ہی کھانا بناتی تھیں"

برسوں بعد اس نے اپنی ماں کا ذکر کیا تھا۔ بالا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر ہولے سے مسکرا دیا۔

"...عورت کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہوتا ہے، سردار"

پھر شرارتی انداز میں ہنستے ہوئے بولا

اب تو بھابھی کو لے آؤ نا!" ایک پل کو خاموشی چھا گئی، پھر سردار نے آنکھیں میچ " لیں جیسے کسی تصور کو آنکھوں میں بھر رہا ہو۔ بالا نے شرارت سے اسے دیکھا۔

ڈرپوک سائیں ہے میرا... کانپتا زیادہ ہے، بات کم کرتا ہے!" سردار نے گہری سانس " لی، لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، لیکن آنکھوں میں اضطراب چھپا نہ تھا۔

کوئی بات نہیں، یہاں رہے گی تو خود ہی ڈر ختم ہو جائے گا۔" بالا نے نرمی سے کہا تو " ، سردار نے بھی ہاں میں سر ہلا دیا

کہتا تو ٹھیک ہو تو، بالا... میں بھی تھک چکا ہوں۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

آج دل میں قیامت مچی ہوئی ہے... یہ بے وقوف دل یار سجن کا دیدار مانگتا ہے، " عجیب بے چینی ہے۔" بالا نے اس کا چہرہ دیکھا، جو خواہشوں اور پریشانیوں کا آئینہ بنا ہوا تھا، پھر ہنسا۔

"تو اس پاگل دل کو دیدار کروا دونا بھابھی سائیں کا! دل کی باتیں ماننی چاہئیں۔"

ویسے بھی تم خود کہہ رہے تھے نا کہ اب آہستہ آہستہ اس کے سامنے جاؤ گے، تاکہ " اُسے تمہارے وجود کی عادت ہو جائے... اب وہ بڑی ہو گئی ہے، شادی کے قابل ہے،

اور تمہیں اب اپنا سایہ ڈالنا ہوگا اُس پر۔ "بالا کے لہجے میں نرمی تھی، لیکن باتیں سیدھے دل پر لگنے والی تھیں۔

انتظار مت کرو... جب دل کرے، دیدار کر لو۔ ویسے بھی... تم سردار ہو، اور سردار "پر سرداری ہی اچھی لگتی ہے۔ انتظار... تم پر جتنا نہیں۔

، ٹھیک کہتا تو، بالا "۔... سردار نے نرمی سے سر ہلایا، پھر آنکھوں میں چاہت لیے بولا "ویسے تو تو میرے پچھلے جنموں کا گناہ لگتا ہے... لیکن جب کبھی ایسی باتیں کرتا ہے نا، " "دل چاہتا ہے کہ تیرا منہ چوم لوں

وہ پانی کا گلاس لبوں سے لگا ہی رہا تھا جب سنجیدگی سے بولا، تو بالا نے فوراً گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

، اللہ کا واسطہ ہے تجھے، سردار " !بالا نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے "

تو شادی کر اور تو بس بھابھی کا منہ چوم... مجھے ایسے کوئی شوق نہیں! میں تو اپنی بیوی " سے ہی اپنا منہ چموانا پسند کرتا ہوں۔ "وہ بونگیاں مارنے لگا تو سردار ہنس پڑا۔



لعنتیا! بکواس ہی کرنا تجھے آتی ہے... تعریف کے قابل تو تُو کبھی تھا ہی نہیں!" سردار " نے پاس پڑا پتھر بے لحاظی سے مارا جو اس نے کیچ کر کے پیچھے پھینکا پھر قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

تعریف کے قابل نہ سہی، لیکن تجھے برداشت صرف میں ہی کر سکتا ہوں!" وہ آنکھ " دباتے ہوئے بولا، تو سردار نے گلاس نیچے رکھا اور دونوں خاموشی سے ہنستے رہے۔ اس ہنسی میں تھکن بھی تھی، تڑپ بھی، اور اک دوسرے کے کندھے کا سہارا بھی۔ ملاقات کا انتظام کروں؟ شیر دل کو بلاؤں؟ "بالا نے شوخی سے آنکھ دباتے ہوئے "، پوچھا،

میری طرح شیر دل بھی بھابھی کے پاس جانے کی بڑی جلدی ہے!" وہ جلد بازی میں "، ہلکا سا ہنسا

بس بھابھی کو اب یہاں لے آ، جگر جان! تیرے انتظار کی گھڑیاں ختم ہونی، چاہئیں۔" سردار نے گہری سانس بھری، لیکن نگاہ میں سنجیدگی اتر آئی

نہیں... آج جو کارروائی کر کے آئے ہیں نا، وہ تازہ ہے۔ پورا گاؤں ابھی میرے " خوف سے سہمہ ہوا ہے۔ "وہ دلکشی سے بولا تو بالا نے فوراً ہنسی روکی، لہجہ سنجیدہ کیا سچ ہے، سردار... تمہارا خوف ابھی دلوں پر قائم ہے، لوگ تمہارے نام سے بھی " کانپ جاتے ہیں۔

اسی لیے کہتا ہوں، وقت آنے دو۔ "سردار نے نرمی سے کہا، "محبت کو بھی شان کے ساتھ لے کر آنا ہے... کوئی چھپ چھپا کر نہیں، اور جہاں تک ملاقات کی بات ہے تو "اب صبر نہیں کل کریں گے ملاقات۔۔۔۔۔

اس کی دلکش مسکراہٹ پر بالا نے سر ہلا دیا، وہ جانتا تھا اب صبر جواب دے رہا ہے اب یہ شیر جب اپنی محبت کے سامنے آئے گا، تو پورا پہاڑ بھی جھک جائے گا۔ اور بھابھی سے ملاقات کے لیے جو تمہارا دل مچل رہا ہے... اُس کا کیا؟ "بالا نے " شرارت سے پوچھا۔

، سردار کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری

آج تھپک کر سُنواؤں گا اسے... کل اپنے سوہنے مکھڑے سے ملاقات کروں گا۔" وہ "کچھ سوچتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

ویسے ایک بات ہے جو دل میں اُلجھ گئی ہے... تھوڑا سا ڈاؤٹ ہے مجھے۔" سردار نے "کی بات پر بالا نے ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا،  
"کیا ڈاؤٹ؟" سردار۔۔۔۔۔"

"مجھے ڈر ہے... کہیں میرا سجن سائیں گونگا تو نہیں؟"

ہیں۔۔۔۔۔ وہ کیوں۔۔۔۔۔ "بالا نے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا

اتنی ملاقاتیں ہو چکیں، پر منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا اُس نے۔" سردار نے "سنجیدگی سے کہا

وہ ڈرتی ہے... تمہیں پتہ ہے، پورا گاؤں تمہارے نام سے کانپتا ہے۔ بالا کے پاس حل "تھا۔

پر وہ کیوں ڈرتی ہے مجھ سے؟ میں نے تو اُس کے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات تک نہیں کی۔

کبھی سخت نظروں سے نہیں دیکھا۔

... اس کے سامنے تو خود بخود لہجہ نرم پڑ جاتا ہے

تو پھر اس کا ڈر بنتا تو نہیں نا؟" وہ الجھا تو بالانے ہلکا سا قہقہہ لگاتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا،

، ختم ہو جائے گا... جب وہ تمہارے پاس آئے گی"

"تو ہر ڈر، ہر جھجک ختم ہو جائے گی۔

، چلو میں چلا نیچے جشن ہو رہا ہے، بالانے نیچے دیکھتے ہوئے پہاڑ سے نیچے اترنے لگا

جبکہ سردار، وہیں خاموشی سے بیٹھا رہ گیا۔ ...

ابھی اُس کے دل کو قرار نہیں آیا تھا۔

آنکھوں کے سامنے ایک ہی چہرہ گھوم رہا تھا... معصوم ہر نی جیسی آنکھیں، جو نہ اسے

آنکھیں بند کرنے دے رہی تھیں، اور نہ سکون کا سانس لینے دے رہی تھی۔ یہ وہی

سردار تھا جس کے سامنے پورا علاقہ کانپتا تھا، مگر ایک لڑکی کے سامنے... وہ بے بس تھا۔

ایسی بے بسی جو سرداری سے نہیں، دل سے جڑی تھی۔ ایسی محبت جس کے لیے سردار کچھ بھی کر سکتا تھا۔

oooooooo

گھر کے تنگ صحن میں سب لوگ ایسے بیٹھے تھے جیسے کسی گرما گرم بحث نے سب کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیا ہو۔ ہر کوئی ایک ہی بات کو بار بار دہرا رہا تھا، جیسے برسوں بعد گاؤں کو کوئی چونکا دینے والا موضوع مل گیا ہو۔

سیٹھ طیب کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، وہ کسی کے لیے بھی ہضم کرنا آسان نہیں تھا۔ پورے گاؤں میں بس اسی ایک واقعے کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ ہر کوئی اس کے عبرتناک انجام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا، اور اب زبان پر وہی تاثر لیے بیٹھا تھا۔

تائی امی کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک نمایاں تھی، اور اس حیرت کے ساتھ ساتھ خوف کی ایک ہلکی سی پرچھائیں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر ان کی زبان جیسے رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ چاچی سے دھیمی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔

صبح سویرے جب لوگ کام پر جانے کے لیے نکلے، تب سب نے دیکھا کہ سیٹھ کو "اس کی کوٹھی کے باہر الٹا لٹکا دیا گیا تھا۔"

تائی امی نے سرگوشی جیسی آواز میں بتایا، "زبان تو کٹی ہوئی تھی ہی، مگر چہرے کو دیکھ کر بھی کوئی پہچان نہ سکا۔ پورا چہرہ جلا ہوا تھا... لگتا ہے کسی نے تیزاب پھینکا ہے۔"

،چاچی نے بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے کہا

یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ سیٹھ تو بہت سیدھا اور شریف انسان تھا۔ کبھی کسی سے "اوپچی آواز میں بات تک نہیں کی۔"

وہ واقعی نیک دل انسان تھا، "چاچی نے آہ بھر کر کہا، "لوگوں کی بے حد مدد کرتا "تھا۔ پھر اس کے ساتھ ایسا ظلم؟ اف اللہ! یہ صرف ڈاکو ہی کر سکتے ہیں۔"

،تائی امی نے قدرے افسردگی سے نظریں جھکا کر کہا  
سنا ہے کہ سیٹھ کے پاس کچھ ہی دن پہلے بڑی رقم آئی تھی، مدر سے سے امداد کے "  
"لیے۔ شاید ڈاکو اسی رقم کی تلاش میں آئے تھے۔

،چاچی نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور سرگوشی میں کہا  
کل دوپہر ڈاکوؤں کو گاؤں کے قریب دیکھا گیا تھا۔ لیکن تب تو کوئی حادثہ نہیں ہوا "  
تھا... مگر جو یہ سب کر سکتا ہے، وہ انسان نہیں ہو سکتا۔ یہ کام کسی خونخوار درندے  
"کا لگتا ہے۔

صحن میں چارپائیاں اور لکڑی کی چارپائیاں بچھی تھیں، اور سب ان پر بیٹھے اسی دل  
دہلا دینے والے واقعے پر گفتگو کر رہے تھے۔

گھر کی لڑکیاں، جو عام طور پر گاؤں کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتیں، آج انہماک  
سے یہ سب سن رہی تھیں۔

اور ان سب کے درمیان، کمرے کے دروازے کے قریب بیٹھی دعام تھی۔ وہ  
خاموش تھی، مگر چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا، اور ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے

تھے۔ چاہنے کے باوجود وہ تائی امی اور چاچی سے نظریں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں ایک ہی بات گونج رہی تھی۔

وہ آنکھیں... وہی آنکھیں جو کل اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں، کیا یہ وہی تھا؟

کیا وہ شخص، جو کل اس کے اتنا قریب آیا تھا... وہی قاتل ہو سکتا ہے؟  
کیا اتنی شیریں زبان رکھنے والا انسان، درندہ بھی ہو سکتا ہے؟ اس کا دل مسلسل ان سوالوں کے جواب تلاش کر رہا تھا، مگر دماغ کسی نتیجے تک پہنچنے سے انکار کر رہا تھا۔  
"...استغفر اللہ... استغفر اللہ"

تایا ابو کے لبوں پر بس یہی کلمات جاری تھے۔

سیٹھ طیب کی لاش کی حالت سن کر تو کسی کی بھی روح کانپ جائے۔ اب گاؤں میں کون محفوظ رہ گیا تھا؟ یہ ڈاکو پہلے گولی چلاتے ہیں، بات بعد میں سنتے ہیں۔

تایا ابا، جو ابھی گھر میں داخل ہوئے تھے، ان کے چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ تھی۔  
، انہوں نے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی کہا



"اب اس گاؤں میں کوئی بھی محفوظ نہیں۔"

ان کی آواز سنتے ہی دعام فوراً اٹھ کر ان کے لیے پانی لینے چلی گئی۔

وہی سیٹھ طیب... پانچ وقت کا نمازی، حج کر کے آیا ہوا، ہاتھ میں تسبیح تھامے، ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہنے والا انسان... اور اس کے ساتھ ایسا ظلم؟ تایا ابا، نے دعام کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے گہری سانس بھر کر کہا، اللہ پاک سیٹھ طیب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ بہت نیک دل انسان" تھا، صرف مدرسے کی زکوٰۃ کی رقم اس کے پاس آئی تھی... اور ظالموں نے اسے "عبرت بنا دیا۔"

یہ سب سن کر دعام کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ جتنا اس خیال سے بھاگنا چاہتی، اتنا ہی اس کے دل میں وہ چہرہ ابھر کر سامنے آتا۔

کیا واقعی یہ سب کرنے والا وہی شخص تھا؟ جو کل اس کے سامنے آیا، جو گھوڑے سے اترا، جو اس کی کمر میں بازو ڈال کر اسے گھوڑے پر بٹھا گیا... اس کی سانسیں رکنے لگتی تھیں جب وہ اس لمس کو یاد کرتی دل کاپنے لگتا

یا اللہ! اگر وہی ہے تو مجھے اس کے شر سے بچا لیجیے۔ وہ شدت سے خوف زدہ تھی۔  
اس نے ابھی تک کسی کو بھی یہ واقعہ نہیں سنایا تھا۔

رباب نے سچ کہا تھا، اگر اس نے زبان کھولی تو الزام اسی پر آئے گا، سوال اسی کے  
کردار پر اٹھیں گے۔ اور وہ... وہ مزید تماشہ نہیں بن سکتی تھی۔

اس علاقے میں ڈاکوؤں کی باتیں وہ برسوں سے سنتی آئی تھی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد  
سے اس کے کانوں میں یہی بات پڑی تھی کہ ان کے علاقے میں قانون نہیں،  
ڈاکوؤں کی حکمرانی ہے۔ پولیس بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

اس کے بچپن سے ہی جب جب ڈاکو گاؤں سے گزرتے، فضا میں ایک دہشت بھر  
جاتی۔ لوگ دروازے بند کر لیتے، بچے سہم جاتے، عورتیں قرآن کی تلاوت شروع کر  
دیتیں۔

اور پھر... تین سال پہلے کا وہ واقعہ بھی تو تھا۔ جس کے بعد دعام کی زندگی ہی بدل  
گئی تھی۔

تین بار رشتے آئے، اور تینوں بار اس کی شادی عین وقت پر ختم ہو گئی۔

اس نے کبھی پلٹ کر اس وقت کے کسی چہرے کو یاد نہیں کیا تھا۔ مگر کل... کل وہ شخص اس کے اتنا قریب آ گیا تھا کہ اس کا وجود لرز گیا تھا۔

اس کی کمر پر وہ بازو کا حصار، آج بھی اس کی ہڈیوں میں سنسنی دوڑا رہا تھا۔

جلدی ہاتھ چلا، دعام! تیرے چاچا بھی آگئے ہیں، روٹیاں ڈال! چاچی کی آواز باہر سے آئی تو وہ چونک کر ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

فوراً اپنے خیال جھٹکتے ہوئے، اس نے آٹے میں پانی ڈال کر گوندھنا شروع کر دیا۔

oooooooooooo

"ہاں جی، بی بی جی"

، پولیس والے نے سخت لہجے میں سوال داغا

کل آپ کو سیٹھ طیب کی کوٹھی پر بلایا گیا تھا زکوٰۃ کی رقم لینے کے لیے، درست؟"

آپ لوگ رات کے وقت گئے تھے، کیونکہ سیٹھ کسی کام میں مصروف تھے اور دن

میں آپ کو بلانے کا وقت نہ ملا۔

تو... وہاں کیا دیکھا آپ نے؟ کیا ماحول تھا وہاں پر؟ "عورت نے کپڑے کے پلو کو  
، انگلیوں میں لپیٹتے ہوئے نظریں جھکالیں  
صاحب جی... عام سا ماحول تھا۔"

سیٹھ صاحب نے ہمیں بلایا، زکوٰۃ کی رقم دی، اور کہا کہ اب آپ لوگ واپس چلے  
جائیں۔

بڑے نیک انسان تھے، ہائے بڑا ظلم ہوا جی... بہت بڑا ظلم۔ "پولیس والے کی آنکھوں  
میں شکوک کی پرچھائیاں ابھریں۔

تو مطلب... آپ لوگوں کو نہیں معلوم وہاں کیا کارروائی ہوئی؟ جب ڈاکو اندر گھسے... تو "  
کوئی عورت وہاں موجود نہیں تھی؟

ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ڈاکو جب اندر پہنچے تو کافی عورتیں وہاں پر موجود  
تھیں۔ "عورت نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

نہیں صاحب جی، ہم تو نکل آئے تھے۔"

سیٹھ صاحب نے خود کہا تھا کہ رقم ادا ہو چکی ہے، اب آپ لوگ جائیے۔ ہائے ہم کیا جانتے تھے کہ کچھ ایسا ہو جائے گا۔

اگر ذرا بھی پتہ ہوتا کہ ڈاکو آکر انہیں جان سے مار ڈالیں گے تو ہم ہرگز وہاں سے نہ جاتیں۔ بہت ظلم ہوا جی، بہت ظلم۔ "وہ کہہ تو رہی تھی "بہت ظلم ہوا"، مگر اُس کی آواز میں دکھ کی شدت وہ نہیں تھی... جو واقعی کسی صدمے میں ڈوبی ہو۔ باتوں میں... دکھ ضرور تھا، مگر لہجے میں

"بس لفظی سا تھا، اور کہیں نہ کہیں، جھوٹ کی رک۔۔۔"

، ٹھیک ہے، آپ لوگ جاسکتے ہیں۔ "انسپیکٹر اکرام نے سخت لہجے میں کہا"

کوئی ثبوت نہیں ملا کہ یہ کام ڈاکوؤں نے کیا ہے، اور ویسے بھی کسی نے ڈاکوؤں کو "کوٹھی کے اندر جاتے نہیں دیکھا۔ وہ عورتیں جو وہاں موجود تھیں، وہ بھی یہی گواہی دے رہی ہیں۔

لگتا ہے وہ ڈاکوؤں سے اتنے خوفزدہ ہو گئے ہیں کہ اب بولنے سے کتراتے ہیں۔ اور "پھر، بغیر ثبوت کے ہم پتھری پہاڑوں پر تو جا نہیں لے سکتے۔

انسپیکٹر اکرام نے فائل بند کرتے ہوئے کہا

یہ فائل آج کے دن ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی ہے۔ کوئی ٹھوس ثبوت " نہیں ملا کہ یہ کام واقعی ڈاکوؤں نے کیا ہو۔

یہ کیس پیچھے تین سال سے اسی علاقے میں زیر التوا تھا۔ ہر روز یہاں کوئی نہ کوئی بڑی کارروائی ہوتی رہتی تھی۔

یہاں کے علاقوں میں کبھی ڈاکوؤں کی ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی تھیں، کبھی کسی کو جان سے مار دیا جاتا تھا۔

لیکن آج تک نہ کسی نے ان کے خلاف گواہی دی، نہ کسی نے انہیں دیکھا تھا۔

انسپیکٹر اکرام نے اپنے ہاتھوں سے کئی کیسز بند کیے تھے، اور یہ کیس بھی انہی میں شامل تھا جو یہی پر ختم ہو رہا تھا۔

○○○○○○○

سرکار، یہ دیکھو! میں نے تمہارے کپڑے کیسے دھو دھو کر استری کیے ہیں۔ بالا غار کے اندر قدم رکھتے ہی ہاتھ میں کپڑے اٹھا کر دکھانے لگا، جو آج خاصے لشکارے مار رہے تھے۔

پہلے دھویا، پھر چمکایا، اور پھر استری ایسی کی کہ جب تک تم اپنے ہاتھوں سے نچوڑو، گے نہیں، تب تک استری خراب نہیں ہوگی۔ بالا نے جوش سے کہا، اتنی محنت کیوں کی؟ آج تک تم نے کبھی اتنی محنت نہیں کی۔ "وہ سچ میں اس کام سے متاثر تھا۔"

آج تمہاری بھابھی سے ملاقات ہے نا؟ اگر تم لشکارے مار کر جاؤ گے تو بھابھی تم سے "ضرور متاثر ہوگی، وہ جوش سے آگے بڑھ کر بولا

اور جب اسے معلوم ہوگا کہ تمہارے لیے یہ سب میری محنت ہے، تو وہ مجھ سے بھی "اپریس ہو جائے گی۔"

میں چاہاتا ہوں، "کہ بھابھی کے یہاں آنے سے پہلے ہی میری اور ان کی اچھی خاصی دوستی ہو جائے۔ پھر میرے پاس کوئی تو ہوگا نا، حفاظت کے لیے۔ کوئی تو ہوگا جسے

میں خود پر ہوئے ظلموں کی داستان سنا سکوں، کوئی تو ہوگا جو مجھ پر ترس کھائے گا۔" وہ شروع ہو چکا تھا جبکہ اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سردار نے ہنستے ہوئے ہاتھ اٹھایا،

بس بس! بریک لگا دے، میرا سوہنا مکھڑا۔ میرے لیے یہاں آئے گا تجھے گود لینے " نہیں۔ اور یہ کپڑے رکھ ادھر، پیچھے، "وہ کپڑے تھام کر پیچھے رکھنے لگا۔

آج کا سارا کام نپٹا کے رات کو تیری بھابھی سے ملاقات کرنے جاؤں گا۔ ویسے بھی، " میٹھے سجن سے ملاقاتیں رات کے اندھیرے میں کی جاتی ہیں۔ "اس کے لہجے میں شوخی بھی تھی، سنجیدگی بھی، جیسے دل میں اپنے سجن سائیں کی جھلک بسا بیٹھا ہو۔

رات کے اندھیرے میں ملاقات کرو گے تو بھابھی کو میری قابلیت کیسے نظر آئے " گی؟ "بالا پریشانی سے بولا

اسے یہ چمکتے، دھمکتے، لشکارے مارتے کپڑے کیسے نظر آئیں گے؟ اُسے کیسے پتہ چلے گا کہ میں نے تمہاری تیاری پر کتنی محنت کی ہے؟ "وہ پریشانی سے بولا تو سردار نے اسے ایسی نظروں سے گھورا جیسے اگلے لمحے اس کا گلا دبوچ لے گا۔



بالا! تو دوست نہیں، سچ میں میرے پچھلے جنموں کے گناہوں کی سزا ہے "اڈنگر"  
، انسان، وہ دانت پیستے ہوئے غرایا

بے غیرت انسان، تجھے کس نے کہا کہ اسے تیری قابلیت دکھانے جا رہا ہوں؟ "میں"  
اسے اپنے دھڑکنوں کی بے چینیاں سنانے جاؤں گا۔ اسے بتانے جاؤں گا کہ اس کا  
میرے ساتھ ہونا کتنا ضروری ہے۔

اچھا مطلب تمہارے اس ملاقات سے میرا کوئی فائدہ نہیں وہ منہ بنا کر بولا تو اب کی  
دفعہ سردار کی گھوڑی مزید تیز تھی اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگایا  
"...اوہ نہیں نہیں سردار! میری مراد وہ نہیں تھی... میرا مطلب صرف یہ تھا کہ"

بس کر! ایک لفظ اور بولا تو تیرے یہ چمکتے کپڑے تیرے منہ پر لپیٹ دوں گا!"  
سردار کی غصے سے بھری آواز گونجی، تو بالا سہم کر پیچھے ہو لیا، مگر زیر لب بڑبڑانا نہ  
، چھوڑا

سزا بھی میں بھگتوں، محنت بھی میں کروں، اور چمک بھی وہی سمیٹے... واہ رے "  
"! زندگی، واہ

وہ بڑبڑاتا ہوا بستر پر احتیاط سے استری کیے گئے کپڑے پھیلانے لگا، کہیں یہ چمکتے دھمکتے لباس اپنی رونق کھو نہ بیٹھیں، جو بھی تھا بالا کو اپنی محنت بہت عزیز تھی۔ کہیں اس کی ساری محنت رائیگاں نہ چلی جائے۔

،بھابھی تو امپریس ہو ہی جائے گی "۔۔۔وہ سرگوشی میں بولا"

ابھی نہ صحیح بعد میں جب یہاں آجائے گی تب صحیح "ہونے والے شوہر سے نہ سہی، ہونے والے دیور سے تو ضرور۔" اب اتنا اچھا ہے بالا، اللہ کا بندہ ہے اللہ کا بندہ ،بھابھی کو تو میں چٹکیوں میں انپریس کر لوں گا۔، بس یا اللہ، میری بھابھی دل کی بہت اچھی ہو۔۔۔آتے ہی مجھ پر رحم آجائے۔۔۔کہے " بس دیور جی، میں تم پر مزید ظلم نہیں ہونے دوں گی۔۔۔اس سردار نے تم پر جو ظلم "کیے ہیں، میں سب کا بدلہ لوں گی۔"

،اور پھر ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ آگئی

سردار تو عاشق ہے نا۔۔۔بھابھی جب یوں کہے گی تو وہ اپنے محبوب سائیں کو کیا ہی " کہے گا۔۔۔ہائے واہ، کیا سین ہوگا!"دونوں دیور بھابھی اسے اسے خوب نچائیں گے۔بالا

نے کپڑوں پر آخری ہاتھ پھیرتے ہوئے خوابوں میں رنگ بھرنا شروع کر دیا ایک دیور کی انوکھی امیدیں، اور ایک عاشق سردار کی بے خبری آنے والے وقت میں کیا "بننے والی تھی یہ تو وقت جانتا تھا یا وقت اور جہاں کا مالک۔۔۔۔۔"

oooooooo

وہ سب کے لیے بستر لگا چکی تھی۔ صحن میں حسبِ معمول چارپائیاں بچھا دی گئیں۔ لڑکیاں تو اندر ہی سونے کی عادی تھیں، لیکن بزرگ لوگ گرمیوں کی راتوں میں کھلے آسمان تلے سونا پسند کرتے تھے۔ ان دنوں موسم ذرا ٹھنڈا چل رہا تھا، رات کو ہلکی ہلکی ہوا چلتی تھی، جس سے باہر سونے میں عجیب سا سکون ملتا تھا۔ اسی لیے صحن میں پنکھے بھی کار کر رکھ دیے گئے تھے تاکہ آرام میں کوئی کمی نہ رہے۔

دعاء اپنے سارے کام نمٹا چکی تھی۔ برتن دھو کر رکھ دیے تھے، صحن سمیٹ کر صاف کر لیا تھا، اور باقی کمرے بھی ٹھیک ٹھاک کر دیے تھے۔ اب وہ پرسکون انداز میں اپنے کمرے میں گئی، وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ باہر ہلکی سی ہوا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی، اور گھر کے باقی افراد اپنے

اپنے بستروں میں جا چکے تھے۔ اس وقت کا سکون اُسے ہمیشہ اچھا لگتا تھا، جب سب کچھ تھم سا جاتا تھا اور وہ تنہائی میں اپنے رب کے سامنے کھڑی ہوتی تھی۔

یہ وقت اس کے لیے ہر طرح کی پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے آزاد ہونے کا تھا۔ دن بھر کے کام، لوگوں کی باتیں، چھوٹے موٹے شکوے، سب کچھ وہ اس لمحے بھول جایا کرتی تھی۔ یہ وقت صرف اس کا اور اس کے رب کا ہوتا تھا۔ وہ اپنے خدا سے دل کھول کر باتیں کرتی، شکوے بھی، خوشیاں بھی، اداسیاں بھی اور چھوٹی چھوٹی خواہشیں بھی۔ سب کچھ وہ اسی سے کہتی تھی۔ اُسے یقین تھا، اس کا رب اسے سنتا ہے... وہ اس کا ہے، صرف اس کا۔

چاہے وہ نم آنکھوں سے کوئی گلہ کرتی یا لبوں پر مسکراہٹ کے ساتھ کوئی خوشی بانٹتی، اُس کے اور اللہ کے درمیان کسی اور کا کوئی دخل نہ تھا۔ اُس کی عشاء کی نماز ہمیشہ لمبی ہو جاتی تھی، اور وہ گھنٹوں سجدے میں، دُعا میں، اور دل کی باتوں میں گم رہتی تھی۔ آج بھی وہ اسی کیفیت میں تھی، مکمل سکون اور انہماک کے ساتھ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھی۔ باہر مکمل خاموشی چھا چکی تھی، شاید سب ہی نیند کی آغوش میں جا چکے تھے، لیکن اُس کی باتیں اب بھی جاری تھیں۔

تبھی یکایک اُسے اپنے کمرے میں کسی اور کی آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ چونکی نہیں، لیکن دل کی دھڑکن ایک لمحے کو ضرور رکی۔

اسے یہی گمان ہوا کہ شاید گھر کا ہی کوئی فرد کمرے میں آیا ہوگا، اور اُسے عبادت میں مشغول دیکھ کر بنا کچھ کہے واپس پلٹ جائے گا۔ اس کے گھر والے ہمیشہ اس کی عبادت کا احترام کرتے تھے، اور نماز کے وقت کسی کو بھی اُس کے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ یہی سوچ کر وہ بالکل مطمئن انداز میں، روز کی طرح پوری توجہ کے ساتھ اپنے رب کے حضور جھکی ہوئی تھی، بنا اس خیال کے کہ کوئی غیر معمولی بات بھی ہو سکتی ہے۔

لیکن اچانک، اُس کی سماعت میں بھاری بوٹوں کی آواز گونجی۔ قدموں کی چاپ جیسے بالکل قریب آ کر رُک گئی ہو۔ اُس کے دل میں ایک لمحے کو ہلکی سی ہلچل ہوئی۔ یہ آواز عام گھریلو سلپرز کی نہیں تھی۔ گھر کے کسی مرد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ رات کے وقت ہمیشہ سلپرز استعمال کرتے تھے۔ اور وہ سب تو اس وقت تک اپنے اپنے بستروں میں جا چکے ہوتے۔

ایک دم اُسے احساس ہوا کہ کوئی بہت قریب کھڑا ہے... بہت ہی قریب۔ دل کی دھڑکن جیسے ایک پل کو رک گئی۔ اس عجیب، غیر مانوس سی موجودگی نے اُسے اپنی نماز مختصر کرنے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے جلدی سے آخری سجدہ مکمل کیا، دُعا مختصر کی، اور تشویش سے اپنے ارد گرد دیکھنے لگی... دل میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا

oooooooo

رات کی تنہائی میں، وہ دبے قدموں کچے گھر کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوا۔ خاص خیال رکھا تھا کہ کوئی آواز پیدا نہ ہو، کہیں کسی کی نیند خراب نہ ہو، کہیں کوئی جاگ نہ جائے۔ بالا کو بتائے بغیر آیا تھا، اس بات کا حساب وہ بعد میں چکا لے گا۔ بالا ناراض ضرور ہوگا، لیکن آخر کو وہ اس کا یار ہے، منانا زیادہ مشکل نہیں۔

ہاں... لیکن شیر دل؟

اس کی ناراضی ذرا الگ سطح کی ہوتی تھی۔ اسی لیے وہ اسے ساتھ نہیں لایا تھا۔ اور ویسے بھی، اگر وہ اپنے گھوڑے کو ساتھ لاتا تو اُس کے بھاری قدموں کی دھمک سے گاؤں کے لوگ جاگ جاتے۔ پھر یہ چپکے سے چھپ کر محبوب سائیں سے ملنے کی

خواہش... صرف خواہش ہی رہ جاتی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا سوہنا مکھڑا کسی خوف یا ہنگامے کی زد میں آ جائے۔

خاموشی سے، دیوار کے سائے میں چھپتا، وہ آہستہ آہستہ کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اس کا دل، اس کی چاہت، اور شاید اس کی راتوں کی نیند بھی بس گئی تھی۔

وہ دبے قدموں صحن میں داخل ہوا تھا، بہت احتیاط سے... جیسے چاندنی رات میں کوئی چور اپنے دل کا خزانہ لینے آیا ہو۔ اس کی نظریں چارپائیوں پر پھسلتی پھرتی، ہر طرف تلاش کر رہی تھیں... مگر کہیں وہ سوہنا، معصوم سا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس ننھے سے وجود کا تو یوں بھی اندیشہ تھا کہ ذرا سی ہوا چلے اور وہ اس میں اڑ جائے۔

شکر ہے میرا سوہنا سجن اندر کمرے میں سوتا ہے اگر ہوا اڑا کر لے جائے تو، ویسے بھی ملاقات کا مزہ تو اندر ہی آئے گا۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے، آہستہ آہستہ کمرے کی طرف بڑھا۔ گھر بہت بڑا نہیں تھا، سامنے کی طرف چار کمرے تھے۔ پہلے کمرے کا دروازہ کھولا، تو اندر دو لڑکیاں بے فکری سے سو رہی تھیں۔ ان کا انداز خاصا بے ترتیب تھا، وہ فوراً دروازہ بند کر کے دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرا کمرہ کھولا، تو ایک لڑکی فون کان سے لگائے کسی سے گہری بات میں مصروف تھی، اور دوسری نیند کی وادیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

یہاں تو عاشقیاں چل رہی ہیں لگتا ہے میری طرح کوئی اور بھی اپنے محبوب سائیں " سے ملاقات کے لیے تڑپ رہا ہے

وے خیر مینوں کی، میں تے اپنے محبوب سجن دا دیدار کرن آیا ہاں۔ اللہ سائیں "\*\* کرے سبھناں دیاں یاریاں رنگ لیان، تے سبھ نوں جائز رشتے وچ بندھاوے۔ (\*\*)" خیر مجھے کیا میں تو اپنے محبوب سجن کا دیدار "کرنے آیا ہوں اللہ سب کی یاریوں کو رنگ لائے سب کو جائز تعلق میں باندھے، (اس نے دل میں سوچا، اور ایک لمحے کو اداسی نے اس کی شوخی پر چھاپ ڈال دی۔

میرا سجن سائیں کہاں ہے؟ "شرارت سے زیر لب مسکراتے ہوئے وہ اگلے کمرے کی طرف بڑھا، مگر دروازہ کھولتے ہی ایک لمحے کو رُک گیا۔

کمرہ... بالکل خالی تھا۔

"! سجن سائیں، کیوں تڑپا رہی ہو؟ ... اب تو دیدار کروا دو نا"



وہ دھیرے سے بڑبڑایا اور اگلے کمرے کا دروازہ کھولنے لگا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی، جیسے کسی مقدس ساعت کا گواہ ہو۔

اس کے لبوں پر خود بخود دلکش، سرشار سی مسکراہٹ ابھری۔ کالے لباس میں لپٹا اس کا دراز قد، بھاری بوٹوں کی چاپ کے ساتھ جیسے خاموشی کی سرحدیں پار کر رہا ہو۔ قدم اندر رکھتے ہی اس نے دروازہ آہستگی سے بند کیا۔

سامنے، جائے نماز پر... دنیا و مافیہا سے بے خبر، پر نور اور معصومیت میں ڈوبا ایک چہرہ، مکمل توجہ سے عبادت میں مصروف تھا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب آیا، جیسے ہر سانس میں احترام بسا... ہو... اور پھر

نرمی سے، خاموشی سے، اس کے پاس زمین پر بیٹھ گیا۔ صرف سانسوں کی سرگوشی باقی تھی... اور دل کی دھڑکن، جو اب اس کے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

اس کی نگاہیں اُس نازک چہرے پر جیسے ٹھہر سی گئی تھیں۔

وہ کتنی حسین تھی... یہ اگر کوئی اُس کے دل سے پوچھتا، تو وہ شاید لفظوں میں بیان نہ کر پاتا۔

جیسے اس کے اندر کوئی خاموش سی دھڑکن چیخ چیخ کر کہہ رہی ہو

"بس یہ میری ہے... میری دعا... میری محبت... میری سانس۔"

اُس کی نظریں جیسے ساکت تھیں، صرف اُس کے چہرے پر... اور آنکھوں میں وہ جذبہ تھا جو لفظوں سے نہیں، صرف نگاہوں سے عیاں ہوتا ہے۔

یقیناً... اس کا محبوب سائیں بھی محسوس کر چکا تھا کہ وہ اب تنہا نہیں رہی، تبھی تو بے قراری اس کے وجود میں سرسرا نے لگی تھی۔

وہ دعا کے الفاظ جلدی جلدی لبوں پر لانے لگی، جیسے اس لمحے کو مکمل کر کے، کسی انجانے طوفان سے پہلے پناہ لینا چاہتی ہو۔

دعا ختم کرتے ہی، چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے

... اس نے بے ساختہ نظریں اٹھا کر ارد گرد دیکھا

تو سانس جیسے پل بھر کو رک گئی۔

...وہ وہاں تھا۔ سامنے، بہت قریب... لبوں پر گہرا، دل موہ لینے والا تبسم سجائے

وہ شخص... جو آج ہر پردہ ہٹا کر آیا تھا۔

نہ صرف اپنی نظریں... بلکہ اپنا پورا وجود لے کر آیا تھا۔ آج وہ صرف اسے دیکھنے

نہیں، اپنا دیدار کروانے آیا تھا... اسے بتانے آیا تھا کہ اگر وہ حسن کی شہزادی ہے تو

سردار دلدار \*\* بھی کسی شہزادے سے کم نہیں۔ مگر پھر... یہ کیا ہوا؟ \*\*

اس کا \*\* ڈرپوک سائیں \*\*۔ جسے وہ اتنی بہادری سے دیکھنے آیا تھا۔ اچانک آنکھوں

میں حیرت کا طوفان لیے چیخنے ہی لگا۔

آآآآآآآآآآ۔۔۔ "آنکھیں پھیلیں، لب ہلے، آواز کانوں سے ٹکرانے ہی والی تھی "

، کہ... دلدار کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ ابھری

اور اگلے ہی لمحے، اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر وہ دھیرے سے بولا۔

میرا ڈرپوک سجن، ایسے کون چیختا ہے وہ بھی اپنے سردار سائیں کو دیکھ کر، دلدار

اپنے سوہنے مکھڑے کے لیے پتھر لے بہار پار کرایا اور تم مجھے دیکھ کر چیخ رہی ہو، نہ

میرا سجن سوہنا نہ یہ تو ظلم ہے زیادتی ہے، اس معصوم سے دلدار کے ساتھ، اور  
دلدار خود کے ساتھ تو ظلم ہونے نہیں دے گا اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی  
سردار نے آہستہ سے ہاتھ اس کے لبوں سے ہٹایا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ اب  
چپخیں گی نہیں اور سچ میں وہ چپخیں نہیں تھی بلکہ اگلے ہی لمحے اٹھ کر دیوار کے ساتھ  
لگ کر کھڑی ہو گئی۔ یقیناً وہ سکتے میں کھڑی تھی۔ اور اسے یوں کھڑے دیکھ کر دلدار  
کے دل کی بے قراریاں بھرنے لگی تھی۔ وہ۔ بھی اٹھ کر کھڑا ہوا اس کی آنکھوں میں  
وحشت دیکھنے لگا سامنے کھڑا شخص... وہی جو کل رات گاؤں ڈاکا ڈال کر گیا تھا، سیٹھ  
طیب کا قتل کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے کتنے گھرا جڑے، کتنی مائیں روئیں... وہی آج  
اس کے سامنے تھا

، اس کے کمرے میں... اس کے بے حد قریب۔ گھنی پلکوں تلے نظریں سمٹنے لگیں  
اور دل اتنی زور سے دھڑکنے لگا جیسے پسلیاں توڑ دے گا۔

، آ۔۔۔ پ۔۔۔ آپ؟" اس کے ہونٹ کانپے"

آواز میں خوف اور حیرت دونوں شامل تھے۔ وہ چاہنے کے باوجود بھی چیخ نہیں پا رہی تھی کسی کو پکار نہیں پا رہی تھی۔

... اور وہ؟ وہ جو پورے علاقے کی دہشت تھا، اس وقت اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جیسے اس کے ہر گناہ کا جواب، اس لڑکی کی معصوم آنکھوں میں چھپا ہو۔

ہاں، میں "وہ آہستہ بولا"

"دلدار تمہارا دلدار، اپنے سجن سائیں کا ہونے والا سر کا سائیں۔۔۔۔"

آپ۔۔۔ قاتل۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ "وہ کاپتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش میں ناکام ہوئی تو وہ ہلکے سے لبوں کو حرکت دیتا مسکرایا تھا

ہاں بالکل، یہی پہچان ہے میری، میں قاتل بھی ہوں... ڈاکو بھی "وہ قدم آگے بڑھانے لگا۔

اور ہاں، میں عشق کا دعوے دار بھی ہوں... تمہارا عاشق بھی کوں۔۔۔ صرف "تمہارا۔۔۔"

آپ۔۔۔ یہا۔۔۔ کیوں؟ "وہ چیخی نہیں، صرف سوال کیا"

لیکن سوال کی گہرائی نے اسے اندر سے ہلا دیا۔

وہ رکا... ایک لمحے کے لیے جیسے خود کو سچ کی زنجیروں میں قید کر رہا ہو۔

کیونکہ تم میری ہو، میری... اور میں تمہارا۔ جو جس کا ہوتا ہے، وہ آخر کار اسی کے

"پاس آتا ہے نا؟"

وہ اس کے بالکل قریب آچکا تھا، مگر نگاہوں میں کوئی ہوس، کوئی درندگی نہ تھی...

صرف ایک بے تاب، پاگل طلب تھی، صرف عشق کی تپش۔

جو جس کا ہوتا ہے، وہ اسی کے پاس آتا ہے... اور میں تمہارے پاس خود چل کر آیا "

ہوں۔ اب تمہیں میرے پاس آنا ہے۔ فکر مت کرو... لے جاؤں گا، دھوم دھام سے

لے کر جاؤں گا۔

اب تو شاید رہ بھی نہیں پاؤں گا تمہارے بغیر۔

میرا سوہنا مکھڑا... میرا حسین چاند... اب اس چاند کو میرے آسمان پر ہی چمکنا ہے۔

اپنے سوہنے مکھڑے کی روشنی کسی اور کے آنگن میں چمکنے دوں... تو لعنت ہے ایسے عاشق پر۔

"... نہ... نہیں... ہرگز نہیں

وہ بول نہ سکی۔

کانپ رہی تھی، خوف کی شدت سے پورا وجود لرز اٹھا تھا۔

کیوں نہیں سجن سائیں؟ تم... میری ہو۔"

بتایا تھا نا تمہیں تین سال پہلے... تم میری امانت ہو۔

تو پھر اس 'نہیں' کا کیا مطلب ہے؟

"جو میرا ہے، اسے میں لے کر ہی جاؤں گا۔

"... میں... نہیں... جاؤں... گی"

وہ نفی میں سر ہلاتی، گھبرا کر بولی۔

آواز ٹوٹی، جیسے کوئی ڈراونا خواب ہو جس سے ابھی بیدار ہو جائے گی۔

لیکن خواب ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

جانا تو پڑے گا... نہیں 'والا آپشن نہیں ہے۔"

لیکن تمہارا دلدار اپنی ڈرپوک سجنی کی خواہشوں کا احترام ضرور کرے گا۔

... اب یہ نہیں کہ اگر تمہارا من پسند آپشن نہیں ہے تو کوئی آپشن ہی نہ ہو

:آپشن ہیں۔ دو ہیں

... یا تو شیر دل کی پیٹھ پر بیٹھ کر چلو گی

"یا میں تمہیں اپنی باہوں میں اٹھا کر لے کر جاؤں گا۔"

... اف، میرا سوہنا مکھڑا"

... تمہیں کیا پتا، وہ شیر دل کون ہے۔ بلکہ پتہ ہو گا

کل دن میں اسی کی سواری کی تھی تم نے۔

"میں تمہیں گھر تک چھوڑ کر آیا تھا۔"

اسے کل دوپہر کی تپتی گرمی والا واقعہ یاد کروانے کی ضرورت نہیں تھی۔



... اسے اس کی آواز سے ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہی وہی شخص تھا

جو کل اس کے لیے قیامت بن کر آیا تھا۔

"... د... د... دیکھیں... ڈا... ڈا کو جی... میں"

الفاظ ہونٹوں پر بکھرنے لگے۔ اونچی آواز میں بولنے کی ہمت نہ رہی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ کتنے زخم لگنے والے ہیں۔

بس اتنا جانتی تھی کہ سب نے اسے ہی غلط سمجھنا ہے۔ ہر انگلی اسی پر اٹھے گی۔

اور سامنے کھڑا شخص اتنا قریب تھا کہ

خوف سے زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

ڈا کو کی جان... انکار مت کرنا تمہارا انکار جان پر وار کرے گا۔ تم چاہو تو میں کل "

"سے خود کو مٹا دوں، لیکن دل سے تمہیں نکال دینا... یہ میرے بس میں نہیں۔

اسی لیے... یوں ڈرنا، گھبرانا بند کرو۔ میری ہر دھڑکن تمہاری امانت ہے۔ اور تم..."

میری امانت ہو... جسے میرے پاس آنا ہے۔ "دعام کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ لیکن اس وقت... خوف سے زیادہ، الجھاؤ اسے اندر ہی اندر ڈس رہا تھا۔

کیا وہ واقعی وہی شخص ہے؟"

"وہی ڈاکو؟ ہاں... لیکن کیا وہی قاتل بھی ہے؟"

اس نے کبھی سیٹھ طیب کو دیکھا نہیں تھا۔

نہ ہی وہ اسے جانتی تھی۔

... لیکن اس کی موت... وحشت بن کر پورے گاؤں میں گونج رہی تھی۔ اور سچ تو یہ تھا

اسے فرق نہیں پڑتا تھا کہ سامنے کھڑا شخص قاتل ہے یا نہیں۔

... لیکن جو اسے اپنی امانت کہہ رہا تھا

وہ قاتل ہو سکتا ہے؟

# اردو ناولز کلیکشن

Website

<https://urdunovelscollection.com/>

Whatsapp Channel

<https://www.whatsapp.com/channel/0029VaEcPFVChq6Ho15o1EQQ>

Youtube Channel

<https://www.youtube.com/@urdunovelscollection1>

Facebook Page

<https://www.facebook.com/profile.php?id=61565379262101>

Tiktok

<https://www.tiktok.com/@urdu.novels1>

اس جیسے اور اچھے ناولز پڑھنے کے لئے سامنے  
دیے گئے لنکس پے کلک کر کے ہماری ویب سائٹ  
یا واٹس ایپ چینل جوائن کر لیں

ناولز کے شارٹس ویڈیو سٹیٹس آپ ہمارے

**Youtube , Facebook , Tiktok**

پروفائلز سے حاصل کر سکتے ہیں

یہ سوچ کر ہی اس کی روح تک کانپ گئی تھی۔ اسے کانپتے دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ دعام کے قریب آیا، اس کی خوشبو اس کے ہر سانس میں گھل رہی تھی۔ وہ اس کی اس قدر قریب تھا کہ دعام کی آنکھوں کا خوف بھرنے لگا تھا

دلدار کی نگاہوں میں نرمی تھی، مگر دل میں دیوانگی کی آگ بھی بھڑک رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، لیکن اس کی موجودگی ایک طاقتور رعب لیے ہوئے تھی۔ میرا سوہنا مکھڑا "... اس نے سرگوشی کی، آواز میں محبت اور تھوڑی سی غرور کی چمک " تھی۔

میرا سجن سائیں، میری امانت، تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ "سردار تو خود مرتا ہے تم پر " وہ مسکرایا، جیسے کوئی معصوم بچہ اپنی پسندیدہ چیز کو سہلاتا ہو،

تمہارے خوف نے میرے دل کو تکلیف دی ہے، میرا ڈرپوک سائیں۔ تم میرے " لیے سب کچھ ہو۔ "سب کچھ کا مطلب پتہ ہے تمہیں سب کچھ کا مطلب سب کچھ ، سانس، بھی زندگی بھی

، اس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا

لیکن اس کے لہجے میں اب ایک روعب سا تھا جو اس کی ہستی کا حصہ تھا۔

یہ دنیا بہت بے رحم ہے، اور میں تمہیں اس سے بچانا چاہتا ہوں۔ میں وہ ڈاکو ہوں " جو سب چیر سکتا ہے، لیکن میں وہی عاشق بھی ہوں جو تمہیں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔"

دعام کی آنکھوں میں خوف تھا، وہ کانپ رہی تھی، مگر اس کی نبض اس کے قریب ہونے سے تیز ہو گئی تھی۔

مجھے دکھ ہے تکلیف ہے اس بات کی کہ تم میرے نکاح میں نہیں ہو ورنہ ایک لمحہ تمہیں اس دنیا کے حوالے نہ کرتا۔ تم نہیں جانتی اس وقت میں کیا محسوس کر رہا ہوں میرا دل اس غم سے تڑپ رہا ہے کہ تم میرے نکاح میں نہیں ہو۔

میں تمہارا ہوں، دعام "... اس نے نرمی سے کہا، لیکن آواز میں حکم کی گونج تھی۔"

اور تم میری صرف میری "اور جو میرا ہے، اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ تم میرے پاس آؤ، چاہے تم ڈرتی ہو، کانپتی ہوئی آؤ، مگر آنا تو پڑے گا چاہے تم کچھ کہو یا نہ کہو۔

میرا دل تمہارے لیے پاگل ہے، اور میں تمہیں اپنی باہوں میں نہیں لے سکوں پھر تو یہ زندگی بے معنی ہے۔" اس لیے تمہیں میرے پاس انا ہو گا تمہیں میرا بننا ہو گا۔

اس کی آنکھوں میں بے پناہ محبت اور دیوانگی تھی، وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ دعام نے اس کی سانسیں محسوس کیں

"پلیز۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ میں۔۔۔۔۔"

ڈاکو صدقے اپنے ڈرپوک سجن پر، وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوتا اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے بھی عجیب نظارہ پیش کر رہی تھی۔ وہ خود پر اختیار ہونے لگا تھا مگر اس کی دھڑکنیں اس قدر بے قابو تھیں کہ ایسا لگا جیسے وہ خود پر قابو نہیں رکھ پا رہا ہو۔

اچانک وہ دعام کے بہت قریب ہو گیا، اتنا قریب کہ اس کی سانسیں اس کے چہرے پر گزر رہی تھیں۔

اس کے لب بے حد نرمی سے، مگر بہت ہی قریب، دعام کے لبوں کے پاس آئے۔

اس نے اس کی کپکپاہٹ کو محسوس کیا، اور یہ لمس اس کے دل کو مزید مچلا گیا۔

اس کے مونچھوں کا ایک بال اس کے رخسار سے ٹکرایا، اور وہ ہل کر کانپنے پر مجبور ہو گئی۔

، وہ اسے چھو نہیں رہا تھا، نہ ہی جان بوجھ کر کوئی لمس دے رہا تھا  
بس اس کی موجودگی اور اس کی مہک دعام کو بری طرح اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔  
دلدار نے آہستہ کہا، "سجن سائیں، اب دلدار آئے گا، اور تمہاری بارات آئے گی،  
"اور تم میرے ساتھ چلو گی۔"

اس کی آواز میں محبت کی نرمی تھی، مگر اس کے الفاظ میں ایک حکم کی سختی بھی چھپی تھی۔

اب یہ دلدار کو گوارا نہیں، تمہاری قربت کے لیے میرا دل اس قدر مچل رہا ہے کہ  
اگر تم جان جاؤ تو... تو... تو... الفاظ ختم ہو گئے اس کی کیفیت بیان کرنے کے لیے وہ  
کچھ تلاش نہیں کر پایا کہنے کو۔

تم کانپتے کانپتے پاگل ہو جاؤ۔ اور دلدار تو پہلے ہی تمہارے عشق میں پاگل ہے اسی لیے تمہیں مزید پاگل کرنے کے لیے تین دن کا وقت لے رہا ہوں۔ تین دن کی "ضرورت نہیں بے شک چاہوں تو ابھی لے کر چلا جاؤں تمہیں اپنے ساتھ۔۔۔۔۔"

لیکن پتھر یلے پہاڑوں کا راجہ ہوں اپنے دلدار سجن کی بارات دھوم دھام سے لے کر آؤں گا تین دن جی لو اپنی زندگی جیسے جینا چاہتی ہو تین دن کے بعد تم پر تمہارے باوجود پر صرف دلدار یلغار کی سانسوں کا قبضہ ہو گا۔

نہیں رہنا تم سے دور بالکل نہیں رہنا تین دن بعد آؤں گا بارات لے کر خود کو سجا لو میرے لیے اب کوئی بہانہ نہیں۔

وہ کہتے ہوئے اچانک کمرے سے نکلا تھا۔ تیزی سے چارپائیوں کے بیچ سے گزرتا وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو سب لوگوں کی آنکھ کھل گئی تھی۔

تایا ابو نے فوراً چارپائی چھوڑتے ہوئے دروازے سے باہر جھانکا تھا۔ اور پھر بھاگتے ہوئے واپس اندر داخل ہوئے تو دوام کو دیوار کے ساتھ بیٹھے بری طرح سے روتے ہوئے پایا



oooooooo

"کون تھا وہ؟"

تایا ابو کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا، آواز میں وہی آتش جو برسوں کے اعتماد کو لمحوں میں خاک کر دے۔

"کون تھا جو تجھ سے آدھی رات کو ملنے کے لیے آیا تھا؟ کون نکلا ہے ابھی دروازے سے؟"

ان کا غصہ، ان کی نظریں سب دعام پر مرکوز تھیں، اور وہ اندر تک کانپ رہی تھی۔  
کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ زبان جیسے تالو سے چپک گئی ہو۔

"ڈا۔۔۔ کو۔۔۔"

وہ بمشکل کانپتی آواز میں بس اتنا ہی بول پائی تھی۔

ڈاکو کا نام سنتے ہی جیسے پورے گھر میں ایک سناٹا سا چھا گیا ہو۔

تایا ابو جو ابھی تک خاموش کھڑے تھے، وہ بھی لرز گئے۔

سیٹھ طیب کی لاش کا منظر جیسے آنکھوں کے سامنے جھولنے لگا ہو۔

اس دن کی دہشت، وہ خون آلود لباس، وہ ٹپکتا لہو... کچھ بھی تو بھولا نہ تھا۔

دروازے کے باہر کی خاموشی اندر موجود ہر دل کی دھڑکن پر بھاری پڑ رہی تھی۔

دعام کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔

اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے، دل دھک دھک کرتا ہوا جیسے چیخ چیخ کر سب کچھ بتانا، چاہتا ہو

\*"مگر زبان صرف ایک ہی لفظ پر رُکی تھی" \*...ڈاکو

"!...تایا ابو"

، وہ ایک دم سے زمین سے اٹھ کر ان کے سینے سے لپٹ گئی

"!تایا ابو مجھے بچا لیجیے... خدا کے لیے... مجھے بچا لیجیے"

اس کی سسکیاں شدت پکڑتی جا رہی تھیں، آنسو بہہ کر تایا ابو کے کپڑوں کو بھگونے لگے۔

"وہ کہتا ہے تین دن بعد مجھے لے جائے گا... زبردستی لے جائے گا، تایا ابو"

، اس کے لہجے میں ایسی لرزش تھی کہ دل دہل جائے

وہ کہتا ہے میں اس کی امانت ہوں... وہ مجھے لے جائے گا... وہ قاتل ہے! تایا ابو، اس"

"نے خود قبول کیا ہے... وہ ڈاکو ہے

، دعام کی آواز روتے روتے کپکپا رہی تھی

"... بہت خطرناک ہے... بہت... وہ مجھے مار ڈالے گا، تایا ابو... خدا کے لیے مجھے بچا لیجیے"

وہ تڑپ تڑپ کر ان سے لپٹی تھی جیسے وہی اس کی آخری پناہ ہوں۔

، جبکہ ڈاکو کا نام سنتے ہی تایا ابو کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا

... خوف جیسے رگ رگ میں اتر گیا ہو

سیٹھ طیب کا قتل، دن کے اجالے میں ہونے والی وحشت، اور گاؤں پر چھایا

خوف... سب کچھ پلک جھپکتے ذہن میں گردش کرنے لگا۔

دعام کی لرزتی آواز اور اس کا کانپتا وجود تایا ابو کی مضبوط چھاتی کو بھی ہلا کر رکھ گیا تھا۔

...وہ خوف سے کانپنے لگے تھے، یہ سوچ کر کہ

یہ سوچ کر کہ وہ تین دن میں اسے لے جانے کی بات کر چکا ہے۔ مطلب ان کی عزت مٹی میں ملنے والی تھی۔

اگر ایک بدنام زمانہ ڈاکو ان کی بھتیجی کو اٹھا کر لے جاتا تو کیا منہ دکھاتے لوگوں کو؟ کیسے سراٹھاتے چار بیٹیوں کے باپ ہو کر؟

یہ تایا تھے... جن کے سینے میں اب صرف ایک ہی دھڑکن رہ گئی تھی — عزت بچانے کی۔

ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا، آنکھوں میں وہی وحشت جو دعام کے اندر پل رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا میری بچی، کچھ نہیں ہو گا۔"

انہوں نے لرزتی آواز میں کہا اور دعام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

اللہ پاک سب ٹھیک کرے گا... تُو گھبرا مت، میں ہوں نا تیرے ساتھ..." وہ اسے " حوصلہ دینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن خود انہیں حوصلہ کون دیتا۔ ان کے لفظوں سے زیادہ خوف ان کی دھڑکنوں سے ٹپک رہا تھا۔

...وہ تو خود اس شخص سے کانپ اٹھے تھے

اس کی آنکھوں کی وحشت، اس کا دبدبہ، اس کی بات کرنے کا انداز، سب کچھ... انہیں اپنی گردن پر اب تک اس ڈاکو کے ساتھ گرفت محسوس ہو رہی تھی وہ صرف کوئی عاشق نہیں تھا، جو وہ اس کی محبت کے سامنے ہار کر دعام کو اس کے حوالے کر دیتے وہ ایک ڈاکو تھا۔ قاتل تھا۔ اور اب... ان کی دعام کو اپنا کہتا تھا۔ اور یہ چیز ان کی عزت پر داغ لگا سکتی تھی جو وہ لگوا نہیں سکتے تھے آخر ان کی بھی بیٹیاں تھی وہ اپنے گھر کی بچی کسی ڈاکو کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔ بے شک وہ بچی انہیں عزیز ہو یا نہ ہو لیکن ان کی عزت تو تھی۔

oooooooo

وہ خاموشی سے پہاڑی موڑ مڑتا ہوا اپنے پہاڑوں کی طرف آیا۔ چہرے پر عجیب سی نرمی تھی، جیسے کسی اندھی تپش کو سکون مل گیا ہو۔ آنکھوں میں ایک روشنی سی تھی، بے آواز مسکراہٹ جیسے لبوں پر ٹھہری ہوئی ہو۔ سکون ہی سکون تھا۔

اور سانسوں میں تو آج محبوب سائیں کی خوشبو بسی تھی۔ اسے چھونا پانے کا غم اپنی جگہ اس کے قریب سے ہو کے آنے کی خوشی اپنی جگہ۔۔۔ "وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اپنے علاقے کے بالکل پاس آ گیا۔

جبکہ دوسری طرف بالا پاگلوں کی طرح نیچے بنے خیمے کے آس پاس چکر لگا رہا تھا۔ ماتھے پر شکنیں، قدموں میں ٹھہراؤ نہیں۔ وہ بار بار اُسی سمت دیکھتا، پھر خود کو کوستا کہ آخر کیوں کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ اور جب نظر اس پر پڑی... تو وہ ٹھٹھک گیا۔

دور سے سردار آ رہا تھا۔ وہی وقار، وہی خاموشی... لیکن آج چہرے پر سکون تھا، جسے بالا فوراً پہچان گیا۔ وہ تیز سے آگے بڑھا، کچھ کہنا چاہا، لیکن سردار نے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آہستگی سے بولا

سب ٹھیک ہے، پریشان نہ ہو۔ "ٹھیک ہوں میں یہیں پر تھا، اس کے چہرے کی " پریشانی دیکھتے ہوئے وہ سمجھانے لگا بالا کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، مگر سوال اب بھی آنکھوں میں تھا۔

"کہاں گئے تھے تم؟" بالا کا لہجہ تیز تھا، قدم بے قابو، جیسے ضبط کا بند ٹوٹنے کو ہو۔ " اور بتا کر کیوں نہیں گئے کہ جانے کا ارادہ ہے؟ شیر دل تک اندر اصرطبل میں بنا بیٹھا ہے۔ مجھے لگا شاید اسے ساتھ لے گئے ہو، لیکن وہ بھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں "جانتا۔ پتا ہے کتنی پریشانی ہوئی؟

سردار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، لبوں پر وہی ہلکی سی مسکراہٹ، جیسے کسی راز پر پردہ ڈالے بیٹھا ہو۔

بالا کا پارہ چڑھ رہا تھا، وہ رکے بغیر بولتا گیا، "کم از کم اتنا تو کہہ دیتے کہ جا رہا ہوں، اب بھی پریشان تھا۔

ارے یار ایک ضروری کام تھا کرنے گیا تھا اور تمہیں بتا دیتا تو تمہاری تفشیش شروع ہو جاتی کہاں جا رہے ہو، کیوں جا رہے ہو۔ وہ اس کے انداز میں اس کی نقل اتارنے لگا۔

ہاں تو دوست ہوں تمہارا، کوئی غیر نہیں۔ دل ہولنے لگتا ہے جب تم یو نہی غائب ہو جاتے ہو۔

، سردار نے ایک گہری سانس لی  
دوست ہے دوست بن کھوتیا، بیوی نہ بن "سردار نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا"  
تھا۔ جبکہ اس کے انداز پر اس نے ناک چرایا تھا۔

بیوی تو دعام بھا بھی آ کر بنے گی سردار!" جب ہر بات پہ تفتیش کیا کرے گی نا، تب " آئے گا مزہ۔ جب دن رات سوالات ہوں گے، کہاں گئے؟ کیوں گئے؟ کس سے ملے؟ تب پتہ چلے گا۔" تب تجھے قدر ہوگی اس معصوم دوست کی، وہ اپنی اہمیت جتا رہا تھا جبکہ سردار اب بھی خاموشی سے مسکرا رہا تھا، جیسے جانتا ہو، یہ موضوع کبھی ختم نہیں ہوگا



ویسے سردار میں کیا سوچ رہا تھا بھابھی کے یہاں آنے کے بعد تو صرف بھابھی کا ہی  
"ہو کر رہ جائے گا"

میرا سجن سائیں، محبوب سائیں، میرا سوہنا مکھڑا کر کے تو اس کے پیچھے گھومے  
گا۔ جب تُو اسے صفائی دیتا پھرے گا، اور وہ تجھے خوب خمرے دکھائے گی تیری کوئی  
بات نہیں مانے گی اپنی چلائے گی۔ وہ مزے سے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا تو  
"، سردار نے آنکھیں سکیڑیں، ہلکا سا سر جھٹکا

، تو ضرورت سے زیادہ نہیں اچھال رہا میری معصوم بیوی کو بگاڑنے کی سازشیں نہ کر  
ایک دفعہ تولے آسے، پھر دیکھنا میں کیا کیا کرتا ہوں، بالا کی ہنسی اب کھل کر  
نکلی۔

"تو پھر تو تیار ہو جا... تین دن میں لینے چل رہے ہیں اسے۔"

سردار کی پرسکون آواز میں جیسے دھماکہ ہو گیا ہو۔ بالا کی سانس جیسے ایک پل کو رک  
گئی۔ وہ ساکت ہو کر اسے تنکے لگا، جیسے سچ اور مذاق کے بیچ پھنس گیا ہو۔  
کیا... کیا کہا تُو نے؟ "اس کی آواز دھیمی، مگر آنکھوں میں بے یقینی تھی۔"

سردار نے بس ہلکی سی مسکراہٹ دی، وہی مخصوص انداز... سکون سے، بے نیاز۔ "جو سنا، وہی کہا۔"

میرا سجن سائیں، میرا ڈرپوک سجن، میرا سوہنا مکھڑا... اب ہماری دنیا کا حصہ بننے والی ہے۔ "وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تو بالا نے سر پیچھے جھٹکا، دونوں "ہاتھوں سے منہ ڈھانپا

تین دن؟ سردار۔۔! تین دن یہ آنے والے تین دن۔۔۔ "مطلب تُو تین دن میں " شادی کر رہا ہے؟ تین دن میں بارات لے کر جانا ہے؟ "بالا کی آواز حیرت سے اونچی ہو گئی تھی۔

اتنی تیاری کرنی ہے، بارات سجاونی ہے، اپنے سارے بندے بلانے ہیں، صفائی والے " کو بولنا ہے، باورچی کو بک کرنا ہے... اب شادی ہوگی تو دعوت بھی تو کرنی ہوگی اور دعوت کے لیے تو کسی اچھے سے باورچی کا انتظام کرنا ہوگا، اتنا جلدی کیسے ہوگا یہ سب کچھ وہ کافی پریشان لگ رہا تھا

تو کہہ رہا ہے تین دن؟ سردار، تُو نے تو کہا تھا بھابی کا ویلکم دھوم دھام سے کریں گے، بڑی عزت سے لے کر آئیں گے۔ "وہ بولے جا رہا تھا، سانس تک لینے کا ہوش نہیں رہا،

تین دن میں تو ایک نئی چیل تک نہیں آئے گی سردار!" میری تیاری کیسے ہو گی میں " تو دولہے کا بھائی ہوں، دلہن کا دیور ہوں

سردار نے اس کی بات سنی، پھر وہی بے فکری، وہی مخصوص ہنسی جیسے سب پہلے سے طے ہو۔

سردار، میں تم سے کہہ رہا ہوں، اگر میری تیاری مکمل نہیں ہوئی تو میں نے تیری شادی رکھوا دینی ہے۔ وہ جذبات میں بہہ کر پریشانی سے بولا، تو سردار نے ہنس کر، قہقہہ لگایا اور مزے سے کہا

تیری چیل کا میں بندوبست کر دوں گا، تو بس باقی تیاری کر لے۔ "سب کچھ تیرے " ہاتھ میں ہے، ابھی سے لگ جا تیاریاں کرنے۔ میں آرام کرنے جا رہا ہوں۔

"تیری بھابی اکیلی سر سبز پہاڑوں کے دامن میں کھڑی، میرا انتظار کر رہی ہے۔"

ڈر جائے گی، اس سے جلد ملاقات کرنی ہے، مجھے جلد سونا ہے۔ "وہ اسے اسی حالت " میں چھوڑ کر اپنی آرام گاہ کی طرف چل دیا،

جیسے اس کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کوئی معمولی سا کام ہو۔

اور بالا؟ وہ تو ابھی بھی سر پکڑے کھڑا تھا، جیسے یہ سب کچھ ایک خواب ہو۔

اصلی ملاقات کر کے بھی سکون نہیں آیا، جو تو اب سر سبز پہاڑوں میں جا کر بھی "میری بھابھی کو تنگ کرے گا۔"

وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔

میرا یار سجن بڑا ڈرپوک ہے، میں بات کرتا رہا اور وہ کانپتا رہا۔ "سکون کیا؟ کیا " خاک سکون آنا تھا؟

"میں تو خوابوں میں ملاقات کروں گا، ویسے بھی خوابوں میں کوئی قید نہیں ہوتی۔

"اور تین دن کے بعد خوابوں کے باہر بھی ساری قید ختم کر دوں گا۔"

"پھر اکیلے ان سبز پہاڑوں پہ جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

چل اب تنگ مت کر، اپنے کام پہ لگ جا، تین دن کے بعد میری شادی ہے، کوئی " کی نہیں چھوٹنی چاہیے۔

وہ ایک بھرپور انگریزی لیتے ہوئے بولا تو اچانک بالانے اسے گلے سے پکڑ لیا۔  
نہیں، ہرگز نہیں! آج نہیں ملنے دوں گا تجھے بھابھی سے۔ "تیری شادی کی خوشی "  
"منانی ہے، جشن کرنا ہے

اوہ اٹھو! سارے کہاں ہو؟ تین دن کے بعد شادی ہے۔ کہاں مرے پڑے "  
"ہو؟" "اٹھو، تیاریاں کرو! سردار کی شادی ہے، ہمارے سردار کی شادی ہے  
وہ اچانک شور مچانے لگا، جبکہ سردار نے اسے گھورا۔

وہ سارے ڈاکوؤں کو جگا رہا تھا تاکہ پوری رات جشن منایا جائے۔

یہ تو ظلم ہو رہا تھا اس کے ساتھ، بہت بڑا ظلم۔

لیکن یہاں سے نکلنا آسان نہیں تھا۔

جسے تین دن کے بعد دن رات اپنی پناہوں میں رکھنا تھا، اس سے چند لمحوں کی دوری بھی برداشت نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن اسے کرنی تھی مجبوری تھی اس کی ان لوگوں نے اب اسے اٹھنے نہیں دینا تھا۔

oooooooo

بالا کے شور مچانے پر تھوڑی ہی دیر میں وہاں خاصی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔

، سارے ہی ڈاکو نجانے کہاں کہاں سے نکل کر بچوں بچ آ گئے تھے

کچھ نیند کی حالت میں آنکھیں ملتے، کچھ حیران و پریشان چہرے لیے۔

جبکہ سردار، وہ تو کمال اطمینان سے لوہے کی ایک پرانی چارپائی بچھا کر اس پر پاؤں پسارے لیٹ چکا تھا، جیسے کسی محل میں آرام کر رہا ہو۔

کیا ہوا بالا؟ تو اتنا شور کیوں مچا رہا ہے؟

"سب خیریت ہے نا؟"

، ایک نے قریب آ کر حیرانی سے پوچھا تو دوسرا پیچھے سے بول اٹھا

کہیں کوئی حملہ تو نہیں ہو گیا؟ یا کوئی خبر آئی ہے؟ "سب ایک ساتھ اس کے گرد " اکٹھے ہو کر سوالات کرنے لگے

لیکن سردار؟ وہ مسکرا کر آنکھیں موندے جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھا۔

او ہو! تم لوگ ہر بار سوچو گے تو برا ہی سوچو گے؟ منہوسوں کی طرح ہر بات میں " نحوست ہی ڈھونڈنی ہے تم سب نے؟

کبھی کچھ اچھا بھی ہو سکتا ہے "بالا مصنوعی غصے سے اٹھ بیٹھا۔

ہمارے سردار کی شادی ہونے جا رہی ہے، اور تم سب آرام سے اپنے اپنے خجروں " میں پڑے خراٹے مار رہے ہو! کسی کو کوئی پروا نہیں؟ کوئی جوش، کوئی ہوش نہیں؟ تین دن بعد بارات لے کر جانی ہے، اور یہاں سب ایسے سوئے ہوئے ہیں جیسے کوئی کام ہی نہیں بچا "اوہ جوش سے بھرا ہوا ادھر ادھر ٹھہلنے لگا، جب کہ سردار پرسکون انداز میں لیٹا اس کی حالت کے مزے لے رہا تھا۔

جب کہ باقی سب حیرت سے ایک دوسرے کو تکتے لگے، کچھ نے آنکھیں ملیں، کچھ نے جمائی لی

، لیکن جیسے ہی بالا کی زبان سے یہ بات نکلی

سب کی نیند گویا یکدم اڑ گئی تھی۔

سردار کی شادی؟"

اتنی جلدی؟

یہ کب ہوا؟

"کیسے ہوا؟

سوالات تھے جو ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھوم رہے تھے، مگر زبان سے کوئی کچھ

بول نہیں پا رہا تھا۔ اور نہ ہی سردار کے حوالے سے کسی میں سوال کرنے کی کوئی

ہمت تھی۔ وہ نہ کسی کے ذاتی معاملات میں پڑھتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنے ذاتی

معاملات میں دخل اندازی کرنے کی اجازت دیتا تھا

سردار... شادی کر رہا تھا؟ یہ بات ان سب کے لیے حیرت سے کم نہیں تھی۔



انہیں تو صرف اتنا معلوم تھا کہ سردار تین سال پہلے ایک ڈکیتی کے دوران کسی لڑکی، کو دل دے بیٹھا تھا

ڈکیتی سے زیادہ خطرناک وہ ایک لمحہ ثابت ہوا تھا جب سردار کی آنکھوں نے کسی معصوم چہرے کو دیکھا تھا، وہ اب شادی کرنے جا رہا ہے

تو یہ ان سب کے لیے گویا ایک دھماکے سے کم نہ تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کسی نے ان کے پیروں تلے زمین کھینچ لی ہو۔

...یقین آ رہا تھا، نہ دل مان رہا تھا

لیکن بالا کا جوش، اس کی آواز، اور سردار کا سکون سب کچھ سچائی کی تصدیق کر رہے تھے۔

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے سردار! بہت خوشی ہوئی، مبارک ہو۔ ہم کوئی کمی نہیں " چھوڑیں گے، دھوم دھام سے بارات لے کر جائیں گے۔ " ایک بڑی عمر کے ڈاکو نے آگے بڑھتے ہوئے دل سے مبارکباد دی۔

هاں سردار، بهت بهت مبارک هو! هم کوئی کمی نہیں چھوڑیں گے۔ "باقی سب بھی" خوشی سے بول اٹھے۔

اللہ پاک تمہاری نئی زندگی کا سفر مبارک کرے سردار! ہم پوری شان سے بارات لے کر جائیں گے، دھوم دھام سے شادی ہوگی!" کسی نے پورے جوش سے کہا۔

بارات وہیں لے کر جانا ہے نا؟ جہاں تین سال پہلے تمہارا دل بے قابو ہوا تھا؟"

ایک شوخ جملہ ہوا میں گونجا تو سردار کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

ارے سردار، وہ جو بس والی تھی! جس پر ڈکیتی کی رقم تم صدقے میں پھینک آئے"

تھے۔ لگتا ہے اسی نیکی کا پھل ہے یہ دلہن!" پیچھے سے ایک اور آواز قہقہے کے ساتھ ابھری۔

ذرا ہلکا پھلکا سا ماحول تھا جسے سب کے قہقہوں نے خاصا پر جوش بنا دیا تھا۔ ان پتھریلے اور الجھے ہوئے پہاڑوں کے بچوں بیچ، انہی ڈاکوؤں کے خاندان بھی بستے تھے۔ کچھ اپنی بیویوں بچوں کے ساتھ، کچھ ماں باپ کے ساتھ۔ پہاڑوں کے اندر اس انداز میں چھوٹی چھوٹی غار نما گھر بنائے گئے تھے کہ پردے کا بھی مکمل اہتمام تھا اور

روزمرہ کی زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور دیکھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ یہاں کسی کا بسیرا ہے۔

یہ علاقہ ایک پہاڑی جھرمٹ کی صورت میں تھا۔ اتنے گہرے اور الجھے ہوئے راستے کہ اگر کوئی اجنبی اندر آنے کی جرأت بھی کرتا تو نکلنے کا راستہ ڈھونڈنے میں دس دن لگ جاتے۔ کہیں پتھروں کے تودے، کہیں تنگ درے، اور کہیں بل کھاتے پہاڑی موڑ، ہر چیز ایک دوسرے میں الجھی ہوئی جیسے قدرت نے خود اس علاقے کو خفیہ رکھنے کا بندوبست کر رکھا ہو۔

پولیس یا قانون کا یہاں آنا تو دور، ان پہاڑوں کی دہلیز پر بھی قدم رکھنے کا سوچنا مشکل تھا۔ راستہ بند کرنے کے لیے صرف ایک پتھر کافی ہوتا تھا، اور پھر یہ پورا علاقہ دنیا سے الگ ہو جاتا تھا۔ باہر سے آنے والا اس سے راستے میں قید ہو جاتا، یہی وجہ تھی کہ جب سے یہاں ڈاکوؤں کا بسیرا ہوا تھا لوگوں کا گزر کم ہو گیا تھا اس مقام پر ڈاکوؤں کا اتنا رعب اور خوف تھا کہ پرندے بھی اس سمت کا رخ نہ کرتے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ یہاں وقت رک سا گیا تھا، اور ایک الگ ہی دنیا بسائی گئی تھی۔ قانون سے آزاد، لیکن اپنے اصولوں کی سخت گرفت میں۔

رات دیر تک محفل جمی رہی اور پھر سب کچھ ختم کرنے کے لیے سردار کی ایک سخت نگاہ ہی کافی تھی۔

اس کی سخت نگاہوں کا بھی بالا پر کوئی اثر نہ ہوا ہاں لیکن باقی سب لوگ رفو چکر ہو گئے تھے اس نے اٹھنا چاہا تو وہ اس کی چارپائی پر آکر اس کے ساتھ لیٹ گیا تھا مطلب صاف تھا کہ وہ اسے جانے نہیں دینے والا۔

○○○○○○○

یار شیرازی، تم خوش ہی نہیں ہو سردار کی شادی پر۔ وہاں بھی چپ چاپ بیٹھے تھے، "اور اب واپسی پر بھی خاموش ہو۔ کیا ہوا تمہیں؟ رہنے کی جگہ پسند نہیں آئی یا کوئی مسئلہ ہے؟"

جمرو، جو پہاڑ کی چڑھائی پر شیرازی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، فکر مندی سے بولا۔ وہ نیا بندہ تھا، اور اسی لیے سردار نے اسے شیرازی کو ساتھ رکھنے کو کہا تھا، تاکہ وہ ان کے اصولوں، رہن سہن، اور پہاڑی زندگی کو سمجھ سکے۔

،شیرازی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جمرو کی طرف دیکھا اور نرمی سے بولا

ارے نہیں نہیں، میں خوش کیوں نہیں ہوں گا؟ ہمارے سردار، ہمارے سرکار کی "شادی ہے، خوشی کی تو بات ہے۔ لیکن... بس ایک بات سمجھ نہیں آئی۔

"کیا بات؟ جمرہ نے بھنویں اچکائیں

شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟ "شیرازی نے قدرے حیرانی سے سر ہلاتے ہوئے "کہا،

میرا مطلب "کون ہے وہ لڑکی، جو ہمارے سردار جیسے خطرناک ڈاکو سے شادی کرنے کو راضی ہوئی؟ جس کی دہشت کا شہر شہر چرچا ہے، جو بندوق سے بات کرتا ہے، وہ "کس کی محبت میں نرم پڑ گیا؟

، جمرہ نے گردن گھمائی، پہاڑوں کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولا

محبت انسان کو بدل دیتی ہے، شیرازی... اور سردار کے دل میں وہ تین سال پہلے ہی "جگہ بنا چکی تھی۔ "شیرازی چند لمحے خاموش ان پہاڑوں کی اونچائی کو تکتا رہا، جیسے وہاں کوئی راز چھپا ہو۔

سنا ہے وہ لڑکی کسی پرانی ڈکیتی میں ملی تھی سردار کو؟ "وہ مزید سوال کرنے لگا۔۔"

ہاں، یہی کہتے ہیں سب۔ پر اصل کہانی شاید صرف سردار جانتا ہے۔ اور وہ خود کبھی "کچھ بولتا نہیں۔"

پہاڑوں کی خاموشی میں وہ دونوں کچھ لمحے اور چلتے رہے، پھر شیرازی نے سر ہلاتے ہوئے ہلکا سا مسکرا کر کہا

"پھر تو لڑکی خاص ہی ہوگی، جو ہمارے سردار کی قسمت بن گئی۔"

ہاں، بالکل... وہ خاص ہے، سردار کے لیے تو بہت زیادہ۔ اس کے لیے وہ جان "ہے۔"

یہی اسی گاؤں کی رہنے والی ہے کیا۔۔۔؟ جمر و اپنے ہی انداز میں بولے جا رہا تھا جب شیرازی نے پھر سے سوال کیا۔

ہاں نا، ہمارے ہی گاؤں کی رہنے والی ہے۔ سردار نہ اس کے سامنے جاتا ہے، نہ ہی اس سے بات کرتا ہے، لیکن اس پر پوری نظر رکھتا ہے۔ مجال ہے جو اُس کا تایا چاچا اُس کا نکاح کسی کے ساتھ پڑھا دے۔ تین بار اس کے تایا نے اس کی شادی کرانے کی کوشش کی ہے، لیکن ہم نے بارات غائب کر دی۔ سردار کہتا تھا، 'جب وہ بڑی ہو

جائے گی، شادی کے قابل ہوگی، تب لے جاؤں گا اُسے!" لیکن اس کے تایا کو تو جیسے موت پڑی رہتی تھی۔ اب سردار نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اب تو شادی ہو کر رہے گی "بس۔

کیا مطلب؟ زبردستی کی شادی؟ "میرا مطلب ہے وہ لڑکی چاہتی ہے کیا ہمارے " سردار کو، شیرازی نے اچانک کہا تو جمرہ کو اس کا انداز کچھ عجیب لگا۔  
اوائے، آرام سے بول! اتنا چیخ کیوں رہا ہے پاگل؟ اگر سردار کو پتہ چل گیا کہ ہم اس کی ذاتی زندگی پر اس طرح بات کر رہے ہیں، تو کاٹ کر رکھ دے گا ہمیں۔ اور ویسے بھی، جتنا مجھے پتہ تھا، میں نے تجھے بتا دیا۔ اب میرے لیے کوئی مصیبت نہ کھڑی کر۔ چل، چل کر سوتے ہیں۔ بہت ٹائم ہو گیا ہے، سردار کی شادی ہے، کام "بھی بہت ہو گا۔

اچھا، اچھا... ٹھیک ہے، چلتے ہیں، "شیرازی نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ دیا جیسے بات ختم " کرنا چاہتا ہو۔ "کوئی بات نہیں کرتے اس کے بارے میں۔ میں تو بس تم لوگوں کے "ساتھ رہتا ہوں، اسی لیے سوچا کہ تم لوگوں کے بارے میں سب کچھ جان لوں۔

وہ جمرو کے پیچھے خاموشی سے چل رہا تھا، پہاڑی پتھروں پر اس کے قدموں کی چاپ، رات کی ہواؤں کے ساتھ مکس ہو کر ایک عجیب سی اداسی سنارہی تھی۔

یہیں پر زندگی گزارنی ہے مجھے، "اب تو سردار ہی میرا سرکار ہے۔ کھانے کو بھی دیتا " ہے، رہنے کو جگہ بھی دی ہے۔ ورنہ میرا تھا کون؟"۔ شیرازی کی آواز میں ایک ٹوٹا ہوا سا پن تھا۔

ماں باپ تو چھوڑ کر چلے گئے... اور دنیا؟ دنیا نے تو قرضوں کا بوجھ لاد دیا میرے " کندھوں پر۔ "اس کے قدم ذرا سست ہو گئے، جیسے یادوں کا بوجھ بھی پاؤں پر آ بیٹھا ہو۔

"، برا رحم دل سردار ہے ہمارا"

، اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا، پھر مسکرا کر جمرو سے بولا

"لوگ ایسے ہی بدنام کرتے رہتے ہیں۔"

جمرو آہستہ سے ہنسا، "سچ ہے... لوگوں کے منہ کا کیا؟ جو سمجھ نہ آئے اس کو بدنام کر دیتے ہیں، اور ہمارا سردار تو ویسے بھی کسی کی سمجھ میں آنے والا نہیں



"ویسے... سیٹھ طیب کا کیا ہوا؟"

شیرازی نے اچانک سوال داغا، جیسے بہت دیر سے زبان پر رکا بیٹھا ہو۔ جمرو کے قدم، لمحہ بھر کو رکے، اس نے کندھے اچکاتے ہوئے بے پروا لہجے میں جواب دیا

مجھے خود کچھ خاص نہیں پتہ، یار، تجھے کیا بتاؤں۔ بس اتنا پتہ ہے کہ جب وہ لوگ "سیٹھ طیب کے گھر پہنچے... تو وہاں اس کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔" شیرازی نے چونک کر، اسے دیکھا

"لاش؟ لٹکی ہوئی؟"

اس کی آواز میں حیرت تھی، لیکن ساتھ ہی ایک انجانی سی کپکپی بھی۔

تم ساتھ کیوں نہیں گئے؟" تم بھی تو اکثر جاتے ہو نا اُن کے ساتھ، جب ایسے کام "ہوتے ہیں؟"

جمرو نے نرمی سے سر جھٹکا

ارے نہیں بھائی، میں خبروں والا بندہ ہوں۔ میرا کام ہے نظر رکھنا، رپورٹ دینا۔ "میں ساتھ نہیں جاتا، یہ میرے دائرے کا حصہ نہیں ہے۔"

پہاڑ کی پتھریلی ڈھلان پر دونوں آہستہ آہستہ قدم رکھ رہے تھے، لیکن ماحول میں اب خاموشی گہری ہو گئی تھی۔ سیٹھ طیب کی موت کا ذکر ایک سرد سناٹے کی صورت دونوں کے بیچ اتر آیا تھا۔

شیرازی کے دل میں کئی سوال ابھرنے لگے، لیکن اس لمحے وہ کچھ نہ بولا۔ بس جمرو کے پیچھے چلتا رہا... جیسے ہر جواب کے ساتھ سوال مزید پھیل رہا ہو۔

oooooooo

نولز  
ایجوکیشن

"...کوئی تو حل نکالو بھائی جان"

چچا کی آواز میں گھبراہٹ تھی، آنکھوں میں بے بسی تیر رہی تھی۔

کچھ تو کرو... ورنہ وہ ڈاکو آ جائے گا اور ہماری بچی کو اٹھا کر لے جائے گا۔ ہم یوں "

ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ جائیں گے، کچھ کر بھی نہ سکیں گے! ان کے لہجے میں

کپکپاہٹ تھی، جیسے کوئی بھیانک خواب بار بار ان کے ذہن پر دستک دے رہا ہو۔

کل رات... وہ ہمارے گھر کے اندر تک آ گیا تھا۔ "انہوں نے آہستہ سے کہا، جیسے "

زبان سے نکالنا بھی بوجھ بن رہا ہو۔

آیا اور دعام کو صاف صاف کہہ کر گیا ہے، تین دن میں بارات لے کر آ رہا " ہوں۔ "ان کا سینہ دھک دھک کر رہا تھا، سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

اگر... اگر وہ واقعی آ گیا بھائی جان، تو ہماری عزت، ہماری غیرت... سب خاک ہو " !جائے گا

انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ ماتھے پر رکھ لیے جیسے درد سے پھٹتا سر تھام لیا ہو۔  
کمرے میں موجود ہر شخص خاموش تھا، لیکن سب کے چہروں پر ایک ہی سوال لکھا تھا  
\*\*کیا واقعی کوئی حل ہے؟ یا تین دن بعد... عزت کی دیوار گر جائے گی؟\*\*  
میں نے کہا تھا منع کیا تھا زمین کے ٹکڑے کے لیے اتنا بھی مت مرو آپ لوگ، اب  
دیکھ لیا نہ عزت کے لالے پڑ گئے ہیں۔

بس بھائی کے حصے کی زمین چاہی تھی، اور اس کی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اب مل گیا  
سکون، کلیجے کو ٹھنڈ پڑ گئی ہے۔ آپ کے لالچ کی وجہ سے ہم اتنی بڑی مصیبت میں  
"پھنس گئے ہیں۔

تائی امی غصے میں لیکن ہلکی آواز میں بولیں۔ ڈر تھا کہیں معاملہ بھر نہ جائے بات کہیں باہر نہ نکل جائے محلے میں کیا عزت رہ جائے گی یہ بھی ڈر ستانے لگا تھا۔

ہماری اپنی چار چار بیٹیاں کنواری بیٹھی ہیں "

، اگر وہ ڈاکو دعام کو اٹھا کر لے گیا،

تو پھر باقیوں کا کیا ہوگا؟ ذرا سوچو، ماتھے پر ہاتھ مارو۔ "اگر دعام کی عزت سوال آیا تو ہم بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

" تو کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ " انہوں نے پریشانی میں کہا۔ "

یہ تین بار چھپ کر اس کا نکاح کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ڈاکوؤں نے باراتیوں کو کیا کیا، آج تک کوئی خبر نہیں ملی۔ ارے پرانی باتیں چھوڑو حوالدار کا اب تک کچھ "پتہ نہیں چلا، چوری چھپے نکاح بھی نہیں کر سکتا، کہیں ڈاکو کو خبر نہ ہو جائے۔

، تایا ابا نے گہری پریشانی سے جواب دیا

نکاح نہیں کر سکتے، لیکن اس کو غائب تو کر سکتے ہو۔ ہم دعام کو منظر سے ہٹا دیتے " ہیں۔

،چاچی نے اچانک آئیڈیا دیا

"میری بہن کے گھر بھیج دو، وہاں کچھ دنوں کے لیے رکھتے ہیں اسے چھپا کر۔"

ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔ جب تک یہ معاملہ حل نہیں ہو جاتا، ہم دعام کو منظر سے "ہٹا دیتے ہیں۔"

تایا ابا نے ہامی بھری۔

،اگر ڈاکو پوچھنے کے لیے آ بھی گئے تو کیا کہیں گے؟ تائی نے گھبراتے ہوئے کہا

کہہ دیں گے کہ رشتہ دار کے گھر بھیج دیا ہے۔ دعام اپنی مرضی سے گئی ہے، ابھی "شادی کے لیے راضی نہیں ہوئی۔" تایا ابا نے سنبھالتے ہوئے کہا

پہلے تو کبھی ڈاکو نے کچھ پوچھا نہیں تھا، لیکن اب شادی کی باتیں چل رہی ہیں، اس "لیے ممکن ہے وہ پوچھ گچھ کے لیے آ جائیں۔ لیکن ہمیں تیار رہنا پڑے گا۔"

تم لوگ جاؤ، میں نکلنے کی تیاری کرتا ہوں۔ آج اسے تمہاری بہن کے گھر چھوڑ آتا "ہوں۔" چچا جان کا لہجہ قطعی تھا، جیسے فیصلہ سنایا جا رہا ہو۔

چاچی بھی فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں، جیسے زندگی میں ایک ہی کام رہ گیا ہو، اور وہ تھا دعام کو اس گھر سے غائب کرنا۔

دعام کی بہتری نہ تو کبھی ان کے ذہن میں آئی تھی، نہ دل میں۔ وہ تو صرف اپنی بیٹیوں کی عزت، اپنی ناک، اپنے گھر کی فکر میں تھے۔

انہیں صرف یہ ڈر تھا کہ اگر دعام کو لے گیا وہ ڈاکو، تو ان کی بیٹیوں کے رشتے کون کرے گا؟ کس کو رشتے دیتے ہیں ایسے خاندان میں جہاں لڑکیاں اٹھالی جاتی ہوں؟ دعام کے لیے کس کے دل میں نرم گوشہ تھا یہاں؟ کون تھا جو دعام کو واقعی اپنی بیٹی سمجھتا؟ وہ تو بس ایک بوجھ تھی، جسے اٹھا کر دوسرے کے گھر ڈال دینا تھا... اس سے پہلے کہ وہ سب کی زندگیوں پر سوالیہ نشان بن جائے۔

وہ لوگ تو بس جان چھڑانا چاہتے تھے، جیسے دعام ان کے گلے کی ہڈی بن چکی ہو۔ اس ڈاکو کی دہشت ہی کچھ ایسی تھی کہ لوگ اس کا نام سنتے ہی کانپ اٹھتے۔ اور اب وہی ڈاکو دعام سے نکاح کی خواہش ظاہر کر چکا تھا۔

تین سال پرانا وہ واقعہ صرف ایک کہانی کی طرح سنا گیا تھا۔ یا کچھ باتیں رباب نے بتا دی تھیں۔ کیونکہ وہ تو اس بس میں تھے ہی نہیں جس میں ڈکیتی ہوئی تھی، بلکہ پچھلی آنے والی بس میں سوار تھے۔

مگر پھر بھی، وہ ایک واقعہ ان کی زندگیوں کا رخ بدل گیا تھا۔

اب دعام صرف ایک لڑکی نہیں تھی۔ وہ اس ڈاکو کے لیے منتخب کی گئی تھی۔ اور یہی بات ان سب کو اندر سے ہلا کر رکھ گئی تھی۔

بچنے کا ایک ہی راستہ تھا۔ دعام کو نظروں سے دور کر دینا، چاہے اس کی زندگی اندھیروں میں دھکیل دی جائے۔

oooooooo

یہ تم کیا کہہ رہے ہو، شیرازی؟ "انسپیکٹر اکرم نے فون کو کان سے لگائے بے یقینی " سے سوال دہرایا

ایسا کیسے ممکن ہے؟ ڈاکو سردار شادی کر رہا ہے؟ وہ بھی گاؤں کی عام سی لڑکی سے؟ " "یہ بات ہضم ہونے والی نہیں

انسپیکٹر صاحب، میں مذاق نہیں کر رہا۔ یہ لوگ سنجیدہ ہیں۔ میں اس وقت ان کے "قبیلے میں ہوں، اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر خبریں دے رہا ہوں۔ وہ ڈاکو، جس کا نام سنتے ہی لوگ دروازے بند کر لیتے ہیں... وہ تین دن بعد بارات لے کر آ رہا ہے۔" فون کی دوسری جانب شیرازی دبے دبے لہجے میں، اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے،

یہ کوئی عام بات نہیں، شیرازی... اس کے پیچھے کچھ تو ہے۔ تم بس اپنا دھیان رکھو، "اور جو بھی ہو، ہر پل مجھے اپڈیٹ دو۔ ایک لمحے کی بھی چوک ہوئی، تو تمہیں سزا نہیں!" پاؤں گا

اکرم نے ماتھے پر بل ڈالا، آنکھیں تیز ہو گئیں۔

جی سر، آپ فکر نہ کریں، میں اپنا فرض نبھاؤں گا..." شیرازی نے ہمت جٹاتے ہوئے کہا، لیکن اس کے لہجے میں چھپی کپکپاہٹ انسپیکٹر اکرم سے چھپی نہ رہ سکی۔



مگر سر، یہ یلغار... یہ کوئی عام ڈاکو نہیں ہے۔ اس سے بات کرتے ہوئے بھی جسم " میں سنسنی دوڑ جاتی ہے۔ اور یہاں کے لوگ... بس ہر بات پر بندوق تان لیتے ہیں۔ "مجھے تو لگتا ہے سر، ان میں سے کسی کو مجھ پر شک بھی ہو چلا ہے۔

وہ ایک لمحے کو رکا، جیسے کسی کی آہٹ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ اپنے خفیہ کاموں میں مجھے شریک نہیں کرتے۔ میں نے بہت زور دیا تھا کہ طیب " سیٹھ کے معاملے پر مجھے ساتھ لے جائیں، لیکن سر... انہوں نے مجھے وہیں روک دیا۔ اور جب واپس آئے تو بس ایک ہی بات کی کہ طیب سیٹھ تو پہلے ہی مر چکا تھا، جیسے "وہاں جا کر انہوں نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔

، شیرازی کی آواز میں خوف اور بے بسی گھلتی جا رہی تھی

سر، مجھے لگتا ہے وہ کچھ چھپا رہے ہیں... اور ہو سکتا ہے میں ان کے شک کے " "دائرے میں آچکا ہوں۔

شک ہو چکا ہے "!!... انسپکٹر اکرم کی آواز میں لمحے بھر کو خاموشی چھا گئی، پھر وہ " ، سنجیدگی سے بولے

اس كا مطلب هے اب تمهیں دگنی احتیاط کی ضرورت هے، شیرازی۔ اگر ان لوگوں " کو ذرا سا بهی اندازہ هو گیا كه تم ڈیپارٹمنٹ كا حصہ هو، تو وہ تمهارے ساتھ وہ سلوك " کریں گے جس كا تصور بهی نہیں کیا جا سکتا۔

ویسے بهی، پولیس والوں كے ساتھ ان كا رویہ همیشه ظالمانہ رها هے۔ تم نے خود دیکھا " هے كه وہ کسی قانون كو نہیں مانتے۔ لیکن... مجھے تم پر پورا یقین هے۔ تم بهادر هو، تم " سمجھدار هو۔ بس اپنا خیال ركھو، اور ان پر نظر بهی۔

،اکرم كا لہجہ اب ہدایت سے زیادہ سازش كا رنگ لیے تھا اور سنو، مجھے اُس لڑکی کی مکمل معلومات چاہییں، جس كے ساتھ وہ سردار شادی " کرنے كا سوچ رها هے۔ یہ جاننا بهت ضروری هے كه معاملات كس حد تك سیریس هو " چکے ہیں اور وہ لڑکی خود کتنی انوالو هے۔

وہ تھوڑا جھک كر بولا، جیسے دیواروں كے کان هونے كا یقین هو

اگر وہ سردار واقعی اُس لڑکی میں اتنا ہی دلچسپی رکھتا ہے... تو یہ موقع ہمارے لیے "سنہری ہو سکتا ہے۔ ہم اُسی لڑکی کے ذریعے جال بچھائیں گے... اور شکار خود چل کر ہمارے پاس آئے گا۔"

"سر، میں نے ان کے منبر 'جمرو' سے کچھ باتیں نکالنے کی کوشش کی تھی۔"

، شیرازی کی آواز میں تھکن اور دباؤ صاف جھلک رہا تھا

زیادہ معلومات تو اسے بھی نہیں تھیں، لیکن جتنا مجھے اندازہ ہوا ہے، سردار تقریباً "تین سال پہلے ایک ڈکیتی کے دوران اس لڑکی کو دیکھ کر اُس کا دیوانہ ہو گیا تھا۔" لڑکی اس میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتی زبردستی کا یہ رشتہ لگ رہا ہے۔ کیونکہ اس دوران لڑکی کا تین دفعہ نکاح کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اس نے ڈاکو نے نہیں ہونے دیا۔

انسپکٹر اکرم کی آنکھوں میں حیرت کی چمک اب تشویش میں بدل گئی تھی۔

معاملہ اتنا سیریس ہو چکا ہے سر، کہ وہ اب تک تین بارائیں غائب کر چکا ہے اور "تیسری بارائیں... وہ کوئی عام لڑکا نہیں تھا، سر۔ جمرو کے مطابق وہ کوئی 'وردی والا' "

تھا۔ ہو سکتا ہے پولیس سے ہو۔ آپ ڈیپارٹمنٹ میں معلوم کروائیں، شاید پچھلے مہینے سے کوئی حوالدار لاپتہ ہے۔

شیرازی نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا، پھر آواز آہستہ کر کے بولا

جمرے نے نام تو نہیں بتایا۔ اور میں اگر زیادہ کھوج لگاتا تو وہ میرے اوپر شک کر بیٹھتا، اس لیے بات یہیں روک دی۔ لیکن سر... یہ کھیل خطرناک حد تک گہرا ہو رہا ہے۔

انسپکٹر اکرم اب کرسی سے بے آرام حالت میں بیٹھا ہوا تھا

ٹھیک ہے، تم اپنی پوزیشن محفوظ رکھو۔ میں ڈیپارٹمنٹ سے لاپتہ اہلکاروں کی رپورٹ منگواتا ہوں۔ اگر واقعی کوئی حوالدار غائب ہے... تو پھر تو یہ زیادہ پریشانی والی بات ہے کیونکہ اس طرح تو ان ڈاکوؤں کو پولیس والوں کا کوئی ڈر نہیں رہے گا

معذرت سر کہنا تو نہیں چاہیے لیکن ان ڈاکوؤں کو پولیس والوں کا کوئی ڈر نہیں خیر، میں چلتا ہوں۔ "شیرازی نے آہستہ سے کہا اور فون بند کر دیا۔ سرد ہوا کے جھونکے پہاڑوں سے ٹکرا کر اس کے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر چوکنا

نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر جھاڑی، ہر چٹان اسے مشتبہ لگی۔ جیسے کہیں کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہو۔

فون جیب میں ڈالتے ہی اس نے قدم آہستہ آہستہ نیچے کی طرف بڑھائے۔ سامنے پتھریلی ڈھلوان تھی جو ایک تنگ راستے سے نیچے غار کی طرف جاتی تھی وہی غار جو اب اس کی پناہ گاہ تھی، اور جہاں ڈاکوؤں کے مخبر جمرو نے اسے وقتی رہائش دی تھی۔

ہر قدم کے ساتھ گرد اڑ رہی تھی، جوتوں تلے پتھر کھڑک رہے تھے۔ پہاڑوں کا سناٹا اس وقت موت سے کم محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکن کے ساتھ بندوق کی... یاد بھی زندہ تھی جو اس کے بستر کے پاس رکھی تھی

شیرازی نے رک کر پہاڑ کی اوٹ سے نیچے جھانکا۔ غار کے سامنے جمرو معمول کے مطابق لکڑیاں چھیل رہا تھا، لیکن اس کی آنکھیں مسلسل اوپر کی جانب دیکھ رہی تھیں جیسے اسے اندازہ ہو چکا ہو کہ شیرازی آ رہا ہے، یا شاید کچھ اور بھی... یہاں ہر مسکراہٹ کے پیچھے خنجر چھپا تھا، اور ہر سایہ اپنے اندر ایک راز لیے گھومتا تھا۔

ارے او شیرازی "!جمرو نے لکڑیاں چھیلے چھیلے اچانک سر اٹھا کر آواز دی، جیسے " اسے پہلے سے علم تھا کہ وہ آ رہا ہے۔

اچھا ہوا تم آ گئے، کہاں رہ گئے تھے؟ پہاڑوں کی اونچائی ناپ رہے تھے کیا؟ سردار " نے بلایا ہے تمہیں "!شیرازی کے قدم وہیں رُک گئے۔ جیسے کسی نے اس کی ریڑھ کی ... ہڈی میں برف اُتار دی ہو۔ سردار

جمرو کی بات سن کر وہ بظاہر پُر سکون رہا، لیکن دل کی دھڑکن لمحے میں بے قابو ہو گئی۔

سردار یلغار! ... وہ شخص جس کی صرف آواز ہی سن کر شیر بھی راہ بدل لے، آج اس نے بلایا تھا۔

ابھی تک وہ کبھی اس کے سامنے اکیلا پیش نہیں ہوا تھا۔ ہر بار درمیان میں کوئی نہ کوئی ہوتا تھا، کوئی بات کرتا، ہنسی مذاق میں سردار کچھ بولتا تو باقی ہنستے۔ لیکن آج بلاوا براہِ راست آیا تھا۔

شیرازی نے گہری سانس لی، جیسے خوف کو اندر ہی کہیں دفن کر رہا ہو۔

"چلو ٹھیک ہے، بتاؤ کہاں ہے سردار؟"

اس کی آواز مضبوط تھی، مگر اندر سے اس کا دل دہل رہا تھا۔

اوپر والی غار میں... تنہا بیٹھا ہے آج، لگتا ہے کچھ خاص سوچ رہا ہے "....جمرو نے"

گہری نظر سے اسے دیکھا۔

اور ہاں، یہ مشورہ ہے — آج کے دن زیادہ عقل نہ جھاڑ دینا۔ وہ کچھ سننے کے موڈ "میں نہیں لگتا۔"

شیرازی نے آہستہ سے سر ہلایا اور پتھر لے راستے کی جانب قدم بڑھا دیے... ہر قدم جیسے اسے اس کے اصل امتحان کی طرف لے جا رہا تھا۔ دل جیسے سینے کی دیواریں پیٹ رہا ہو۔ خوف، وسوسے، اور خدشے... سب ایک ساتھ سانسوں میں اترتے جا رہے تھے۔

اس نے سردار یلغار کے بارے میں جتنے قصے سن رکھے تھے، وہ سب اس کے کانوں... میں سر سرانے لگے وہ جو دشمنوں کے سینے چھید دیتا تھا

وہ جو آنکھ سے آنکھ ملانے والوں کو زمین میں دفن کر دیتا تھا

oooooooo

جیسے ہی وہ سرنگ کے دہانے پر پہنچا، ہلکی سی گرد میں لپٹی سردار کی موجودگی ایک  
سایے کی طرح واضح ہو گئی۔ وہ دھیرے سے بولا

"السلام علیکم سردار... آپ نے یاد کیا؟"

اندھیرے میں بیٹھا وہ قد آور وجود، سردار یلغار، اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ بس گردن  
تھوڑی سی جنبش دی سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور پھر نظر بھر کر اسے  
سر سے پاؤں تک دیکھا۔

جمرو کہہ رہا تھا... تمہارا کوئی نہیں۔"

"نہ ماں، نہ باپ... نہ بہن، نہ بھائی؟"

اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا، جیسے ہر لفظ کے ساتھ کوئی فیصلہ اتر رہا ہو۔

شیرازی نے نظریں نیچی رکھتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔



"جی سردار... اب تو آپ ہی مائی باپ ہو۔"

وہ نرمی اور عاجزی سے بولا، جیسے اپنی جان اس کے سپرد کر رہا ہو۔

سردار کی نظریں اُس پر جمی رہیں۔ ایک لمحے کو جیسے وقت تھم گیا۔ پھر وہ تھوڑا سا آگے جھکا، اس کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی۔

، مائی باپ؟ "اس کے لبوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری"

دیکھتا ہوں، کب تک میرا بیٹا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ "...بلکہ بیٹا تو تو بن گیا ہے " یہاں آکر، اب باپ بنایا ہے تو نے مجھے تو باپ ہونے کا حق ادا کروں گا فکر مت کر ،

سردار کا۔ لہجہ سن کر شیرازی کے ماتھے پر پسینہ آگیا، دل کی دھڑکن جیسے لڑکھڑا گئی۔

یہ سردار کی طرف سے وارننگ تھی یا کسی آزمائش کی ابتدا وہ سمجھنے کی کوشش میں !... تھا

"آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں سردار...؟"

شیرازی کی آواز میں واضح لرزش تھی، جیسے دل دھڑکنے کی نہیں، رکنے کی ضد پر اتر آیا ہو۔

"مجھ سے... کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟"

سردار نے نفی میں سر ہلایا، مگر اس کی آنکھوں میں وہ سکون نہیں تھا جو معاف کرنے والوں کی نظروں میں ہوتا ہے۔

"نہیں... تم سے نہیں... غلطی تو مجھ سے ہوئی ہے۔"

اس کی آواز سرد، مگر انداز میں عجیب سی کھنک تھی۔

"اور اپنی غلطیاں سدھارنا مجھے بہت اچھے سے آتا ہے۔"

شیرازی کا حلق خشک ہونے لگا، سوال لبوں تک آئے مگر حوصلہ ساتھ چھوڑ گیا۔

یہاں سے تین گاؤں کے فاصلے پر ایک عورت رہتی ہے... کہتی ہے وہ تمہاری ماں "

ہے۔ "سردار نے رخ موڑا اور بے نیازی سے کہا

یہ جملہ بم کی طرح گرا۔ شیرازی کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔

سہ، سردار وہ "... اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔"

یہ لوگ... اس کی ماں تک پہنچ گئے تھے "... یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔"

سردار نے گہری سانس لی، جیسے اپنے ہی الفاظ کو سنبھال رہا ہو۔

میں نے اس سے کہا، تمہارا کوئی نہیں۔"

میں ہی ہوں تمہارا مائی باپ... لیکن وہ نہیں مانی۔ "ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کی چہرے پر ابھری

ماں تو ماں ہوتی ہے نا، سچ ہو یا جھوٹ، محبت تو جھوٹ نہیں ہوتی ہے۔ سوچا شادی " ہے میری... اگر واقعی وہ تمہاری ماں ہوئی، تو دعا دے دے گی۔

اور اگر نہ بھی ہوئی... تو بھی کیا فرق پڑتا ہے؟ ماں کا سایہ ہو گا، تو تم زیادہ وفادار "رہو گے۔

، شیرازی کے اندر جیسے کچھ ٹوٹ گیا ہو

اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔۔

سردار کے آخری الفاظ ابھی فضاء میں ہی معلق تھے کہ شیرازی کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ جھٹ سے نیچے بیٹھ گیا، اور سردار کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

سردار... پلیز... میری ماں کو اس سب میں شامل مت کریں، "اس کی آواز کانپ رہی تھی، الفاظ بکھرے ہوئے تھے

جو سزا دینی ہے، مجھے دو... میرے فرض نے مجھے یہاں تک لا کھڑا کیا... ماں کا ان "سب سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ تو بے خبر ہے سردار، وہ تو صرف... ماں ہے آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، دل میں صرف ایک ہی خوف پل رہا تھا کہیں اس کی ماں کو کچھ ہو نہ جائے۔

سارا ڈر، ساری احتیاط، سارا مشن ایک طرف ہو گیا تھا۔ بس ماں رہ گئی تھی... اور اس کی حفاظت۔ سردار نے نیچے جھک کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا، جیسے کسی بے وفا دشمن پر نہیں، ایک شکست خوردہ انسان پر ترس کھا رہا ہو۔ پھر وحشت ناک قہقہہ لگا کر ہنسا

! ارے ارے، یہ کیا؟"

میں تو سوچ رہا تھا کہ بڑا دلیر بندہ ہے، پولیس کے نیچ سے نکلا، ہمارے درمیان آگیا۔

، پر تم تو ڈرامے کا بھی کردار نہیں نکلے شیرازی

"چار دن بھی بہادری کا خول نہ پہن سکے۔

سردار کی باتوں میں طنز سے زیادہ تجسس تھا

شیرازی خاموش رہا۔

، سر جھکا کر بیٹھا رہا، آنسو گالوں پر بہتے رہے

، کیونکہ آج جو امتحان تھا — وہ کسی مشن کا نہیں

کسی وردی کا نہیں، بلکہ ایک بیٹے کے جذبے کا تھا۔

یقین جانو شیرازی "...سردار کی آواز میں اب غصے کا وہ زہر نہیں تھا، لیکن طنز اور "

کرب کی آمیزش تھی۔

...اگر اس 'بوڑھی عورت' کا اس دنیا میں کوئی سہارا ہوتا، اگر وہ تمہارے بغیر جی پاتی "

تو گولی کب کی تمہارے سینے کو چیر چکی ہوتی۔ "اس نے اپنی بندوق کی نال سے زمین پر لکیریں کھینچتے ہوئے کہا،

"تم زندہ ہو... صرف اسی عورت کے صدقے۔"

شیرازی کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔

پلکیں بھیگ چکی تھیں۔

خاموشی میں تیز دھڑکنوں کی آواز گونج رہی تھی۔

مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم پولیس کو میری کتنی معلومات دے چکے ہو، کتنا غدار " بن چکے ہو، لیکن تم وہ پہلے شخص ہو... جسے میں، سردار یلغار، اپنے قبیلے سے... زندہ واپس جانے دے رہا ہوں " ! سردار نے انگلی سے پہاڑوں کی سمت اشارہ کیا۔

... دفع ہو جاؤ یہاں سے، اتنی دور چلے جاؤ "

"کہ تمہاری شکل بھی مجھے دیکھنے کو نہ ملے۔

اس کی آنکھوں میں آگ نہیں، راکھ تھی۔

اور آواز میں نفرت سے زیادہ حکم، شیرازی نے خاموشی سے سر جھکایا۔

— آج اسے جان ملی تھی، لیکن وہ دل ہار آیا تھا

ایک ماں کے قدموں میں، اور ایک مشن کی راکھ میں۔ لیکن جو بھی تھا، تو ان سب چیزوں میں اپنی موت کو نہیں مروا سکتا تھا اور ان ڈاکو کا کیا بھروسہ تھا۔

○○○○○○○

"جلدی جلدی نکلو یہاں سے... بالکل وقت نہیں ہے"

، چچا نے دروازہ دھکیلتے ہی سخت لہجے میں کہا

، آنکھوں میں بے چینی اور ماتھے پر پسینے کی لکیر واضح تھی۔ دعام فوراً اٹھ کھڑی ہوئی

جی چچا جان، میں اپنا سارا ضروری سامان پیک کر چکی ہوں۔ "اس نے جلدی سے"

بیگ کا زپ بند کیا۔ جب کہ باقی سامان تیار کر کے وہ باہر رکھ چکی تھی

لیکن اچانک \\*\\* دروازے کے قریب گھوڑوں کی تیز ٹاپوں کی آواز

ابھری۔ \\*\\* جیسے کوئی خطرہ، زمین کے سینے پر دوڑتا ہوا آ پہنچا ہو۔ دعام کی سانس

رُک گئی۔ دل لمحے بھر کو جیسے "کانپا" تھا ساکن، خاموش، خالی۔ پورے وجود پر لرزہ طاری ہو گیا۔

وہ لمحے میں سمجھ چکے تھے — خطرہ دروازے پر آچکا ہے۔ \\*\\* ڈاکو دن \\*\\* \

دھاڑے گھر کے اندریوں داخل ہو سکتے ہیں؟

یہ تو کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ چاچا دروازہ باہر سے بند کرتے ہوئے باہر نکلے تھے۔ لکڑی کے گیٹ پر ایک دراز قد، چہرہ ڈھانپے آدمی کھڑا تھا۔ چہرے پر نقاب، نظر میں تکبر۔ ہاتھ میں ایک بڑا سا شاپنگ بیگ تھا جو کسی مہنگے دلہن کے جوڑے کی چمک دکھا رہا تھا۔

شادی کا جوڑا لے کر آئے ہیں دلہن کے لیے، سردار نے بھیجا ہے۔۔۔ "وہ ایسے بولا" جیسے کسی کو اطلاع نہ دے رہا ہو، بلکہ وارننگ دے رہا ہو۔

پھر ایک پل میں، اس کی نظریں دعام کے کمرے کے باہر رکھے سامان پر جا ٹھہریں۔ یہ سامان کیوں پیک کیا ہے؟ کہیں جانے کی تیاری ہے کیا؟ "چچا جان کا گلا خشک ہو" گیا،



وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ بیکار سامان ہے، پھینکنے جا رہے تھے "...ان کے لہجے میں لرزش تھی " جو چھپائے نہ چھپتی تھی۔

اسی لمحے، تایا جان بھی باہر آ گئے۔ ان کا چہرہ زرد، قدم سست، لیکن لب خاموش۔ وہ، ڈاکو طنزیہ ہنسا،

اتنی اچھی پیکنگ کرتے ہو پھینکنے والے سامان کی خیر صفائیاں ہو رہی ہیں؟ ہم بھی "سردار کے قبیلے میں کچھ ایسی ہی صفائیاں کر رہے ہیں۔

آخر سردار کا نکاح ہے، مذاق تھوڑی ہے... بھابھی آ رہی ہے، تو سب کچھ اس کے "مطابق ہونا چاہیے نہ"! پھر اس نے گردن اونچی کی

"!کہاں ہے بھابھی؟ یہ جوڑا دینا ہے اسے"

وہ کل سے ہی سردار سے ضد کر رہا تھا کہ بھابھی کو شادی کا جوڑا دینے جانا ہے یہ "رسم ہوتی ہے جو کرنی پڑتی ہے

"اور آج بڑی مشکل سے اسے اجازت ملی کہ بھابھی کو ایک بار ہائے ہیلو کرے"

دع۔۔۔ دعام۔۔۔ وہ تو دراصل سوگ میں ہے۔۔۔ بہت پریشان ہے۔۔۔ اُس کی خالہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

تایا ابو کی آواز میں نمی تھی، لیکن الفاظ مضبوطی سے نکلے۔

ننیال سے واحد رشتہ تھا اُس کے پاس، وہ بھی چلا گیا۔۔۔ وہ بہت بکھر گئی ہے، بالکل "جیسے۔۔۔ جیسے کسی نے اس کی ماں چھین لی ہو۔" صحن میں جیسے لمحہ بھر کو خاموشی چھا گئی،

پھر بالا کا قہقہہ، جیسے خنجر کی طرح فضا چیر گیا۔

"ہائے اللہ! کسی کی ماں مر گئی؟"

افسوس ہے۔۔۔ بہت افسوس "!طنز سے لبریز چہرہ بنا بنا کر کہنے لگا۔"

میری طرف سے بھابھی کو افسوس کہنا، لیکن سنو۔۔۔ بھاگنے والی دلہن ہے نا؟ تو اُسے "بولنا فوتگی پر مت جائے، بد شگنی ہو جاتی ہے"

بالا نے تھوڑا جھک کر خالی نظروں سے تایا ابو کی طرف دیکھا،

،خاله تو چلى گئى؁ واپس تو نهى آئى گى"

لىكن بهى كى شادى كا دن هى؁ خوشىوں كا وقت هى؁ اداسى كا ساهى نه ڈالىں تو بهتر  
"هى-

؁پهر اس نه شادى كا جوڑا زور سه هلاىا

ىه جوڑا سردار كى طرف سه هى... كهىں اىسا نه هو كه اگلى بار كفن دىنا پڑى "اس كا "  
جمله اىسا تھا جسى تاىا ابو كه پاؤں تلے سه زمىن كهسك گئى هو- ان كه لب خشك هو  
؁گئى؁ آنكهوں مىں آنسو چهپ گئى

...لىكن دعام... جو پردے كه پىچه سب سن رهى تهى

اس كى آنكه سه پهلا آنسو اس كى بے بسى كا گواه بن كر نىچى لڑهك چكا تھا-

لىكن بىٹا... اُس كى خاله "...تاىا ابو كى آواز مىں نرمى تهى؁ وه كچه كهنى هى والے تھے "

كه بالا نه دونوں هاتھ فضا مىں اٹھا كر بات كاٹ دى

بس "وہ آنكهوں مىں تمسخر؁ لهجى مىں خنجر لىه وه آگے بڑھا-

"وہ سردار کی امانت ہے، تاو... تم سردار کی امانت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو گے؟"

تایا ابو پیچھے ہٹے تو وہ ان کے بالکل قریب آ کر سرگوشی کے سے انداز میں بولا

تجھے سچ میں لگتا ہے کہ سردار دعام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا؟" "یہ جو اچانک "

خالہ 'پیدا کر کے مار دی ہے، یہ سب جانتا ہے سردار... ایک ایک بات، ایک ایک '

حرکت۔ "بالا نے انگلی اٹھا کر سختی سے اشارہ کیا

"اور یہ بھی جانتا ہے کہ تو پلاننگ کر رہا ہے۔"

سوچ لے تاو... اگر اپنی زندگی عزیز ہے، تو یہیں قدم روک لے۔ "اب اس کی آواز "

میں گونج تھی، جیسے گھر کی دیواریں بھی لرز گئیں ہوں

یہ نہ ہو کہ ادھر بھا بھی کو منظر سے ہٹاؤ... اور ادھر تم اور تمہارا خاندان خود دنیا سے "

ہٹ جاو!" تایا ابو کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ ان کا دل حلق میں اٹک گیا تھا۔

، اور دعام پردے کے پیچھے... یہ سب سنتی ہوئی

...ایسا لگا جیسے اس کا وجود برف میں تبدیل ہو گیا ہو

"... سردار کی نظر ہے تم لوگوں پر"

بالا کا لہجہ اب دھمکی سے ہٹ کر خالص خبردار کرنے والا تھا۔

تم لوگ کیا سوچ رہے ہو، کیا کر رہے ہو، کہاں جا رہے ہو— ہر چیز سے وہ واقف " ہے۔ ہر چیز سے "وہ تایا ابو کے قریب آ کر ٹھہر گیا

نگاہ سیدھی ان کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے بولا

"اور اگر تمہیں اب بھی شک ہے... تو سمجھ لو یہ تمہاری آخری غلطی ہو گی"

ناہی کسی طرح کی ہوشیاری کرنے کی کوشش کرو، اور ناہی یہ گھٹیا سوچ دماغ میں لاو " کہ تم دعام کو، سردار کی امانت کو، سردار سے دور کر سکتے ہو

اب کی بار اس کا لہجہ شدید ہو چکا تھا، جیسے برف میں چھپا ہوا لاوا اُبلنے لگا ہو

"یہ جو شادی ہے نا... یہ تمہاری مرضی سے نہیں، سردار کی مرضی سے ہو رہی ہے۔"

اب اگر اس کی امانت کو چھپانے کا سوچا بھی نا، تو یاد رکھنا... تمہارا آخری سورج طلوع " ہو چکا ہو گا

بها بھی كو بول دو یہ جوڑا چيك كر كے بتائیں... سردار نے دل سے بھیجا ہے"! سردار كا " عشق چھپا ہے اس میں، بالا كا لہجہ آرڈر دینے والا تھا، جیسے کوئی بھی نافرمانی برداشت نہیں کی جائے گی۔

چچا نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ بھاری بیگ تھاما اور بنا کچھ کہے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ ان کے پیچھے ہی رباب بھی چچا جان کے اشارے پر دوسرے کمرے سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لی،

کمرے میں داخل ہو کر، جیسے ہی جوڑا کھولا، وہ اس قدر بھاری تھا کہ زمین پر دھم سے گر گیا۔

جلدی کرو... سر پر سوار ہے... جب تک کام نہ ہو، جائے گا نہیں"! چچا نے غصے اور " خوف کے امتزاج سے کہا، جبکہ دعام نے رباب کو وہ جوڑا اٹھا کر بستر پر رکھتے دیکھا۔ وہ ہنوز خاموش تھی، ساکت سی۔

آ جائے گا چچا"!... رباب نے دھیرے سے کہا، اور جوڑے پر ایک ستائشی نظر ڈالی۔ " واقعی، جوڑا بے حد مہنگا اور شاہکار لگ رہا تھا۔

چچا جلدی سے کمرے سے باہر نکل آئے۔

دروازے کے پیچھے کھڑی دعام ساکت تھی، آوازوں سے اندازہ لگا رہی تھی کہ بالا اب کیا کرے گا۔

ڈاکو جی بچی کو جوڑا آجائے گا "۔۔۔ ان کی بات سن کر بالا بنا کچھ مزید کہے گھوڑے پر "سوار ہو کر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی جیسے سارا گھر پر سکون ہو گیا

چچا نے تایا کی طرف دیکھتے بے بس لہجے میں پوچھا

"اب کیا کرنا ہے؟"

تایا نے خاموشی سے سر ہلایا۔

کیا کہتے؟ کوئی راستہ باقی ہی نہ بچا تھا۔ ڈاکو سب کچھ جانتے تھے... اور اب کوئی بہانہ کام نہ آ رہا تھا۔

○○○○○○○"

"کر آیا ملاقات میرے دلدار سجن سے؟

قبیلے میں داخل ہوتے ہی سردار کی آواز سنائی دی، چہرے پر سوال ہی نہیں، بے تابی بھی تھی

،بالا نے مایوسی سے سر جھٹکا، اور آکر اس کے پاس بیٹھتے دھیرے سے بولا

کہاں سردار... دیدار تو دور، ملاقات کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا... بھابھی اندر پردے میں "تھی۔ اور بتایا چاچا پہرہ دیے کھڑے تھے۔

ہاں، لیکن جو تماشے دیکھے نا میں نے... وہ تو بس... بڑے بہانے چل رہے ہیں۔ "سازش پہ سازش! پہلے زبردستی کی خالہ پیدا کی بعد میں مار بھی ڈالی کہتے ہیں فوتگی ہو گئی ہے، ڈرامے بازی ہو رہی ہے کہ بھابھی بڑی دکھی ہے، بڑی قریب تھی خالہ کے، ننیال سے واحد رشتہ وغیرہ وغیرہ "... وہ کندھے اچکاتے ہوئے مزید بولا

میں نے بھی صاف کہہ دیا، ہم پر ڈرامے نہیں چلیں گے... ایک ایک پل پر نظر "ہے۔ جب بتایا کہ ہم سب جانتے ہیں تو سارے ہوش اڑ گئے بڈھے کے... شکل دیکھنے "والی تھی۔



سردار خاموش بیٹھا رہا، لیکن اس کی نظروں میں غصے کی چنگاریاں جل رہی تھیں۔

اچانک بولا

،میرا سجن اداس ہے... اور تو ہنس رہا ہے؟ "بالا کی ہنسی یکدم رکی"

"ارے سردار... جھوٹ بول رہے تھے نا"

جھوٹ بول رہے تھے یا سچ، یہ تو بعد میں پتا چلے گا... مگر میرا سوہنا مکھڑا اداس تھا۔"

خالہ مر بھی گئی ہو تو... افسوس تو بنتا ہے، آخر میں اس کا ہونے والا شوہر ہوں!"

،سردار نے اپنی ہلکی سی داڑھی کو سہلاتے ہوئے کہا

سردار تجھے پتہ ہے اس کی کوئی خالہ تھی ہی نہیں میں نے ساری انفارمیشن نکال لی تو

تھی تین سال پہلے۔۔۔"بالا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

اس بات سے فرق نہیں پڑتا،بالا فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ میرے سجن سائیں

کی خالہ پیدا ہو کر مر گئی اور وہ دکھی ہے، اور دلدار اپنے "سوہنے سجن" کو اداس

نہیں دیکھ سکتا، بہت دکھی ہے تو اس کو ایک سہارے کی ضرورت ہے ایک کندھے کی

ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے اج میرا ڈرپوک سجن کانپنے کے بجائے سر یہاں رکھ کر دو آنسو ہی بہا لے، اس کے لہجے میں شوخی تھی

ہا ہا "سیدھا بول نہ سردار... دیدارِ یار کے لیے دل مچل اٹھا ہے... بہانے کیوں لگا رہا ہے؟" بالا نے ہنستے ہوئے کندھے پر ہاتھ رکھا

چل نہیں لگاتا بہانے اٹھ، افسوس کرنے چلتے ہیں، وہ اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا تو بالا کو یقین نہ آیا تھا، جب کہ وہ انگلی منہ میں رکھے سیٹی بجاتے ہوئے شیر دل کو وہاں حاضر ہونے کا حکم سنا چکا ہے بالا تیزی سے اس کے پیچھے ہی اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے نکلا تھا۔

سردار کی بے قراریاں عروج پر تھی اب تو دیدار کیے بغیر اس نے واپس آنا نہیں تھا

○○○○○○○

گھر کا ماحول بہت بوجھل اور پریشان کن ہو چکا تھا۔ سب کے چہروں پر فکر اور بے بسی کے سائے تھے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیسے کریں۔ دعام کی زندگی ایک ایسے موڑ پر آ چکی تھی جہاں سے واپسی ممکن نہیں لگ رہی تھی۔ وہ کسی معمولی آدمی کے ہتھے نہیں چڑھی تھی،

وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے نام سے ہی لوگ کانپ جاتے تھے۔ وہ نہ صرف ڈاکو تھا بلکہ ایک قاتل بھی تھا۔ اس کے لیے کسی کی جان لینا، کسی کا گھر برباد کرنا، کسی کی عزت کو روند دینا بالکل عام سی بات تھی۔

وہ شخص ایک درندہ صفت انسان تھا، جس کے دل میں نہ رحم تھا نہ کوئی احساس۔ دعام کو اس کے حوالے کرنا ایسا ہی تھا جیسے کسی پھول کو آگ میں جھونک دینا۔ لیکن افسوس کی بات یہ تھی کہ گھر والوں کو دعام کی حالت پر افسوس تو ضرور تھا، لیکن ان کے دل میں اس کے لیے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ان کے لیے دعام کی زندگی سے زیادہ اہم ان کی اپنی عزت تھی، ان کی اپنی بیٹیوں کا مستقبل تھا۔

انہیں خوف تھا کہ اگر ان کی ایک بیٹی کسی ڈاکو کے ہاتھ لگ گئی، تو باقی بیٹیوں کا کیا بنے گا۔ ان کے رشتے کون کرے گا؟ کون انہیں عزت سے قبول کرے گا؟ وہ گاؤں میں کس منہ سے نکلیں گے؟ محلے والے کیا کہیں گے؟ برادری میں کیا نام رہ جائے گا؟ ان سوالوں نے سب کو گھیر رکھا تھا۔

کسی کو یہ فکر نہیں تھی کہ دعام کس اذیت سے گزر رہی ہے۔ کسی نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ سب اپنی عزت بچانے میں لگے تھے۔ ان کا بس چلتا تو وہ دعام کو چھپا دیتے، کہیں دور بھیج دیتے یا اس کا نام لینا ہی چھوڑ دیتے، لیکن مسئلہ اتنا آسان نہیں تھا۔

وہ شخص مسلسل دھمکیاں دے رہا تھا۔ وہ کہہ چکا تھا کہ اگر دعام کی شادی اس سے نہ کی گئی تو وہ پورے خاندان کو برباد کر دے گا۔ وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا۔ گھر والوں کو اب صرف ایک ہی راستہ نظر آ رہا تھا دعام کی قربانی۔ ہاں وہ ان اور کچھ نہیں کر سکتے تھے سوائے دعام کو اس کے حوالے کرنے کے۔

ان کے نزدیک یہی ایک حل تھا، کہ وہ اپنی ایک بیٹی کی زندگی برباد کر کے باقی سب کو بچالیں۔ اور یہ حل ان کے لیے بے تحاشہ مشکل تھا کیوں کہ اس کے بعد بھی زندگیاں تباہ ہی ہونی تھی۔

اور ان سب چیزوں میں اگر کوئی بالکل خاموش تھا تو وہ تھی دعام، کسی نے نہیں سوچا کہ دعام بھی انسان ہے، اس کا بھی دل ہے، اس کے بھی خواب ہیں۔ وہ بھی خوش رہنا چاہتی ہے، وہ بھی ایک پیار کرنے والا شوہر، ایک سادہ سی زندگی، اور عزت کا حق رکھتی ہے۔ لیکن ان سب باتوں کا اس وقت کسی کو کوئی خیال نہیں تھا۔

بس ایک ہی بات اہم تھی، اور وہ تھی خاندان کی عزت۔

oooooooo

دعام خاموشی سے کچن میں کام کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ برتن دھو رہے تھے، لیکن اس کا دل خوف سے لرز رہا تھا۔ اس کے چہرے پر وہ معصومیت اب بھی موجود تھی، لیکن آنکھوں میں ایک گہری اداسی اتر چکی تھی۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک دن وہ اپنے ہی گھر والوں کے لیے ایک بوجھ بن جائے گی۔

اس نے یہ گمان بھی نہیں کیا تھا کہ اس کی خوبصورتی، جس کی سب تعریفیں کرتے تھے، ایک دن اس کے لیے مصیبت بن جائے گی۔

وہ تو ایک سادہ دل لڑکی تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ ایسا سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ آخر وہ کون سا گناہ کر بیٹھی تھی؟ وہ دن جب اس کی زندگی بدل گئی، وہ اس کی زندگی کا سب سے منحوس دن تھا۔ وہ دن ہی نہ آتا، تو شاید سب کچھ ٹھیک رہتا۔

دعام کو کبھی شادیوں میں لے جایا نہیں جاتا تھا۔ نہ ہی اسے کوئی شوق تھا وہاں جانے کا۔ وہ ہجوم سے گھبراتی تھی، بڑی محفلیں اسے پسند نہیں تھیں۔ اس دن بھی اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ شادی میں جائے، لیکن اچانک رباب نے کہہ دیا کہ دعام کو اکیلے گھر پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ اور بس، سب نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلی جائے۔

دعام کو کیا خبر تھی کہ اس فیصلے سے اس کی پوری زندگی بدل جائے گی؟ وہ تو بس میں بیٹھی، خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ بس منزل تک نہیں، بلکہ ایک بھیانک انجام تک جا رہی ہے۔ بس کے اندر ڈاکو آگئے۔ وہ سب کو لوٹنے لگے۔ اور پھر اس ڈاکو کی نظر دعام پر پڑی، سب کچھ ختم ہو گیا۔ وہ ایک نظر دیکھ کر ہی اسے اپنی ضد بنا بیٹھا۔ اور وہیں سے دعام کی زندگی جہنم بن گئی۔

اب دعام کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ اس شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی وہ مکمل طور پر بے بس تھی۔

اگر وہ اتنی ہمت والی ہوتی، تو شاید وہ خود کشی کر کے سب کچھ ختم کر دیتی۔ شاید وہ حرام موت کو گلے لگا لیتی، تاکہ اس کے بعد اس کے گھر والوں کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ لیکن وہ یہ قدم نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی جان لے سکے۔

وہ صرف ایک معصوم لڑکی تھی، جسے جینا بھی نہیں آتا تھا اور مرنا بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

یا اللہ پلیز میری مدد کریں، مجھے اس مصیبت سے نکال دیں، مجھے کسی قاتل کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی کسی چور ڈاکو کے ساتھ نہیں رہنا۔ اللہ میرے ساتھ اتنا برا نہیں ہو سکتا میں نے تو کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تو میرے ساتھ اتنا برا کیوں ہو رہا ہے وہ برتن دھوتے دھوتے وہیں بیٹھ کر آنسو بہانے لگی تھی لیکن اس کے آنسو صاف کرنے کے لیے بھی یہاں کوئی نہیں تھا کاش اس کے پاس اس کی ماں کی گود ہوتی وہ اس کی گود میں سر رکھ کر جی بھر کر روتی لیتی۔

لیکن اگر اس کی ماں اس کے پاس ہو تیں تو شاید وہ اس کی ہر مصیبت کو خود پر لے لیتی، والدین کہاں اپنے بچوں کو تکلیفوں سے گزرنے دیتے ہیں وہ تو ہر آزمائش کا رخ اپنی طرف موڑ لیتے ہیں، کاش وقت نے اس کے ساتھ یہ ظلم نہ کیا ہوتا۔

یہاں تو ہر کسی کو اپنی پڑی تھی بے شک اولاد صرف اپنی ہی اچھی لگتی ہے۔

○○○○○○○

سمیرا آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو سنوار رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے بالوں میں کنگھی پھیرتی، انہیں سمیٹتی، چھوڑتی، اور پھر کچھ لمحوں بعد دوبارہ سجاتی۔ اس کا دھیان دعام کی طرف تھا، جو کچن میں خاموشی سے روٹی بنا رہی تھی۔

سمیرا کے دل میں دعام کے لیے کبھی ہمدردی نہیں رہی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ اسے دعام کی خوبصورتی ہمیشہ سے چبھتی تھی۔ دعام کی صاف رنگت، بڑی بڑی آنکھیں، اور خاموشی میں چھپی معصومیت اسے خود سے کم تر محسوس کرواتی تھی۔ اس کے دل میں بچپن سے ہی یہ جلن تھی کہ سب دعام کو دیکھ کر تعریف کیوں کرتے ہیں،



"یار، مجھے سمجھ نہیں آتا یہ سب گھر والے اتنا رونا دھونا کیوں کر رہے ہیں؟" سمیرا نے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"اچھا ہی تو ہوا، مصیبت سے جان چھوٹ گئی ہے۔ نہ جہیز کا جھنجھٹ، نہ شادی کی تیاریاں، نہ دعوتیں۔ ڈاکو خود آئے گا، سادگی سے نکاح کرے گا، اور دعام کو لے جائے گا۔ مولوی کا خرچہ بھی نہیں دینا پڑے گا، وہ بھی شاید اپنے ساتھ ہی لے آئے۔"

پاس بیٹھی اس کی چھوٹی بہن، صفا، ہڑبڑا گئی۔ اس نے فوراً آواز دھیمی کی اور سمیرا کو گھورتے ہوئے بولی،

"آہستہ بولو پاگل! اگر ابایا تایا ابانے سن لیا نا تو بیکار میں مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ اور تم جو کہہ رہی ہونا کہ خرچہ نہیں دینا پڑے گا، تو یہ بھی سمجھو کہ وہ لوگ ڈاکو ہیں، کوئی شریف لوگ نہیں،" اور دعام چاہے ہمیں اہم نہ لگتی ہو، لیکن ہے تو ہمارے گھر کی بیٹی۔ اگر ایسے اٹھا کر لے گئے تو بعد میں ہمیں بھی کون پوچھے گا؟ رشتے دار، محلے والے سب باتیں بنائیں گے۔ ہمارے فیوچر پر بھی برا اثر پڑے گا۔"

ساری زندگی اس ڈبے نما مکان میں بیٹھ کر کاٹنی پڑے گی دعا کرو کہ، اللہ کرے اس مسئلے کا کوئی حل نکل آئے، ورنہ بہت بڑی مصیبت ہو جائے گی صفا کا انداز سمجھانے والا تھا جبکہ سمیرا نے لا پرواہی سے شانے اچکائے اور دوبارہ اپنے بالوں کو دیکھنے لگی۔

وہ سچ میں خوش تھی۔ اسے دعام کے ساتھ ہونے والے ہر دکھ سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ دعام کی خوبصورتی، اس کی خاموشی، اور اس کی معصومیت زہر لگتی تھی سمیرا کو۔

لیکن اب تو شاید یہ ساری چیزیں بس ایک قصہ بن کر رہ جائیں گی۔ وہ بھی ایک بدنامی کے ساتھ، سمیرا کو اندر سے عجیب سا سکون مل رہا تھا۔

نفرت میں وہ اتنی اندھی ہو چکی تھی کہ اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ دعام کی زندگی برباد ہو رہی ہے یا سنور رہی ہے۔ اسے صرف یہ خوشی تھی کہ اب کوئی دعام کی تعریف نہیں کرے گا۔ اب دعام صرف ایک بدنام زکر بن کر رہ جائے گی، اور شاید سمیرا کو خود کو بہتر محسوس کرنے کا موقع مل جائے گا۔

اب سمیرہ کو کوئی ڈر نہیں رہے گا اتنی تیاری کے بعد بھی وہ دعام کے سادگی کا مقابلہ نہیں کر پاتی تھی اور یہی چیز اسے احساس کمتری کا شکار کرتی تھی اسی لیے تو وہ جلد سے جلد دعام کی شادی کر

کے اسے اس گھر سے رخصت کروانا چاہتی تھی لیکن اب خود ہی اس کے مسئلے کا حل نکل آ۔ یا تھا اب سکون ہی سکون تھا۔

○○○○○○○

لکڑی کے بھاری دروازے کے سامنے جیسے ہی اس کا گھوڑا شیر دل آکر رکا، ایک جھٹکے سے وہ شخص زمین پر اترا۔ اس کے کندھے پر پسینہ پونچھنے کے لیے سیاہ کپڑا پڑا تھا، جسم پر کالی قمیض اور تنگ شلوار تھی، اور پیروں میں بھاری بھر کم بھری جوتے چمک رہے تھے۔

اس کی چال میں ایک ایسا اعتماد تھا جو صدیوں سے چلتی آرہی کسی فتح مند نسل کا وارث ہی دکھا سکتا تھا۔ دروازے پر دستک دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، وہ اپنے سجن سائیں سے ملنے آیا تھا جس کے لیے اسے کسی کی اجازت کی ضرورت درکار نہیں دی، اس نے سیدھا دروازے کو دھکا دے کر کھولا اور اس دھکے کی گونج سے جیسے پورے گھر کی دیواریں بھی لرز گئیں۔

اندر صحن میں پڑی چارپائی پر تایا اور چچا پریشان حال بیٹھے تھے، اور جیسے ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی، ان کے چہرے پر زندگی کی رمق تک مدھم پڑ گئی۔ تایا کے ہونٹوں سے سانس جیسے واپس

اندر چلا گیا اور چچا تو باقاعدہ کانپنے لگے۔ دونوں کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں، جو نقاب سے ڈھکا ہوا تھا، لیکن آنکھیں وہ سبز آنکھیں وہ مکمل چہرہ بن گئیں۔

ان آنکھوں میں وحشت نہیں تھی، قیامت تھی۔ نہ وہ چیختی تھیں، نہ وہ بولتی تھیں، لیکن ان کی خاموشی میں ایسی دھاڑ چھپی تھی کہ بندہ صرف نظریں ملا کر بھی زمین میں گڑ جائے۔ وہ سبز آنکھیں ایسی روشنی سے چمک رہی تھیں جیسے کسی ویرانے میں اچانک روشنی کا ریل پھوٹ پڑا ہو، مگر وہ روشنی سکون نہ دیتی تھی، دل دہلا دیتی تھی۔ ان کی چمک میں غرور تھا، جیت تھی، اور ایک ایسا سحر تھا جو دیکھنے والے کو پلک جھپکنا بھلا دے۔ وہ صرف ایک نظر ڈال کر کسی بھی مرد کے اندر کے غرور کو توڑ دینے کی طاقت رکھتا تھا۔ اتنا شاندار، اتنا پر رعب اور وجہہ مرد کہ عام مردوں کو اپنے مرد ہونے پر شک ہونے لگے۔

oooooooo

السلام علیکم تاو۔۔۔" دروازے میں قدم رکھتے ہی اس کی گونج دار آواز پورے صحن میں پھیل گئی۔

سنا ہے فوتگی ہو گئی تمہارے گھر میں۔۔۔!!

لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ اور لہجے میں تنزیہ مٹھاس۔ جیسے بات نہ کرنا کر رہا ہو بلکہ، تانے مار رہا ہو۔ وہ اندر داخل ہوا تو سیدھا تاتایا ابو کی چھوڑی ہوئی چارپائی کی طرف بڑھا، اور بے نیازی سے ایک طرف پڑا تکیہ اٹھا کر اپنی پشت کے پیچھے جمالیا۔ بیٹھنے کا انداز ایسا جیسے یہ گھر اس کے باپ دادا کی جاگیر ہو۔ نہ جھجک، نہ لحاظ، صرف رعب۔

"میرے سوہنے سائیں کی خالہ مرگئی... بڑا افسوس ہوا۔" اس نے مصنوعی دکھ سے سر ہلایا، اواز میں ایسا طنز چھپا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے بھی نظریں نہ ملا سکے۔

"میرا سجن سائیں اداس ہو گانا... یہ سوچ سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ بس اسی لیے دہرا چلا آیا ہوں... اپنے سجن سائیں کی آنکھوں کے آنسو پونچھنے کے لیے۔"

اس کی آنکھیں اب صحن کے ایک کونے کی طرف دیکھ رہی تھیں، وہاں جہاں ایک دروازہ نیم وا تھا، اور وہ جانتا تھا کہ دعام اس طرف ہوگی۔

"کہاں ہے میرا سوہنا مکھرا؟ اداس ہو گیا نا؟ آخر خالہ مر گئی ہے۔ بلاؤ اسے... بلاؤ میرے دلدار سائیں کو۔ جا کے کہو، اس کا ہونے والا سرتاج آیا ہے... اس کے آنسو صاف کرنے کے لیے۔"

جب وہ دعام کا نام لیتا، اس کے لبوں سے چاشنی بہتی تھی، جیسے محبت کی کوئی ندی پھوٹ پڑی ہو۔  
لہجے میں وہ مٹھاس تھی جو صرف دعام کے لیے مخصوص تھی۔ باقی سب کے لیے تو وہ صرف  
وحشت تھا، جیسے سامنے کھڑے دو وجود، جو کانپ رہے تھے، جن کی آنکھوں میں خوف پھلے  
ہوئے سیسے کی طرح بہہ رہا تھا۔ مگر وہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا، جیسے وہ انسان نہیں،  
محض دیواریں ہوں۔

اس کی نظریں اب اس کمرے کی طرف تھیں جہاں پچھلی رات اس نے دعام کو سجدے میں جھکا  
دیکھا تھا۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں وحشت نہیں، ایک عجیب سی تڑپ تھی۔ وہ جانتا تھا، وہ  
لڑکی اُس کی قسمت ہے...

"لگتا ہے سننے کی حس کمزور ہے تم لوگوں کی... میرے بندے کانوں کا علاج بہت تسلی بخش  
کرتے ہیں۔"

آواز میں اچانک ایسی وحشت ابھری تھی کہ جو جہاں بیٹھا تھا، ساکت ہو گیا۔ چچی جو ابھی تک  
دیوار کے ساتھ کھڑی آنسو پونچھ رہی تھیں، ڈر کے مارے ایک قدم پیچھے ہوئیں اور پھر تیزی  
سے کمرے کی طرف بھاگیں۔

جیسے ہی گھوڑے کے قدموں کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔ دروازہ اندر سے بند کرنے کا وقت بھی نہ ملا۔ وہ تیزی سے بستر کے نیچے چھپ گئی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسک سسک کر رونے لگی۔

اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ سانسیں بے ترتیب تھیں اور آنکھوں سے بس آنسو گر رہے تھے۔ جیسے وہ جانتی تھی وہ شخص صرف دیکھنے نہیں آیا، وہ اسے لینے آیا ہے۔ اور اگر وہ آیا ہے تو اسے لے کر ہی جائے گا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا، وہ کچھ نہیں کر سکتی۔ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

وہ اتنا طاقتور تھا کہ کسی کے باپ میں بھی ہمت نہیں تھی اسے روکنے کی۔ وہ آج اگر اسے اٹھا کر لے جاتا، تو کوئی بندہ، کوئی قانون، کوئی رشتہ، کوئی روایتی غیرت اسے نہیں روک پاتی۔ یہی سوچ اسے زمین سے لگا رہی تھی۔ یہی خوف اسے بستر کے نیچے چھپا رہا تھا۔

چچی ہانپتی کانپتی اندر آئیں۔ ان کے چہرے پر وحشت لکھی ہوئی تھی۔

"دعام، وہ ڈاکو باہر آیا ہے، تمہیں بلا رہا ہے۔"

دعام نے جیسے ہی چچی کی آواز سنی، اس نے بری طرح نفی میں سر ہلانا شروع کر دیا۔ وہ بستر کے نیچے جم کر بیٹھ گئی، آنکھوں سے بہتے آنسو اس کی ہتھیلیوں کو گیل کر رہے تھے۔

"ان کے ہاتھوں میں بندوقیں ہیں۔ جو تیرے تایاچچا کے ماتھے پر رکھی ہوئی ہیں، وہ مار ڈالیں گے۔ اور انہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ یہاں کوئی قانون نہیں چلتا، کچھ نہیں بچائے گا تجھے۔ باہر نکلو!" تیرے تایاچچا چاہمت ہار چکے ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا، ابھی وہ صرف باہر بلارہا ہے تجھے لینے نہیں آیا چل اس سے پہلے کہ موت سے ہم سب کا سامنا کروا کر وہ تجھے اپنے ساتھ لے جائے۔ چچی نے جھک کر اس کے بازو کو سختی سے کھینچا۔ دعام درد سے چیخنی بھی نہیں، بس کانپنے لگی۔ چچی نے غصے سے کھینچ کر اسے باہر نکالا، اور وہ بے بسی سے ان کے پیچھے گھسٹی رہی۔

چچی کے قدموں میں پڑی، لرزتی ہوئی دعام کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ سامنے گھوڑے کی موجودگی کا صرف تصور بھی اس کے حواس پر بھاری تھا۔

○○○○○○○○



چاچی نے اتنی سختی سے اس کا بازو دبوچ رکھا تھا کہ وہ ان کے ساتھ گھسٹتی ہوئی باہر آرہی تھی۔  
ان کے جارحانہ انداز پر، جب انہوں نے اسے کھینچ کر باہر لایا، تو سردار کی آنکھوں میں لپکتی ہوئی  
وہ غصے کی لہر ایک لمحے میں یوں ابھری کہ چارپائی چرچرا اٹھی۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا، قدموں تلے زمین کپکپانے لگی، اور اگلے ہی لمحے وہ عورت کے بالکل  
سامنے جا کھڑا ہوا۔

"بیچ۔۔۔ عورت۔۔۔!" لفظوں میں زہر تھا، آنکھوں میں دکھتا ہوا غضب۔ وہ کوئی ایسا بھاری لفظ  
استعمال کرتے کرتے رک گیا جو عورت ذات کی دھجیاں اڑا دے، لیکن غصہ اتنا تھا کہ اسے زندہ  
زمین میں گاڑ دے۔

"تجھے کس نے حق دیا میرے دلدار سائیں کو یوں اذیت دینے کا؟" "کس کے حکم سے تُو نے  
اسے یوں بازو سے گھسیٹا؟" آواز میں ایسا طغیان تھا کہ دیواروں سے پلستر جھڑنے کو بیتاب ہو گیا۔  
وہ نقاب جواب تک اس کی شناخت چھپا رہا تھا، ایک جھٹکے سے نیچے گرا۔

آنکھوں کی وحشت اب چہرے پر اتر چکی تھی۔ سبز آنکھوں میں خون اتر اتر ہوا تھا۔ ہڈیوں تک  
چھتی سرد نظریں، ایسے لگتا تھا جیسے وجود چھید دیں گی۔ چاچی کی توہمت ہی جواب دے گئی۔

اتنا خوبصورت مرد، اور ایسی درندگی؟

سانسیں بند ہونے لگیں، اور گھبراہٹ کی ایک ایسی لہر دوڑ گئی کہ اس کا اپنا وجود تھرتھہر کانپنے لگا۔

دعام... وہ تو لبوں پر ہاتھ رکھے، چارپائی کے ایک کنارے سے لگ کر کھڑی تھی، اس کی آنکھوں میں فقط خوف تھا۔ صرف خوف۔ وہ چہرہ، وہ آنکھیں، وہ سرد لہجہ وہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔

اور پہلے بھی... نہ دل دھڑکا تھا، نہ روح پگھلی تھی۔ اور آج بھی... صرف کپکپاتی ہوئی خاموشی تھی۔

اس کی سرخ آنکھیں، جیسے خون میں دھلی ہوں، صرف دہشت پھیلا رہی تھیں۔

"میرا سونا سائیں... تم ٹھیک تو ہونا؟ تکلیف تو نہیں ہو رہی؟"

اس کے لبوں میں یکدم ایسی مٹھاس گھلی تھی جیسے زہر پیتے وقت شکر چکھ لی گئی ہو۔

چہرے پر چھائی وحشت پل میں کہیں چھپ گئی، لبوں پر ٹوٹی نرمی، دعام کو پلک جھپکنے کا ہوش بھی نہ رہا کب وہ اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے نرمی سے اپنے قریب لایا۔

"درد تو نہیں ہو رہا؟ ڈاکٹر کو بلا لیں... میرا سونا مکھڑا آنسو بہا رہا ہے،

سردار دادل ونج ریا اے، میڈا مسٹر اسائیں، ایہ ظلم نہ کرا!\*) (سردار کادل کٹ رہا ہے میرا میٹھا سائیں یہ ظلم ناکرو!)\*) یہ آنکھیں رونے کے لیے نہیں، میرا سجن سوہنا، وہ بے تابی سے بول رہا تھا، لہجے میں وہ سچائی، وہ محبت تھی جو کسی آتش فشاں کے اندر چھپی جھیل کی طرح اچانک پھوٹتی ہے۔

"یہاں آؤ، میرے قریب... یہاں بیٹھو..."

اس نے دعام کو کندھوں سے تھام کر آہستہ سے چارپائی پر بٹھایا، اور خود... دنیا کو اپنی وحشت سے کانپنے پر مجبور کر دینے والا شخص، ایک معمولی، ڈری سہمی سی لڑکی کے قدموں میں جھک کر بیٹھ گیا۔

پورے صحن میں خاموشی طاری ہو گئی، صرف دعام کی کانپتی سانسیں سنائی دے رہی تھیں، اور باقی سب... آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"میرا یار سجن اداس ہے... خالہ مرگئی... افسوس ہے، بہت افسوس ہے۔ لیکن مرنا تو سب نے ہے نا؟ اب مرے ہوئے لوگوں کا دکھ منانے سے بہتر ہے کہ ہم اپنی خوشیاں سنواریں۔ ویسے بھی... ہمارا نکاح ہے کل۔ کل پہاڑوں کا راجہ اپنی معصوم سائیں کو دلہن بنا کر لے جائے گا۔"

اس نے نرمی سے کہا، جیسے دکھ میں لپٹی خوشی کا کوئی جھونکا ہو۔ پھر جیسے اسے یاد آیا ہو، فوراً ہجہ بدل کر بولا:

"اچھا... تم خالہ کی وجہ سے بہت اداس ہو، ٹھیک ہے... اپنی خوشیاں بعد میں بھی منائی جاسکتی ہیں، لیکن یہ مت سوچنا کہ مجھے تمہاری خالہ کے مرنے کا افسوس نہیں۔ بہت افسوس ہوا... بہت دکھ محسوس کیا میں نے۔ رشتے جب مرتے ہیں تو دل بھی ٹوٹتا ہے۔ میرے ماں باپ مرے تھے نا... تب بھی دل جیسے تھم گیا تھا۔ تمہارے ماں باپ گئے تو تم پر بھی وہی گزری ہوگی... دکھ تو زندگی کا حصہ ہے، لیکن بعض اوقات کچھ سہارے مل جاتے ہیں، جو زندگی کو سہارا دے جاتے ہیں۔ جیسے تم میرے لیے، اور میں تمہارے لیے..."

وہ بول ہی رہا تھا کہ بالا کچن کے دروازے کے قریب سے پانی کا گلاس بھر کر لایا۔

"بھابھی، اپنی خالہ کا افسوس بعد میں کر لینا، پہلے یہ پانی پی لو، گلا تو خشک ہو گیا ہو گا۔"

لہجہ نرم تھا، شائستگی لیے ہوئے۔ اب جب پہاڑوں کو لرزادینے والا سردار اس لڑکی کے قدموں میں بیٹھ چکا تھا، تو باقیوں کی زبانیں کیسے سخت رہتیں؟ وہ لڑکی اتنی معصوم تھی کہ اس کے سامنے تو وحشت بھی نرمی اوڑھ لیتی، پھر بالا اور سردار کس کھیت کی مولی تھے؟

هاں لا پانی... "اس نے بے حد نرمی سے کہا، نگاہیں اُس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"میرے یار سجن کی آنکھوں سے تو سمندر بہہ نکلا ہے، گلا تو خشک ہوا ہی ہو گا۔" وہ نرمی سے گلاس اس کے لبوں سے لگا چکا تھا، جیسے کسی پگھلتے چراغ کو پھر سے روشن کرنا چاہتا ہو۔ وہ سہمی ہوئی تھی، ایک گھونٹ سے زیادہ پانی نہ لے سکی، لیکن وہ بضد تھا۔ خاموشی سے، پورے سکون سے، اُس کے گھر والوں کے سامنے، اُس کے قدموں میں بیٹھا، محبت سے زبردستی اپنے ہاتھوں سے اسے پانی پلاتا رہا۔

ایک بازو اُس کے گرد لپٹا تھا، جیسے وہ وقت سے پہلے ہی اُس کی ملکیت بن چکی ہو، اور وہ اس رشتے پر، اُس وجود پر، ہر حق رکھتا ہو۔

گلاس جیسے ہی اُس کے لبوں سے ہٹا، سردار نے باقی بچا پانی خود پی لیا۔ ایک لمحے کو سب کی نگاہیں ٹھہر گئیں۔

وہ پہاڑوں کا راجہ، جو صرف حکومت کرنا جانتا تھا، آج محبت میں غلامی کے شوق میں جھک چکا تھا۔ ایسا منظر... جو کسی نے سوچا بھی نہ تھا، آج آنکھوں کے سامنے حقیقت بن چکا تھا۔

صبح تک جو سمیرہ خوشی کے شادیا نے بجا رہی تھی کہ اب دعام کی زندگی جہنم بننے جا رہی ہے، وہ اس لمحے چکرا کر رہ گئی۔

جس شخص کو وہ وحشی، سنگدل، اور خود سر سمجھ کر دعام کا انجام سمجھ رہی تھی، وہ اس وقت دعام کے قدموں میں جھکا، اس کی آنکھوں کے آنسو صاف کر رہا تھا۔  
سمیرہ کا دماغ سائیں سائیں کر گیا تھا۔

ایک تو وہ لڑکی، جو اس دنیا میں اتنا حسن لے کر آئی تھی کہ ہر نظر حسد میں مبتلا ہو جائے۔ اور اب وہ پتھر یلے پہاڑوں کا راجہ بھی اس کی قسمت لکھوا کر لے گیا تھا۔  
نہ دعام نے کچھ مانگا تھا، نہ اسے چاہے تھا، مگر سب کچھ اسے ہی ملا تھا۔ اور یہ بات، سمیرہ کو اندر ہی اندر جلا گئی تھی۔

"میرا مٹھا سائیں ایسے نہیں کانپتے..." اس کے لرزتے وجود کو سینے سے لگا کر وہ دھیمے مگر گرجدار لہجے میں بولا۔

"خیر، میں تمہاری خالہ کا افسوس کرنے آیا تھا، پر تمہیں دیکھا تو سب کچھ بھول گیا۔ بس تمہیں دیکھ کر، سکون آگیا۔" اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر آنکھوں میں شرارت تھی۔

"ہاں، تو تاؤ کہاں ہے؟ سن لے، نکاح کل ہوگا، پرسوں نہیں۔ میں اپنے مٹھے سائیں سے دور نہیں رہ سکتا۔ اور ویسے بھی، تم لوگوں نے میرے یار سجن کو رُلا لیا ہے۔ اور اس کے آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔" وہ ایک پل کو سب کی طرف دیکھتا ہے، پھر لہجے میں زہر بھر کر بولتا ہے "اس لیے میں کل اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں، بارات لے کر۔ تم لوگ اس قابل نہیں کہ میرے سوہنے مکھڑے کو اپنے پاس رکھ سکو۔"

قدم دروازے کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ آخری وار ننگ دیتا ہے۔

"کل صبح 10 بجے، بارات لے کر آؤں گا۔ نکاح شرافت سے ہو گیا تو جشن میں فارنگ ہوگی۔ ورنہ بالا دیکھ لے کتنے لوگ ہیں، ہر ایک کے نام کی گولی تیار کر کے لانا۔"

"بھابھی کو نکال کر آٹھ، بالا حساب برابر کر کے کے بیٹھا تھا۔"

هاں ٹھیک ہے اور یہ تاؤ اگر ہوشیاری دکھائے نا، تو پہلی گولی اس کی قسمت میں ہے، نام پہلے سے لکھ رکھا ہے۔"

اس کے جاتے ہی پورے گھر پر ایسی خاموشی چھا گئی جیسے موت کا سایہ ہو۔  
وہ خود کانپتی ہوئی چارپائی پر بیٹھی تھی، اور باقی سب کی سانسیں بھی جیسے رُک گئی تھیں۔

oooooooo

وہ سب لوگ چہروں پر شکست اور بے بسی کے ہار سجائے بیٹھے تھے۔ اتنی گہری خاموشی تھی کہ جیسے زبانیں گم ہو گئی ہوں۔ دعام کو کوئی کوس بھی نہیں رہا تھا، سب کا وجود سن ہو چکا تھا۔ ایک انجانی وحشت ہر کونے میں رچ بس گئی تھی۔

ابھی وہ سب اس پہاڑوں کے راجہ، سردار یلغار—کی گونج دار موجودگی سے باہر بھی نہ نکلے تھے کہ دروازے پر اچانک زور سے دستک ہوئی۔

دھڑام! دھڑام! دروازے پر پڑنے والی دستک کے ساتھ ہی سب کے دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گئے۔ سب کے کان دروازے کی طرف لگ گئے۔ ایک لمحے کو کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ جا کر کھولے۔



لیکن پھر جیسے ہی دروازہ کھلا اور وردی والے اندر داخل ہوئے، تو جیسے پورے آنگن پر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ جانیں لبوں تک آگئیں، سانسیں جیسے رک سی گئیں۔

"اندر آنے کی اجازت ہے؟" پولیس والے نے لکڑی کے دروازے پر ڈنڈا مارا اور سوالیہ انداز میں تایا کو گھورا۔

تایا، جن کی بوکھلاہٹ چہرے پر صاف لکھی تھی، فوراً ہاں میں سر ہلا گئے۔  
وردی دیکھتے ہی ساری لڑکیاں دبک کر کمروں میں جا چھپیں، دروازے بند، سانسیں مدھم۔  
پولیس والا اندر داخل ہوا، اور جیسے ہی چارپائی پر بیٹھا، اس کی نظریں پورے گھر کا جائزہ لینے لگیں۔

"سننے میں آیا ہے کہ اس گھر میں ڈاکو آتے جاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز بھی تھا اور نفیشت بھی۔

"ڈاکو سردار یلغار، اسی گھر میں دیکھا گیا ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے، کیا یہ سچ ہے؟ تم لوگوں کا کوئی تعلق ہے ان سے؟ کوئی رشتہ داری؟"

وہ آگے جھک کر بولنے لگا

"یہ ڈاکو پچھلے کئی دنوں سے اس راستے پر دیکھے گئے ہیں، اسی علاقے میں، اور اکثر اسی گھر کے قریب۔ سوال یہ ہے کہ آخر وہ یہاں کیوں آتے ہیں؟"

پولیس والے کا لہجہ اب خالص تفتیشی اور تھوڑا سخت ہو گیا تھا۔

تایا بمشکل خود کو سنبھال کر سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گئے، مگر ان کی آنکھوں میں خوف صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"نہ سرکار... اللہ معاف کرے! ہم ڈاکوؤں سے رشتہ داری رکھیں؟ اس سے بہتر ہے کہ موت آ جائے!"

چچانے ہاتھ جوڑتے ہوئے، بے بسی سے کہا۔ آواز میں سچائی بھی تھی، اور خوف بھی۔ پولیس والا اب بھی تفتیشی نگاہوں سے ہر چہرہ جانچ رہا تھا۔

"تو پھر یہ ڈاکو یہاں کیوں آتے ہیں؟ کوئی توجہ ہوگی۔ سردار یلغار نے آج تک کسی عام گھر میں قدم نہیں رکھا۔ اور نہ ہی کبھی ایسی خبر سنی گئی۔ اس کے یہاں آنے کے پیچھے کچھ تو مقصد ہوگا۔" اس کے ساتھ دو حوالدار بھی دروازے پر مستعد کھڑے تھے، ہاتھوں میں بندوقیں، نگاہیں بار بار اندر جھانکتیں۔

چچا وہیں زمین پر دوزانو بیٹھ گئے، اور سر پر ہاتھ مار کر کراہنے لگے۔

"ہائے سرکار... کیا بتائیں آپ کو! ان لوگوں نے تو جینا حرام کر رکھا ہے۔ زندگی جہنم بنادی ہے ہماری!" پولیس والا چچا کو تکتے ہوئے خاموش ہو گیا، جیسے کچھ جوڑ رہا ہو... کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک آئی۔

"خبر تو یہ تھی کہ سردار یلغار... اس گھر کی ایک لڑکی سے نکاح کرنے جا رہا ہے۔ یہ خبر اسے شیرازی نے دی تھی۔ لیکن اب... شیرازی خود ہی کل سے غائب تھا۔" نہ فون لگ رہا تھا، نہ کوئی پیغام، نہ کوئی پتہ۔ اکرم۔ کو لگ رہا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ لگ چکا ہے۔ کہیں کاٹ کے پھینک ہی نہ دیا ہو کہیں۔ آخر ان کے لیے قتل تو ایسے تھا جیسے سانس لینا۔ وحشت ان کی پہچان تھی!"

"زندگی جہنم کر دی ہے؟" انسپکٹر اکرم نے آنکھیں سکیڑ کر سوال داغا،

"میں نے تو سنا ہے وہ سردار تو تمہاری بیٹی پر جان چھڑک رہا ہے، نکاح کر رہا ہے اُس سے۔ پھر یہ زندگی جہنم کیسی؟" وہ چارپائی کے کنارے پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا، ہاتھ میں تھماؤنڈ ادھیرے ادھیرے زمین پر مار رہا تھا۔ اس کے لہجے میں طنز چھپا نہیں تھا، بلکہ چھن چھن کر باہر آ رہا تھا۔

چچا کا حلق خشک ہو گیا، ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں ابھر آئیں۔ اُس نے گلے کو صاف کرتے ہوئے ہکلاتے لہجے میں جواب دیا

"سرکار، وہ... وہ ڈاکو ہے... وہ جو چاہے کر سکتا ہے... ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم نے تو نہ کبھی بلایا، نہ چاہا۔ ہماری بیٹی کو زبردستی..."

"اوہ، زبردستی؟" انسپکٹر اکرم نے سخت لہجے میں سوال داغا تو چچا کے آنسو بہہ نکلے۔

"صاحب جی... ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ ہماری بچی کی عزت داؤ پر لگی ہے۔ وہ سردار... وہ ڈاکو زبردستی اسے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے۔"

اس نے ہاتھ جوڑ دیے، دل کٹ رہا تھا۔

"کل بارات لائے گا، کہہ گیا ہے۔ کیا کریں ہم؟ کوئی کچھ نہیں سن رہا، کسی میں ہمت نہیں ہے۔"

"تورپورٹ کیوں نہیں کی پہلے؟" انسپکٹر نے گھور کر پوچھا،

"صاحب جی... کون رپورٹ کرتا؟ اس کا نام سنتے ہی لوگ کانپ جاتے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں مانتا۔

پولیس کو بھی نہیں۔ گاؤں کے لوگ دروازہ تک کھٹکھٹانے سے ڈرتے ہیں۔" چچا کی آواز روہانسی ہو گئی،

"صاحب جی... ہم اپنی بیٹی کو کسی ڈاکو کے حوالے نہیں کر سکتے۔ ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ وہ بچ جائے۔ وہ ظالم ہے، ظالم!" چچا نے زمین پر ہاتھ مارا جیسے اپنی لاچاری پر ماتم کر رہا ہو۔

انسپکٹر اکرم چند لمحے خاموش رہا، جیسے ذہن میں کوئی گرہ کھول رہا ہو۔ پھر اس نے تایا اور چچا کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر اب بھی خوف اور بے بسی کی جھریاں رینگ رہی تھیں۔

"دیکھو... تم لوگ کہہ رہے ہو کہ سردار یلغار زبردستی نکاح کرنا چاہتا ہے، ہے نا؟"

چچا نے نم آنکھوں سے سر ہلایا،

"ہاں صاحب جی... وہ ظالم ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے... کل بارات لانے کا کہہ گیا ہے۔" انسپکٹر کے ہونٹوں پر ایک سخت سی مسکراہٹ ابھری، "تو بس پھر ہمیں وہی دن چاہیے۔ کل جب وہ بارات لے کر آئے گا..."

وہ لمحہ بھر کورکا، پھر نظریں تایا کی آنکھوں میں گاڑ کر بولا،

"تب تمہاری لڑکی سب کے سامنے، پولیس والوں کے سامنے، خود یہ بیان دے گی کہ وہ یہ نکاح نہیں چاہتی۔ اور اس پر زبردستی ہو رہی ہے۔"

تایا اور چچا ایک دم چونک اٹھے۔ پھر چچا ہکلاتے ہوئے بولے،

"مگر... صاحب جی، وہ... لڑکی تو بہت ڈری ہوئی ہے، وہ... کچھ بولے گی بھی تو..."

"اسے بولنا پڑے گا،" اکرم نے ٹھوس لہجے میں کہا،

"یہی ایک قانونی دروازہ ہے۔ ہمیں سردار یلغار کے خلاف ایک ایسا ثبوت چاہیے جو اسے عدالت میں کھڑا کر سکے۔ اور لڑکی کا بیان، زبردستی کے نکاح کی گواہی... یہ ہمارے لیے وہی بڑا ثبوت ہو گا۔"

"اور ایک بار جب وہ بیان دے دے گی، تو ہم اسے حراست میں لے لیں گے۔ پھر باقی فائلز ہم خود کھولیں گے، فی الحال ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے اسے جیل میں ڈالنے کی اس کے خلاف پرانے کیسز، اس کے جرائم، سب کچھ۔ لیکن ہمیں کارروائی کی شروعات کے لیے بس ایک بڑی وجہ چاہیے... اور تمہاری بیٹی کی جرات ہمیں وہ وجہ دے سکتی ہے۔"

تایا اور چچا دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر پہلی بار کوئی امید، کوئی ممکنہ نجات کی کرن چمکی تھی۔

"بس لڑکی کو تیار رکھو۔ کل بارات کے وقت وہ ہماری آنکھیں، ہماری آواز بنے گی۔ اور ایک بار وہ بول پڑی... تو سردار یلغار کا انجام قریب ہو گا۔"

انسپکٹر کی آواز میں ایک عزم تھا۔ ایک ایسا ارادہ جو شاید برسوں بعد ان کے اجرے گھر میں قانون کی صورت داخل ہوا تھا۔

تایانے لرزتے ہاتھوں سے انسپکٹر اکرم کے قدموں کی طرف ہاتھ جوڑے، جیسے برسوں بعد کہیں روشنی کی کرن دکھائی دی ہو۔

"صاحب جی، ہم بالکل تیار ہیں... ہم اپنی بیٹی کو بھی سمجھالیں گے، وہ ضرور بولے گی... ضرور سچ بولے گی!"

اس کی آواز میں امید تھی، لیکن ساتھ ہی ایک ایسا خوف بھی،

"بس پھر طے ہے۔ کل جب وہ ڈاکو سردار اپنی بارات لے کر یہاں آئے گا، اور نکاح کے وقت سب کچھ تیار ہو گا... تب تمہاری بیٹی صرف ایک جملہ بولے: انسپکٹر اکرم نے مضبوط لہجے میں کہا، 'یہ نکاح میری مرضی سے نہیں، زبردستی کیا جا رہا ہے۔' بس یہی ایک جملہ ہمیں وہ موقع دے گا جس کا ہم انتظار کر رہے ہیں۔" کسی بھی لڑکی کے ساتھ اس طرح زبردستی کرنا قانونی جرم ہے اور ہمارے پاس یہی وجہ کافی ہوگی۔

اکرم نے چار پائی پر بیٹھے دونوں بزرگوں کی طرف دیکھا۔

"ہم بنا ثبوت کسی پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے، لیکن جب ایک لڑکی خود سب کے سامنے ظلم کی گواہی دے، تو وہ سب سے بڑا ثبوت ہوتا ہے۔"

"صاحب جی، وہ تو ہمیں دھمکی دے کر گیا ہے... کہا ہے کہ بندوق میں آٹھ گولیاں ہوں گی، اور ہر گولی پر ہمارے کسی نہ کسی فرد کا نام لکھا ہو گا۔ ہم تو اپنی بچی کو اس جہنم سے بچانے کے لیے جیتے ہیں، لیکن یہ لڑائی اب ہمارے بس کی نہیں۔" چاچا کی آواز کپکپائی،

انسپکٹر اکرم نے ان دونوں کے چہرے پر نظریں جمائیں اور پھر آہستہ سے بولا،

"یہ لڑائی اب تمہاری نہیں رہی... کل وہ آئے گا تو قانون بھی ساتھ آئے گا... اور اس بار صرف دھمکیاں نہیں، ہتھکڑیاں بولیں گی۔"

oooooooo

پہاڑوں کے بیچوں بیچ وہ کھلا میدان جیسے کسی جنگی قلعے کی چھاتی پر رکھا گیا تخت ہو۔ اس پر بچھائی چارپائی پر سردار نیم دراز تھا، آنکھیں بند، چہرہ خاموش، لیکن ماتھے پر ہلکی سی شکن جیسے سکون میں بھی کوئی جنگ چھپی ہو۔



جمرو، ہاتھ میں پنکھا لیے اس کے پاؤں دبار ہاتھ۔ لیکن اس کے انداز میں چاپلو سی اتنی نمایاں تھی کہ وہ پنکھا جھولنے سے زیادہ سردار کے قدموں میں جھکا جھکا لگ رہا تھا۔

"سردار... وہ تمہاری شادی ہے... اور ہم جشن نہ منائیں؟ میں چاہتا تھا رات میں وہی پرانا طریقہ ہو، پہاڑ گونجیں گے، گولیاں چلیں گی، آسمان چمکے گا۔ تمہارا نام سن کر زمین بھی کانپے گی!" جمرو نے جھک کر اس کے پیر پر ہاتھ پھیرا، جیسے اس کے جوتے بھی چمکانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سردار نے آنکھ کھولی اور جمرو کو ایک نظر دیکھا،

بہت زبان چل رہی ہے آج تیری۔"

"تمہارے حکم پر بند ہے سردار... جمرو دانت دکھاتا فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

اس لمحے بالا بھی وہاں پہنچا، جو کافی مصروف لگ رہا تھا ہاتھ میں سگریٹ، چہرے پر وہی پرانی

شوخی، لیکن آنکھوں میں ایک نئی چمک۔

"یار... سادہ نکاح ٹھیک ہے، لیکن جشن تو ہونا چاہیے۔ وہ بھی ویسا والا، پوری وادی میں گولیاں

چلیں، بندوقیں چھتوں سے نکلیں۔ زمین لرز جائے۔ اے ہائے۔۔۔" یہی روایت ہے ہمارے

قبیلے کی۔"

سردار نے سیدھا ہو کر بیٹھتے پیروں کو سیدھا کیا، اور ایک گہرا سانس لے کر بولا،  
میں بھی یہی کہہ رہا تھا سردار ہمارے تو روایت ہے جبر و تیز اس کے پیر دبانے لگا  
"روایت تو رہے گی... لیکن یاد رکھو، ہر گولی کا ہدف ہونا چاہیے۔ اندھی فائرنگ میں صرف شور  
ہوتا ہے، دھاک نہیں بیٹھتی۔"

"ارے تم فکر نہ کرو، اس بار سب کچھ پلان کے تحت ہو گا۔ تم آؤ گے، کرسی پر بیٹھو گے،  
ہمارے سردار کی شادی ہے کوئی عام بات ہوئی ہے دشمنوں کے دل کانپیں گے۔ ہم نے تمہارے  
لیے خاص اسلحہ بچا کر رکھا ہے۔ وہی جو پرسوں رات جو قبضے سے تم نے چھینا تھا  
"ہاں... وہ اسلحہ۔ وہ معمولی نہیں تھا۔ گوریلا وار کا سامان تھا، خفیہ ترسیل کے لیے بھیجا جا رہا تھا۔  
دشمن ملک کا مال تھا... لیکن ہم نے وقت پر ہاتھ ڈال دیا۔" بالانے ہنستے ہوئے کہا،  
"اور اس بار فوج بھی خوش ہے۔ تم نے جو راتوں رات پورا مال ٹرک سمیت پہنچا دیا، وہ بھی بغیر  
کسی نقصان کے... واہ سردار، تمہاری بہادری کی گواہی اب پہاڑ بھی دیں گے!"  
"قسم لے لو سردار، وہ بندوق جو اوپر والے بکسے میں تھی نا، میں نے اسے دیکھ کر ہی کہا تھا کہ یہ  
تمہارے ہاتھ کی چیز ہے... لیکن بالانے کہا فوج کو دینی ہے، تو میں نے ہاتھ نہیں لگایا!"

جر و جھٹ سے بولا،

سردار کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری،

"اچھا کیا... یہ اسلحہ ذاتی کام کے لیے نہیں ہوتا... یہ وہ آگ ہے جو یا تو دشمن جلاتی ہے، یا وطن بچاتی ہے۔"

"لیکن تمہاری شادی... وہ الگ بات ہے۔ اس رات ہم دشمن نہیں مٹائیں گے... جشن منائیں گے۔ بندوقیں چلیں گی، لیکن خوشی میں۔ زمین ہلے گی، لیکن تمہارے نام پر۔" بالا تھوڑا جھکا، لہجے میں معصومیت تھی۔ سردار نے گردن ذرا سادائیں کی،

"جشن ہو... لیکن میرے نام کی عزت رہے۔ ہم ڈاکو ضرور ہیں، لیکن اپنی حرمت رکھتے ہیں۔ دشمنوں کو آگ میں جلائیں گے، اپنے لیے مشعل جلائیں گے۔"

○○○○○○

محفل زوروں پر تھی۔ ڈھول کی تھاپ اور فضا میں بارود کی باس گھلی ہوئی تھی۔ کچھ فاصلے پر زمین میں گولیاں مار کر فائرنگ کی جارہی تھی، جیسے جشن نہ ہو، کوئی جنگ جیتی گئی ہو۔

سردار ایک چارپائی پر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں سگریٹ تھا، دوسرے میں  
بندوق کا رخ زمین کی طرف۔ چہرے پر خاموشی تھی۔

تبھی جمر و حواس باختہ۔ دوڑتا ہوا آیا،

"سردار!" اس نے قریب آکر جھک کر آواز دی۔

سردار نے بغیر چہرہ موڑے بس آنکھوں سے اسے دیکھا۔ جمر و اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"سردار، تمہارے وہاں سے نکلتے ہی پولیس پہنچ گئی ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ لوگ اب پولیس سے مدد  
لے رہے ہیں شادی روکنے کے لیے۔"

سردار نے آہستگی سے سگریٹ کا کش لیا، اور سرد لہجے میں بولا،

"پولیس؟"

"ہاں سردار، مرون نے خود دیکھا ہے۔ گاڑیوں میں اترتے پولیس والے، اور وہ لڑکی کا تیا ان

سے بات کر رہا تھا۔"

سردار نے ہنکارا بھرا، جیسے کسی بچے کی ضد سنی ہو۔

"پولیس ہم سے ٹکرائے گی؟" اس نے ہنستے ہوئے جمرو کی طرف دیکھا۔ "جمرو، پولیس تو ہمارا نام سن کے وردی گیلی کر لیتی ہے۔ وہ روکیں گے؟"

جمرو فوراً سر ہلانے لگا،

"نہیں سردار، میں تو بس اطلاع دینے آیا تھا۔ باقی تو ہم جانتے ہیں... کل کی بارات وقت پر نکلے گی!"

سردار نے بندوق زمین پر رکھی اور جمرو کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر دیکھا،  
"اگر وہ پولیس لے کر بھی آئیں... تو بارات گزرے گی جمرو... اور ہر گولی کی آواز میں اعلان ہو گا  
— سردار کی دلہن جا رہی ہے۔"

لیکن پھر بھی اگر وہ پولیس کو لے کر آئیں گے تو یہ ہمارے ساتھ دھوکہ ہو گا!"  
سردار کی آواز میں آگ تھی۔

"اور دھوکے کا جواب سردار کل نہیں، آج دے گا۔"

وہ تیزی سے اٹھا، بندوق تھامی اور غرایا،

"اٹھا کر لے آؤ سب کو! نکاح آج ہی ہو گا!" اس کی آواز گونجی تو جہر و اور بالا فوراً حرکت میں آ گئے۔ گولیاں چلنے لگیں، زمین تھرکنے لگی۔

ڈاکو نے فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے فیصلے ٹلتے نہیں تھے۔

○○○○○○○

گھر کے دروازے دھاڑ سے کھلے تھے۔ ڈاکو اندر گھس آئے، تعداد اتنی کہ ہر کمرے پر قبضہ ہو چکا تھا۔ بندوق کی نالیں سروں پر تھیں، اور سب کو گھسیٹ کر صحن میں لا کھڑا کیا گیا۔

"دھوکا دو گے تم لوگ؟ وہ بھی سردار کو؟ اور پولیس؟" ہاہاہا۔۔۔۔۔ "بالا نے گھوڑے کی پشت سے گرج کر کہا۔

"اس انسپیکٹر نے خواب دکھائے ہوں گے، لیکن سردار حقیقت دکھاتا ہے!" اس کے اشارے پر ڈاکوؤں نے بندوقیں مزید جھکا دیں۔

"سردار کا بلاوا آیا ہے۔ سامنے گاڑی ہے، چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔۔۔ ورنہ لاشیں اٹھیں گی، زندہ نہیں۔"

عورتیں کانپ رہی تھیں، لڑکیاں چچا اور باپ کے پیچھے چھپنے لگیں۔ یہ وحشت ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

گولیاں تھیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پہاڑوں میں آگ برس رہی ہو۔ رات کی تاریکی میں گولیوں کی گرج سے زمین تھر تھرا رہی تھی۔ ڈاکوؤں کی وحشت اس قدر تھی کہ جس سمت بندوق اٹھتی، اسی سمت سناٹا چھا جاتا۔ نہ بارات پچی، نہ گھر۔ بس بارود کی بورہ گئی تھی۔

یہ کوئی معمولی واردات نہیں تھی۔ پہلے وہ صرف بارات غائب کرتے تھے، اب تو پورا گھر ہی نکل گئے۔ وہ بھی دلہن سمیت۔ باقیوں کو بندوق کی نوک پر باندھ کر ڈالا گیا، مگر دلہن کے لیے خصوصی اہتمام تھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پہلے خود بالانے صاف کروائی، گلاب کی خوشبو والا اسپرے مارا گیا تاکہ 'بھا بھی' کو تکلیف نہ ہو۔

چادر بھی بچھی تھی، سلوک شاہی تھا، بس مرضی کسی اور کی تھی۔

جس انداز میں پورا گھراٹھایا گیا تھا، وہ کوئی عام واردات نہ تھی، یہ وحشت تھی، طاقت کا ننگا مظاہرہ تھا۔ گلی کی گلی لرز گئی تھی۔ ہر درو دیوار سے جھانکتی آنکھیں، ہر چھت سے جھانکتے سائے، سب نے وہ منظر دیکھا تھا جو برسوں یاد رکھا جائے گا۔

بارود کی بو پورے محلے میں رچی بسی تھی۔ گھروں میں کھلتے بچوں کے ہاتھ رُک گئے تھے، چولہوں پر چڑھے دیگے اتر گئے تھے۔ اب کسی کو شک نہیں رہا۔ پورا کا پورا گھراٹھایا گیا تھا، صرف دلہن نہیں، ہر فرد۔

جس عزت کو بچانے کے لیے دن رات منصوبے بنائے جا رہے تھے، وہی عزت اب سب کے سامنے روندی جا چکی تھی۔ کیونکہ اب تو ہر آنکھ گواہ تھی، ہر زبان پر بات تھی، کہ معاملہ صرف انا یا رواج کا نہیں، بلکہ سردار کی ضد اور وحشت کا تھا، جو چاہا، کر ڈالا۔

○○○○○

"ڈاکو جی، ہم نے کچھ نہیں کیا، ہم سے قسم لے لیجیے، ہم نے بالکل بھی کوئی غلط کام نہیں کیا،" بتایا ابو جیسے ہی قبیلے کے اندر داخل ہوئے وہ تیزی سے سردار ڈاکو کے پاس پہنچے، جو آرام سے چارپائی پر بیٹھا تھا اور سب کو غور سے دیکھ رہا تھا۔



"سردار، پولیس والا خود ہمارے گھر آیا تھا، ہم نے اسے بلایا نہیں، اور نہ ہی ہم نے پولیس کو اس معاملے میں شامل کیا ہے۔ ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہمیں اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں،" بتایا ابو سردار کو وضاحت دینے لگے۔ جبکہ دعام کے ساتھ ساتھ اس وقت وہاں موجود ہر انسان کام رہا تھا۔

بالا میرے سجن سائیں کے پیروں میں درد ہو جائے گا کرسی لگاؤ۔۔۔"

اور تاو میں نے صفائی مانگی نہیں، میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ کوئی ہوشیاری مت کرنا۔ لیکن تم واقعی ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہو، اور اتنے ہوشیار لوگوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔

"ارے اوو بالا! ذرا بند وقوں کو ناپ تول کر دیکھو، نشانہ سر کے بچ رکھنا،" سردار نے کمان سنبھالتے ہوئے حکم دیا۔

خدا کا واسطہ ہے، ہمیں معاف کر دیجیے سردار تا یا ابو منتو پر اتر آئے تھے کہ جب کہ وہ ایک جھٹکے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹسیں سردار نوں دھوکہ دیتا ہے تاو سائیں تے سردار دھوکے دی سزا ضرور دیندا اے۔"

("تم نے سردار کو دھوکہ دیا ہے تاو سائیں اور سردار دھوکے کی سزا ضرور دیتا ہے۔")

نکاح ابھی ہو گا اسی وقت ہو گا۔ اس نے جیسے فیصلہ سنایا تھا۔

سرکار ایسا مت کر پنچی کے ساتھ ظلم ہے زبردستی مت کرو۔ وہ نہیں کرنا چاہتی آپ سے شادی وہ ڈری ہوئی ہے آپ سے، اس پر ظلم نہ کریں، تایا ابو کا انداز ایسا تھا جیسے خود دعام کے ساتھ بڑا انصاف کر رہے ہو۔ جب کہ وہ حیرت سے سامنے کر سی کے قریب کھڑی دعام کو دیکھنے لگا۔

oooooooo

وہ دھیرے دھیرے، بھاری قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس آ کر بیٹھا۔ زمین پر سب لوگ سہمے ہوئے تھے

تائی، چاچی اور ان کی بیٹیاں، کھلے میدان سے نکلتے ہوئے اندر کی طرف یہ ایک تنگ، اندھیرے غار جیسی جگہ تھی، دیواروں سے نمی ٹپک رہی تھی، اور سرد ہوا کی سرسراہٹ میں ہر سانس جیسے خوف سے بوجھل تھی۔

دعام کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو، دل میں کھرام۔ اس کی آنکھیں اُس کی طرف اٹھیں جو اس کی جان کا دشمن بھی تھا، اور محبت کا دعویدار بھی۔

وہ، گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا، آہستہ سے اس کے قریب سرک آیا۔

آنکھوں میں وحشت نہیں... صرف ایک جنونی ساعشق۔ اس کی سبز آنکھیں مسکرا رہی تھیں، جبکہ دعام کی آنکھیں خوف سے پوری طرح کھلی ہوئی تھیں۔ وہ سہمی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، میرا سجن سوہنا... ڈرو نہیں، بتاؤ..."

"یہاں سے جانا چاہتی ہو... میرا سوہنا مکھڑا، نکاح سے انکار کر دیا۔۔۔۔۔؟؟"

اس کی آواز میں وہی نرمی تھی جس میں دعام کی روح گھل سکتی تھی، مگر لہجے میں وہ تپش تھی جو پہاڑ پھاڑ دیتی ہے۔

دعام نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا، لرزتے ہونٹ، کانپتی پلکیں۔

وہ ہولے سے مسکرایا۔ اس کے مسکراتے لب تو نظر نہ آئے، لیکن اس کی دلکشی سے آنکھیں مسکرا رہی تھیں، جیسے اس نے نکاح سے انکار نہیں بلکہ دل سے حامی بھری ہو۔

"تو پھر ٹھیک ہے، میرا سجن سائیں، اگر تم نہیں رہنا چاہتی میرے ساتھ، تو میں زبردستی تھوڑی کروں گا؟"

اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا، تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اس کی انگلیوں کا لمس اپنے بالوں سے ہٹا پاتی۔

"ہر انسان کی اپنی پسند، اپنی مرضی ہوتی ہے۔ میں، میرے سوہنے مکھڑے کا دلدار ایسا نہیں جو اپنے عشق کو قید کر لے..."

دعام کی آنکھوں میں بے یقینی تیرنے لگی۔

اتنی نرمی؟ یہ وہی شخص تھا جس کے حکم پر بندوقیں ان سب کے سروں پر رکھی گئی تھیں؟

یہ وہی شخص تھا جو بات بات پر لوگوں کے سینوں میں اپنے اسلحے سے لوہا بھر دیتا تھا؟

خود اتنا خطرناک تھا، کہ دور دور کے گاؤں میں اس کے خوف سے لوگ راتوں کو سوتے تک نہیں تھے۔

لیکن اس کے سامنے وہ ایک عام سا انسان تھا۔ نہ لہجے میں کوئی سختی، نہ ہی آنکھوں میں کوئی وحشت۔

"تم جانا چاہتی ہو، پرسکون ہو جاؤ... یہاں تم سے کوئی زبردستی نہیں ہوگی... بندوق کی نوک پر

معاهدے ہوتے ہیں، نکاح نہیں۔ نکاح تو دل کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ اور میرے سوہنے

مکھڑے کی دل کی رضامندی نہیں، تو نکاح کیسے ہوگا؟ جاؤ، میرا دلدار سجن، تم آزاد ہو۔"

وہ نرمی سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"میرے۔۔۔ گھر۔۔۔ والے۔۔۔ ڈ۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ م۔۔۔"

وہ اس کے قریب سے اٹھنے ہی لگا تھا جب اچانک وہ کانپتے ہونٹوں سے بولی۔ جیسے لفظ بھی کانپ رہے ہوں۔

سردار کی آنکھوں میں وہی جنون اب وحشت بن کر پھیلنے لگا۔ آنکھوں میں جیسے شعلہ بھڑک اٹھا ہو۔

"نہیں! وہ تو مرے گے...!" اس کی آواز اب سرگوشی نہیں رہی تھی۔ وہ اچانک پلٹ کر واپس اس کے قریب بیٹھا۔

"میرا مٹھا سائیں... عشق مجھے تم سے ہے... ان لوگوں سے تو کوئی یاری نہیں۔"

اب تمہارے انکار کا انجام کوئی تو بھگتے گانا؟

تم سے تو دل کا رشتہ ہے، تمہیں کچھ کہہ نہیں سکتا، لیکن تمہارے انکار کی سزا کسی کو تو ملے گی۔" اس نے دعام کی ٹھوڑی نرمی سے تھامی۔

یہ سب تو مرے گے۔۔۔"

"نہ۔۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ ڈ۔۔ ڈا۔۔ ڈاکو۔۔ جی۔۔ نہیں۔۔۔۔۔" وہ بری طرح سے کانپنے لگی تھی۔

"نا، میرا میٹھا سائیں... یہ تو ناشکری ہے۔ تم ناشکری کر رہی ہو، میرا یار سجن۔"

اس کے لہجے میں پھر سے دنیا جہان کی مٹھاس سمٹ آئی تھی۔

"میں اچھا انسان نہیں ہوں، میرا گلاب سائیں، بالکل بھی نہیں ہوں۔"

اور تم نے اس برے انسان سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے، تو میں اپنا برا پن کسی پر تو نکالوں گا نا؟"

اس کا اشارہ دعام کے پیچھے بیٹھے کانپتے وجودوں کی طرف تھا۔

"تم انکار کر سکتی ہو... تم کچھ بھی کر سکتی ہو... تمہیں اجازت ہے... چاہو تو یہ خنجر سردار دلدار یلغار کے سینے پر چلانے کی بھی۔"

ارے تمہیں تو اس عاشق کا خون بھی معاف... لیکن یہ میری محبت کا خمیازہ بھگتیں گے..."

دعام کا وجود مزید سکڑ گیا۔ وہ اب جان چکی تھی،

اس کے انکار کی قیمت وہ نہیں... دوسرے چکائیں گے۔

"می۔۔۔ میں۔۔۔ نکاح۔۔۔ کے۔۔۔ لیے۔۔۔ تیار۔۔۔ ہوں۔۔۔"

وہ اپنی بندوق چیک کر رہا تھا جب وہ فوراً بولی تھی۔ الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"نہیں، میں زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ تم دل کی دھڑکن ہو، تمہارے ساتھ زبردستی نہیں ہو گی۔"

وہ آنکھوں میں عجیب سی شرارت لیے بولا تھا۔ وہ اس کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"نہیں زبردستی۔۔۔ نہیں، میں اپنی۔۔۔ مرضی سے نکاح کے لیے۔۔۔ تیار ہوں۔۔۔"

وہ بری طرح سے کانپتے ہوئے بولی۔

"نہیں، جس رشتے میں محبت نہ ہو، اس رشتے کو باندھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

میں ایسا زبردستی کا تعلق نہیں بنانا چاہتا۔"

وہ بندوق صاف کرتے ہوئے سامنے نشانہ لینے لگا۔

"نہی۔۔۔ نہیں۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ محبت ہے۔۔۔ آپ۔۔۔ سے۔۔۔ پلیز۔ میرے ساتھ۔۔۔ نکاح۔۔۔ کر۔۔۔ لیں۔۔۔" اس کا نشانہ تایا ابا کے سر کی طرف تھا۔

"سردار، اب بھابھی اتنی منتیں کر رہی ہے تو مان جاؤ نا۔۔۔۔" بالانے ہلکا سا سر کھجایا تھا۔

"منتیں کر رہی ہو۔۔۔؟ میرا نین سجن، تم حکم کرو، تم منتیں کیوں کر رہی ہو؟

تمہارے ایک اشارے پر سردار اپنا دل نکال کر تمہارے قدموں میں رکھ دے، اور تم منتیں کر رہی ہو؟

بالا! جا، مولوی پکڑ کر لا! میرا سوہنا مکھڑا میرے ساتھ نکاح کے لیے اتاؤ لا ہو رہا ہے۔۔۔"

وہ نرمی سے دعام کے گال کھینچتا، اسے کمر سے پکڑ کر اپنے قریب کر چکا تھا۔

اور پھر اگلے ہی لمحے، لوڈڈ بندوق کو اوپر آسمان کی طرف کرتا، ٹرگر دبا گیا تھا۔

گولیوں کے شور پر وہ بری طرح سے چیختی اس کے سینے میں چھپ گئی تھی۔ جبکہ گولیوں کی آواز کے ساتھ اس غار نما جگہ پر قہقہے گونجنے لگے وحشت ناک، خوفناک قہقہوں کے ساتھ چیخیں بھی شامل تھی۔



رات کی سیاہی کے پیچھے وحشت کی چادر تنی ہوئی تھی۔ میدان کے بچوں بیچ زمین پر خون کے چند پرانے چھینٹے موجود تھے، اور چاروں طرف بندوق پکڑے ڈاکوؤں کی گہری آنکھیں ہر ہلکی حرکت پر جم چکی تھیں۔ عجیب سا سناٹا تھا، جیسے سانس لینا بھی گناہ ہو، اور دھڑکنیں صرف اندر ہی چنچنے کی اجازت رکھتی ہوں۔

یہ وہ لمحہ تھا جب زندگی اور موت کے بیچ دعام کا نکاح لکھا جا رہا تھا۔  
بالا کہیں سے ایک خوفزدہ سامولوی ڈھونڈ لایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں نکاح نامہ تھا لیکن وہ ہتھیلیاں کانپ رہی تھیں۔ جن پر کبھی کسی کے خوابوں کی دعائیں لکھی جاتی تھیں۔ اس کے پیچھے کھڑا ایک ڈاکو اسے وقتاً فوقتاً بندوق کے پچھلے حصے سے پشت پر ہلکی چوٹ مار کر یاد دلارہا تھا کہ "جلدی کرو... زیادہ دیر ہوئی تو دلہن کے گھر والوں ساتھ مولوی کو بھی رخصت کر دیں گے۔" م  
میدان میں موجود سب کی نظریں زمین میں گڑی تھیں۔

تایا، چچا، چاچا تائی، ہر چہرہ شرم سے نہیں، وحشت سے جھکا ہوا تھا۔ تایا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، مگر زبان سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ان کی چار بیٹیاں سہم کر اپنی ماؤں کے ساتھ چمٹی بیٹھی تھیں، جن کی آنکھوں میں فقط سوال تھے

"کیا ہم۔ زندہ گھر جائے گے۔"

دعام... آسمانی لباس میں لپٹی، ایک ٹوٹے ہوئے کھلونے جیسی بیٹھی تھی۔ اس کے کان مولوی کے الفاظ سن رہے تھے، مگر ذہن میں وہ ساری چینیں گونج رہی تھیں جو چند لمحے پہلے گھر کے درو دیوار نے سنی تھیں۔ اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں، اور چہرے پر آنسوؤں کی ایک تازہ لکیر خاموشی سے بہہ رہی تھی۔

لیکن اب وہ اس ڈاکو سے نکاح کے لیے راضی ہو چکی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ بغیر نکاح کے اس کے گھر والوں کو یہاں سے جانے نہیں دیا جائے گا اور وہ اپنی وجہ سے کسی اور کی جان کی دشمن نہیں بن سکتی تھی۔

oooooooo

"دعام بنت شفاعت حسین کا نکاح دلدار یلغار ولد دلاور احمد کے ساتھ حق مہر میں زندگی بھر کی سانسیں، محبتوں کا سمندر، اور دلدار کی زندگی بھر کی کمائی کا ایک ایک روپیہ اس کے نام کیا جاتا ہے..."

الفاظ جب مولوی کے لبوں سے نکلے تو ایسا محسوس ہوا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ ایک لمحے کے لیے میدان کی زمین ہل گئی ہو، اور آسمان نے مسکرا کر اپنی نظریں پھیر لی ہوں۔

مولوی نے سوال کیا

"دعام، کیا آپ۔ کو دلدار سے نکاح قبول ہے؟"

ہر طرف سناٹا تھا۔ محض چند لمحے کے سناٹے میں دعام کی سانسیں جیسے بند ہو گئی ہوں۔ وہ لمحہ... وہ فیصلہ... وہ جبر— جسے وہ اپنے لبوں پر لا رہی تھی۔

"قبو... ل ہے..." "آواز ٹوٹی، ڈری، سہمی، مگر مکمل تھی۔ دلدار کے چہرے پر دنیا جہاں کی خوشی سمٹ آئی تھی۔ گھنی مونچھوں تلے عنابی لبوں پر تبسم بکھرا تھا۔

تین دفعہ قبولیت کے بعد اب مولوی نے دلداریلغار کی طرف رخ کیا، جو چارپائی پر بیٹھا ٹھنڈی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فتح کا کوئی اظہار نہیں تھا۔ صرف خاموشی، مگر وہ خاموشی چیختی تھی۔

"دلدار، تمہیں دعام سے نکاح قبول ہے؟"

دلدار نے نظریں اٹھائیں، اور صرف سر ہلا دیا۔

دل و جان سے قبول ہے تین دفعہ میں ایک ہزار دفعہ قبول ہے۔ اس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہاں موجود سب لوگوں نے مبارکباد کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولوی نے نکاح مکمل ہونے کا اعلان کیا۔ تو اگلے ہی لمحے گولیاں چلنے لگیں۔

ہوا میں سیٹیاں مارتی ہوئی گولیاں ایک جشن کی طرح چلائی گئیں۔ کچھ بندوقیں ہوا میں تھیں، کچھ زمین کی طرف، اور کچھ بس یوں ہی دیواروں پر تاکہ وحشت مکمل ہو جائے۔

ڈاکو چیخنے لگے۔ چلانے لگے خوشی سے نعرے لگانے لگے۔

"مبارک ہو سردار کو... مبارک ہو نئی دلہن کو!"

دعام کی چیخ گلے میں دب گئی۔

چچا تا یا خاموش تھے۔ مگر اندر سے ٹوٹ گئے تھے۔ ان کے لیے یہ نکاح نہیں تھا، یہ ایک اعلان تھا کہ اب وہ بے بس ہو چکے ہیں۔ کوئی ان کی عزت چھین کر لے گیا ہے، اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ چاروں بیٹیاں ماؤں کی آغوش میں چھپ چکی تھیں۔ مولوی تیزی سے کلمہ پڑھتا ہوا وہاں سے نکلنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

نکاح مکمل ہو چکا تھا۔ وحشت کی گواہی دے چکا تھا۔ دعام اب صرف دعام نہیں رہی تھی، وہ اب دلداریلغار کی تھی... ہمیشہ کے لیے۔ وہ اس کی زندگی کاروں کا سانسوں کا مالک بن چکا ہے۔

○○○○○○○

نکاح ہوتے ہی ہر طرف بند وقوں کی گرج سنائی دینے لگی تھی۔ جیسے ہی مولوی کے لبوں سے آخری الفاظ ادا ہوئے، یوں لگا جیسے کسی دشمن ملک پر فتح حاصل کی گئی ہو۔ ہوا میں بارود کی خوشبو گونج رہی تھی، اور فضاء بند وقوں کی گولیوں سے گونج رہی تھی۔

جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔ بندوقیں فضا میں چلائی جا رہی تھیں جیسے خوشی کا اعلان کیا جا رہا ہو۔ نکاح کی کاروائی ختم ہوتے ہی مولوی کو ایک بھاری رقم تھما دی گئی، نوٹوں کا وہ پلندہ دیکھ کر مولوی کی آنکھیں اور ہاتھ دونوں کانپنے لگے تھے۔ وہ خوفزدہ تھا، لیکن کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی۔

بالانے اسے زوردار آواز میں تنبیہ کرتے ہوئے کہا،

"یہ بات یہاں سے باہر نہیں جانی چاہیے، سمجھا؟"

مولوی نے کانپتی آواز اور جھکے سر کے ساتھ ہاں میں سر ہلایا۔

"جی... جو حکم ہو... یہ بات کہیں نہیں جائے گی، صاحب!" وہ جلدی جلدی اپنے کاغذات سمیٹنے لگا، جیسے جلدی نکل جانے سے جان بچ جائے گی۔

پچھے باقی گھر والے، تایا، چچا، چاچی، تائی، ان کی بیٹیاں— سب ایک طرف دبکے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کے چہرے ہوائیاں اڑے ہوئے، آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ کسی کی ہمت نہ تھی کہ کچھ بولے۔

لڑکیوں کی سسکیاں اور عورتوں کی گھٹی گھٹی ہچکیاں ماحول کو مزید سوگوار بنا رہی تھیں۔ نکاح کا وہ لمحہ جو کسی کے لیے زندگی کی سب سے خوشی کی گھڑی ہونا چاہیے تھا، یہاں آنکھوں میں وحشت، دلوں میں دہشت اور بندوقوں کے سائے میں لیٹا ہوا ایک اندوہناک واقعہ بن چکا تھا۔

○○○○○○○

"ڈاکو جی... نکاح ہو گیا ہے..." تو اب۔۔؟؟

چچا کے کپکپاتے لبوں سے بمشکل الفاظ نکلے تھے۔ بندوقوں کی تڑتڑاہٹ تھمی ہی تھی کہ وہ کانپتے ہاتھ جوڑتے، جھکے سر کے ساتھ سردار کے قریب آئے۔

سردار یلغار اب چارپائی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا، دھوئیں میں لیٹے ماحول میں اس کی آنکھیں اب بھی دکھتی آگ کی طرح جھلسا دینے والی تھیں۔

چچا کی بات سن کر اس نے ہنکارا بھرا، ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر لائی، پھر لا پرواہی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولا

"اب کیا...؟ مہمان نوازی کریں کیا تمہاری؟"

اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا، اور بندوق تھا مے آدمیوں کو دیکھا،

"اٹھو... راستہ نا پو اپنا۔ کل ولیمے پہ آجانا، یہی ہو گا ولیمہ!" پھر جیسے اچانک اسے کچھ یاد آیا ہو، ایک بار پھر چچا کو گھورا،

"ویسے تم لوگوں کی شکلیں تو ہیں نہیں بلانے والی، لیکن تم میرے سوہنے مکھڑے کے رشتہ دار ہو، اسی لیے بلاؤنا پڑے گا!" ورنہ یہ منہوس شکلیں دوبارہ دیکھنے کا دل نہیں کر رہا۔ اس کے الفاظ میں زہر گھلا ہوا تھا، لیکن لہجہ جیسے باہر سے مجبوری کا نقاب اوڑھے ہوئے تھا۔

چچا نے ایک اور بات کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ اچانک بالائیچ میں کودا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتے سردار کے کندھے پر ہاتھ رکھا،

"ارے سردار... ایسے کیسے چلے جائیں گے؟ شادی ہوئی ہے تمہاری، نکاح ہوا ہے! تھوڑا ساناچ گانا تو بنتا ہے... اور ویسے بھی بھابھی کے تایا کو زندہ رکھنے کی پیچھے یہی توجہ تھی نا!"

بالا نے جیسے جان بوجھ کر ایک پرانی یاد کو چھیڑا، سردار نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کی ہو۔

"ارے ہاں بالا... یہ بات تو میں بھول ہی گیا!"

سردار نے جیسے ہی بات سنی، زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا اور جوش سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا،



"بلاؤ ذرا میرے حسین سجن کے تائے کو... دودھمکے تو لگواؤ تان میں، بندوقوں کی تال پر! اسی کام کے لیے تو زندہ رکھا تھا اسے!" سردار کی آواز بلند ہوئی، اور ماحول میں ایک بار پھر سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ اب چکر کاٹا ہوا ارد گرد موجود بندوق برداروں کو اشارہ دے رہا تھا۔

بندوقیں ایک بار پھر ہتھیلیوں میں مچنے لگیں۔

"چلو بھئی... ڈھول نہیں تو دھماکے سہی!"

بالا ہنستے ہنستے چاشاکی پیٹھ تھپتھپاتا، سردار کی بات کا اشارہ سمجھ گیا۔ وہ چال میں نوابی لیے ان لوگوں کی طرف بڑھا جہاں دعام نظریں جھکائے، شرمندگی اور دہشت کے سمندر میں ڈوبی بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ چند عورتیں تھیں جن کی آنکھوں میں آنسو اور جسموں میں کپکپی تھی۔ جبکہ دوسری طرف مرد، جن میں چاچا اور تایا شامل تھے، شاید نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈنے کی آخری کوشش تھی۔

لیکن حالات، گولیوں کی بو، اور وہ مسلح دہشت، اُن کے ارادوں کو جکڑ چکی تھی۔ گھیراؤ مکمل تھا۔ جس فضا میں نکاح کے بول پڑھے گئے تھے، اب وہاں بارود کی خوشبو، اور فتح کے جشن کی تیاری تھی۔ سردار اب ہنستا ہوا چارہائی کی طرف مڑا،

"یہاں بیچ میں ذرا ڈھمکا تو لگا... اسی لیے تو تجھے زندہ چھوڑا تھا!"

بالا اچانک ہی تائے کو کندھے سے تھام کر گھسیٹتے ہوئے بیچ میدان میں لے آیا۔ گرد اڑی، زمین پر قدموں کی چاپ گونجی، اور چاروں طرف سے بندوقیں تانے کھڑے ڈاکو ہنسنے لگے۔

"چل... شروع ہو جا! ورنہ زندہ رکھنے کی آخری وجہ بھی مٹا دیں گے۔" بالانے سخت لہجے میں کہا،

"اب تک تو اسی لیے زندہ تھا کہ سردار کی شادی پہ ناچنا تھا!"

تایا کارنگ فق ہو چکا تھا، پسینہ پیشانی پر چمک رہا تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے جیسے زمین پھٹے اور وہ اندر سما جائے۔

تبھی جمر و ایک ٹانگ پر اچھلتا ہوا آگے بڑھا،

"ارے واہ! سردار کا سر بھی ناچے گا! آ جاؤ جی سسر جی! ہم بھی تو دیکھیں نا آپ کی مستی!" جمر و نے قہقہہ مارا اور تائے کے آگے ناچنے لگا۔

تایانے ہچکچاتے ہوئے جان بچانے کی نیت سے ہاتھوں کو جمر و کی نقل میں موو کرنا شروع کیا،

تبھی بالانے جھپٹ کر اس کے دونوں بازو اوپر اٹھائے، زبردستی ہوا میں لہراتے ہوئے بولا،

"یہ سردار کی شادی ہے، موت کی نوید نہیں۔ لگتا ہے زندگی پیاری نہیں تمہیں۔" ڈھول کی جگہ بندوقوں کی تال تھی، خوف کی گونج میں قہقہے بکھرے تھے۔

ڈاکوناچ رہے تھے، بندوقیں چل رہی تھیں، اور ان کے بیچ وہ بے بس تایا، سردار کی خوشی کا ایک ناچتا مجسم خوف بنا ہوا تھا۔ بالانے سردار کی طرف دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا،

"سردار... کیا بے سورا ناچ رہا ہے تمہارا سر... خیر تمہارے نکاح کا پہلا تحفہ!"

ساری زندگی سر پر ٹوپی باندھ کر، ہاتھ میں تسبیح تھامے، ہر سانس کو معزز انداز میں ڈھالنے والے تایا کو آج اپنی جان کی بھیک مانگنی پڑ رہی تھی۔ وہ ہاتھ جو ہمیشہ دعا کے لیے اٹھے تھے، اب بیچ میدان میں اپنی عزت بچانے کے لیے تھر تھرا رہے تھے۔

وہ شرم سے نظریں جھکائے، کپکپاتے لبوں سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ خوف نے ان کی ہڈیوں تک کو جمادیا تھا۔

بیٹیاں ایک طرف خاموش کھڑی تھیں۔ اپنے باپ کی بے بسی کو یوں کھلم کھلا ذلت میں بدلتے دیکھ کر ان کی روح کانپ اٹھی تھی۔ زبانیں جیسے گنگ ہو چکی تھیں۔ نہ آنکھوں سے آنسو نکل

رہے تھے، نہ لب ہل رہے تھے، بس ساکت چہرے اپنے باپ کی بکھرتی عظمت کا نوحہ لکھ رہے تھے۔

تائی امی سر جھکائے رو رہی تھیں۔ ایک طرف دعام کے لیے نفرت کا سمندر تھا، تو دوسری طرف آج کے منظر نے ان کے سینے پر چھریاں چلا دی تھیں۔

چاچی کی نگاہیں... وہ تو جیسے آگ برسا رہی تھیں۔ ان کی نظروں میں دعام کے لیے صرف نفرت تھی۔

"اسی کی وجہ سے آج یہ دن دیکھنا پڑا..."

ان کی آنکھیں چیخ رہی تھیں۔

لیکن... وہ جانتی تھیں، زبان کھولی تو کیا ہو گا۔

وہ منظر اب بھی آنکھوں میں تازہ تھا، جب دعام کو بازو سے کھینچ کر باہر لے جانے کی کوشش کی گئی تھی،

اور وہ درندہ صفت یلغار... ایک پل کو جیسے چاچی کو ہی نگل جانے والا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج وہ سب اس کے رحم و کرم پر بیٹھے تھے۔

ان کی بات، ان کی حیثیت، ان کی خاندانی وقار... سب کچھ بندوق کے اس پہیے کے نیچے آچکا تھا جو سردار یلغار کے ہاتھوں میں تھا۔

اور دعام... وہ اپنے دوپٹے کے پلو میں چہرہ چھپائے زمین پر بیٹھی تھی۔

اس کا دل بھی اس منظر کو برداشت نہیں کر پار ہا تھا، لیکن آنکھوں سے ایک قطرہ بھی نہیں گرا تھا۔

کیونکہ وہ جانتی تھی... یہ آنسو اب ان زخموں کا مرہم نہیں بن سکتے جو لگنے والے تھے۔

oooooooo

وہ سب کافی دیر تک نچاتے رہے تھے۔ ڈھمکوں پر ناچتے قدموں کے نیچے کسی کی غیرت، کسی کی عزت اور کسی کی بے بسی روندی جا رہی تھی۔

قہقہے، سیٹیاں، شور، گولیاں — ایک وحشیانہ جشن اپنی انتہا پر تھا۔

بالانے دو تین مرتبہ سردار یلغار کو بھی اس دیوانگی میں گھسیٹنے کی کوشش کی،

”سردار، آج تو خوشی کا دن ہے، دو قدم تو تم بھی آ جاؤ...“ لیکن یلغار اپنی چارپائی سے نہیں ہلا۔ اس کی نظریں مسلسل دعام پر تھیں، وہ آنکھوں میں دیوانگی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ زمین پر دو زنانوں بیٹھی، سر جھکائے، تھر تھر کانپتی، چہرہ دوپٹے میں چھپا ہوا، اور آنکھوں سے خاموشی سے بہتے آنسو۔ اس کے وجود میں کوئی حرکت نہ تھی،

بس آنسو تھے جو اسے اندر سے خالی کرتے جا رہے تھے۔ دلدار کا دل ایک انجانے اضطراب میں ڈوبنے لگا۔ اس نے ہاتھ اوپر کیا بس ایک اشارہ۔

اور جیسے پورے میدان میں موت اتر آئی ہو۔

ڈھمکے، قہقہے، سیٹیاں، سب کچھ اچانک ساکت ہو گیا۔

”بس۔ ختم کرو یہ سب کچھ۔۔۔“ اس کی آواز گونجی، مگر اس میں وحشت نہیں، ایک ایسی سرد تھکن تھی جو کسی کو بھی مزید بولنے کی اجازت نہ دیتی۔

”اب اور نہیں۔ بہت رات ہو گئی ہے۔۔۔ بالا!“

اس نے رخ موڑ کر حکم دیا،

"گاڑی نکالو۔ ان سب کو حفاظت سے ان کے گھر کے دروازے تک چھوڑ کر آؤ۔۔۔" اس کا لہجہ سخت تھا، ایسا جیسے اب مزید کسی قسم کی گستاخی کی گنجائش باقی نہیں۔ بالا سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹا،

اور جو چند لمحے پہلے قہقہے لگاتے، ناچتے، مذاق اڑاتے لوگ تھے

اب دبے قدموں، نظریں جھکائے پیچھے ہٹنے لگے۔

ایسا لگتا تھا جیسے یلغار اب ان سب ہنگاموں، ان سب تماشوں، اور اس جنگلی پن سے تھک چکا ہے۔

شاید اس کی روح کسی اور طرف جا چکی تھی،  
جہاں صرف وہ آنکھیں تھیں...

جو بنا کچھ کہے اس کے دل پر وار کر رہی تھیں۔

سردار کے حکم پر جیسے ہی سب کچھ رکا،

تایا ابونے سکھ کا ایک گہرا سانس لیا تھا۔

ایسا لگا جیسے ان کے سینے پر رکھا پتھر ہٹا ہو،

لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جھلس رہے تھے۔

بچپن میں، اسی دعام کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا "یہ اب میری بیٹی ہے، میرے بھائی کی نشانی۔"

لیکن پھر اسی بچی سے قیدیوں سے بڑھ کر مشقت لی،

نہے نہے ہاتھوں میں گڑیا دینے کے بجائے

جھاڑو تھمادی، چولہے کی راکھ تھمادی،

تندور کی گرمی میں اس کے معصوم گال جھلسا دیے۔ صبح سے شام تک وہ بچی کام میں جتنی رہتی، اور ان کی اپنی بیٹیاں شہزادیوں کی طرح آرام کرتی رہتیں۔

وہ بیٹی جسے یتیمی میں سہارا دینا تھا،

اسے نوکرانی بنادیا گیا۔ جس کے حصے میں محبت آنی تھی، اسے بے اعتنائی اور سختی ملی۔

اور آج۔۔۔ اسی یتیم بچی کی وجہ سے،

ان کا سر جھکا ہوا تھا، ان کے ہاتھ فضا میں بلند تھے، ان کی عزت ناچ رہی تھی۔ شاید یہ وہ سزا تھی



جو تقدیر نے ان کے لیے چن رکھی تھی، جو کسی لب سے نکلی بد دعا نہیں تھی، لیکن ایک مظلوم دل کی آہ ضرور تھی جس نے عرش ہلا دیا تھا۔

اور تایا ابو، جو اپنی ظاہری پارسائی کا لبادہ اوڑھے رکھتے تھے، آج اسی لبادے میں شرمندگی اوڑھے کھڑے تھے۔ ان کے آنسو ان کے اندر کی خالی پن کا اعلان تھے، لیکن افسوس کی بات یہ تھی کہ اپنا کیا یاد کرنے کے بجائے وہ خود کو مظلوم سمجھ رہے تھے۔

oooooooo

بالا کے اشارے پر سب لوگ دبے قدموں سے وہاں سے نکلنے لگے، دعام بھی خاموشی سے اٹھی تھی۔

سر جھکائے، قدم ہولے ہولے آگے بڑھاتے ہوئے وہ ان کے پیچھے چلنے ہی والی تھی۔ کہ اچانک ایک سخت مگر مانوس حصار نے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

وہ چیخ نہ سکی، بس ایک گھبراہٹ بھرے سانس کے ساتھ پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اگلے ہی پل وہ خود کو اس کے مضبوط وجود کے ساتھ جڑا محسوس کر رہی تھی

جو اسے تھامے، چارپائی کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

"ارے میرا سوہنا مکھڑا، ت کہاں جا رہی ہو؟

تمہیں تو اپنے سردار کے ساتھ رہنا ہے۔۔۔ میرا گلاب سائیں۔ اب تم ان کی نہیں، اپنے شوہر کی ہو چکی ہو۔" اپنے دلدار کی ہو، وہ نرمی سے اسے چارپائی پر بٹھا چکا تھا۔ دعام کی پلکیں لرز رہی تھیں،

لب ککپار ہے تھے، وہ شدت سے کانپ رہی تھی،

لیکن سردار اس کی ہر جنبش کو اپنی باہوں کے حصار میں قید کر چکا تھا۔"

تمہیں محبت ہے مجھ سے۔۔۔ ہے نا؟" یہی تو کہا تھا تم نے بڑے سکون بخش الفاظ تھے سجن سائیں اس نے دعام کے کان کے قریب جھک کر آہستہ سے کہا۔

"تمہاری اسی محبت کی خاطر تو بخش دیا انہیں۔۔۔

تمہارے صدقے میں، تمہارے پیار کے صدقے میں چھوڑا ان سب کو۔۔۔ ورنہ تو گولیوں کی گنتی کم پڑ جاتی، لیکن گناہگار نہیں۔" اس کے لہجے میں وحشت نہیں تھی،

بلکہ وہ ایک ایسا سکون لیے بیٹھا تھا۔ جو سب کچھ پالینے کے بعد ملتا ہے۔ دعام مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی،

پر اس کی نفی پر اب کوئی اعتبار کرنے والا نہ تھا۔ وہ سردار کی ہو چکی تھی، اور سردار، اسے اب کہیں جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"ڈاک۔۔۔ کو۔۔۔ جی۔۔۔" "میرے۔۔۔ گھر۔۔۔ والے۔۔۔" دعام کی لرزتی آواز جیسے ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی،

پلکیں بھیگ چکی تھیں، آواز آنسوؤں میں گم تھی،

لیکن اگلے ہی پل اس کی ساری کمزوری

سردار کے مضبوط مگر بے حد نرم لہجے نے لپیٹ لی۔

"میرا گلاب سائیں، تمہارا گھر والا یہاں بیٹھا ہے۔۔۔"

اس نے نرمی سے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا، اس کی بھیگی پلکوں پر جھک کر

بولا

"گھر والوں کو جانے دو، دفع کرو ان لوگوں کو۔۔۔"

اب تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ "تمہارا ہر تعلق مجھ سے جڑا ہے، ہر رشتہ اب مجھ سے ہے۔۔۔ تم میری ہو، اور سردار تمہارا۔" وہ جیسے ہر زخم پر مرہم رکھ رہا تھا، وہی ہاتھ جو کبھی وحشت کا نشان تھے اب محبت کی گواہی دے رہے تھے۔ کچھ لمحے پہلے جو شخص گولیوں سے زمین دہلا رہا تھا،

اب اس کی ہر بات میں دنیا جہاں کی مٹھاس گھلی ہوئی تھی۔ دعام، جو لمحہ بھر پہلے لرز رہی تھی، اب صرف اس کی آواز سن رہی تھی۔۔۔ خاموشی سے، بے یقینی سے، کسی ایسے خواب کی طرح جس کے سچ ہونے کا ابھی یقین نہ آیا ہو۔

ڈا۔۔۔ کو۔۔۔ جی۔۔۔ می۔۔۔ "اس کی کپکپاتی زبان ابھی مکمل جملہ بھی نہیں بنایا تھی کہ وہ درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ گیا۔

"ڈاکو صدقے اپنے نین سائیں کے۔۔۔" وہ نرمی سے بولا، جیسے اس کی لرزتی روح کو تھامنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ان آنکھوں کا حسن تو آج دیکھا ہے سردار نے،

اس سے پہلے نگاہوں کا جادو ایسے کیوں نہیں چلا سجن سائیں؟"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، گہرائی تک،

ایسے جیسے اپنی مکمل ہستی کو اس میں دفن کرنا چاہتا ہو۔ دعام کی سیاہ آنکھیں،

خوف اور نمی سے لبریز، لیکن پھر بھی بے حد پرکشش، جیسے رات کے سمندر میں چمکتا چاند۔

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، سانس بے ترتیب، اور دل دھڑکنیں بھول چکا تھا۔ یہ ماحول اس کے لیے کسی قید خانے سے کم نہ تھا۔

لیکن وہ۔۔۔ وہ سردار، جس کی وحشت چند لمحے پہلے لوگوں کی روئیں چیر چکی تھی،

اب صرف اس کی آنکھوں میں اپنا وجود تلاش کر رہا تھا۔ دعام کی نظریں دروازے کی سمت تھیں۔۔۔

اس داخلی حصے کی طرف، جہاں سے اس کے وہ گھروالے چپ چاپ، نظریں چرائے نکل چکے تھے۔

کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔

کوئی ایک بھی چہرہ ایسا نہیں تھا جس میں اس کے لیے فکر یا بے بسی ہو۔ وہی گھر والے جن کی خاطر اس نے اتنا نصیب اس شخص کے حوالے کر دیا، آج وہی اسے اس کے نصیب کے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

اور اب یہ سردار۔۔۔ وہی تھا جس نے سب کچھ چھینا بھی، جو سب کچھ لوٹانے کی طاقت رکھتا تھا۔ وہ جواب تک دعام کو اپنی باہوں میں لیے اس کی آنکھوں میں دنیا بھر کی گہرائیاں تلاش کر رہا تھا، اس کا مالک بن چکا تھا۔

سردار۔۔۔۔۔ "جمرو کی آواز پر اسے جیسے لمحہ بھر کو ہوش میں آیا۔  
"تمہارا کمرہ سجا دیا ہے، اب تم بھا بھی کو وہاں لے جاؤ اور آرام کرو۔۔۔ ہم تو جشن کریں گے، ساری رات جشن ہو گا، ہمارے سردار کی شادی ہے، کوئی مذاق تھوڑی ہے!"  
جمرو کی باتوں میں خوشی تھی، جوش تھا، اور وفاداری بھی۔

بالانے کہا ہے اس کے آنے تک جشن ختم نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ جب تک وہ بھا بھی کے سارے گھر والوں کو چھوڑ کر واپس نہیں آتا، تب تک جشن جاری رہے گا۔ "سردار خاموشی سے سب سن رہا تھا۔

دعام تھکی ہوئی تھی، چپ، ساکت، لیکن آنکھیں جیسے سب کچھ سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

جمرو کی باتیں مکمل ہوئیں تو سردار کی نظریں پھر سے دعام پر جم گئیں،

اسے جمرو کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔ اس لیے سخت مگر متوازن آواز میں وہ بولا

"ہاں، ٹھیک ہے، جو کرنا ہے کر لو... لیکن یہاں اس میدان میں صبح مجھے کوئی گندگی نظر نہیں آئی چاہیے۔"

ساری رات فارنگ کرو، بندوقیں چلاؤ، جشن مناؤ،

مجھے اعتراض نہیں... لیکن صبح یہ میدان صاف چاہیے، ایک تنکا بھی نہ بچے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

اس کی گرفت میں دعام کا نازک ہاتھ تھا، وہ نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا، جیسے کانچ پکڑ

رکھا کا نازک ٹکڑا ہو۔ وہ سادہ سے لباس میں تھی، نہ لہنگا، نہ زیور، نہ سر پر بھاری بھر کم

دوپٹہ۔ لیکن اس کی موجودگی ہی سب سے قیمتی زیور تھی سردار کے لیے۔ اس کی دلہن بنا کسی

تیاری کے بھی دنیا کی سب سے خوبصورت دلہن تھی۔ لیکن اب اس کی آنکھوں میں تھکن تھی،

وہ نرمی سے اسے اپنا سہارا دیتا گے بھرنے لگا تو اس کے خوف سے وہ لرزی تھی، اس کے قدموں میں لڑکھلاہٹ تھی۔ جب اگلے ہی لمحے وہ اس کے نازک سے وجود کو اپنی باہوں میں بھرتا اپنے سینے سے لگائے قدم آگے کی طرف بڑھا چکا تھا۔

○○○○○○○

وہ سردار، جو ہر لمحہ وحشت کا استعارہ بنا ہوا تھا، اس وقت بے حد بے فکری سے دعام کو اپنی باہوں میں اٹھائے ان پتھر یلے، سخت اور خموش پہاڑوں پر یوں چل رہا تھا جیسے وہ راستہ برسوں سے اسی کے قدموں کا عادی ہو۔

لیکن دعام کے لیے یہ سب کچھ خواب جیسا نہیں، ڈراؤنا خواب تھا۔ ہر قدم پر اسے لگتا تھا کہ وہ گر جائے گی، ٹوٹ جائے گی، وہ گرنے کے خوف سے مزید اس کے سینے سے چپکتی تو وہ مسکراتے ہوئے اسے مزید اپنی باہوں میں قید کر لیتا ہے۔

دعام کو تو لگ رہا تھا کہ وہ ان پتھر یلی دیواروں میں کہیں دفن ہو جائے گی اور موت... وہ تو جیسے ہر لمحہ اس کی سانسوں کے گرد لپٹنے کو تیار تھی۔

تب ہی، سردار ایک خاص جگہ پر رکا۔



دعام کو سینے میں چھپائے، وہ کچھ پل یوں ٹھہرا جیسے اپنے کسی خفیہ راز کو سامنے لانے سے پہلے آخری بار سانس لے رہا ہو۔ پھر اس نے اپنے پیر کی مدد سے ایک مخصوص بٹن دبایا۔

پہاڑ کا ایک حصہ دھیرے سے سرکا،

اور ان کے سامنے ایک چمکتا ہوا، روشن کمرہ ظاہر ہوا—جیسے پہاڑ کے اندر چھپی کوئی جنت۔

وہ، دعام کو اب بھی اپنے بازوؤں میں لیے، اس کمرے میں داخل ہوا،

اور دعام کی آنکھوں میں بے یقینی سی تیرنے لگی۔

اس نے سردار کے سینے سے سر ہٹایا، اور نظریں دوڑائیں اُس کمرے میں، جو کسی شہنشاہ کے خفیہ محل سے کم نہ تھا۔

پتھروں سے بنا ایک بڑا ماسٹر بیڈ، لیکن اس پر سجانرم، گرم اور مہکتا بستر،

ایسا لگ رہا تھا جیسے جنگل میں کوئی محل چھپا بیٹھا ہو۔ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک، روشنیاں، اور

آسائش کا ہر سامان موجود تھا، پتھر کی سخت زمین پر قالین بچھا ہوا تھا۔ ہر چیز میں پتھر کی سختی اور

پہاڑوں کی سنہری جھلک واضح تھی۔ اس پہاڑی دنیا کے بیچ، یہ کمرہ وہ راز تھا جسے سردار نے اپنی

دنیا سے چھپا کر رکھا تھا اور اب، اس راز میں دعام کو شامل کر دیا تھا۔ کمرہ بہت اونچائی پر واقع تھا،

نچے مید ان کہیں بہت پیچھے چھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔ چاروں طرف صرف پہاڑ تھے۔ خاموش،  
پراسرار اور ہیبت ناک۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر پہاڑ ایک چھپا ہوا راز ہو، ہر چٹان اپنی کہانی خود میں  
دفن کیے بیٹھی ہو۔

لیکن اس لمحے دعام کے لیے ان رازوں کو جاننا اہم نہیں تھا... اسے صرف ایک خوف تھا،  
ایک انجانا سا ڈر جو اس کے دل میں گونج رہا تھا۔

وہ شخص، جو ابھی کچھ دیر پہلے تک اسے اپنی باہوں میں سمیٹے کسی شہنشاہ کی طرح لے آیا تھا،  
اب اس کے قریب تھا۔ اور یہ اس کی شادی کی رات تھی۔  
دعام کوئی نا سمجھ بچی نہیں تھی،

وہ جانتی تھی کہ یہ رات کسی نئی زندگی کا آغاز بن سکتی ہے۔ یا خوف کی ایک نئی دیوار۔  
وہ اس کی آنکھوں میں ایک الگ سی خماری دیکھ چکی تھی،

ایسی شدت، ایسا جذبہ جو کسی عاشق کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخص عاشق نہیں  
تھا... وہ سردار تھا، ڈاکو تھا جس کے لہجے میں وحشت، اور لمس میں دعویٰ ہوتا تھا۔

اور اب... وہ دعام کو اس رات کی حقیقت کا سامنا کرنے والا تھا۔

○○○○○○○

آج اُس مصیبت سے جان تو چھوٹ گئی تھی جس سے وہ لوگ برسوں سے جان چھڑانا چاہتے تھے، لیکن وہ کہاں جانتے تھے کہ یہ سب کچھ ایسے ہو گا؟ جس ڈاکو سے وہ اپنی بیٹیوں، بہنوں، اور عزت کو بچا رہے تھے، آخر کار وہی ڈاکو ان کے گھر کا داماد بن گیا تھا۔

تایا ابا شکستہ قدموں کے ساتھ گھر واپس لوٹے، چہرے پر ہار جانے کا کرب اور آنکھوں میں مایوسی کی جھلک نمایاں تھی۔ چاچا تو غصے اور بے بسی سے پاگل ہو رہے تھے۔ ان کے اندر کا غرور، انا، سب کچھ اس وقت زمین بوس ہو چکا تھا۔

آخر وہ ڈاکو بازی لے گیا تھا۔

وہ ان کی گھر کی بیٹی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا، اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔

کچھ بھی نہیں۔

سوائے خوف کے، ڈر کے، اور خاموشی کے۔

گھر کی دیواریں خاموش تھیں، صحن میں ہوا بھی سہم کر گزر رہی تھی، اور گھر والوں کے چہرے — ایسے جیسے کسی جنگ کے قیدی ہوں، جو ہار گئے ہوں۔

ڈاکوؤں کی وحشت اب بھی ان سب کے دلوں میں چنگاری کی طرح دہک رہی تھی۔ وہ سب بری طرح لرزے ہوئے تھے، جیسے ان کی ہڈیاں تک خوف سے جم چکی ہوں۔ آنکھوں میں نیند کا نام و نشان نہ تھا، اور دل مسلسل کسی انہونی کی دھڑکن پر اٹکا ہوا تھا۔

صرف لڑکی کو نہیں، پورے خاندان کو سرعام لے جایا گیا تھا، سب کے سامنے، گاؤں والوں کی نظریں جھک گئیں، اور ان کا مان، ان کی عزت، ان کی سالوں پرانی رُعب و دبدبے کی دیوار ایک پل میں زمیں بوس ہو گئی۔

جس بھائی کی بیٹی کو صرف زمین کے ایک ٹکڑے کی ہوس میں پالا، جسے اپنی انا کی ضد میں قربان کر دیا، وہی بیٹی اب ان سب کی بے بسی کی سب سے بڑی گواہ بن گئی تھی۔

تایا ابوشکستہ قدموں سے دروازے میں داخل ہوئے تھے۔ ان کی پشت وہ جھکاؤ لیے ہوئے تھی جو صرف شرمندگی اور ندامت میں آیا کرتا ہے۔ چاچا کا حال تو اور بھی برا تھا، ان کے چہرے پر

غصہ اور بے بسی کا ایسا امتزاج تھا جیسے کوئی دھماکہ اندر ہی اندر ہو چکا ہو۔ لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکے۔ کچھ بھی نہیں۔

اب صرف سوال ہی باقی تھے۔

اب ان کے بیٹوں کا کیا ہو گا؟

کیا کوئی ان سے رشتہ کرے گا؟

کیا کوئی ان کے خاندان کا نام عزت سے لے گا؟

کیا وہ کبھی اپنی کھوئی ہوئی عزت واپس لاسکیں گے؟

یا ساری زندگی اپنے ہی کیے کا کفارہ دیتے گزار دیں گے؟

ان کے آنسو بہہ نہیں رہے تھے، اندر ہی اندر ٹپک رہے تھے کیونکہ کچھ دکھ آنکھوں سے نہیں،

دل سے برستے ہیں۔ اور آج دل سب کا ٹوٹ چکا تھا۔

کہ کاش اس رات کی کوئی صبح نہ ہو...

کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی وقت رک جائے...

کیونکہ اگر یہ رات بیت گئی،

تو ان کے نصیب میں صرف ذلت، رسوائی اور شرمندگی لکھی جائے گی۔

ان کے دلوں میں اک خوف سمایا ہوا تھا...

یہ صرف ڈاکوؤں کا نہیں تھا،

یہ اس بے آواز طوفان کا تھا جو گاؤں والوں کی نظروں میں آئے گا۔ وہ جانتے تھے، کل جب سورج نکلے گا

تو وہ روشنی ان کے لیے اجالا نہیں،

بلکہ ان کی بدکرداری، حرص، اور نیت کی کالک کو عیاں کرے گی۔

کیا جواب دیں گے وہ گاؤں والوں کو؟ کہ ڈاکو کیوں لے کر گئے تھے۔

ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ جواب بنتا ہی نہیں تھا...

کیونکہ جواب تب ہوتا جب سوال غلط نہ ہوتا

اور یہاں غلط وہ خود تھے، ان کا ہر فیصلہ، ہر لالچ، ہر انکار، سب کچھ جاننے کے باوجود وہ کچھ نا کر سکے سوائے اپنے کے۔ وہ دیوار سے لگے بیٹھے تھے،

جیسے اپنے ہی گناہوں کی لاشوں پر ماتم کر رہے ہوں۔ اب وہ بس اسی دعا میں تھے...

کہ یا تو وقت پلٹ جائے، یا یہ رات کبھی ختم نہ ہوتا کہ وہ کل کا سامنا نہ کر سکیں۔ ورنہ اور کوئی حل۔ نہیں تھا۔

○○○○○○○○

اکرم کی آنکھوں میں فتور سا اثر آیا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ اپنی فائلوں پر جھکا بیٹھا تھا، ہر صفحے پر وہی نام — ڈاکو سردار دلداریلغار۔۔۔"

ہر گواہی، ہر شواہد، ہر رپورٹ کو وہ ترتیب دے رہا تھا جیسے کل کا سورج اس کے کیرئیر کا سب سے بڑا دن ثابت ہونے والا ہو۔ اور ایسا ہی تھا وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ اب اس مقام تک آکر کوئی رسک لے نہیں سکتا تھا۔

"محبت کے جال میں آکر وہ خود آئے گا... خود!"

اکرم نے میز پر مکامرا، اور اس کی آنکھوں میں جلتا انتقام اور ٹھنڈی خوشی ایک ساتھ جھلکنے لگی۔

پھر اس کی نظر میں اس لڑکی کی تصویر آئی،

"بس تم کہہ دینا... صرف اتنا کہ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی... باقی سب میں سنبھال لوں گا۔"

اکرم جانتا تھا کہ جب یہ بات دلدار کے کانوں تک پہنچے گی، وہ ٹوٹے گا۔

اور تب... تب وہ ایک مجرم نہیں، ایک شکست خوردہ عاشق بن جائے گا۔

اور وہی لمحہ ہو گا جب ہتھکڑی کا ایک ایک حلقہ اس کے ہاتھوں پر چٹھے گا۔ وہ خوش تھا، بہت خوش... اور وہ خوش کیوں نہ ہوتا؟

آخر اتنی بڑی رقم ہاتھ آرہی تھی، اتنے سارے میڈلز مل رہے تھے، وہ جو برسوں سے صرف محنت کر رہا تھا، اب اس محنت کا صلہ اسے ملنے والا تھا۔

ہر طرف سے تعریفیں ہو رہی تھیں، میڈیا اسے ہیرو کہے گا، اندرونی طور پر وہ ابھی سے جشن منارہا تھا۔

"اکرم خان... تم نے کر دکھایا!" وہ خود سے سرگوشی میں بولا، آئینے میں اپنے عکس کو دیکھ کر مسکرایا۔



مگر اُس خوشی کے پیچھے ایک سچ چھپا تھا،

ایک سچ... جسے وہ خود سے بھی چھپا رہا تھا۔

کہ یہ کامیابی صرف محنت سے نہیں ملی،

بلکہ... کسی اور کی تباہی سے ملی تھی۔

اور وہ کوئی اور...

دلدار یلغار کی محبت کی تباہی تھی تھی،

ڈاکو عشق کرتے نہیں جتے، وہ قہقہہ لگا کر بولا

وہ عاشق، جو اپنی محبت کی سچائی لے کر تباہی کی دہلیز پر کھڑا تھا۔ اکرم جانتا تھا، یہ کہانی یہاں ختم

نہیں ہوئی۔ ابھی اصل کھیل باقی تھا۔

وہ اپنے ہی جوش میں ہوش گنوائے، خوشی سے جھوم رہا تھا۔

میڈلز، داد، شہرت... سب کچھ جیسے قدموں میں آگیا تھا۔

تبھی ٹیبل پر رکھا اس کا فون بجنے لگا۔

اس نے فوراً فون اٹھایا۔

اسکرین پر چمکتا نام دیکھ کر اس کے چہرے پر تھوڑا تناؤ ابھرا۔

یہ ڈی آئی جی جنرل نعمان شفیق کا فون تھا۔ وہی افسر جس کے ماتحت وہ کبھی کام کرتا تھا، اور جو برسوں تک اس علاقے میں تعینات رہا تھا۔

اکرم نے کال ریسیو کی،

"اسلام علیکم سر!"

دوسری طرف سے آواز آئی،

"کیسے ہو، اکرم؟ سننے میں آیا ہے کہ بہت بڑا ہاتھ مارا ہے تم نے... بہت آگے نکل چکے ہو؟

کیا میں ایسے ہی سن رہا ہوں یا واقعی یلغار... وہ ڈاکو سردار... تمہارے ہاتھ لگنے والا ہے؟"

آواز میں دبی دبی چھن اور جلن چھپی ہوئی تھی،

وہ الفاظ کے پردے میں اپنی خفگی کو چھپا نہیں پایا تھا۔

اکرم لمحے بھر کو خاموش رہا،

پھر گردن اور کمر کو سیدھا کرتے ہوئے باادب بولا

"جی سر، کوشش تو یہی ہے۔ اگر سب کچھ پلان کے مطابق ہوا تو... کل یلغار ہماری حراست میں ہو گا۔"

دوسری طرف ہنکار سنائی دی، جیسے کہنے والا ہنسا نہیں، صرف دانت پیسا ہو۔

"چار سال... چار سال میں نے اُس علاقے میں گزارے،

اس کے سائے تک نہ پہنچ پایا...

اور تم صرف دو سال میں ہیر و بننے جا رہے ہو؟"

اکرم کے ہاتھ کی گرفت موبائل پر کچھ سخت ہو گئی،

مگر اس کے لہجے میں نرمی تھی،

"سر... کچھ قسمت، کچھ ٹیم ورک... باقی اللہ کی مدد۔"

نعمان شفیق نے خاموشی سے کال کاٹ دی،

اور اکرم کو یوں لگا جیسے جنگ شروع ہو چکی ہے وہ نعمان کی جلن پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

اکرم جیسے اپنے خوابوں کا جہان آباد کر رہا تھا۔

اپنی کامیابیوں کے قلعے تعمیر کر چکا تھا وہ،

مگر اسے خبر ہی نہ تھی کہ جس سوچ پہ وہ ناز کر رہا ہے،

وہ سوچ اُس دشمن کے لیے تو کچھ بھی نہیں تھی۔

کیونکہ وہ دشمن، یلغار، کوئی عام ڈاکو نہیں تھا...

وہ دہشت کا دوسرا نام تھا!

اکرم سمجھ رہا تھا کہ سب کچھ اس کی پلاننگ کے مطابق ہو رہا ہے، مگر جو کل ہونے والا تھا،

وہ آج ہی ہو چکا تھا۔ وہ بازی جسے جیتا ہوا سمجھ رہا تھا،

اس میں وہ کب کامات کھا چکا تھا...

اور اب جو بچا تھا، وہ صرف خالی ہاتھ رہ جانا تھا۔

یلغار کی آنکھوں میں کئی سالوں کی تربیت تھی،

اس کا دماغ... کسی بھی انٹیلیجنس آفیسر سے کم نہ تھا،

وہ جانتا تھا کہ کب، کس کو، کیسے استعمال کرنا ہے... اور کب بازی پلٹ دینی ہے!

اکرم بے خبر تھا... کہ اس کا ہر قدم،

یلغار کی آنکھوں میں عکس بن چکا ہے۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے جال میں لے آیا ہے،

مگر اصل میں وہ خود یلغار کے بچھائے جال کا شکار بن چکا تھا۔ اور اسے خبر بھی ناہوئی تھی

○○○○○○

پہاڑوں میں دھواں پھیلا ہوا تھا، بارود کی بونے ہوا کو بوجھل کر دیا تھا۔ میدانِ جنگ کی

گونج، پوری وادی میں ہاہا کار مچا رہی تھی۔

ہر طرف فائرنگ کا شور تھا،

ہر ہتھیار، ہر گولی، جیسے ایک اعلان کر رہی ہو

"یہ علاقہ سردار دلدار یلغار کا ہے...!"

ہاہاہاہا! کیا سمجھا تھا انسپیکٹر اکرم نے؟

کہ وہ سب کچھ قابو میں لے آیا ہے؟

کہ وہ جیت گیا ہے؟ بے چارہ!

اسے کیا معلوم تھا کہ وہ ایک ایسی بساط پر چال چلا ہے جہاں پیادے بھی بادشاہوں سے زیادہ چالاک نکلتے ہیں۔

جمرو کی ہنسی کی گونج پہاڑوں میں گونج رہی تھی،

جمرو، بالا، اور دوسرے سب ساتھی...

اپنے اپنے ٹھکانوں سے ہنسی کے قہقہے مار رہے تھے،

یہ ہنسی نہیں تھی، بلکہ ایک وار تھی

اکرم کے غرور پر، اس کے فخر پر، اس کے ”پلان“ پر۔ اکرم کو خبر تک نہ ہوئی کہ

جو کھیل وہ کھیل رہا تھا،

وہ اس سے پہلے ہی سردار پڑھ چکا تھا، اور اپنے مطابق چالیں بچھا چکا تھا۔ کل جب اکرم جائے گا

گرفتاری کرنے...

اس کی صورت دیکھنے والی ہوگی۔۔۔۔۔"

ارے نہیں نہیں جُمرؤ، اُس کی شکل دیکھنے کی اب کوئی خواہش نہیں ہے۔ آج تو خوشی کا دن ہے، سردار کی شادی کا دن ہے۔ جشن مناؤ، خوب جشن! وہ پھر سے آسمان کی طرف فائرنگ کرتے ہوئے بولا، جب اچانک ہی ایک دوسرا ڈاکو بڑی کشتول لے کر آگیا۔

"ارے، دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ دارو یہ تم کیا لے آئے ہو؟"

اُس کی آواز پورے علاقے میں گونجی تھی۔

بالا نے اُسے روکنے کی کوشش کی،

"ارے سردار کی شادی ہے، کوئی عام دن تھوڑی ہے، ہم خوب جشن منائیں گے!" وہ ضد کرنے لگا۔

ڈیشن اپنی جگہ اچھا لگتا ہے لیکن یہ بہت زیادہ ہو جائے گا، ہم نے علاقے کو خوف میں مبتلا نہیں کرنا،" بالا نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی طرف سے خوشی منانے کی کوشش کر رہا تھا جس میں بظاہر کچھ غلط نہ تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس علاقے میں بہت سے معصوم لوگ رہتے تھے، جو پہلے ہی ڈاکوؤں کے ظلم و ستم سے شدید خوفزدہ تھے۔

اور جس طرح وہ کچھ کونل (راکٹ یا دھماکہ خیز مواد) اٹھا کر لایا تھا، یقیناً اس کی آواز نے پورے علاقے کو ہیجان میں مبتلا کر دینا تھا۔

"اور پھر سردار کو بھی یہ حرکت ہرگز پسند نہیں آئے گی۔" بالانے اسے آخری بار وارننگ دی۔  
"میں کچھ نہیں جانتا، میں اپنی مرضی کروں گا! تم لوگ بھی تو اپنی مرضی سے خوشیاں منا رہے ہو، مجھے بھی میرے طریقے سے خوشی منانے دو!" وہ ضدی لہجے میں بولا۔

ڈاکوؤں نے اُس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کچھ پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن وہ کچھ کونل آسمان کی طرف اٹھا چکا تھا، اور اگلے ہی لمحے ایسا زوردار دھماکہ ہوا کہ:

فضا تھرتھرا اٹھی، پہاڑوں میں گونج پیدا ہوئی، اور علاقے بھر میں خوف کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔

oooooooo

اُس نے اُسے اپنی باہوں سے آہستہ آہستہ نیچے اتارا، جیسے کوئی قیمتی شے ہو جسے ذرا سی بھی چوٹ لگ جائے تو ٹوٹ جائے۔

جیسے ہی وہ زمین پر اُتری، اُس کے ننگے پاؤں قیمتی، مٹل جیسے قالین سے ٹکرائے۔



لمحے بھر کو وہ ٹھٹکی...

وہ ننگے پیر آئی تھی،

وقت کا کوئی ہوش نہیں تھا،

درد، دکھ، خوف سب اس کے وجود سے چپکے تھے۔

لیکن اس قالین کی نرمی...

ایسا لگا جیسے وہ زمین پر نہیں،

بادلوں پر قدم رکھ رہی ہو۔

اُس کا پیر جیسے نرم ریشمی خوابوں میں ڈوب گیا ہو،

اور لمحے بھر کو، صرف ایک لمحے کو،

وہ ساری تھکن، وہ ساری بے بسی،

اُس نرم لمس کے نیچے دب گئی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ نرم فرش

کسی قید خانے کا دروازہ بھی ہو سکتا ہے،

یا کسی خواب کا آغاز بھی۔

"میرا معصوم سائیں... یہاں کی سرزمین پتھروں سے بھری ہوئی ہے۔"

اس کی بھاری، دھیمہ آواز لمحے بھر کو ہوا میں ٹھہر گئی۔

"اس زمین پر ننگے پیر مت چلنا، تمہارے نازک پاؤں میں تکلیف ہوگی... اور تمہاری تکلیف...  
سردار سے برداشت نہیں ہوتی۔"

اس نے نرمی سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر، آہستگی سے اپنا رخ اس کی  
طرف موڑا۔

دعام کی پلکیں لرزیں، دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔

وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی سانسوں کی تپش اس کے رخساروں کو چھو رہی تھی۔

اس کی آنکھوں کا خمار، بھاری پلکوں کے سائے،

ایک ایسا طوفان لیے ہوئے تھا جس میں دعام کی معصومیت جیسے بہکنے لگی ہو۔

اس کی نظریں جھکیں، دل جیسے کانپ سا گیا،

لیکن اس کے لمس میں وہ شدت نہیں تھی جو تکلیف دے،

بلکہ وہ ایک محافظ سا تھا، جو اسے ہر سختی سے بچانا چاہتا تھا۔

"ارے میرا سجن سائیں... تو شرمیلہ سائیں بھی ہے۔" وہ نرمی سے ہنسا، جیسے کوئی خوشبو خاموشی

سے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔

اس کی جھکی ہوئی نگاہوں پر وہ آہستگی سے اپنی انگلی پھیرتا نیچے آیا، بے باک لمس دعام کی دھڑکن تیز کر گیا۔

پھر اس کے نرم گال پر انگلی سے ایک ہلکی سی لکیر کھینچی تو ایک لمس جیسے دعام کی روح تک جا پہنچا۔

"کیا ہو امیرا۔ سوہنا مکھڑا؟" اس کی آواز میں شوخی تھی، لیکن لہجے میں ایک عجیب سی

اپنائیت، ایک ایسا یقین جو شاید خوفزدہ دعام کو ابھی نہیں سمجھ آ رہا تھا۔ وہ لرز رہی تھی،

جسم میں خنکی اور دل میں گھبراہٹ کی لہر تھی۔

اس کے اطراف میں خاموشی نہیں، بلکہ اندر کا شور بول رہا تھا۔

جسم کا ایک ایک ذرہ کپکپا رہا تھا،

اور آنکھوں میں ایسا ڈر تھا جیسے صدیوں کی قید ہو۔

لیکن دلدار... اسے دیکھ کر صرف مسکرا رہا تھا، جیسے اس کی کیفیت کو سمجھ رہا ہو۔

اسکی مسکراہٹ میں ایسی دلکشی تھی۔ جیسے پوری دنیا تھم جائے اور صرف وہ لمحہ باقی رہ

جائے۔ جب سردار دلدار مسکرایا۔۔۔۔۔"

"میرے جان کے ٹوٹے!!، مجھے تمہاری مسکراہٹ سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے یار سجن... "وہ نرمی

سے بولا،

لیکن دعام کی روح اب بھی اس خوف کی زنجیروں میں بندھی تھی، جو نہ جانے کب ٹوٹیں گی...

اُس کا لرزنا، اُس کا کانپنا، تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

دلدار نے اُسے یوں سہا دیکھ کر نرمی سے اُس کی نازک، پتلی کمر کے گرد بازو پھیلا دیا۔

اگلے ہی لمحے، ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ وہ اُس کے قریب ہو گئی اتنی قریب کہ دونوں کے سانسوں کی گرم لہر ایک دوسرے کو چھونے لگی۔

وہ اچانک اُس کے سینے سے جا لگی، بیچ سے ہوا تک کو گزرنے کی اجازت نہ رہی۔

ایسے جیسے کوئی طوفان دو وجودوں کو تیزی سے ایک دوسرے سے ٹکرا دے۔ دعام کی سانسیں بے ربط ہو گئیں، دل کی دھڑکنیں جیسے کانوں میں دھماکوں کی طرح سنائی دینے لگیں،

اور دلدار کے سینے کی حرارت اُس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔ ایک لمحے کو تو وہ جیسے خود سے بیگانہ ہو گئی

ہوس اور خوف، اور بے یقینی... سب ایک ہی پل میں اُسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ اُس کی گرفت میں تھی،

لیکن... کیا وہ صرف گرفت تھی؟

یا اُس کے اندر چھپا وہ جنون جو اُس معصوم دل کو چھو جانا چاہتا تھا...؟ لیکن کیا یہ جنون وہ سہہ سکتی تھی...؟ یہی خوف تھا جو اسے مزید کانپنے پر مجبور کر گیا

"اب سمجھ میں آیا... "دلدار کی آواز میں ایک عجیب سی سرگوشی تھی، جو دعام کی۔ روح کو چھیڑتی تھی،

"تم باتوں سے نہیں، سانسوں سے بات کرتی ہو۔

تم الفاظ نہیں، دھڑکنوں کی زبان بولتی ہو۔

تمہاری ہر سانس جیسے کوئی راز کہتی ہے... کوئی فسانہ سناتی ہے۔ "وہ اس کے اور قریب ہوا، اتنا کہ سانس اب آمنے سامنے نہیں، ایک دوسرے میں اترنے لگیں۔

"اگر ایسا ہے تو، دلدار... تمہاری ان سانسوں کو خود میں اتار کر، اپنے آپ کو متبر کرنا چاہے گا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا،

"سجھ سائیں... اپنی ان سانسوں سے کہہ دو

جتنی باتیں کرنی ہیں، کر لیں۔

دلدار یلغار اپنی پوری روح کو کان بنادے گا۔

ہر سرگوشی، ہر ہچکی، ہر لرزتی سانس کو سننے کے لیے... اور اس میں خود کو فنا کر دینے کے لیے تیار ہے۔"

وہ لمحہ جیسے وقت کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا۔

اچانک وہ اس کے چہرے پر جھکا۔ تو اسے دوسری۔ سانس نا آئی دھام کے لبوں پر اس کی دیوانگی کے لمس نے لرزہ طاری کر دیا تھا۔

وہ مونچھوں کی چھبیں، وہ خالص مردانگی کی مہک، وہ لبوں پر رکھی ہوئی شدت... سب کچھ اتنا غیر متوقع اور بے قابو تھا کہ دھام کی سانس جیسے سینے میں ہی قید ہو گئی۔

وہ نرمی سے، لیکن اپنے پورے جنون کے ساتھ اس کے لبوں پر اپنا حق جتا رہا تھا...

جیسے برسوں کا کوئی ادھورا لمس آج مکمل ہو رہا ہو، جیسے وہ صرف چوم نہیں رہا تھا بلکہ

اپنی روح، اپنی چاہ، اور اپنی بے تابی کو اس کے اندر اندیل رہا تھا۔

دھام کے لیے یہ سب خواب کی مانند تھا۔ ایسا خواب جو ہوش میں آکر بھی مدہوش کر دے۔

وہ اس کی بانہوں میں تھی، خاموش بے بس کانپتی لرزتی،

لیکن اب صرف جسم نہیں، اس کی سانسیں بھی اُس کی سانسوں میں سماتی جارہی تھیں۔ وہ اس کی سانسوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

وہ اسے چومتے ہوئے جیسے سرگوشی میں بول رہا ہو۔

نکاح مبارک ہو سجن سائیں

"یہ لب... اب میرے ہیں۔ میرے یار سانس کی سانسیں میری ہیں۔ میرے سوہنے گلاب کی ہر خاموشی، ہر لرزش... میری دیوانگی کی گواہی بنے گی۔" سردار تمہیں اتنا ٹوٹ کر چاہے گا۔ جتنا کبھی کسی نے کسی کو نہیں چاہا ہو گا۔

اس کے لمس میں ایک ایسی دیوانگی چھپی تھی جو کسی بھی عام دل کو سہنے کی طاقت نہ دیتی۔ وہ دیوانہ تھا... شدت سے چاہنے والا... اور آج اس کا صبر پھلنے کو تھا۔

وہ بے تابی سے اسے چوم رہا تھا اس کے چہرے پر اس کی مونچھوں کی چبن اسے مزید لرزلا رہی تھی۔ وہ دیوانگی سے اس کی آنکھوں کو گالوں کو لبوں کو گردن کو ماتھے کو چومے جارہا تھا۔ جیسے زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہو اپنے سوہنے مکھڑے سے پیار کرنا بے شمار کرنا

"مت روکو مجھے...!"



اس کی آواز جیسے کہیں سینے کی گہرائی سے ابھری تھی،

"کتنا انتظار کیا ہے اس لمحے کا... کیا میرے انتظار کا کوئی انعام نہیں دو گی؟" میرا گلاب سائیں۔۔۔ "دعام کی پلکیں جھکیں، اور اس کے نازک ہاتھ سردار کے سینے پر رکھے جیسے اسے خود سے دور کرنے کی معصوم سی کوشش کر رہی ہو۔

مگر سردار دلدار، جو صرف دنیا کے لیے دہشت کا نشان تھا، اس وقت صرف ایک دیوانہ عاشق تھا۔

وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے انکار سے زخمی ہو گیا ہو، جیسے دعام پھگل جائے گی بالکل ایسے ہی جیسے وہ اس کے پیار میں پاگل ہو، یا جیسے وہ اس کے نکاح کی خواہش میں مرنے کو تیار ہو...

لیکن یہاں کہانی الٹی تھی۔

وہ دعام تھی، جو خوف زدہ تھی۔

اور وہ... وہ دلدار تھا... جو دعام کے انکار کو سن ہی نہ پارہا تھا۔ نرمی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے

وہ بولا،

"تم مجھے روک رہی ہو؟... انکار کر رہی ہو؟" میری محبتوں سے دور بھاگو گی دلدار سجن،

دلدار مرویسے، دوجی ساہ وی نئی آوے گی تیرے دلدار سائیں نوں، جے تُوں چاہندی اے  
شادی دی رات ای بیوہ ہو ویندی۔

(دلدار مر جائے گا دوسری سانس بھی نہیں آئے گی تمہارے دلدار سائیں کو کہ تم چاہتی ہو  
شادی کی رات بیوہ ہو جاؤ۔)

اس کے لہجے میں دنیا بھر کی معصومیت تھی۔ وہ پوری طرح اس کی بات کو نہیں سمجھی تھی لیکن  
جتنی بات سمجھ میں آئی تھی وہ معصومیت سے نفی میں سر ہلا گئی۔ لیکن سامنے بھی تو جسے کوئی  
معصوم سا بچہ کھڑا تھا وہ اس کی حرکت پر ہلکا سا مسکرا دیا

وہ ایک ایسا معصوم ڈاکو تھا... جو صرف دعام کے سامنے نرم تھا،

ورنہ... "یہ وہی سردار دلدار ہے جو پتھروں کے بیچ پل کر فولا دبنا، جس کے نام سے حویلیاں خالی  
ہو جاتیں، جس کی بندوق سے نکلنے والی گولی، رحم سے پہلے فیصلہ سناتی تھی۔"

وہ وہی سردار تھا جو بے رحم مشہور تھا،

جس کے نام پر تھانے ویران ہوتے تھے، جس کے سائے سے دشمنوں کی نیندیں اجڑتی تھیں۔

دلدارم

لیکن... دعام کے آگے وہ سب کچھ ہار چکا تھا۔

"ڈاکو۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔" دعام کی سسکتی آواز گونجی،

"ڈاکو قربان اپنے سوہنے سائیں کے۔۔۔" وہ شدت سے کہتا، اچانک دعام کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ گیا۔

ایسا لگا جیسے وہ اسے خود میں جذب کر لینا چاہتا ہو،

جیسے وہ اپنے وجود کی ہر دھڑکن سے اس کی سانسوں کو سنبھالنا چاہتا ہو۔

مگر تب ہی... ایک زوردار دھماکے نے پوری فضا کو ہلا دیا۔ درودیوار کانپ اٹھے،

اور دلدار کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشت اتر آئی،

وہی دہشت، جو سینکڑوں انسانوں کی سانسیں روک لیتی تھی۔ اس کی نظر لمحے میں بدل گئی،

اور وہی نرم سردار، لمحے میں فولاد بن گیا۔

دعام کی چیخ اس کے سینے میں دب گئی۔

وہ خوف سے لرزنے لگی، اس کا دل بری طرح کانپ رہا تھا جیسے اس کا دل اس کے سینے کی دیواروں کے ساتھ بج رہا ہو ایک عجیب سے خوف میں مبتلا ہو کر دلدار نے شدت سے دعام کو اپنے ساتھ لگایا تھا۔

اس کے ننھے وجود کی تھر تھراہٹ دلدار کی دھڑکنوں میں سما گئی، جیسے اس کی جان ابھی چھوٹ جائے گی۔

جیسے ابھی دعام کی دھڑکن رک جائے گی دعام کا دل اتنی زیادہ تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے لمحے میں سب کچھ ختم ہو جانے والا ہو  
سردار نے شدت سے اسے خود میں سمیٹ لیا،

جیسے اپنے بازوؤں میں قید کر کے دنیا کی ہر آفت سے بچا لینا چاہتا ہو،

جیسے وہ دنیا کی ہر خوف، ہر دہشت سے صرف ایک وجود کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو... اپنی دعام کو۔

"میرا یار سجن... کچھ نہیں ہوا، یہ دھماکوں کی آوازیں یہاں آتی رہی ہیں، لیکن یہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ بے فکر ہو جاؤ، کانپنا بند کرو... میں ہوں نا تمہارے ساتھ! میرے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں چھو بھی نہیں سکتی۔"

وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے، اپنے سینے سے ایسے لگا چکا تھا جیسے اس کی جان وہیں دھڑک رہی ہو۔ دعام کے جسم کی کپکپاہٹ، اس کی سانسوں کی بے ترتیب روانی، سب کچھ اسے پاگل کر رہی تھی۔

"میرا گلاب سائیں... مجھے ڈراؤ نہیں۔ یقین کرو، آج تک کسی چیز سے اتنا خوف محسوس نہیں ہوا جتنا تمہاری دھڑکن سے ہو رہا ہے۔"

وہ اس کی آواز کے ساتھ، اس کی سینے کی دھڑکنوں کو سن رہی تھی، جیسے ہر دھڑکن اُس کی روح پر دستک دے رہی ہو،

دلدار نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھاما، اس کی کانپتی پلکوں کو دیکھا، اور پھر نرمی سے اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے لگا دی۔

"ساری سانسیں ایک ہی بار میں لے لو گی کیا؟" مکھے ڈر لگ رہا ہے تمہاری سانسوں سے میرے سوہنے سائیں یوں ناکرو۔۔۔۔ اس کا جسم اب بھی ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا۔

دلدار کی گرفت سخت ہوئی، اس نے اسے اور زیادہ اپنے ساتھ جوڑ لیا۔

"دلدار کی آنکھوں میں ایک جنون تھا، ایک خوف بھی، لیکن سب سے بڑھ کر محبت تھی وہ محبت جو جان بھی دے سکتی تھی، جو بغاوت میں دنیا بھی جلا سکتی تھی۔

دلدار کی آنکھوں میں ایک خاموش طوفان تھا۔ جس نے بھی یہ حرکت کی تھی۔ اب اس کی سانسوں پر صرف سردار کا حق تھا اور اب اسے مزید سانس لینے کا وہ خود بھی کوئی حق نہیں رکھتا تھا۔

تم تھک گئی ہو میری گلابو۔۔! آرام کرو آو دو یہاں۔۔۔ آن کے بعد تمہیں کوئی آواز نہیں آئے گی۔۔۔۔۔ یہ سردار کا وعدہ ہے۔۔۔۔۔" وہ اسے نرمی سے اٹھا کر بیڈ پر لے آیا تھا۔ جبکہ دعام کا خوف جوں توں تھا۔ جبکہ وہ اسے بیڈ پر لیٹتا واپس اپنے سینے سے لگا چکا تھا۔

○○○○○○○

سردار خاموشی سے دعام کے بستر کے کنارے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مٹھاس اور بے پناہی محبت کی چمک تھی، جو اس کی پوری ظالم شخصیت کو نرم کر دیتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھوں کو اس کے نرم، بے ترتیب بالوں میں پھیرنے لگا، جیسے ہر کانپتی ہوئی سانس کو سنبھال رہا ہو۔

وہ لڑکی، جو آج اس کی دلہن بننے آئی تھی، نیند میں بھی سخت خوفزدہ اور بے چین تھی۔ اس کا چہرہ بے ترتیب، تھکا ہوا اور گھبراہٹ سے بھرا ہوا تھا، گویا زندگی نے اس کی معصومیت کو چُپکے سے چھین لیا ہو۔

اس کی چھوٹی چھوٹی سانسیں جیسے ہر لمحے رکنے کو تیار ہوں، اور سردار کو اس کی حالت دیکھ کر دل بھر آتا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن بے قرار تھی، ایک عجیب سی بے بسی میں لپٹی ہوئی۔ اس نے سوچا کہ شاید اس کی دنیا اسی لمحے ختم ہو جائے گی، جب وہ اپنے سوہنے مکھڑے کو کھودے گا۔

اس کے اندر ایک وحشت تھی، ایک غصہ جو ہر دم ابل رہا تھا، لیکن اس غصے کے بیچ بھی اس کی محبت کی گہرائی نظر آرہی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ یہ خوف اور بے چینی اس کی بیوی کے دل میں گہری جڑیں جما چکی ہیں، اور وہ چاہتا تھا کہ اس کا یہ پیار اسے تحفظ دے۔ لیکن وہ اس کی پناہوں میں پہلے لمحات میں ہی خوفزدہ ہو چکی تھی

-

سردار نے دھیرے دھیرے اپنے ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھوا، اس کا دل شدت سے کانپا تھا آج دعام کی حالت دیکھ کر وہ خود خو فزدہ ہو گیا تھا۔

وہ اپنی طاقتور انگلیوں سے اس کی ہونٹوں کو سہلارہا تھا، جیسے کہ وہ اسے یقین دلانا چاہتا ہو کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی کشمکش تھی۔

ایک طرف اس کا خونخوار اور بے رحم پہلو، اور دوسری طرف وہ نرم اور پیار کرنے والا مرد جو اپنے سجن سائیں کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی دنیا میں اس وقت خوف کا سایہ چھایا ہوا ہے، مگر اس کے دل میں صرف ایک خواہش تھی۔

اس کی بیوی کا سکون۔ اس نے اپنے سینے سے اسے قریب کیا اور آہستہ سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"میں ہوں نا، تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" میں تمہارا یہ ڈر ختم کر دوں گا۔

دعام کی سانسیں ابھی بھی بے ترتیب تھیں، وہ سہمی ہوئی نیند کے بیچ لرز رہی تھی، لیکن سردار کی موجودگی میں وہ کمزور اور خو فزدہ دل بھی کچھ سکون محسوس کر رہا تھا۔ اس لمحے، اس کے دل کی ہر



دھڑکن نے سردار کو یاد دلایا کہ اس کی وحشت کے پیچھے ایک نرم دل بھی دھڑک رہا ہے صرف اپنے محبوب سائیں کے لیے۔

سردار کی نظریں دعام کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ کچھ لمحے اور ٹکتا رہا، اس کی پلکوں کی تھر تھراہٹ، چہرے کی نرمی اور تھمی تھمی سانسوں سے یقین کر چکا تھا کہ وہ گہری نیند میں اتر چکی ہے۔ شاید اب اس کا خوف کچھ حد تک کم ہو چکا تھا، شاید اس کے لمس نے، اس کی موجودگی نے، اس کے دل میں موجود طوفان کو وقتی طور پر تھام دیا تھا۔

وہ دھیرے سے اٹھا، اس نے آہستگی سے کمرے کی مدھم روشنی آن کی تاکہ اندھیرے کا سایہ دوبارہ اس پر نہ چھا جائے۔

ایک آخری نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے، جس پر ابھی بھی نیند اور تھکن کی جھلک باقی تھی، وہ پرسکون ہوا۔

وہ نرمی سے اس کے قریب جھکتا اس کے ماتھے کو شدت سے چومتے ہوئے پیچھے ہٹا۔

دروازے کے قریب جا کر اس نے بھاری پردہ نیچے گرا دیا تاکہ سردی، روشنی یا کوئی بھی شور اسے نہ جگا پائے۔ سب کچھ سنبھالنے کے بعد، سردار نے اپنے مضبوط قدموں سے پہاڑی غار کی سیڑھیاں اترنا شروع کیں۔ اس کی چال میں اب نرمی نہیں، فیصلہ کن سختی تھی۔

اب محبت لمحے بھر کو کمرے میں قید ہو چکی تھی، اور اس کی آنکھوں میں اب وہی پرانی وحشت جھلکنے لگی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جس کا حساب ہونا تھا۔ جو کچھ نیچے قبیلے میں ہوا تھا، جو خوف اس کے ڈرپوک سائیں کی سانسوں میں بسا تھا، اب اس کا جواب دینا باقی تھا۔ سردار کی رگوں میں خون تیز بہنے لگا اب حساب کا وقت تھا۔

○○○○○○○

پہاڑ کی چٹانوں سے بنی اس غار کے نیچے، وسیع و عریض میدان میں رات کے پچھلے پہر بھی روشنی اور شور باقی تھا۔ جشن کا سماں تھا۔ آگ کے الاؤدہک رہے تھے، کھانے پینے کے برتن بکھرے تھے، اور ہنسی مذاق، قہقہے ابھی بھی فضا میں گونج رہے تھے۔ مگر ایک کونے میں، بالا اور جمرہ، اپنے چہروں پر خاموش سنجیدگی لیے، باقی سب سے جدا ہو کر بیٹھے تھے۔ ان کے دل میں وہ

دھماکے کی گونج ابھی بھی دھڑکنوں کی طرح بج رہی تھی۔ انہیں معلوم تھا، اب جو ہونے والا ہے... وہ جشن نہیں، قیامت ہوگی۔

اچانک، پہاڑ کے دہانے سے بھاری قدموں کی چاپ گونجی۔

سردار آگیا۔ نہ جانے کون بولا تھا لیکن وہ حیران ہوئے تھے وہ اتنی رات گئے اپنی محبوب بیوی کو چھوڑ کر نیچے آیا تھا اور اس کی آنکھوں کی وحشت تو کوئی اور ہی کہانی سنار ہی تھی

اس کے قدم پتھر پر نہیں، لوگوں کے دلوں پر پڑ رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اترا، مگر ہر قدم کے ساتھ اس کے جسم سے وحشت کی ایک لہر اٹھتی، اور فضا کو کاٹ کر رکھ دیتی۔ اس کے چہرے پر وہ سختی تھی، وہ آگ تھی، جو جلانے آئی تھی۔

سردار کی نظریں قبیلے کے ہر مرد پر پڑی تھیں، اور ہر مرد نے نظریں جھکا لیں۔ کچھ تو ہوا تھا غلط بہت غلط،

ان کے چہروں پر ابھی کچھ لمحے پہلے ہنسی کے آثار تھے، اب وہ پسینے میں بھگے، کانپتے وجود بن چکے تھے۔ اس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر ا ہوا تھا، جیسے وہ نگاہیں کسی کا سینہ چیر سکتی ہوں۔

بالا نے جمر کو دیکھا، اور دونوں کا دل ایک ساتھ دہلا، وہ سردار کو جانتے تھے۔ اس کی خاموشی، اس کی سانسوں کی رفتار، اس کی آنکھوں کا رنگ... یہ سب اس بات کا اعلان تھے کہ اب نہ صرف باز پرس ہوگی، بلکہ سزا بھی۔

سردار رکا نہیں،

وہ میدان کے بیچ جا کر رُکا۔ اس نے ایک نظر نیچے بیٹھی بھیڑ پر ڈالی، اور پھر اپنے زخروں سے نکلی ایک گونجیلی، گھمبیر آواز میں صرف اتنا کہا:

"کس نے توڑا میرا اصول؟" کس میں اتنی ہمت آگئی جو سردار کے بنائے اصولوں کو توڑ دے، جیسے وقت تھم گیا ہو... نہ آگ چٹنی، نہ ہوا چلی، صرف سناٹا۔ اور اُس سناٹے میں صرف سردار کی آنکھیں بول رہی تھیں اور وہ آنکھیں موت کا پیغام لیے کھڑی تھیں۔

سردار کی گرجدار آواز اب بھی فضا میں لرز رہی تھی۔ جشن کی ہر گونج، ہر ہنسی، ہر قدم کی چاپ ساکت ہو چکی تھی۔

بالا اور جمر و ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے، پھر خاموشی سے اٹھ کر اس کے دائیں بائیں آرکے۔

دارہ نے۔۔۔۔؟ بالانے سکون سے کہا

کیونکہ سردار کی نظر اب دارہ کو تلاش کر رہی تھی۔ بالانے اشارے پر ایک آدمی دارہ کو بلانے چلا گیا۔

○○○○○○○

دارہ... اپنے خیمے کے پیچھے سے نکلا، بظاہر مطمئن مگر اندر سے پسینے میں شرابور۔ وہ جانتا تھا، یہ وقت اس کے لیے قیامت سے کم نہیں۔ وہ جانتا تھا، سردار کے اصول توڑنے کی قیمت کیا ہوتی ہے...

لیکن آج تو سردار اپنی بیوی کے ساتھ تھا، آج اس کی شادی کی پہلی رات تھی بہت خاص لمحات تھے اس کے لیے آج اس کے نیچے آنے کے کوئی چانسز نہیں تھے وہ باہر آجائے گا اسے امید نہیں تھی اسی لیے تو اسے سردار کے اصول کو بڑے سکون سے توڑا تھا۔

ان کے کسی قدم سے گاؤں میں خوف و ہراس نہ پھیلے یہ اصول تھا سردار کا، انہوں نے کبھی گاؤں والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ ان کا ٹارگٹ ہمیشہ اور لوگ ہوتے تھے۔

لیکن سرداری کی شاہی کرسی کو دیکھتے ہوئے پہلی دفعہ دارہ نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی بلکہ وہ تو پلاننگ بھی کر رہا تھا بہت بڑی پلاننگ۔۔۔۔۔"

اس کی آنکھوں میں ایک وہشت تھی، خاموشی سے سردار کو دیکھنے لگا سرداری کی کرسی، طاقت، حکم، یہی تو اسے چاہیے تھا یہی سب کچھ وہ چاہتا تھا۔

اگر وہ کسی طرح سردار کو پکڑا دے تو اس کی کرسی پر حکومت کر سکتا تھا کیونکہ بالا کی تو کوئی اہمیت نہیں تھی اور پھر اصل شاطر دماغ تو سردار کا تھا بالا کو تو وہ لمحے میں ہٹا سکتا تھا لیکن یہاں تو الٹا ہی ہو گیا

سردار نے دارہ کو ہاتھ کے اشارے سے بلا لیا، اور سب کے سامنے دارہ اب اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم نے کیا؟" سردار کی آواز میں نہ صرف سوال تھا، بلکہ وہ گرج جو پہاڑ کو بھی ریزہ ریزہ کر سکتی تھی۔

"سردار، میں نے کچھ غلط نہیں کیا میں تو صرف جشن منا رہا تھا تمہاری شادی کی خوشی۔۔۔"

"چپ!" سردار کی ایک دھاڑ نے اس کی آواز دبا دی۔

"میرے اصولوں کو روندنے والے کو صفائی دینے کا حق نہیں ملتا۔" شادی کی خوشی میں نہیں تم نے بغاوت میں کیا ہے یہ کام۔۔۔۔"

بالا زنجیر لا۔۔۔ "آج پورا قبیلہ دیکھے گا کہ ایک باغی کو سزا کیسے ملتی ہے۔"

سردار کے حکم پر بالا اگلے ہی لمحے زنجیر لے آیا۔ وہ سادہ سی تھی، مگر اس کی ہر کڑی میں سردار کے قانون کی بے رحم گرفت تھی۔ وہ زنجیر سردار نے دارہ کے ہاتھوں میں خود باندھی، مگر محبت سے نہیں، زہر جیسے صبر کے ساتھ۔

"دارہ... تُو نے میرے قبیلے کو، میرے اصولوں کو، اور سب سے بڑھ کر، میرے نام کو داغ دیا ہے۔ اگر تُو کسی دشمن کی بستی پر یہ راکٹ پھینکتا، تو میں تجھے شاباش دیتا... لیکن تُو نے میرے نکاح کے لمحے کو خوف کا لمحہ بنا دیا۔ میری عورت... وہ جسے میں نے پہلی بار سکون سے نظر بھر کر دیکھا... اس کی نیند، اس کی سانس، اس کا سکون تُو نے چوری کیا ہے!"

چلو۔۔۔ تمہیں تمہارا انجام دکھاتا ہوں، سردار نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچتے ہوئے دارہ کو خیمے کے پیچھے لے جا کر ایک پرانی، سنسان اور پتھریلی زمین پر دھکیل دیا۔ یہ قبیلے کی ایک خفیہ جگہ تھی بالا اس کے پیچھے آیا تھا،

یہاں پر بالا کے علاوہ اور کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی اس لیے جبر و پیچھے ہی رک گیا۔ وہ جگہ قبیلے کی نظر سے او جھل تھی، مگر سردار کے انصاف کی گواہ تھی۔ سردار نے اشارے سے وہاں پتھروں کی ایک بڑی کو ٹھہری بالا سے کھلوادی وہ جگہ جسے قبیلے میں "خاموش کمرہ" کہا جاتا تھا۔ وہاں نہ کوئی آواز سنائی دیتی تھی، نہ کسی کی چیخ۔ وہ قید خانہ نہیں تھا، وہ خاموش سزا کا مقام تھا، جہاں صرف انسان نہیں، اس کی نیت بھی پگھل جاتی تھی۔

دارہ کو اندر دھکیلا گیا۔ زنجیروں سمیت، وہاں صرف اندھیرا تھا، اور ایک پتھر کا تخت، جہاں اسے ننگے پتھروں پر بیٹھنا تھا۔ نہ روشنی، نہ صدا۔ صرف خاموشی، اور وقت کا بے رحم گزر۔ "تو وہاں رہے گا، جب تک تیرا دماغ تجھے بتائے کہ تخت پر بیٹھنے کی چاہ رکھنے والے، اصول توڑ کر نہیں جیتے۔" سردار کی آواز سرد تھی، مگر اس میں دھکتے انگارے جیسے جذب تھے۔

اور پھر دروازہ بند ہو گیا۔

دارہ کی چیخ نہیں آئی... کیونکہ وہ جانتا تھا، چیخنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا انجام شروع ہو چکا تھا۔

oooooooo



دارہ کے انجام نے صرف دارہ کو نہیں، پورے قبیلے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

وہ قبیلہ جو سردار کی دہشت کا عادی تھا، آج کچھ اور ہی دیکھ چکا تھا۔

نرمی کی آڑ میں چھپی وہ سختی جو آسمان سے نہیں، سردار کی آنکھوں سے برسی تھی۔

ہر مرد جانتا تھا...

اگر دارہ جیسا طاقتور، قد آور، اور چالاک انسان بھی بخشا نہیں گیا۔ تو پھر وہ کس شمار میں تھے؟

خوف کی فضا ایسی تھی کہ خوشبو کے بجائے پسینے کی بو پھیلی تھی۔

کچھ دن پہلے کی ہی تو بات تھی۔

دو تین بار محفلوں میں یہ بات نکلی تھی کہ

"سردار اب تھکنے لگا ہے۔ سردار اب عاشق ہو گیا ڈیکٹ نہیں رہا... شاید اگلا سردار دارہ ہو!"

حتیٰ کہ جمرو نے بھی ایک روز سردار کو کہا تھا،

"دارہ آج کل کچھ زیادہ ہی اچھل رہا ہے، سردار..."

جس پر سردار نے صرف ایک مسکراہٹ سے جواب دیا تھا۔ نرمی تھی اس ہنسی میں، لیکن وہ ہنسی ایک وار تھی۔ سردار سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

وہ بولتا کم تھا، لیکن یاد سب رکھتا تھا۔

اور اب، جب دارہ کی سازش بے نقاب ہوئی، تو سردار کو یہ بھی سمجھ آ گیا کہ شیرازی — اکرم کا بھیجا ہوا دشمن اکیلا نہیں تھا۔

یہ جنگ صرف باہر سے نہیں، اندر سے بھی ہو رہی تھی۔

قبیلے کے اندر کچھ چہرے ایسے تھے جو دو چہرے لیے گھوم رہے تھے۔

سردار نے ان کے چہروں پر نقاب چڑھتے بھی دیکھے، اور آج نقاب اُترتے بھی۔ اس کی آنکھوں میں اب صرف غصہ نہیں تھا،

انتقام بھی تھا۔

اب وہ وقت آچکا تھا... جب سردار صرف تلوار سے نہیں، سوچ سے مارے گا۔

اب ایک ایک چہرہ نشان زدہ ہو چکا تھا،

ساری وادی رات کی تاریکی میں جیسے دم سادھے بیٹھی تھی... نیچے قبیلے میں طوفان برپا کر کے، انصاف کی چنگاری دھکا کر، وہ اب سکون سے اوپر آ رہا تھا۔

قدموں کی چاپ نرم تھی، چہرہ پر ایک ایسا سکون تھا جیسے کوئی مردِ آہن ایک طوفان سلا کر آیا ہو...

لیکن دل میں، کہیں اندر، ایک نرم گوشہ ابھی بھی دھڑک رہا تھا

صرف اپنی سجن سائیں کے لیے۔ پردہ آہستگی سے ہٹایا گیا،

پہاڑی غار کے شاہی کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی تھی، اور وہ... اس کی زندگی، بیڈ پر خاموش لیٹی تھی۔ چہرے پر ایک سانس لیتی تھکن، اور آنکھوں کے گرد وہ دھند جو صدیوں کے بعد اترتی ہے۔

سردار کے لبوں پر ایک بے اختیار سا سکون اتر آیا۔

وہ جو پوری دنیا کے لیے دہشت کا نشان تھا،

وہ جو قبیلے کے مردوں کے لیے خون کا قانون تھا،

آج ایک سہمی ہوئی لڑکی کو دھڑکن کی پناہ دینے آیا تھا۔ آہستگی سے وہ اس کے قریب آتا بیڈ پر اس کے سر ہانے بیٹھا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں،

اور آنکھیں بند ہونے کے باوجود خفیف سی لرزش میں تھیں۔ جیسے ابھی بھی کوئی خواب، کوئی دھماکہ، اس کی نیند کو ہلا رہا ہو۔ سردار نے نرمی سے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں،

ایک ایک لٹ کو جیسے اپنی پناہ میں لے رہا ہو۔

آہستہ اس کی پیشانی پر جھکا، اور پلکیں اس کے لمس سے بند ہوتی گئیں۔

"سو جا میں ہوں تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا تمہیں میرا ڈرپوک سجن۔۔۔" جب تک سردار کی سانسیں چل رہی ہیں تمہاری امانت ہیں۔ اور تم سردار کی دھڑکن، اپنی دھڑکن کو تھوڑی سا سردار کچھ ہونے دے گا۔" وہ سرگوشی میں بول رہا تھا

وہ جانتا تھا، وہ ڈرتی ہے اس سے بھی خوف کھاتی ہے۔ لیکن سردار کو خوف کی تہہ میں چھپی اس لڑکی کو یہ یقین دلانا ہے

کہ سردار صرف غصے اور سزا کا نشان نہیں،

بلکہ محبت کی آخری پناہ بھی ہے۔ رات لمبی تھیلیکن سردار کے ہاتھوں کا لمس سے پر سکون نیند کی آغوش میں لے جا رہا تھا۔

اس کی نیندوں کو بے قرار کر کے آج کی رات اس کے خوابوں کی رات تھی جو خوف میں بدل دی گئی۔ جس کی سزا شاید اب دارہ کو ساری زندگی بھگتنی ہوگی۔

○○○○○○○

پہاڑی غار کے اس شاہی کمرے میں خاموشی کا راج تھا، صرف نرم سانسوں کی آواز، اور محبت کی وہ آہٹ جو لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔

سردار آہستہ آہستہ اٹھا۔

کمرے کے گوشے میں پڑی قدیم، بھاری لکڑی کی الماری کھولی۔ اندر چھپی ہوئی نایاب چیزوں میں سے اس نے ایک چھوٹا سا مخملی ڈبہ نکالا،

اور اسے کھولتے ہی اندر چمکتے ہوئے چاندی کے تاروں سے بنی پازیب نگاہوں میں جگمگائی۔

یہ وہی پازیب تھی، جسے سردار نے برسوں پہلے ایک دن کے لیے سنبھال کر رکھا تھا  
وہ دن، جب وہ محبت کرے گا...

دل سے، روح سے، وجود سے۔ وہ آہستگی سے بیڈ کے پاس آیا۔

وہ اب بھی نیند کی آغوش میں تھی،

چہرہ دھیمی روشنی میں کسی معصوم پھول کی طرح مہک رہا تھا۔ کپکپاتی پلکیں، ہلکی سانسیں،  
اور... سردر کی دنیا۔ اس نے خاموشی سے اس کے نازک پیروں کو تھاما،

نرمی سے پازیب اس کے پاؤں میں پہنائی،

اور پھر جھک کر ان پیروں پر اپنے لب رکھ دیے۔

ایک پل... بس ایک پل کو وہ آنکھیں بند کیے یونہی رکا رہا،

جیسے اس چھو جانے میں پوری دنیا کا سکون چھپا ہو۔ پھر وہ آہستہ سے مسکرایا

ایسی مسکراہٹ جو کسی جنگجو کے چہرے پر نہیں، بس ایک عاشق کے لبوں پر ہی اترتی ہے۔

نرمی، محبت، اور عشق، وہ سب کچھ اس پل اس کے چہرے پر تھا۔

وہ خاموشی سے اس کے پاس لیٹ گیا،

اور آہستگی سے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے دنیا سے چھپا لینا چاہتا ہو، کسی بھی دکھ، کسی بھی اندیشے،

کسی بھی خوف سے۔ اس کے بالوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے، اس نے ایک گہری سانس لی...

اور پھر آنکھیں موند لیں۔

اس رات، پہاڑ کی ویرانی میں ایک سخت دل درندہ... صرف محبت سے ہار مان رہا تھا۔

○○○○○○○

دعام کی آنکھ دھیرے دھیرے کھلی... کمرے میں خفیف سی روشنی تھی، جو دروازے کے کنارے

سے اندر آرہی تھی۔ لمحے بھر کو اسے کچھ سمجھ نہ آیا، مگر جیسے ہی اس نے خود کو محسوس کیا

اپنے گرد لپٹے اس وجود کو—تو دل ایک پل کو ٹھٹک گیا۔

وہ حیران ہوئی... لیکن... خوفزدہ نہیں تھی۔

نہ جانے کیوں دل کانپ نہیں رہا تھا، نہ ہی کوئی انجانہ بے چینی تھی جو پہلے ہر لمحہ اسے جکڑ لیتی تھی۔

وہ تھا... اس کے ساتھ، اسے پوری طرح اپنی بانہوں میں سمیٹے ہوئے، جیسے کوئی کسی نایاب شے کو سینے سے لگا کر سو گیا ہو، جیسے وہ اس کا سکون ہو... اس کی دنیا۔ دعام کو احساس ہوا کہ سردار نے قمیض نہیں پہنی تھی۔ اور وہ اس کے سینے سے لگی ہوئی ہے۔

شرم نے پلکوں پر دستک دی... چہرے پر ہلکی سی سرخی اتر آئی، لیکن وہ شرمندگی یا خوف کی شرم نہ تھی،

بلکہ... ایک جائز رشتے کی حیا تھی۔ وہ حیا جو اس رشتے کا پہلا لمس ہوتی ہے، سارے خود پر حیرت ہوئی کہ... اب نہ دل دھڑک رہا تھا، نہ آنکھیں لرز رہی تھیں، وہ ایک خطرناک ڈاکو تھا اسے ڈر لگنا چاہیے تھا لیکن ڈر نہیں تھا نہ جانے کیوں

، ایک سکون تھا۔

اس نے سانس روکتے ہوئے آہستہ سے سرکنے کی کوشش کی، مگر وہ... اب بھی گہری نیند میں، اسے تکیے کی طرح سینے سے لگائے، ہلکے سے مسکرا رہا تھا۔ دعام نے آنکھیں بند کر لیں، اس



کی بھاری سانسیں اس بات کی گواہ تھی کہ وہ سو رہا ہے پھر سوتے ہوئے یہ مسکراہٹ اس کی مسکراہٹ بہت پرسکون تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ یونہی آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ سردار کا بازو اب بھی اس کے گرد لپٹا ہوا تھا، جیسے نیند میں بھی اسے چھوڑنے کا خیال نہ ہو۔ دعام نے آہستہ سے پلکیں کھولیں اور سانس روک کر اس کا ہاتھ دیکھا، جو اس کے دوپٹے کے کنارے پر تھا۔

ایک لمحے کے لیے وہ گھبرا گئی۔ دل تیز دھڑکا۔ اس نے نرمی سے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی، لیکن وہ ہاتھ اچانک ہی مضبوطی سے اس کی کمر کو تھامے ہوئے خود سے جوڑ گیا۔ جیسے نیند میں بھی وہ اسے خود سے الگ کرنے کو تیار نہ ہو۔

دعام نے گھبرا کر آنکھیں زور سے میچ لیں اور آہستہ سے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اب کوئی خوف نہیں تھا۔ نہ دل کانپ رہا تھا نہ وجود۔ وہ جانتی تھی یہ رشتہ اب جائز ہے، اور شاید اسی لیے پہلی بار کوئی بے چینی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

خاموشی سے لیٹے لیٹے، وہ صرف اس کی سانسوں کی روانی سنتی رہی...

دس، پندرہ، شاید بیس منٹ گزر چکے تھے... وہ یونہی بے حس و حرکت اس کے سینے سے لگی لیٹی رہی۔ اس کے بازو کے حصار میں خود کو عجیب سا محفوظ محسوس ہو رہا تھا،  
وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔

پھر، ایک ہلکی سی جنبش کے ساتھ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ سادہ معصومیت سے، دبے دبے تجسس کے ساتھ، اس نے سردار کا چہرہ دیکھا۔ آنکھیں بند تھیں... دل کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ اپنی کمر سے ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کیا۔!! اس کے بازو کی گرفت سخت ہو گئی تھی اس نے بے یقینی سے پلٹ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا  
لیکن... ٹھیک اُسی پل، جیسے صدیوں کا سکوت چکنا چور ہو گیا ہو سردار کی سبز آنکھیں کھل چکی تھیں۔

اور ان آنکھوں میں سرخی تھی۔ شدید، گہری، ڈرانے والی سرخی۔ ایک لمحے کے لیے دعام کے اندر کا خون جیسے جم گیا۔ سانس رُک سی گئی۔ وہ دہشت زدہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، اور پھر... اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے پلٹ کر دوبارہ اس کے سینے میں چھپ گئی۔  
دل، سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا تھا... اور بدن، جیسے اپنی جگہ سے ٹوٹ کر بکھرنے کو ہو۔

اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا... لیکن اتنا ضرور سمجھ آ گیا تھا کہ وہ نظروں کی شدت عام نہیں تھی۔ اس میں ایک جنگ تھی۔ سردار کے اندر کی وہ دہشت جو شاید وہ دعام کے لیے چھپا لیتا تھا، لیکن اس وقت دعام سے نہیں چھپ سکی۔

اور اب... وہ خود کو اس کے سینے میں چھپائے، محض کانپ سکتی تھی... کچھ اور نہیں۔

"بس اتنی سی ہمت تھی؟" میرا سوہنا مکھڑا!! وہ سرگوشی جیسی دھیمی آواز میں بولا، اس کے بالوں میں سانس لیتا، نرم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھرتی گئی۔

"... پھر سے وابہریشن پر لگ گیا، میرا ڈرپوک سائیں۔" وہ مسکرا رہا تھا... لیکن وہ اب بھی اس کے سینے سے نکلنے کو تیار نہ تھی۔

دل کی دھڑکن تیز تھی، سانسیں الجھ رہی تھیں، اور اس کا شرما کر خود میں سمٹنا کسی کم سن تتلی کی لرزش جیسا تھا۔

وہ اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس کی بانہوں کا حصار اور مضبوط ہوا، جیسے کہہ رہا ہو، اب آزادی ختم ہوئے اب بے قراریاں بے باک کرنے کا وقت ہے "وہ اس کے بالوں میں اپنا چہرہ چھپا گیا۔ اپنی بے قراری خود پر سوار ہوتے محسوس کرتے ہوئے وہ ایک جھٹکے میں اسے بستر

پر گرا کر اس پر سایہ فگن ہو گیا، جیسے ساری دنیا کی تپش کو اپنی ذات سے روکنے آیا ہو۔ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر نگاہ ڈالتا، خاموشی سے اپنی محبت کی مہر ثبت کرتا گیا۔ اس کے ماتھے پر، گالوں پر، پلکوں پر— ہر جگہ اپنی بے قراری، اپنی تڑپ، اپنی شدت بکھیرنے لگا تھا۔

وہ بن بادل برسات کی طرح اس پر برساتا تھا... اس کے نرم لبوں پر اپنے انگوٹھے کا لمس رکھ کر وہ جھک گیا۔ اس کے لبوں کی تمام نرمی اپنی چاہت سے چھیننے کو تیار تھا۔ لمحہ بھاری ہونے لگا تھا، سانس رکنے لگی تھی، دھڑکن جیسے خود کو روک کر اس کے لمس کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ کہ اچانک اس کی وہ معصوم، سہمی سہمی سی آواز ہوا میں لرز گئی

"ڈاکو جی۔۔۔"

ایک لمحے کو سردار کا دل جیسے تھم سا گیا۔

"ڈاکو صدقے اس آواز کے۔۔۔" وہ دھیرے سے بولا، جیسے یہ آواز اس کی روح کو چھو گئی ہو۔

"نما... زپڑھنی ہے..."

وہ آہستہ سے بولی، آواز میں اتنی معصومیت تھی کہ سردار کا دل جیسے پل بھر کو رک سا گیا۔

وہ خمار آلود نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا، پھر ایک دھیمی مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے بولا،

"واش روم وہاں ہے، جائے نماز الماری کے اوپر ہے... لیکن دس منٹ میں واپس آ جانا، سمجھ آئی؟"

وہ جلدی سے سر ہلا کر اس کے حصار سے نکلی، اور لمحے کے ہزارویں حصے میں جیسے بھاگتی ہوئی واش روم کی طرف لپکی۔

اس کے پازیب کی چھنکار کمرے میں ایسی گونجی کہ سردار کی دھڑکنوں میں جیسے ہلچل مچ گئی ہو۔ اس نے آنکھیں بند کیں، لب ہولے سے مسکرائے،

"بالا تو ٹھیک کہتا ہے، سردار سچ میں نکما ہو گیا ہے، سردار عاشق ہو گیا ہے وہ قہقہہ لگا پھر جیسے اپنی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

oooooooo

ساری رات ان کے دلوں میں بے چینی اور خوف کا سایہ چھایا رہا تھا۔ نہ نیند آئی، نہ سکون ملا۔ بار بار یہی سوال گھوم رہا تھا کہ جب لوگ گاؤں میں جانیں گے تو وہ کیا کہیں گے؟

کس کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ سب کے دلوں میں شک و شبہ کی آگ بھڑک اٹھے گی، ہر کوئی جانتا تھا کہ رات ڈاکو ان کے گھر پر آئے تھے اور ان سب کو اٹھا کر لے کر گئے تھے۔ اور ان کی عزت مٹی میں مل جائے گی۔

گاؤں والے وجہ جاننے کی کوشش کریں گے کیوں آئے تھے ڈاکو کس وجہ سے آئے تھے، کیا مطلب تھا ان لوگوں سے ان کے گھر میں تو ایسا کچھ تھا بھی نہیں کہ وہ ڈکیتی کرتے۔ اور پھر ان کے گھر کی بیٹی غائب تھی اس کا کیا جواب دیں گے کہ ایک ڈاکو ان کی گھر کی بیٹی اٹھا لے گیا۔

اور انسپیکٹر اکرم وہ بھی تو آنے والا تھا آج، ان کی مدد کرنے کے لیے لیکن یہاں تو الٹا ہی ہو گیا تھا۔ کیا کہیں گے اسے؟ کیسے بیان کریں گے اس رات کی ساری پریشانی؟

گاؤں کے لوگ تو بس باتوں باتوں میں یہ قصہ پھیلا دیں گے کہ ڈاکوؤں نے ان کے گھر پر دھاوا بول دیا، اور ان کی بیٹی کو غائب کر دیا،

یہ سوچ کر ان کے دل دھڑکنے لگے، خوف کے سائے نے ہر طرف اندھیرا بکھیر دیا تھا۔ چچا چاچی، تایا تائی، سب اپنے کمرے میں چپ چاپ بیٹھے تھے، لیکن آنکھوں میں بے پناہ فکر اور

گھبراہٹ کے آثار صاف تھے۔ ہر طرف خاموشی تھی، مگر دل کی گہری اضطراب کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، جیسے کوئی طوفان آنکھوں کے سامنے ابھر رہا ہو۔

اس ڈاکو نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ کاش وہ دعام کو پہلے ہی اس ڈاکو کے حوالے کر دیتے، ویسے بھی تو وہ ان کے لیے مصیبت ہی بنی ہوئی تھی۔ اس کے خلاف سازشیں کرنے کے بجائے وہ اس کے حق میں فیصلہ سنا دیتے تو یہ سب کچھ اتنے برے طریقے سے نہیں ہوتا لیکن اب کیا فائدہ تھا ان سب باتوں کا۔

○○○○○○○

دعام جیسے ہی واش روم میں داخل ہوئی، ایک لمحے کے لیے قدم وہیں جم گئے۔

یہ کسی عام جگہ کا باتھ روم نہیں تھا، یہ تو جیسے کسی شاہی محل کے اندر چھپا خفیہ خزانہ تھا۔ پہاڑ کے اندر تراشا گیا یہ واش روم، قدرت اور نفاست کا ایسا امتزاج تھا جو شاید اس سے پہلے اس نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔

سیاہ اور سرمئی پتھروں کی دیواریں، جنہیں تراش کر ترتیب دی گئی تھی، ان میں کہیں کہیں قدرتی دراڑوں سے جھانکتی ہلکی سنہری روشنی۔ چھت سے لٹکتے چھوٹے چھوٹے کر سٹل لیمپس جو روشنی کو اتنے دلکش انداز میں بکھیرتے تھے کہ پورا ماحول کسی رومانوی خواب جیسا لگنے لگتا۔

فرش پر چمکتا ہلکا گرے ماربل، جس کے بیچ میں سونے کی باریک لکیریں چمک رہی تھیں۔ دیوار میں قدرتی چشمے سے گرتا پانی، جو ایک چھوٹے مگر خوبصورت واٹر فال کی شکل میں سنگ مرمر کے سنک میں آگرتا۔

شاویر ایریا، ایک شفاف شیشے کے کین میں بند تھا، جس کے چاروں طرف قدرتی پتھروں سے بنے چھوٹے چھوٹے فوارے تھے، جو نہ صرف صفائی بلکہ خوشبودار بھاپ خارج کر رہے تھے۔

ایک طرف آرام دہ سفید مخملی کرسی، جس کے سامنے سنگ مرمر کی میز پر اعلیٰ برانڈز کی خوشبوئیں، باڈی لوشنز، اور تولیے قرینے سے رکھے تھے۔

دیوار پر نصب ایک لمبا آئینہ، جو کانچ سے زیادہ کسی جھیل کی سطح لگ رہا تھا، اور اس کے گرد روشنی کے باریک ہالے بنے ہوئے تھے۔

یہ واش روم کسی پہاڑی کے اندر تھا یہ سوچنا بھی مشکل تھا۔



یہ واش روم، کمرے سے کہیں زیادہ حسین، جدید اور پرسکون تھا۔ جیسے پہاڑ نے اپنے اندر کوئی خواب سنبھال رکھا ہو صرف اس کے لیے۔

اس کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، ہر کونا چمکتا، ہر چیز ترتیب سے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ وہ اندر آئی تو بے ساختہ قدم آہستہ ہو گئے، دل میں ایک انجانی سی گھبراہٹ کہ کہیں کچھ گندہ نہ کر دے، کچھ بکھر نہ جائے۔ جلدی جلدی فریش ہو کر اس نے وضو کیا تھا اور جب باہر نکلی تو اس کی نگاہ سیدھی سردار پر پڑی۔ جو سکون سے اپنے بیڈ پر نیم دراز تھا، آنکھیں پوری طرح اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

جیسے ہی اس کے ننگے پیر زمین سے ٹکرائے، ایک نرم سا احساس دل کو چھو گیا۔ نیچے بچھا کارپٹ نہیں، جیسے محمل تھا کالین اتنا اونچا اور گداز کہ اس پر قدم رکھتے ہوئے لگتا جیسے کسی نرم بادل پر پاؤں رکھ دیا ہو۔

سردار کی شرارتی نگاہیں اس کی طرف تھیں، جیسے وہ اس کے ہر قدم کا مشاہدہ کر رہا ہو، لیکن وہ جان بوجھ کر اس سے نگاہیں چرا گئی۔ اس نے اس کی بتائی ہوئی جگہ سے ایک خوبصورت، ریشمی

کناروں والی جائے نماز اٹھائی، اس کے رنگ بھی ایسے تھے جیسے کسی شاہی دربار سے لائے گئے ہوں۔

وہ آہستہ سے وہی زمین پر بچھا گئی، دل میں اک عجیب سی شکر گزاری، عجیب سا سکون تھا۔ اس لمحے وہ صرف اپنے رب سے مخاطب ہونے جا رہی تھی اور اس لمحے وہ صرف اس کی تھی۔

oooooooo

دعائے عام تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پہاڑوں پر رہنے والے لوگ اس قدر شاہانہ طرز زندگی گزار سکتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ یہی سمجھتی آئی تھی کہ ایسے علاقوں میں تو پانی جیسی بنیادی سہولت بھی میسر نہیں ہوتی ہوگی، لیکن یہاں تو ہر چیز ہی الگ اور حیران کن تھی۔ یہ کوئی عام پہاڑی جگہ نہیں تھی، یہ تو جیسے پتھروں کے بیچ چھپا کوئی خواب تھا، کوئی راز، جسے صرف وہی دیکھ سکتی تھی جو اس کا مقدر بن چکی ہو۔

اسی تو اب تک یہی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس پہاڑ کے اندر بجلی کیسے آئی ہوئی ہے۔

کیونکہ اس کی سوچ اور عقل یہاں تک نہیں جاتی تھی کہ پہاڑ کے اندر بجلی لانے کے لیے سرنگ کے راستے زیر زمین کیبل بچھائی گئی ہیں، جو قریبی گاؤں کے مین پاور اسٹیشن سے جوڑی گئی ہیں۔

وہاں سولر پینلز اور بیٹری بیک اپ سسٹم بھی نصب کیے گئے ہیں تاکہ بجلی کا تسلسل قائم رہے۔  
یہی وجہ ہے کہ اے سی، لائٹس اور دیگر آلات آسانی سے چلتی تھی۔

وہ جائے نماز پر سجدہ ریز تھی، سر جھکا ہوا، دل جھکا ہوا، اور وجود پر ایک سکون چھایا ہوا تھا۔ وہ اپنی  
دنیا میں گم تھی۔ عبادت کی پاکیزہ فضا میں۔

اور وہ... سردار، جس کے لیے یہ دنیا کی ہر قیمتی شے معمولی تھی، اس لمحے خاموشی سے، بے حد  
گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی پلکوں کی لرزش، سجدے کی نرمی، دوپٹے کا جھکاؤ  
ہر منظر اس کے دل پر نقش ہو رہا تھا۔

اسے لگا جیسے دنیا کی ساری محبتیں اسی ایک منظر میں قید ہو گئی ہوں... جیسے رب نے اپنی سب  
سے خوبصورت تخلیق اس کی زندگی کا حصہ بنادی ہو۔

"اتنی لمبی دعائیں کیوں کر رہی ہو؟"

وہ دور سے سر دلچے میں بولا، مگر الفاظ میں محبت کی ایک چمک چھپی ہوئی تھی۔

"کہیں اپنی دعاؤں میں اپنے گھر والوں کی خیریت تو نہیں مانگ رہی ہو، سجن سائیں؟"

لبوں پر شرارت تھی، آنکھوں میں ایک مان سا، اور آواز میں وہ نرمی جو صرف محبت کرنے والے ہی رکھتے ہیں۔

دعام نے دعا کے لیے اٹھے ہاتھ دھیرے سے چہرے پر پھیر دیے۔ پلکیں لرزیں، دل کی دھڑکن ذرا سی بڑھی، اور چہرے پر ایک ایسی معصوم حیرت اتر آئی جیسے کسی نے اس کے دل کی بات سن لی ہو۔ اس نے نظریں اٹھا کر اسے نہیں دیکھا، بس لب آہستہ سے ہلے،

"یہ ظلم مت کرو سردار نی... اب تمہاری دعاؤں پر بھی صرف سردار حق ہے؟"

اس کا دل ہول سا گیا، کتنا مطلبی انسان تھا اس کی دعاؤں پر اپنا حق کہہ رہا تھا

"میری دعائیں... میری ہیں ڈاکو جی، آپ کا بھی اللہ ہے... آپ خود اپنی دعائیں مانگ لیں، میری دعاؤں پہ تو صرف میرا حق ہے..."

اس کا لہجہ لرز رہا تھا، جیسے الفاظ دل سے تو نکلے ہوں مگر زبان سے گزرنے میں جھجک رہے ہوں۔ آواز بہت ہلکی تھی، مگر اس کی منمنناہٹ سردار کے دل تک اتر گئی۔

وہ وہیں ٹیک لگائے، آدھا بازو آنکھوں پر رکھے پڑا تھا، لیکن اس کے لبوں پر بے اختیار ایک ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

ایک لمحے کو اس نے نگاہ اٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہی نازک سا وجود، جو تھوڑی دیر پہلے اس کی پناہوں میں تھا، اب دور کھڑا ہو چڑیا جیسی بہادری دکھا رہا تھا

"تمہاری دعاؤں پر کیا... تم پر بھی صرف میرا حق ہے، میرا سوہنا سائیں..."

سردار کا لہجہ اب نرمی سے ضد میں ڈھل چکا تھا۔ آنکھوں میں وہ جنون، وہی جذبہ... جو کسی شے کو بانٹنے کا روادار نہیں ہوتا۔

"میں تمہیں کسی اور پر لفظ ضائع کرنے دوں گا؟ یا کسی اور کے لیے دعائیں مانگنے کا اختیار دوں گا؟ یہ سوچنا بھی مت۔"

"جب تم ہاتھ اٹھاؤ... تو تمہارے لبوں پر صرف میرا نام ہو۔ صرف میری خیر کی فکر ہو... کیونکہ تم اب میری ہو میرا نین سائیں مکمل میری..."

اس کے الفاظ میں عجیب سی گرفت تھی، محبت کی نہیں... ملکیت کی، جو نہ تو دلیل مانگتی ہے، نہ اجازت۔

دعام آنکھوں میں حیرت، دل میں ایک انجان سی کپکپی... اور سردار بس اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ جیسے کسی معصوم چیز پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے تسلی سے آنکھیں بند کر لے۔

انسپیکٹر اکرم کی پوری تیاری مکمل تھی۔ آج اس کے لیے ایک خوشی کا دن تھا، جس کی شروعات بھی بڑی امید بھری اور پر جوش تھی۔ پچھلی رات پہاڑوں کی طرف ایک خوفناک دھماکہ ہوا تھا، جو نہایت سنگین تھا۔ دھماکہ کس نے کیا، اس کا پتہ نہ چل سکا، لیکن اس کے ذہن میں یہ بات گونج رہی تھی کہ اس حرکت کے پیچھے کوئی اور نہیں، بلکہ وہی ڈاکوؤں کا قبیلہ ہے۔ ان قبیلے میں اگر کوئی ایسی حرکت کر سکتا تھا تو وہی ڈاکو ہوتے۔

انسپیکٹر اکرم کے دل میں یقین جاگ رہا تھا کہ وہ جلد ہی اس قبیلے کے خطرناک ڈاکو تک پہنچ جائے گا۔ اور جب یہ ڈاکو اس کے ہاتھ لگ جائے گا، تو اس کے لیے یہ ایک موقع ہو گا کہ وہ نہ صرف اسے سزا دے گا۔ بلکہ باقی ڈاکوؤں کو بھی عبرتناک مثال بنا دے۔ اس نے ذہن میں بہت سی منصوبہ بندیاں کر رکھی تھیں کہ اس کا انتقام کیسے لیا جائے گا۔

خاص طور پر اس ڈاکو دارہ کا ذکر اس کے ذہن میں تھا، جو شیرازی کے ساتھ تھا۔ شیرازی وہ ڈرپوک تھا جو ڈاکوؤں کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا تھا، لیکن اسی قبیلے کا ڈاکو دارہ اس

کے ساتھ تھا۔ وہی ڈاکو دارہ، جو سردار بننے کے لیے بے تاب تھا اور اپنے سردار کو پولیس کے حوالے کرنے کے بعد خود اس کا مقام سنبھالنا چاہتا تھا۔

انسپیکٹر اکرم جانتا تھا کہ جب وہ ڈاکو سردار اس کے ہاتھ لگ جائے گا، تو باقی ڈاکوؤں کو چن چن کر سزا دی جائے گی کیونکہ وہ سب اس کے لیے کیڑے مکوڑے تھے۔ فی الحال اس کا پورا فوکس اس ڈاکو سردار پر تھا، جو اس کی سب سے بڑا نشانہ تھا اور جس کے خلاف وہ اپنی تمام توانائیاں صرف کرنا چاہتا تھا۔

انسپیکٹر اکرم نے ناشتہ کر کے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھامی اور پرسکون انداز میں گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ دارا کا فون رات سے بند تھا، شاید قبیلے میں کچھ ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ صبح سے اس کا کوئی فون نہیں آیا تھا لیکن رات کو اس نے کافی دفعہ کوشش کی تھی اسے کال کرنے کی لیکن اس نے فون نہ اٹھایا لیکن یہاں آج بہت کچھ ہونے والا تھا۔

ڈاکو نے 10 بجے نکاح پڑھانے کا وقت دیا تھا، اور وہ دس بجے آنے والا تھا۔ لیکن انسپیکٹر اکرم تو اذانوں کے فوراً بعد ہی گاؤں کے لیے نکل رہا تھا

گزشتہ رات اس نے اپنے سینٹر پولیس افسر کو فون کر کے یقین دلایا تھا کہ کل تک وہ ڈاکو حراست میں ہوگا۔ پروموشن، انعامی رقم اور تمنغے کا بھی بندوبست کروادیا تھا۔

وہ ضرورت سے زیادہ ہی جلد بازی کر رہا تھا ایسا اس کے سینٹر افسران کا کہنا تھا

"ہوش کے ناخن رکھو، اکرم۔ تم کسی عام شخص کی بات نہیں کر رہے، بلکہ ایک ڈاکو سردار کی

بات کر رہے ہو جو اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گا۔" سینٹر افسر نے اسے خبردار کیا تھا

"میں ڈاکو کو کل حراست میں لے لوں گا، بس میرے پروموشن اور ٹرانسفر کا بندوبست کریں۔

میں یہاں مزید نہیں رہنا چاہتا، اپنی رقم لے کر کسی اور علاقے میں شفٹ ہونا چاہتا ہوں۔" اس

کے لہجے میں حکم زیادہ تھا آخر کچھ ہی دنوں میں ان کا عہدہ برابر ہونے والا تھا۔

وہ ایک بڑا اور اہم کام انجام دینے جا رہا تھا۔ ڈاکو سردار کو گرفتار کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ اس

کے سینٹر افسر نے بھی وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو سب کچھ اس کی مرضی کے

مطابق ہوگا۔

اسی یقین اور عزم کے ساتھ وہ اب پرسکون دل لے کر گاؤں کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ یہ جانے

بغیر کہ آگے جو کچھ ہونے والا ہے وہ اس کی سوچ تو دور وہم و گمان میں بھی نہیں ہے



"اب وہاں کیوں کھڑی ہو؟ پڑھ لی نماز؟" اب آجاو۔ تم سے دو دو ہاتھ کرنے ہیں تمہیں باہوں میں لے کر مجھے تھوڑی دیر اور سونا ہے

سردار کی گمبھیر آواز پر دعام نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ آرام سے ٹیک لگائے لیٹا تھا، نگاہیں پوری شدت سے اسی پر مرکوز تھیں۔ اور لہجے کی بے باکی دعام قدم بمشکل اٹھے تھے، اور جیسے ہی زمین پر پڑے، پازیب کی چھن چھن نے پھر سے خاموشی کو چیر ڈالا۔ وہ حیران تھی۔ یہ پازیب اس کے پیروں میں کب پہنائی گئی؟ شاید سردار نے ہی پہنائی ہو، مگر اس کی آواز میں کچھ خاص تھا۔ نرم، مدھم، مگر دل کے تاروں کو چھیڑ دینے والی۔

"مجھے۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔ تلاوت کرنی۔۔۔ ہے۔۔۔" وہ بہانہ بنا رہی تھی، جیسے اس کی قربت سے بچنے کا کوئی راستہ تلاش رہی ہو۔

"قرآن پاک تو مانگو انا پڑے گا، نیچے ہے۔" وہ بہانہ بنا رہی تھی۔ سردار نے جیسے سب جان لیا ہو، وہ مسکرایا۔

، دعام کی زبان بے اختیار پھسلی، کیوں۔۔۔ نیچے کیوں ہے۔۔۔ آپ عبادت نہیں کرتے؟ "وہ  
نجانے کیسے بول پڑی تھی اس طرح کی بات تو کبھی اس کے لبوں سے ادا نہ ہوئی، شاید سردار کی  
نرمی اس کے اندر کی باتیں نکال رہی تھی۔

سردار نے ایک گہری سانس لی، جیسے لمحہ بھر کو کچھ یاد آیا ہو۔

"کبھی کبھی کر لیتے ہیں۔ خیر، میرا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ تمہارا قرآن کل آجائے گا، نیچے میدان  
کے قریب ہماری جمعہ اور عید کی نماز ہوتی ہے، وہیں قرآن پاک بھی رکھا ہے۔ منگوا دوں گا  
تمہارے لیے، فکر... مت کرو۔"

خیر "میرا دیا ہوا وقت ختم ہوا اب آؤ۔۔۔ میرے قریب، میرا ڈرپوک سائیں۔۔۔" سردار نے  
شرارتی لہجے میں پکارا، اس کی آواز میں بلا کی کشش تھی۔

"وہ۔۔۔ مجھے۔۔۔" دعام نے مدھم سی ہچکچاتی آواز میں کچھ کہنا چاہا۔

"بہانے ختم ہو گئے، سوہنا مکھڑا۔۔۔ اب آ جاؤ۔۔۔"

سردار نے اس کے جملے کو اپنی مرضی سے کاٹ کر مکمل کر دیا، اس کی آنکھوں میں شوخی لہرا رہی  
تھی۔

"نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔" وہ ایک بار پھر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں تھی۔

"اچھا، کوئی اور بہانہ ہے ابھی میرے بہانے باز سائیں کے پاس۔۔۔" سردار کے چہرے پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، جیسے وہ اس کی جھجک سے لطف لے رہا ہو۔

ہاں۔۔۔ وہ، وہ بے ساختہ ہاں میں سر ہلا گئی۔ دعام کی سچائی سے بھری ہاں سن کر، وہ ایک زوردار، بے باک قہقہہ لگا کر ہنسا، اس کا قہقہہ کمرے کی خاموش دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگا۔

"اچھا تو میرا بیٹھا سائیں بناؤ بہانہ۔۔۔" وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بازو سینے پر باندھ کر بیٹھ گیا، جیسے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

وہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ۔۔۔ "یہ پازیب۔۔۔" وہ آخر کار نظریں نیچی کرتے ہوئے بولی۔

"اچھی نہیں لگی!، میرے سجن سائیں کی منہ دکھائی ہے" سردار نے فوراً سوال کیا۔

"اچھی ہے، ہاں بہت اچھی ہے۔۔۔ اس کی آواز الگ سی ہے۔۔۔ اور یہ کھلتی بھی

نہیں۔۔۔" میں نے وضو کرتے ہوئے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے لہجے میں حیرت اور تجسس دونوں تھے۔

"هاں، كيونكه يه ميں نے پہنائى ہے۔۔۔" ميں نے تمهيں اپنے عشق كا قيدي بنايا ہے اب جهاں جاؤ  
كى ميرى محبت كى گونج ساآه جائے كى۔ سردار كا لهجہ ايك دم سنجيده هوا، جيسے كوئى خاص ياد چھو كى  
هو۔

"يه ميرى امى كى ہے۔۔۔ اس كى آواز الگ ہے، كيونكه يه بابا نے بنوائى آهى۔۔۔ تاكه امى كے هر  
قدم كى چھن چھن سن كر دور سے پہچان لیں۔۔۔"

لمحہ بھر كو دعام خاموش هو كى۔ وه پازيب كو ديكر رهى آهى، جيسے اس كے اندر كوئى كهانى بس كى  
هو۔

وه پازيب اب صرف ايك زيور نهیں رهى آهى، وه ايك محبت، ايك پہچان اور ايك وارثت بن كى  
آهى۔ جواب اس كے قدموں سے بندھى هوئى آهى۔

سردار كى باتوں سے اس كى محبت كا اندازہ لگانا مشكل نهیں آھا۔ هر لفظ ميں چھپى هوئى سختى كے  
باوجود، اس كى نگاهوں ميں ايك نرمى اور پيار چھپا آھا۔

شايد اس كے ليے تو اس كے لب و لهجے ميں بهى سختى نهیں آهى دنيا جهاں كى مٹھاس سمٹ آتى  
آهى۔ اس كے لفظوں ميں جب وه اسے ديكتا آھا يا اس سے بات كر تا آھا۔

وہ پل جب اس نے اپنے قدموں میں اس کی ماں کی پازیب دیکھی، تو اس کی دنیا جیسے تھم گئی۔ وہ پازیب کوئی عام زیور نہیں تھا، بلکہ اس کی ماں کی دعاؤں کا لمس تھا، جو برسوں سے اُس کے ساتھ تھا، اب اس کے قدموں میں سجا تھا۔ دعاء نے ایک لمحے کے لیے خود کو خاص سمجھا، جیسے وہ کوئی شہزادی ہو اور اس کے سامنے کوئی شہزادہ، لیکن وہ شہزادہ نہیں تھا۔ وہ ایک درندہ تھا، ایک وحشی، ایک ڈاکو، جس کے لیے قتل کرنا بس ایک معمولی بات تھی۔

اور یہ وہ پہچان تھی جو بدل نہیں سکتی تھی یہ وہ حقیقت تھی جس کے ساتھ اس نے ساری زندگی رہنا تھا۔

"کوئی اور بہانہ بناؤ نا، میرا مٹھڑا سائیں۔۔۔" اس کے لہجے میں ایک شوخ اور چالاک پن پھر سے چھلکنے لگا تھا، جیسے وہ ایک ہی رات میں اس کی سوچ کو پڑھ چکا ہو۔

"بھ۔۔۔وک۔۔۔" وہ فوراً بولی، مگر جیسے ہی اس کی نگاہیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں، لفظ بے ساختہ رک گیا۔

"اف۔۔۔" سردار نے گہری سانس لی۔

"ظالم سجن، تم صرف دکھنے میں معصوم ہو۔"

وہ بیڈ چھوڑ کر اٹھا، دروازے کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

اس کے بھوک لفظ نے اسے بے چین سا کر ڈالا تھا شاید وہ کل سے بھوک پیاسی تھی۔ اس سوچ کے ساتھ وہ تیزی سے اٹھا تھا۔

دعام کو ایک عجیب سا سکون ملا، وہ تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے بناواز کے چھوٹے چھوٹے معصوم قدم اٹھاتی چلتی ہوئی غار کے آخر تک پہنچ گئی۔

سردار نیچے کی طرف اتر رہا تھا، ہاتھ میں قمیض تھامی ہوئی تھی جو جاتے ہوئے پہن رہا تھا۔ دعام نے گہرا سانس لیا، اور زمین پر بیٹھ گئی جیسے سانسیں خود بخود روانی سے چلنے لگیں۔

اس نے اپنے بازو کو نرم و ملائم کالین پر پھیرتے ہوئے محسوس کیا، کبھی زندگی میں اس قدر نرم بستر نصیب نہیں ہوا جتنا یہ کالین تھا جس پر اس کے پاؤں تھے۔

کیا یہ تھا اس کا نصیب، اتنا شاہانہ۔۔۔!!

لیکن کیا یہ اسے چاہیے تھا،

نہیں، یہ اس کی چاہ نہیں تھی۔ دل کے اندر سے آواز آئی تھی

کاش یہ سب کچھ اس کے نصیب میں نہ ہوتا، بس ایک عام سی زندگی، ایک معمولی انسان ہوتا، تو کتنی آسانی سے سب کچھ ہو جاتا۔

مگر تقدیر نے اسے اس قاتل، اس ڈاکو کے ساتھ باندھ دیا تھا، جسے چاہ کر بھی وہ قبول نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن یہ مجبوری کی انتہا تھی کہ وہ اس معاملے میں بے بس تھی، اس کی سرخ آنکھوں کے سامنے دوسری سانس لینے کی ہمت نہ تھی۔

وہ اس سے علیحدگی کی بات کیسے کر سکتی تھی؟

یہی اس کا نصیب تھا، اور یہی کچھ اسے ماننا تھا، چاہے دل چاہے یا نہ چاہے۔ اسے یہی سب کچھ قبول کرنا تھا۔

○○○○○○○

گاؤں میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ رات کو ہونے والے دھماکے نے پورے گاؤں کو سہا کر رکھ دیا تھا۔ سنا تھا کہ ڈاکوؤں کے قبیلے کی طرف سے دھماکہ کیا گیا تھا، اور اسے فوراً حالِ میدان

کی جانب بھیجا گیا تھا۔ دھماکہ واقعی بہت خطرناک تھا، لیکن انسپیکٹر اکرم اس پر زیادہ توجہ نہیں دے رہا تھا۔

ابھی بہت صبح تھی اور یقیناً ڈاکو کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے ہلکی سی دستک دے کر وہ گھر کے اندر داخل ہوا۔ سامنے چارپائی پر تایا ابو بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں نے آپ سب سے کہا تھا کہ پریشان مت ہو جائیے گا، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" انسپیکٹر اکرم نے دل تھام کر کہا،

"پریشانی؟ صاحب جی، طوفان تو کل ہی آگیا تھا۔ کل رات ڈاکو آئے تھے، راتوں رات مجھے اور پورے خاندان کو اٹھا کر قبیلے میں لے گئے۔ وہاں زبردستی میری بھتیجی سے نکاح پڑھایا گیا اور پھر ہمیں یہاں گاؤں چھوڑ گئے۔ پورا گاؤں تماشہ دیکھ رہا تھا، اور تمہیں خبر تک نہیں ہوئی؟"

تایا ابو نے پریشان چہرہ اٹھاتے ہوئے اسے تفصیل سے جواب دیا،

انسپیکٹر اکرم کا دل دھڑک رہا تھا، وہ حیرت اور صدمے میں مبتلا ہو گیا۔ جیسے اس کے خوابوں کی عمارت لمحوں میں چکنا چور ہو گئی ہو۔ کل سے وہ اپنی زندگی بدلنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور اب سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا تھا۔



دارہ نے اسے کیوں نہیں بتایا؟

رات کے دھماکے کے بعد اسے دارہ کی کال آرہی تھی، لیکن دارہ صرف سردار بننے کی باتیں کرتا تھا، جس سے اکرم کافی بور ہو چکا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر کال نہیں اٹھائی، شاید دارہ اسے سردار کی شادی کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔

لیکن بعد میں بھی دارہ کی کوئی کال نہیں آئی کہ وہ پکڑا جا چکا ہے۔

انسپیکٹر اکرم سر پکڑ کر بیٹھ گیا، لمحے بھر میں سب کچھ ختم ہو چکا تھا، سب کچھ برباد ہو گیا تھا، اور وہ ہاتھوں پر ہاتھ رکھے خاموشی سے بیٹھا رہا۔

○○○○○○

وہ کھانے کی تھالی لیے آہستہ قدموں سے کمرے میں داخل ہوا۔ نگاہ اس پر پڑی تو اسے زمین پر لیٹا دیکھ کر قدم رُک گئے۔ پیشانی پر بے اختیار بل آئے۔ وہ پریشانی سے تیزی سے اس کے قریب آیا اور کھانا ٹیبل پر رکھ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

ابھی وہ اس کی حالت کا اندازہ لگا ہی رہا تھا کہ اگلے لمحے وہ اچانک چونکی۔ جیسے کسی کی نگاہوں کی تپش نے نیند کی زنجیروں کو توڑ ڈالا ہو۔

اس نے تیزی سے آنکھیں کھولیں، اور جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن جیسے ہی اٹھنا چاہا، اس کا وجود سیدھا سردار کے چوڑے سینے سے جا ٹکرایا۔

ایک پل کے لیے فضا جیسے ساکت ہو گئی۔

"وہ... میں....." وہ گھبرا کر بمشکل بولی،

الفاظ اس کے لبوں سے نہیں، اس کی گھبراہٹ سے جھلک رہے تھے۔ سردار خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا، جیسے اُس کے ہر لفظ، ہر حرکت کو دل میں محفوظ کر رہا ہو۔

"زمین پر کیوں سو رہی تھی نین سائیں؟"

وہ حیرانی سے پوچھنے لگا، نظریں اس پر مرکوز کیے۔

"وہ... پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی۔"

وہ ہلکا سا جھجکی، اور اس سے فاصلہ بناتے ہوئے نظریں جھکا کر بولی۔

"اچھا، کوئی بات نہیں۔"، "لیکن اگلی بار زمین پر نہ سونا، یہاں سب کچھ تمہارا ہے، تمہاری ملکیت ہے۔ جو چاہے کرو، جیسے چاہو رہو۔"

وہ کہتے ہوئے آہستہ سے جھکا، اسے اپنی باہوں میں سمیٹا اور آرام سے بیڈ پر لے آیا۔

"سامنے الماری میں تمہارے کپڑے رکھے ہیں، تمہاری پسند کا اندازہ نہیں تھا، اس لیے اپنی پسند سے لایا ہوں۔ جو اچھا لگے، پہن لینا۔"

وہ پھر کھانے کی طرف بڑھا، تھالی اٹھائی اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔

دعام نے کچھ نہ کہا۔ بس خاموشی سے بیٹھی رہی، جب کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانے لگا۔

ہر نوالہ وہ خاموشی سے کھاتی جا رہی تھی، نہ کوئی شکایت، نہ انکار۔ شاید اسے معلوم تھا... اگر انکار کیا، تو وہ انکھیں، جو اسے محبت سے دیکھ رہی تھیں، کسی وحشت میں ڈھل جائیں گی... اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔

"کھانا کھاؤ، پھر تمہارا یہ بہانہ بھی ختم ہو جائے گا!" میرے بہانے باز سائیں!" وہ شرارتی لہجے میں بولا،

دعام نے جھجک کر نظریں جھکا لیں۔

"اس کے بعد ہم کچھ محبت بھری باتیں کریں گے..." وہ شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے بولا، تو ایک لمحے کو وہ گڑبڑا گئی، نظریں خود بخود دائیں بائیں بھاگنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" وہ مزید قریب آگیا، "پھر سے وابہ ریٹ ہونے کا ارادہ ہے کیا؟"

دعالم نے لب کاٹے، چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"نہ نہ... میرا وابہ ریٹ سجن!" وہ ہنسا،

"اب کوئی بہانہ تمہیں مجھ سے بچا نہیں سکتا، اس لیے اپنے بہانوں کو یہیں بریک لگا دو۔"

اس کی آنکھوں میں شرارت اور آواز میں چاہت رچی ہوئی تھی۔

"زیادہ صبر نہیں بچا اب تمہارے دلدار سائیں میں!"

وہ آہستہ سے اس کے بالوں کو چھونے لگا، دعالم نے دھڑکتے دل کے ساتھ نظریں اٹھائیں۔

نین۔۔۔ نیند آرہی ہے۔۔۔ ہے۔۔۔" آخری نوالہ ابھی منہ کی طرف جا ہی رہا تھا جب اس نے ایک

اور بہانہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔

اف میرا معصوم سائیں۔۔۔! مان لیا تمہارا یہ بہانا بھی لیکن کب تک۔۔۔! تمہاری آخری منزل  
سردار دلدار ہے، اور میری پناہیں تمہارا گھر، آنا تو تمہیں یہی ہے۔

سو۔۔۔ جا۔۔۔ وں۔۔۔ "اس نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

میں پانچ منٹ کا وقت دیتا ہوں اگر ان پانچ منٹ میں تم اپنی نیند والے بہانے کو سچ ثابت کرنے  
میں کامیاب ہو گئی تو تو تمہاری جان چھوٹ جائے گی ورنہ۔۔۔۔۔"

وہ ابھی اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا کہ اگلے ہی لمحے وہ سر تک کمبل لیتی سونے کے لیے لیٹ گئی  
تھی اور واقعی پانچ منٹ کے اندر وہ سو بھی گئی تھی جیسے سونے کا مقابلہ چل رہا ہو۔

وہ اس کی حالت سے خوب لطف لے رہا تھا اس کی آنکھوں میں شرم و حیا اور قربت کے خوف نے  
اسے اس کی ہر ادا پر سرخم کرنے پر مجبور کر دیا تھا،

میرا سو تو سائیں، وہ شدت سے اسے خود سے لپٹا اس کے رخسار پر اپنے لبوں کی گستاخیاں  
بکھیرنے لگا۔

○○○○○○○

اکرم کی آنکھیں سرخ تھیں، چہرے پر غصے کی وہی سرد لکیریں نمایاں تھیں جو تب سے تھیں جب اس کا خواب ٹوٹا تھا۔ وہ پولیس کا جوان تھا، لیکن آج وہ ایک شکست خوردہ انسان لگ رہا تھا۔

"میں نے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا تھا۔ اس لڑکی کے گھر والوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ اس ڈاکو سے کبھی نہیں جڑے گی۔" اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"مگر وہ چالاک ڈاکو... پورا خاندان اٹھا کر لے گیا، اس لڑکی سے زبردستی نکاح کر لیا... اور میں بس بے خبر سوتا رہا۔"

اکرم کی مٹھی سکڑ گئی، وہ دیوار سے ٹکرا کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔

یہیں ڈکیت یہیں "ڈاکو کبھی پولیس سے ڈرتے تھے، اب ہم پولیس والے اُن سے ڈرتے ہیں۔" آج ہم پولیس والے ان کے خوف سے کانپتے ہیں

اس کا غصہ دھواں دھواں اٹھ رہا تھا، آنکھوں میں نفرت کی آگ جل رہی تھی۔

"یہ صرف شکست نہیں، یہ ایک ذلت ہے۔ جو میں نے پورے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے اٹھائی ہے

لیکن میں رکوں گا نہیں۔ میں بدلہ لوں گا، چاہے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

اکرم نے گہری سانس لی۔ یہ لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ تو بس شروعات ہے۔ "ہاں یہ شروعات ہے سردار یلغار، تم نے میرے خواب توڑے ہیں میں تمہیں توڑ دوں گا توڑ کر ریزہ ریزہ کر دوں گا

"اور اس بار میں ایسا جواب دوں گا، کہ وہ کبھی بھول نہ پائے۔" وہ کمرے سے نکلتے ہوئے خود سے بولا،

oooooooo

سردار آہستہ آہستہ پتھر یلے پہاڑوں سے نیچے اتر رہا تھا، قدموں میں تھکن نہیں تھی، چہرہ بے حد پر سکون تھا، جیسے رات کی ساری الجھنیں وہ پہاڑوں پر چھوڑ آیا ہو۔ ہو میں اس کی چال کا رعب گھلا ہوا تھا،

مگر آج وہ رعب بھی نرمی میں لپٹا تھا۔ بالانے دور سے اسے آتے دیکھا۔ تو جمرہ کو کہنی ماری، "دیکھ، آج ہمارے سردار کے چہرے پر غصہ نہیں۔" بلکہ آج تو سردار کا چہرہ چمک رہا ہے جمرہ نے نظریں جما کر دیکھا، پھر زیر لب مسکرایا،

"ہاں، بھابھی کا اثر لگتا ہے۔" دونوں کے چہروں پر ایسی ہنسی تھی۔

جو صرف سردار کو سکون میں دیکھ کر آتی تھی۔ سردار نے قریب آتے ہوئے دونوں کی نظریں محسوس کیں،

لیکن کچھ نہ کہا، بس ایک گہری سانس لیتے ہوئے دائیں جانب جھاڑیوں کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا "سردار، میں نے تمہارے اور بھابھی کے لیے اسپیشل ناشتہ منگوایا ہے!" بالانے سردار کو دیکھ کر جوش سے کہا،

آج بھابھی کی پہلی صبح ہے نایہاں، تو خاص انتظام کروایا ہے میں نے۔"

"میں نے بھی کروایا ہے، میں بھی تمہارے ساتھ گیا تھا!" جمر و فوراً بولا،

"یہ ہر بار کریڈٹ خود لے جاتا ہے، صبح میری نیند خراب ہوئی تھی۔" بالانے آنکھیں گھمائیں،

"ہاں ہاں، یہ بھی میرے ساتھ ہی گیا تھا۔"

سردار نے ہونٹ بھینچے، چہرے پر معمول کی سنجیدگی تھی۔

"تو تم دونوں اپنی بھابھی کے لیے اسپیشل ناشتہ لینے گئے تھے؟"

ہاں سردار۔۔۔ "بالانے گردن ہلائی،"



"افسوس... "سردار نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا

"کیا ہوا؟" سردار، افسوس کس بات کا؟ جمر و پریشانی سے پوچھنے لگا۔

"وہ تو ناشتہ کر چکی ہے" اس بات کا افسوس میں صبح ہی اسے ناشتہ کروا چکا ہوں

"کیا؟" بالانے ہلکی حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں میرو نے نہیں بتایا؟" سردار نے براؤچی کا نام لیتے ہوئے کہا۔ لہجے میں ہلکی سی شرارت کی آمیزش تھی۔

جمر کو یقین نہ آیا، "سچ میں؟" تم نے بھابھی کو وہ معمولی سا ناشتہ کروایا آج ان کی شادی کی پہلی صبح تھی انہیں اچھا سا ناشتہ کروانا تھا۔

ایسے کیسے بھابھی نے ناشتہ کر لیا؟ ہم دوسرے گاؤں سے جا کر ناشتہ لے کر آئے تھے۔ بالانے کی آواز میں مایوسی تھی۔

"ہاں، تو میں ناشتہ کروں گا۔ تم فکر نہ کرو، بس ناشتہ لگا دو۔" سردار بچھائی ہوئی چارپائی پر بیٹھا اور بولا،

لیکن ہم بھابھی کے لیے کر آئے تھے نا!

جمرو کی آواز میں ہلکا غصہ تھا، اور معصومیت بھی تھی۔

سردار کے بیٹھتے ہی وہ اس کے قریب آگیا۔ اور

زور زور سے اس کی ٹانگیں دباتے ہوئے اپنا غصہ ظاہر کرنے لگا۔

وہ صرف 19 سال کا لڑکا تھا، اور بس یہی کر سکتا تھا۔

جب غصے میں ہوتا، تب بھی ٹانگیں دباتا۔

جب اچھے موڈ میں ہوتا، تب بھی ٹانگیں دباتا۔

کیونکہ اس کے بس میں اور کچھ نہیں تھا۔

باقی اس کی زندگی کا مقصد صرف سردار کی خدمت کرنا تھا۔

"اچھا اچھا، ناشتہ لگاؤ۔ کل وہ تم لوگوں کے ساتھ ناشتہ کرے گی۔" سردار نے کہا، تو بالافورا کھڑا

ہو کر میز لگا رہا تھا۔

جمرو بھی مدد کرنے لگا۔

یہ سب کچھ تمہاری بھابی کے لیے ہے۔ سردار نے دونوں کو دیکھا اور بولا، "-

بالا نے چاول اور سالن میز پر رکھے۔ جمرو نے پلیٹیں لگائیں۔

"ہم نے خاص ان کے لیے ناشتہ منگوایا ہے۔" بالا نے سردار سے کہا، لہجے میں مایوسی سی تھی

، کل سب ساتھ کھائیں گے۔" سردار نے مسکرا کر جواب دیا

جمرو نے چائے کے کپ بھی لے آئے۔

، "بس، آرام سے کھاؤ۔"

"بھابی کی خاطر ہم نے صبح جلدی اٹھ کر کام کیا ہے۔" صبح سویرے اٹھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں

ہوا۔ کیا کیا سوچا تھا بھابی کے ساتھ باتیں کریں گے ان کے ساتھ دوستی کریں گے۔ لیکن وہ کچھ

زیادہ ہی اداس تھا۔

اچھا اچھا بس کر دو اور کتنا دکھ مناؤ گے، شام ویسے اس کے ساتھ کھانا کھالینا۔ سردار نے آسان

حل پیش کیا تو بالا اور جمرو نے ایک دوسرے کو دیکھتے خوش ہوئے۔

پھر میں بھا بھی کے ساتھ شام کی دعوت اڑوں گا بالانے ہاتھ پیچھے کھینچے تو سردار نے اسے گھور کر دیکھا تھا جب کہ وہ چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا چکا تھا مطلب صاف تھا کہ اس کا ناشتہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ جمر و کھانا چھوڑتا سردار کی ایک گھوری نے اسے تیز تیز کھانے پر مجبور کر دیا

○○○○○○○

وہ کمرے میں واپس آیا تو دعام اب بھی گہری نیند میں تھی، لیکن اس کے چہرے پر رات کا خوف اب بھی کسی دھندلے سائے کی طرح منڈلا رہا تھا۔

سردار چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ جو ساری دنیا سے لڑنے والا تھا، اس ایک کمزور سے چہرے کی بے چینی سے ہار مان گیا تھا۔

نرمی سے اس کے قریب بیٹھا، آہستہ سے اس کے بالوں کو کان کے پیچھے کیا، جیسے اس لمس سے اس کے ڈر کو مٹانا چاہتا ہو۔

"اتنا بھی کیا سونا، میرا معصوم سائیں؟ اٹھ جاؤ... اتنا سونے سے بھی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔"

اس کی آواز دھیمی تھی، مگر دعام کی پلکیں لرزیں۔ وہ شاید جاگ چکی تھی، یا جاگی سوئی کیفیت میں تھی۔ جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ پاس ہے، اس نے جھٹ سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا، اور لحاف کو ذرا سا اوپر کر کے خود میں چھپ گئی۔

سردار کی مسکراہٹ مدھم پڑ گئی۔ وہ جانتا تھا، اس کے لمس اور آواز کا مطلب دعام کے لیے وہ نہیں تھا جو وہ چاہتا تھا۔

"فکر نہ کرو... کچھ خاص نہیں کرنا تمہیں۔ میرے لوگ ضد کر رہے تھے کہ بھابھی سے ملنا ہے، بس اسی لیے ولیمہ رکھا ہے۔ ورنہ ابھی تو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

وہ خاموش تھی، مگر اس کی سانسوں کی بے ترتیبی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ جاگ رہی ہے، سن رہی ہے، اور گھبرا رہی ہے۔

میں نے کہا بہت ہو گئی نیندیں میرا گلاب سائیں، اب اٹھو وہ ایک جھٹکے میں بازو سے پکڑ کر بیٹھتا اپنا حصار اس کے گرد بنا گیا تھا، وہ اتنی تیزی سے یہ کام کر گیا تھا کہ وہ پوری طرح اس کے بازو میں اس کی پناہوں میں اس کے سینے سے پیٹھ لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔

جلدی سے تیار ہو جاؤ ہمیں نیچے چلنا ہے۔

نہی۔۔ نہیں۔۔۔ جانا۔۔ نیچے، وہ بڑی معصومیت سے اس کی باہوں میں قید اس کے حکم کی نفی کر رہی تھی۔

کیوں نہیں جانا نیچے میرا معصوم سائیں۔۔۔۔! وہ اس کی تھوڑی کی نیچے انگلی رکھتا اس کا چہرہ اپنی طرف پھیر چکا تھا۔

"ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ وہ۔۔۔ آ۔۔۔ اپ کے۔۔۔ بندوں۔۔۔ کے پاس۔۔۔ لمبی لمبی بندوقیں ہوتی ہیں۔۔۔" اس کی آواز لرزتی ہوئی، رکی رکی نکلی۔ سردار چونکا، پھر ہولے سے مسکرایا۔

"میرے نین سائیں کو ڈر لگتا ہے بندوقوں سے؟ کوئی بندوق نہیں لائے گا، نہ کوئی گولی چلے گی۔ سب کو کہہ دیا ہے، میرے سائیں کو شور سے ڈر لگتا ہے۔"

"لیکن۔۔۔ ان کے بال۔۔۔ بہت لمبے لمبے ہوتے ہیں۔۔۔ مونچھیں بھی۔۔۔" چوکیداروں جیسی۔۔۔۔" اس کی ہچکچاہٹ بڑھ رہی تھی، آواز میں خوف واضح تھا۔

"اچھا۔۔۔ تو اب مجھے قبیلے کے لوگوں کو بولنا پڑے گا کہ بال کٹوالیں؟ یا مونچھیں صاف کرا لیں؟" وہ مزاحیہ لہجے میں بولا۔

دعام نے چونک کر نظریں اٹھائیں، مگر پھر گھبرا کر فاصلہ بڑھا لیا۔

ان کی بڑی بڑی سرخ ڈراونی آنکھیں بھی ہیں۔ اس نے پھر سے ایک اور وجہ نکال لی تھی نیچے نہ جانے کی۔

تو کیا کریں ان کی آنکھیں نکلوا دیں سردار نے پرسکون سے سوال کیا تھا۔

"آپ۔۔۔ ان کی آنکھیں۔۔۔ نکلوا دیں گے؟" اس نے اپنے ہونٹوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے، جیسے چیخنے سے خود کو روک رہی ہو۔

"میرے سوہنے سائیں کو ڈر لگتا ہے نا، تو انتظام تو کرنا پڑے گا۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا، جیسے واقعی سنجیدہ ہو۔

دعام کی آنکھیں پھیل گئیں، اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔

"اللہ... آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں؟"

سردار کا دل اس کی معصومیت پر پھر سے پگھل گیا، لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ نگاہیں اس کے لبوں پر ٹھہر سی گئی تھیں وہ کافی دیر کے بعد کچھ بولنے کے قابل ہوا۔

ہاں میں کچھ بھی کر سکتا اور اس "کچھ بھی" کا ایک مظاہرہ تمہیں ابھی دکھا بھی سکتا ہوں وہ کہتے ہوئے دھیرے سے جھکا، اور اپنے عنابی لبوں کو اس کے گلابی لبوں پر رکھ گیا ایک ہاتھ سے اس کی

کمر کو مضبوطی سے تھام کر اسے اپنے قریب کیا تو وہ گھبرا کر اس کے سینے سے جا لگی۔ سانسیں ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئیں، دھڑکنوں کا شور بڑھنے لگا۔ سردار نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھاما، اس کی آنکھوں میں جھانکا جیسے وہاں خود کو تلاش کر رہا ہو، اور پھر سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے چھو لیا۔

ایک ہلکی سی کپکپاہٹ دعام کے وجود میں دوڑ گئی، مگر وہ ہٹا نہیں پائی خود کو۔ سردار کا لمس بے تاب تھا، لب لب سے ٹکرا کر قرار مانگ رہے تھے، جیسے برسوں کی پیاس ہو، جیسے الفاظ کی جگہ صرف قربت نے لے لی ہو۔ اس نے اس کے نچلے ہونٹ کو نرمی سے دبا کر اپنی بے چینی کو لفظوں کی بجائے لمس سے بیان کیا، جیسے وہ لبوں کے ذریعے اسے یقین دلا رہا ہو کہ اب وہ صرف اس کی ہے۔

دعام کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں، آنکھیں بند ہو گئیں۔ سردار نے اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے اس کی گردن تک کا سفر کیا، لبوں کی بے قراری تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ ہر بوسہ، ہر لمس جیسے اس کے دل پر مہر لگا رہا ہو۔ اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں وہ پل پل سمٹ رہی تھی، اور سردار اسے خود میں اتنا قریب کر چکا تھا کہ اب کوئی فاصلہ باقی نہ رہا تھا۔ نہ جسم کا، نہ دل کا



"الماری سے سب سے خوبصورت ڈریس نکالو اور پہن لو... میں ولیمے کی تیاری کرتا ہوں۔" اس کے بعد اس رات کو ہماری زندگی کی سب سے خوبصورت یادگار رات بنانا ہے۔

وہ اس کے چہرے کو پھر سے دونوں ہاتھوں میں لے کر شدت سے اس کے گالوں کو چومتا ہوا مدہوشی میں سا بولا اور ایک پل کو اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا دیا۔ پھر دروازے کی طرف پلٹا اور قدموں کی چاپ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

پیچھے رہ گئی وہ، جواب بھی اپنے لبوں پر پھیلی کپکپاہٹ کو چھپاتی، سانسوں کی بے ترتیبی کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بند وقوں کا ڈر، سرخ آنکھوں والی وحشت، سب کچھ جیسے کسی پچھلے وقت کا قصہ بن چکا تھا۔ اب اگر کچھ باقی تھا تو صرف اس کی قربت کا خوف...

وہی لمس جو روح میں اترتا جا رہا تھا، وہی آنکھیں جو دل کی گہرائیوں تک چھو گئی تھیں، وہی سچ، جو اس کے دل کو بے چین کیے دے رہا تھا۔

○○○○○○○

نیچے ولیمے کی شاندار تیاریاں عروج پر تھیں۔ قبیلے کا وسیع و عریض میدان رنگ برنگی دیووں، بھاپ اڑاتے دیگچوں اور خوشبو بکھیرتے پکوانوں سے بھر چکا تھا۔

ہر سمت ہنرمند لوگ مصروفِ عمل تھے۔ کسی کے ہاتھ میں مصالحے تھے تو کوئی گوشت کے قتلے سنوار رہا تھا۔

قبیلے کے دستور کے مطابق ساری تیاری قبیلے کے اندر ہی کی جا رہی تھی، باہر سے صرف مخصوص دیویں بنانے والے بلائے گئے تھے جو روایتی انداز میں مہمانوں کے استقبال کا حصہ تھے۔

پورا ماحول کسی بڑی جنگی فتح کی خوشی کا منظر پیش کر رہا تھا، مگر اصل جشن تو اس لڑکی کے نام تھا جو اب سردار کی سردارنی کہلانے والی تھی۔

○○○○○○○

"بہت خوشی ہوئی سردار، آپ کی شادی کا سن کر۔ اچھا ہوا کہ آپ نے بھی آخر کار گھر بسانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔"

ایک عمر رسیدہ خاتون، جو سردار کے وفادار ساتھیوں میں سے کسی کے خاندان کی عورتوں میں شمار ہوتی تھیں، خلوص بھرے لہجے میں بولیں تو سردار بھی احتراماً ان کے سامنے جھک گیا۔

"بس مائی، آپ کی دعاؤں کا ہی اثر ہے۔ جسے چاہا، اللہ نے اسی کو میرے نصیب میں لکھ دیا۔ تو پھر اس خوبصورت رشتے سے انکار کیسے کرتا؟"

وہ نرمی سے مسکرا کر گویا ہوا اور فوراً بولا، "تھوڑی دیر میں آپ کو اس سے ملواتا ہوں۔"

سردار انتظامات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ آج قبیلے میں پہلی بار اتنی بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سردار کے نکاح کی خبر سن کر دور دور کے وہ لوگ بھی چلے آئے تھے، جو کبھی اس قبیلے کا حصہ رہے،

اور وہ بھی جو برسوں سے الگ ہو چکے تھے۔ ہر طرف گہما گہمی تھی، ہر دل خوش تھا۔

پہاڑوں کے اندر ہی مہمانوں کے قیام کا شاندار انتظام کیا گیا تھا۔ قبیلے کی خود مختار اور طاقتور حیثیت کا یہ مظاہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ہر چیز، ہر سہولت، ہر آسائش یہ ظاہر کر رہی تھی کہ یہ کوئی عام قبیلہ نہیں۔ بلکہ ایک ایسی چھپی ہوئی دنیا ہے، جسے ایک ڈاکو نے اپنی حکمت، طاقت اور اصولوں سے ایسا بنارکھا تھا کہ کسی چیز کی کمی نہ تھی، سوائے اُس کی دلہن کے... جو آج پوری ہو چکی تھی۔

○○○○○○○

"ارے راحت بھائی، رفیق بھائی! آپ لوگ یہاں چھپ کے بیٹھے ہیں؟ چلو نا، تیاریاں کرو، اس طرح الگ تھلگ بیٹھنے کا کیا مطلب؟ ابھی کچھ دیر میں سب مہمان پہنچنے والے ہیں، پھر ہم محفل شروع کریں گے!"

بالا جلدی جلدی آکر بولا، وہ بہت مصروف تھا لیکن اپنے پرانے ساتھیوں کو یوں الگ دیکھ کر رک گیا۔

راحت نے سر جھکائے، مایوسی سے کہا، "ہمیں کوئی شوق نہیں ولیمے کا کھانے کھانے کا، ہمیں تو اور پریشانیاں کھا رہی ہیں۔"

بالا، جو واپس جانے والا تھا، یہ سن کر پلٹ آیا۔

"کیسی پریشانیاں راحت بھائی؟ آپ تو ایسی باتیں نہیں کرتے تھے خیریت تو ہے نا کچھ ہوا ہے کیا"

، "پریشانی والی بات نہیں تو اور کیا ہے، بالا؟"

راحت نے ایک لمبی سانس لے کر کہا

دیکھ تو، سردار کتنا بدل گیا ہے۔ سردار نی کو آئے ایک دن نہیں ہوا اور دارہ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہی دارہ جو برسوں سے اس کا ساتھی تھا، جس نے ایک بار سردار کے لیے سینے پہ گولی کھائی، اس کے بدلے میں اسے قید خانے میں ڈال دیا۔"

ایک لڑکی کے خاطر کہ وہ اس کی چھوٹی سی نادانی سے ڈر گئی۔ سردار اپنی عورت کے چکر میں شاید یہ بھول گیا ہے کہ وہ خود کیا ہے، خود ڈاکو ہو کر چڑیا کا دل رکھنے والی دلہن کو لانے کی ضرورت کیا ہے جو بعد میں اپنے ہی لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا پڑے اور ویسے بھی دارہ ہمارا دوست تھا اور۔۔۔۔۔"

"اور کیا بولوں، راحت سائیں؟ تم بھی بولو، رفیق سائیں۔ جو دل میں ہے، کہہ دو۔ کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں!"

رفیق بولنے کو تھا کہ اچانک سردار کی کرخت آواز ان کے پیچھے گونجی

"کیا بولنے والے تھے تم دونوں؟ کہو، بولتے کیوں نہیں؟" وہ دونوں گھبرا کر خاموش ہو گئے۔  
سردار کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشت تھی۔

"دارا کا جرم کیا تھا، سردار؟ صرف یہ پوچھا تھا ہم نے۔" راحت نے ہمت کر کے کہا۔

غدار تھا وہ۔ سردار نے سرد لہجے میں جواب دیا، "میرے سامنے میرا، اور پیٹھ پیچھے انسپکٹر اکرم کا۔ یہاں تک کہ وہ جاسوس شیرازی جو چند دن پہلے آیا تھا، اس سے بھی ملا ہوا تھا۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ اگر پیش کروں تو تم دونوں کے ہوش اڑ جائیں۔"

پھر اس کا لہجہ آگ کی طرح دہکا، "اور جہاں تک سردارنی کی بات ہے، تو بہتر ہو گا کہ اسے ان باتوں سے دور رکھو۔ وہ قبیلے کے کاموں میں دخل نہیں دے گی۔ وہ صرف میری بیوی ہے، اور تم سب کی بھابھی۔ آج کے بعد اگر کسی کی زبان پر میری عورت کا نام بھی آیا تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔ مرد ہو تو مردوں والی بات کرو!"

راحت اور رفیق، جن کی آنکھوں میں چند لمحے پہلے بغاوت تھی، اب نظریں چرا رہے تھے۔ سردار نے جاتے جاتے بالا کے کندھے پر ہاتھ رکھا، "بالا، ان دونوں پر نظر رکھو۔ ان کی آنکھیں اور زبانیں بغاوت کر رہی ہیں۔"

بالا نے خاموشی سے گردن ہلا دی،

تمہاری بھابی کے جوتے منگوائے تھے صبح سے ننگے پاؤں گھوم رہی ہے۔ جاؤ اسے دے آؤ تب تک نمیں مہمانوں کو دیکھ کر آتا ہوں۔ سردار کے حکم پر بالانے ہاں میں سر ہلایا تھا جبکہ سردار تیز قدموں سے واپس محفل کی طرف بڑھ گیا۔

oooooooo

بھابی... وہ... سردار نے آپ کے لیے جوتے بھجوائے ہیں... "غار کے قریب، باہر رک کر بالانے نرمی سے آواز دی۔

سردار نے خاص طور پر نرم جوتے منگوائے تھے۔ اپنی دلہن کے لیے، جو صبح سے ننگے پاؤں ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

"شکریہ... ڈاکو بھائی لیکن، اگر آپ میرا ایک چھوٹا سا کام کر دیں؟" وہ جیسے کسی کے انتظار میں ہی بیٹھی تھی

اس کے شکریہ پر وہ پلٹنے ہی لگا تھا کہ بالا کو رکنا پڑا۔

"حکم کریں، بھابی۔" وہ پیچھے دیکھے بغیر احترام سے وہیں کھڑا رہا۔

"اگر آپ کے قبیلے میں کوئی عورت ہو... تو پلیز اسے اوپر بھیج دیں۔ ان کپڑوں کو سمجھنے میں بڑی مشکل ہو رہی ہے۔ ویسے کے لیے کیا پہنوں، کیا نہیں، کچھ سمجھ نہیں آ رہا... کپڑے بھی کافی بھاری ہیں۔ مجھے واقعی کسی کی مدد چاہیے۔"

اس کی آواز کی معصومیت نے بالا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلا دی۔ وہ خاموشی سے سر ہلاتا نیچے پلٹ گیا اور سیدھا سردار کے تخت تک پہنچا، جہاں وہ بیچ میدان میں چارپائی پر نیم دراز بیٹھا تھا۔

جمرو، حسبِ عادت، جوش و خروش سے اس کے پیردبار ہاتھ جیسے پیدا ہی اسی خدمت کے لیے ہوا ہو۔

"بھابھی کا حکم ہے۔ اوپر بلارہی ہیں... کپڑے سمجھ نہیں آرہے، کہتی ہیں کسی کی مدد چاہیے۔"

بالا نے بات کو اپنے مخصوص انداز میں ذرا سا گھما کر کہا۔

"اس نے... مجھے بلایا ہے؟"

سردار جیسے پل بھر کے لیے حیرت زدہ رہ گیا۔

"حد کرتے ہو سردار! اب بھابھی مدد کے لیے اپنے شوہر کو نہیں بلائیں گی تو کسے بلائیں گی؟"



جمر نے بڑی عقلمندی سے نچوڑ نکالا۔

"ہاں... بات تو تم نے ٹھیک کہی جمر۔ اب بھلا میرا سوہنا مکھڑا مدد کے لیے اور کس کو بلائے گا؟" سردار کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھری۔ "چلو، میں خود چلتا ہوں... مدد کر آتا ہوں۔"

"ہاں ہاں، سردار! تم بس اوپر جا کر بھا بھی کی مدد کرو، باقی سب ہم سنبھال لیں گے۔" آرام سے دیر لگا کر آنا ہمیں کوئی جلدی نہیں تمہاری واپسی کی بالا کے لہجے میں شرارت تھی۔

سردار نے جواباً اس کے کندھے پر ہلکا سا مکہ مارا، اور پھر تیزی سے پتھر یلے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ بچپن سے شام و سحر کا یہ چڑھنا۔ اترنا اس کے جسم کا حصہ بن چکا تھا۔

چند ہی منٹوں میں وہ پہاڑی کے درمیانی حصے میں واقع اپنی نئی نویلی دلہن کی آرام گاہ تک جا پہنچا۔

○○○○○○○

"ولیمے کے حساب سے... یہ کلر تو واقعی خوبصورت ہے، لیکن... بہت بھاری ہے۔"

اس نے بھاری سالباس نکالتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"اور... یہ؟ ہاں، اس میں زپ لگی ہوئی ہے، میں اسے آسانی سے پہن تو سکتی ہوں..."

صبح جاتے ہوئے وہ یہی کہہ کر گیا تھا کہ ولیمے کے لحاظ سے تیار رہنا۔ لیکن وہ کہاں جانتی تھی کہ کپڑوں کے نام پر یہاں الماری میں چھپے یہ شاہکار اسے الجھا کر رکھ دیں گے۔

وہ تو سوچ کر بیٹھی تھی کہ کوئی ہلکا سا جوڑا نکالے گی۔ سادہ، نفیس، نرم رنگوں والا۔ مگر سامنے لٹکے ان بھاری بھر کم جوڑوں نے جیسے اسے اپنی دنیا میں سمیٹ لیا تھا۔ کچھ ڈریسز اپنی چمک، رنگ اور کڑھائی سے دل جیت رہے تھے، لیکن وہ ولیمے کے حساب سے کچھ زیادہ ہی برائے تھے۔ وہ تو ہلکا رنگ چاہتی تھی، کچھ نرم سا، جیسے اس کا اپنا مزاج۔

اور اب جو ہلکی رنگت کی میکسی اس کے ہاتھ آئی تھی، وہ خوبصورت ضرور تھی... مگر وزن میں ضرورت سے زیادہ بھاری۔

"یہی پہنوں گی!"

جیسے خود سے ضد کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کر لیا۔ اور پھر وہ اسے پہننے کے لیے غار کے دروازے کی سمت بڑھی۔

دروازے کے ساتھ لگے بٹنوں پر اس کی نظر پڑی۔

یاد آیا... صبح سردار نے کھانے کے وقت کس مہارت سے یہ دروازہ کھولا تھا۔

اس نے اگلا بٹن دبایا... اور پتھر اپنی جگہ سے ہلکا سا کھسک کر غار کے ساتھ جڑ گیا، جیسے کوئی راز کھل گیا ہو۔

پر سکون ہو کر وہ اندر گئی اور واش روم میں ڈریس چینج کرنے لگی۔

○○○○○

کسی نہ کسی طرح وہ اس بھاری بھر کم لباس کو پہننے میں کامیاب تو ہو گئی، لیکن... زپ بند کرنا ایک الگ ہی جنگ بن گئی۔ وہ کب تک ہاتھ پیچھے لے جا کر کوشش کرتی رہی، پھر ناکام ہو کر گہری سانس لی بالآخر، وہ باہر آئی اور بڑے سے آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

ڈریس... دلکش تو تھا ہی، لیکن وہ خود... اس ڈریس میں حسن کا مکمل پیکر لگ رہی تھی۔

ہلکے سے جھاڑو دار گھیر والے لباس میں، نرم رنگت اور معصوم چہرہ لیے، وہ آئینے میں جیسے خود پر نگاہیں جمائے کھڑی رہ گئی۔

اس كے بازو درد كرنے لگے تھے "بس... زپ بند ہو جاتی تو كممل تیاری كهلاتی..."

وہ بچپن سے ہی ایسی تھی...

هر چیز كو بهت جلدی قبول كر لینے والی۔

شاید یہی وجہ تھی كه اب وہ اپنی زندگی كو بھی قبول كرنے جارہی تھی... ویسی جیسی اسے ملی تھی۔

اتنا تو وہ جان چكى تھی كه اس كا نكاح ايك ڈاكوسے ہوا ہے۔ ايك ایسا مرد جو قانون سے باہر تھا، لیكن... اس كے ساتھ نرمی برتا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی آگے زندگی کیسی ہوگی، کیسا برتاؤ ملے گا، کیسی راہیں آئیں گی۔

لیكن اُس کی عادت تھی... كه وہ سوچ سوچ كر خود كو ہلكان نہیں كرتی تھی۔

اس نے جیسے دل پر ہاتھ ركھا تھا اور سادگی سے... اللہ کی رضا سمجھ كر، اس رشتے كو نبھانے كا فیصلہ كر لیا تھا۔

اب جو بھی تھا، جیسا بھی تھا... وہ اس كا شوهر تھا۔ اور زندگی... اسی كے ساتھ گزرنی تھی۔

وہ دل سے ہر قسم کی صورتحال کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔ اسی لیے اب وہ بے معنی وسوسوں سے نکل کر، صرف اور صرف ولیمے کی تیاری پر توجہ دے رہی تھی۔

دل میں جو بھی الجھنیں تھیں، جو سوال تھے، سب وہ اپنے رب کے سامنے رکھ چکی تھی۔

اور اب... جو راہ اس کے اللہ نے اس کے لیے چُن لی تھی، وہ پوری یقین اور خاموش رضامندی سے اسی راہ پر چلنے کو تیار تھی۔

○○○○○○○○

تھم میرا میٹھا سائیں؟ کیوں بلایا؟ کس قسم کی مدد درکار ہے میرے میٹھے سائیں کو؟"

وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹاتا اندر داخل ہوا تو وہ حیرت سے بس اُسے تنکٹی رہ گئی۔

اچانک جیسے ہوش آیا ہو، گھبرا کر اس نے رخ موڑ لیا، اپنی برہنہ کمر کو ہاتھوں سے ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی۔

لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی...

وہ آئینے میں اس کی کمر کی جھلک دیکھ چکا تھا۔

وہی جھلک جو کسی خاص لمحے کی دھڑکنیں تیز کر دیتی ہے۔

"میں نے آپ کو نہیں بلایا... کسی عورت کو بلایا تھا، مدد کے لیے۔

لیکن بالانے کہا کہ تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے اس کے گھبرانے پر اس کے لبوں کی دلکشی بڑھی تھی۔

نہیں میں نے آپ کو نہیں بلایا تھا کسی عورت کو بلایا تھا جو یہ کپڑے پہننے میں میری مدد کر سکے... قسم لے لیں... میں نے آپ کو نہیں بلایا!"

وہ گبھراہٹ سے لرزتے لہجے میں بولی، چہرے پر بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔

سردار کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ ابھری،

"بالا جھوٹ نہیں بولتا۔ اس نے کہا تمہیں مدد چاہیے۔"

"کسی عورت کی مدد، ساتھ بولا تھا۔ وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولی، جیسے اپنی حدیں خود

کھینچ رہی ہو۔ سردار آگے بڑھا،

"کوئی عورت آکر کیا ہی کر لے گی؟

جتنی مدد میں کر سکتا ہوں، اتنی کوئی نہیں کر سکتا۔ "اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا ضبط اور جذبات کا طوفان تھا۔

"اور ویسے بھی، ایسے نظارے تو میں کسی اور کو نہیں دیکھنے دوں گا..."

ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنی جانب کھینچ لیا،

اس کا ہاتھ اس کی نازک کمر پر جا ٹھہرا، لمحے میں دھڑکنیں رک سی گئیں۔

"اب وائبریشن مت شروع کر دینا... بیٹری لو ہو جائے گی، اور وقت نہیں ہے بیٹھے سائیں،

ہمیں آج ہی ولیمہ کرنا ہے..." "اور ویسے کے بعد..."

وہ اس کے کان کے پاس جھکا، آواز میں شرارت بھی تھی، اور دلکشی الگ،

"رات کو خاص بنانے کے لیے کچھ خاص کرنا چاہتا ہوں!" اس کی سبز آنکھوں میں چمک، لہجے

میں خماری

"اور وہ خاص کام تمہارے بغیر ادھورا ہے، میں اپنے بیٹھے سائیں کی مٹھاس، کو پوری شدت سے

محسوس کرنا چاہتا ہوں اس کی بے باک سرگوشی پر۔ وہ گھبرا کے پیچھے ہٹی، تو وہ اور قریب ہوا۔

"بس تھوڑا سا ساتھ دے دو... باقی اس رات تو میں خود ہی خاص بنادوں گا!"

سردار کا چہرہ اس کے اتنا قریب تھا کہ سانسیں اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔

میں ایک بات بتاؤں میں نے اس رات کے خواب تین سال سے دیکھیں ہیں۔ اس نے ہنستے ہوئے آنکھ ماری،

"تو اب چلو، اس خواب کو حقیقت میں بدلتے ہیں!"

-- آپ ایسے خواب دیکھتے ہیں۔۔۔۔! وہ اس کا ہاتھ اپنی کمر پر رنکتے محسوس کر کے گھبرا کر بولی تھی جبکہ وہ نرمی سے اس کی زپ بند کر رہا تھا۔

ایسے خواب۔۔۔۔ "کیسے خواب۔۔۔؟ سردار کو اس کی الجھن بڑی باتیں مزہ دینے لگی۔

ایسے ویسے گندے خواب۔۔۔۔ "اس کے کھینچ کر ڈوری بند کرنے پر وہ اگلے ہی لمحے اس کے سینے میں آسمانی تھی۔

گندے۔۔۔۔۔ "ہاں میں تو ایسے ہی خواب دیکھتا ہوں کیا تم نہیں دیکھتی ایسے خواب۔۔۔۔۔"

نہیں مجھے اچھے والے خواب آتے ہیں۔۔۔۔ "معصومیت عروج پر تھی۔



اچھا تو تمہیں اچھے والے خواب آتے ہیں خیر کوئی بات نہیں آج سے تمہیں بھی یہ گندے والے خواب ہی آئے ہوں گے۔ بس اس رات کو آنے دو۔

کوئی اور مدد درکار ہے یا یوں ہی کھڑے رہ کر میرے ضبط کا امتحان لوگ کی میرا سوہنا مکھڑا۔۔۔؟  
وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا سوال کرنے لگا تو اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

تو پھر اجازت دو تھوڑی دیر کے لیے نیچے کام بہت ہے کچھ خاص مہمان آئے ہیں، ولاس کے لبوں کو چومتا پیچھے ہٹا اس کا وائبریشن موڈ ان کر کے باہر چلا گیا تھا۔

○○○○○○○

قبیلے کے کھلے میدان میں سخت گرمی کے باوجود گہما گہمی نمایاں تھی۔ اکیس خاندانوں پر مشتمل یہ علاقہ، جہاں صرف ڈاکو بستے تھے، آج کسی خاص موقع کی تیاری میں مصروف تھا۔ کرسیاں اور چٹائیاں بچھ چکی تھیں، بڑے بزرگ اپنی مخصوص نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ عورتیں، جو خود بھی ڈاکوؤں کی بیویاں تھیں، مہنگے لباس اور زیورات میں محفل میں شامل اپنے بچوں کی نگرانی لیے مصروف تھیں۔ بچے کھیلتے کودتے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے، جیسے انہیں بھی علم ہو کہ کچھ خاص

ہونے والا ہے۔ سب کچھ تقریباً مکمل ہو چکا تھا، بس ایک کمی تھی، سردار کی سردارنی ابھی تک نہیں لائی گئی تھی۔

آج عورتوں کے یہاں آنے کا تو مقصد ہی سردار کی سردارنی دیکھنے کا تھا اسی بھی کیا خاص بات تھی سردارنی میں جو سردار نے قبیلے کی ساری عورتوں کو چھوڑ کر باہر سے عورت لائی تھی۔

○○○○○○○

بالا، تیز قدموں سے اس کے قریب آیا۔ اس نے ارد گرد ایک نظر دوڑائی اور قدرے جھک کر سردار سے کہا،

"سردار، سب کچھ تیار ہے... اب بھا بھی کو بھی اندر لے آؤنا۔" بالا کی بات پر سردار کے چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ آہستگی سے اپنی مخصوص رعب دار چال میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں سیدھی اپنے لوگوں پر جمی تھیں، جن میں سے ہر ایک خاموشی سے اس کے حکم کا منتظر تھا۔ سردار کی آواز گونجی، تو میدان میں موجود ہر سانس رک گئی۔

"میں اپنی سردارنی کو لینے جا رہا ہوں، لیکن سن لو سب... آج کے بعد قبیلے میں کسی کے ہاتھ میں بندوق نہیں ہونی چاہیے، اور نہ ہی کسی کی آنکھوں میں وحشت کی چمک۔ اگر کسی کی آنکھوں میں

دہشت دکھی، تو وہ آنکھیں باقی نہیں رہیں گی۔ "اس کی آواز کے بعد سناٹا چھا گیا۔ کوئی جنبش تک نہ ہوئی۔

"قبیلے میں اب سے کوئی فائرنگ نہیں ہوگی۔ یہ میرا حکم ہے!"

اس نے ایک سخت نگاہ سب پر ڈالی۔ نگاہ ایسی، جیسے دل چیر دے۔

آج پورے قبیلے کا ماحول بدلا بدلا سا تھا۔ اکثر ڈاکوؤں نے بہتر حلیہ اختیار کیا ہوا تھا، گویا سب کو معلوم تھا کہ قبیلے میں کچھ خاص ہونے والا ہے۔ جیسے آج کوئی جشن نہیں، تاریخ لکھی جانے والی تھی۔

○○○○○○

سردار کچھ کہنا ہے مجھے۔۔۔۔ "سردار کے حکم پر سناٹا چھا گیا تھا، مگر ایک بزرگ، جو برسوں سے اس قبیلے کا حصہ تھے، آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھے۔ انہوں نے سردار کی جانب دیکھا اور نرمی سے مگر واضح لہجے میں بولے،

"یہ کیا بات ہوئی، سردار؟ تم تو جانتے ہو اس قبیلے میں جشن کی پہچان ہی بندوقوں کی آواز ہے۔ جب تک فضا گولیوں سے نہ گونجے، خوشی کا احساس نہیں ہوتا!"

سردار نے پلٹ کر بزرگ کو دیکھا، اس کی نظریں احترام سے جھکی ہوئی تھیں، مگر لہجے میں فیصلہ چھپا ہوا تھا۔

"نہیں بزرگو، اب سے جشن کے طور طریقے بدلیں گے۔ کیونکہ اب اس قبیلے میں ایک سردار نی آگئی ہے۔" اس کی آواز میں نرمی تھی، مگر بات پوری شدت سے کی گئی۔

"اسے ڈر لگتا ہے بندوقوں کی آواز سے، اور میں... میں اسے کبھی بھی خوف میں نہیں جینادوں گا۔"

قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے، جیسے پہلی بار کسی نے ان کی روایات کو چیلنج کیا ہو۔  
"اگر کوئی اپنے شوق پورے کرنا چاہتا ہے تو قبیلے سے باہر جا کر کرے... مگر یاد رکھو، ان کے جشن کی گونج میرے پہاڑ تک نہ پہنچے!"

سردار کی آخری بات میں وہی پرانا رعب تھا، مگر آج اس کے لہجے میں محبت کا رنگ بھی نمایاں تھا... سردار بدل رہا تھا، اور ساتھ ہی قبیلے کی تاریخ بھی۔

خاموش فضا میں ایک جوان ڈاکو، جو قبیلے کے مخلص اور پرانے ساتھیوں میں شمار ہوتا تھا، اپنے ضبط پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ آگے بڑھا اور سردار کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"کوئی تمہارے حکم کے خلاف نہیں جائے گا، سردار... " اس نے گہری سانس لی، آواز میں ادب تھا مگر آنکھوں میں کھلبلی۔

"لیکن معاف کرنا، یہ زیادتی ہے۔ صرف ایک عورت کے لیے تم قبیلے کے اصولوں سے ہٹ رہے ہو؟"

پورے مجمع میں سرگوشیاں گونجنے لگیں، جیسے سب کے دل کی بات کسی نے زبان پر لے آئی ہو۔  
"ہم سب تمہارے حکم کے غلام ہیں، تم ہمارے سردار ہو۔ لیکن تم ایک عورت کو ہم سب سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو؟ یہ کیسا انصاف ہے؟"

سردار کی آنکھوں میں سختی سی جھلکی، مگر وہ ساکت کھڑا رہا۔

"آج تک ہم نے اپنی عورتوں کو قبیلے کے اصولوں سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ تم نے کہا وہ ڈکیتی میں شریک نہیں ہوں گی، ہم نے مان لیا۔ تم نے کہا وہ صرف راج کریں گی، ہم نے تسلیم کر لیا۔ لیکن اب... اب تم قبیلے کی روح بدل رہے ہو، صرف ایک عورت کی خاطر!"

اس کی آواز میں درد بھی تھا، بغاوت نہیں۔ جیسے وہ صرف سمجھنا چاہتا ہو، کہ آخر وہ کون ہے، جس کے لیے پورا قبیلہ بدل رہا ہے۔

ایک اور قبیلے والے نے ہمت کر کے قدم آگے بڑھایا۔ وہ سردار کے فیصلوں سے نالاں نہیں تھا، لیکن الجھن میں ضرور تھا۔

"سردار... ہم نے ہمیشہ تمہاری بات مانی ہے۔ تم نے کہا کہ جو بھی ڈاکو شادی کرے گا، وہ اوپر والی پہاڑیوں میں رہے گا تاکہ اس کی عورت اور بچے محفوظ رہیں... ہم نیچے کی سہولت چھوڑ کر پہاڑوں کی سختیاں جھیلنے لگے۔"

اس کی آواز میں ماضی کی قربانیوں کی بازگشت تھی، جو ہر سننے والے کے دل میں اتر رہی تھی۔  
"اور اب بھی، ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں، مگر ایک بات سمجھ نہیں آتی..."  
وہ تھوڑا رکا، جیسے خود کو الفاظ میں تول رہا ہو۔

"اگر ہماری عورتیں چھپا کر رکھی جائیں، تو تمہاری عورت کو صرف ڈر لگنے پر ہم کیوں بندوقیں پھینک دیں؟ کیا تم ہم میں سے نہیں رہے؟ یا وہ عورت ہم میں سے نہیں ہے؟"  
اب کی بار اس کی نظریں سردار کے دل میں جھانکنا چاہتی تھیں۔

"کیا وہ عورت تمہاری سردارنی ہے... اور ہم سب صرف رعایا؟ کیا ہمارا دکھ، ہماری روایات، تمہارے فیصلوں میں کوئی جگہ نہیں رکھتے؟"

قبیلے میں خاموشی چھا گئی۔ ہر آنکھ سردار کی طرف تھی... اور سردار؟ وہ پہلی بار ایسے سوالوں کے سامنے کھڑا تھا، جن کا جواب صرف الفاظ سے نہیں... احساس سے دینا تھا۔

سردار فواد کی بات پر ہلکا سا مسکرایا، اور پھر دھیرے سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز نہیں، بلکہ ایک پرسکون اعتماد تھا۔ اس نے سامنے بیٹھے سب ڈاکوؤں پر ایک نظر ڈالی، ان سب کے چہروں پر سوال، الجھن اور تھوڑی سی بغاوت دکھائی دے رہی تھی۔

○○○○○○○○

”یہاں میری عورت کا ذکر نہیں ہو رہا، فواد... یہاں ذکر تمہاری بیٹی کا ہے۔“

ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی، سب چونک کر سردار کی طرف دیکھنے لگے۔

”کل تمہاری بیٹی، جو آٹھویں جماعت میں پڑھتی ہے، میرے پاس آئی۔ چھوٹی سی، معصوم سی بچی۔ اس کی آنکھوں میں ڈر تھا۔ پوچھنے لگی، 'چاچو، نیچے دھماکے کیوں ہو رہے تھے؟ میری کتاب میں تو لکھا ہے کہ ڈاکو گناہ گار ہوتے ہیں، انہیں جیل ہو جاتی ہے، سزا ملتی ہے۔ اگر میرے ابا کو پولیس پکڑ لے گئی تو ہمارا کیا ہو گا؟'“

”میں نے اسے جھوٹ نہیں بولا۔ سچ کہا کہ ہاں، ہم ڈاکو ہیں۔ ہم بندوق چلاتے ہیں، ہمارے جشن بھی بارود سے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی آنکھوں میں جو خوف تھا... وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔“

اس نے فواد کو گھورا، ”تو اب بتاؤ فواد... کیا میں اس بچی کے دل میں اپنے قبیلے سے نفرت چھوڑ دوں؟ یا ایسا ماحول بنا دوں کہ وہ فخر سے کہہ سکے کہ وہ ڈاکو کی بیٹی ہے، لیکن محفوظ ہے، خوش ہے، مطمئن ہے؟“

پھر اس کی نگاہ روشن پر پڑی۔ سردار کا لہجہ گہرا ہو گیا۔

”روشن، یاد ہے جب تمہیں نیچے سے اوپر پہاڑیوں پر بھیجا تھا؟ تم ناراض تھے، غصے میں تھے کہ نیچے کا میدان زیادہ آسان ہے۔ پانی قریب ہے، زندگی سہل ہے۔ تمہیں لگا تھا میں نے تمہیں سزا دی۔ لیکن میں نے تمہیں اس لیے اوپر بھیجا تھا کیونکہ وہاں تمہاری بیوی اور بچے محفوظ ہیں۔“

”اوپر میں نے خود ہر گھر کی نگرانی کروائی۔ وہاں کی جھونپڑیاں نہیں، پختہ گھر ہیں۔ دیواریں بلند ہیں، ہر گھر کے باہر، نلکے کا بندوبست ہے، چھوٹا سا باغیچہ ہے، جہاں تمہاری عورت سکون سے بیٹھ کر دھوپ سینک سکتی ہے، بچے کھیل سکتے ہیں۔“



”نیچے تمہاری زندگیاں آسان تھیں، لیکن عورتوں کا دل ہر لمحہ ڈر سے بھرا ہوتا۔ نہ دروازے محفوظ، نہ کھڑکیاں۔ نہ بجلی، نہ روشنی۔ ہر وقت ایک شور، ایک ہنگامہ۔ لیکن اوپر پہاڑوں پر... وہاں عورتوں کو احساس ہوتا ہے کہ یہ جگہ صرف ان کی ہے، جہاں نہ کوئی غیر آئے گا، نہ کوئی دھماکہ ہو گا، نہ کوئی بندوق ان کی نیند توڑے گی۔“ سردار نے بات جاری رکھی

”ہاں، تمہیں تھوڑی مشقت ہوئی، نیچے سے اوپر جانا پڑتا ہے۔ مگر یاد رکھو، مرد مشقت کے لیے پیدا ہوا ہے... اور عورت چین کے لیے۔ ایک ماں، ایک بیوی، ایک بیٹی۔ اسے امن اور حفاظت چاہیے، تاکہ وہ اپنے گھر کو جنت بنا سکے۔“

وہ اب سب کو دیکھتے ہوئے بولا، آواز میں ٹھہراؤ اور حکم کا اثر

”اور جہاں تک میری عورت کا سوال ہے، تو سن لو... یہ قبیلہ میری قیادت میں چلتا ہے۔ اگر میری عورت کو یہاں رہتے ہوئے کسی ایک لمحے بھی خوف محسوس ہوا، تو یہ تم سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ خوف ختم کرو۔ اگر تمہارے سردار کی زندگی میں سکون نہیں، تو اس کی قیادت بھی بے معنی ہے۔“

سب خاموش تھے... ایک گہری، وزنی خاموشی۔

سردار نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، آنکھوں میں عزم اور لہجے میں سختی تھی۔

”میں نے قبیلے کو بند و قوں سے نہیں چلایا... انصاف سے چلایا ہے۔ اور انصاف یہی ہے کہ عورت، خواہ کسی کی ہو... سکون میں رہے۔“

سردار کرسی سے اٹھا۔ اس کی نگاہ ایک ایک چہرے پر ٹھہرتی گئی، اور پھر وہ قدم آگے بڑھاتے ہوئے بلند لہجے میں بولا

”\*\* اور اب... میں اپنی عورت کو لینے جا رہا ہوں۔ \*\*“

اس کی آواز گونجی تو یوں لگا جیسے پورے قبیلے کی فضا تھم گئی ہو۔ اس کے لہجے میں نہ غرور تھا نہ عاجزی، بلکہ ایک سردار کا وہ وقار تھا جسے کوئی چیلنج نہیں کرتا۔

”\*\* وہ جب یہاں نیچے آئے گی... تو تم سب لوگ اسے یہ احساس دلاؤ گے کہ وہ اس قبیلے میں

محفوظ ہے۔ \*\*“

اس نے ایک لمحے کو توقف کیا، اور پھر الفاظ کو مزید گہرا کرتے ہوئے کہا

”\*\* نہ صرف محفوظ... بلکہ عزت دار، محترم، \*\*“

\*\*\* "یہ تم سب کی ذمہ داری ہے، کیونکہ وہ تمہارے سردار کا مان ہے، اور جس قبیلے میں سردار کا مان لرزے... وہاں قیادت نہیں، وہاں صرف ہجوم ہوتا ہے۔" \*\*\*

اس کے الفاظ پتھر پر لکیر کی مانند تھے۔

\*\*\* "یاد رکھنا... میں نے تم سب سے کبھی اپنے لیے کچھ نہیں مانگا۔ جو مانگا، اپنے قبیلے کے سکون کے لیے مانگا۔ لیکن آج میں تم سے ایک وعدہ مانگتا ہوں۔ میری عورت کو تمہاری نظروں سے، تمہارے لہجوں سے، تمہارے سلوک سے یہ محسوس نہ ہونے پائے کہ وہ ایک سردار کی بیوی ہے۔ اُسے صرف یہ محسوس ہو... کہ وہ اس قبیلے کی بیٹی ہے!" \*\*\*

سردار کا لہجہ آخری جملے میں نرم ہوا، مگر اثر کئی دلوں میں گھر کر گیا۔

پھر اس نے پلٹ کر قدم بڑھایا، اور جاتے جاتے پلٹا

\*\*\* "میں اُسے لے کر آ رہا ہوں... اور یہ قبیلہ، میری طرح... اُسے بھی اپنا مان بنائے گا!" \*\*\*

\*\*\* ○○○○○○○○ \*\*\*

وہ کب سے چلتے چلتے تھک چکی تھی۔ تیار ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا، سب کچھ موجود تھا۔  
کپڑے، میک اپ، زیور۔ لیکن اسے تو میک اپ کرنا آتا ہی نہیں تھا۔ لبوں پر لپ اسٹک لگانے کی  
بھی کوشش کی، پر ہاتھ کانپ گیا، ڈر تھا کہیں بھوتنی نہ لگنے لگے۔

بھاری لباس میں لپٹی وہ خود کو آئینے میں دیکھتی تو خود پر ہی ہنسی آتی۔ لیکن جوتے... جو بالادے کر  
گیا تھا، وہ اسے بہت پسند آئے۔ نرم، نازک اور دلکش۔ جیسے اس کے قدموں کو نئی پہچان دے  
گئے ہوں۔

پاؤں میں بندھی پائل کی چھن چھن اسے اچھی لگی۔ وہ جان بوجھ کر کمرے میں ٹہلتی رہی، بس وہ  
آواز سننے کے لیے...

کمرے میں بار بار ٹہلتے ٹہلتے اب اس کے نازک قدم بھی تھکن کا شکار ہونے لگے تھے۔ ہر چھن  
چھن کرتی پائل کی صدا اب مدھم سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے بیڈ کے کنارے پر  
بیٹھتے ہوئے گہری سانس لی، جیسے خود کو تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، سکون دینا چاہتی ہو۔ پیٹھ  
سیدھی کرتے ہی وہ گاؤتیکے سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی۔ لباس کی بھاری تہیں اور گہنوں کی چمک اب

اس پر بوجھ بننے لگی تھیں۔ وہ پلکیں موندے ہی تھی کہ نیند نے آکر اُسے آہستہ سے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اتنی نرم اور گہری نیند کہ جیسے کئی دنوں بعد اُسے سکون کا لمحہ نصیب ہوا ہو۔

○○○○○○

سردار، اپنے مخصوص کالے لباس میں ملبوس، بھاری قدموں سے کمرے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس کی نگاہ سیدھی بستر پر آرام سے سوئی اُس لڑکی پر جا گئی، جو شاید اُس لمحے کی سب سے حسین حقیقت تھی۔

ایک پل کو وہ ٹھٹک سا گیا، جیسے وقت تھم گیا ہو۔

"یہ پھر سے سو گئی ہے؟"

اس کے دل میں حیرت کی ایک لہر اٹھی۔ یہ نیندیں تھیں یا کوئی جادو، جو ہر بار اسے اپنے حصار میں یوں لے لیتی تھیں جیسے دنیا سے بے خبر کر دینا ہی اس کا مقصد ہو۔

اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، ایک ایسی نرمی جو شاید وہ خود بھی کسی کے لیے محفوظ رکھتا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کے قریب آیا، دونوں ہاتھ بستر کے کنارے پر رکھ کر اس جھلملاتے چہرے کو خاموشی سے تکتے لگا۔

معصومیت جیسے اُس کے چہرے پر ٹھہر گئی ہو۔

نہ کوئی میک اپ، نہ کوئی بناوٹ۔ لیکن اس کے سادہ سے چہرے پر ایسی پاکیزہ خوبصورتی تھی جو کسی بھی آرائش کی محتاج نہ تھی۔

وہ خود کو زکاف میں لپیٹے، پرسکون سانسوں کے ساتھ سوئی ہوئی تھی، اور سردار کے لیے اُس لمحے وہ دنیا کی سب سے قیمتی شے سے کم نہ تھی۔

سردار نے جھک کر اس کے چہرے کو دیکھا، جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ وہ اب بھی نیند میں تھی۔ پرسکون، بے خبر، اور بے حد حسین۔

نرمی سے اس نے اپنے لب اس کے کان کے قریب لے جاتے ہوئے آہستہ سے سرگوشی کی:

\*\*"میری سردار نی... میرا سونا مکھڑا، اٹھ جاؤ.. سچن سائیں. آج ہمارا ولیمہ ہے۔ نیچے قبیلے کے

لوگ تمہیں دیکھنے کے لیے بیتاب ہیں۔ وہ اپنی سردار نی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

اس کی آواز میں محبت کی مٹھاس تھی، اور آنکھوں میں فخر کا چمکتا رنگ۔

\*\*\*"چلو، وقت نہیں ہے۔ نیچے چلنا ہے۔ تم واپس آ کر اپنی نیندیں پوری کر لینا... بلکہ سچ کہوں تو آج تو تمہاری نیندیں پوری ہونے کے چانسز بالکل کم ہیں، کیونکہ آج یہ سردار تمہیں مکمل طور پر اپنی بانہوں میں قید کرنے والا ہے۔"\*\*\*

اس نے شرارت بھری نرمی سے اپنے گھنی مونچھوں کو اس کے نرم رخسار سے چھوایا، جیسے اپنی محبت کا احساس جگانا چاہتا ہو۔ لیکن وہ ابھی بھی نیند کی گہری پُر اسرار دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

\*\*\*"یہ نیندیں بھی تمہاری طرح ضدی ہیں۔ نہ تم جلدی مانتی ہو، نہ یہ۔"\*\*\*

اس نے ایک پل کو اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا، جیسے اس پل کو محفوظ کر لینا چاہتا ہو۔

\*\*\*"لیکن مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تمہاری یہ نیندیں میرے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گی..."\*\*\*

وہ ہولے سے مسکرایا، جیسے کوئی چالاک شکاری اپنے شکار کے گرد جال بن رہا ہو۔

نرمی سے جھکتے ہوئے، وہ اپنے لبوں کی گستاخیاں اس کے نرم گالوں پر بکھیرنے لگا۔ دھیرے دھیرے، جیسے ہر لمس میں اپنا حق جتا رہا ہو۔

لیکن دوسری طرف سے کسی ردِ عمل کا نہ آنا جیسے اس کی مردانگی کو لاکار گیا ہو۔

اب کی بار، وہ ذرا شدت سے، بس اپنی گھنی مونچھوں کو اس کی گردن کے پاس، زکاف کے اوپر سے ہی رگڑ گیا۔

اس لمس نے زکاف کے نرم کپڑے میں ہلکی سی شکنیں ڈال دیں۔ زکاف کی ساری سیٹنگ پل میں خراب ہوئی تھی، جیسے اس کی بے باکوں پر دعام کا زکاف بھی شرمایا گیا ہو۔

خود پر بھاری بوجھ اور مونچھوں کی گستاخیاں محسوس کرتی اگلے ہی لمحے، وہ ہڑبڑا کر جاگی۔ آنکھوں میں گھبراہٹ، چہرے پر خجالت

وہ فوراً پیچھے ہٹی، جیسے خود کو بچانا چاہتی ہو، لیکن سردار کب موقع دیتا تھا۔

ایک ہی جھٹکے میں، اس نے اس کا نازک بازو تھاما، اور اپنے فولادی بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

\*\*\* "کہاں جا رہی ہو، سردار نی؟" \*\*\* میرا بوکھلایا سائیں و ہنرمی سے سرگوشی کرتا، اسے خود میں ایسے سمیٹ گیا تھا کہ وہ پوری طرح اس کی پناہوں میں قید ہو گئی۔

\*\*\* "میں نے تمہیں تیار ہونے کو کہا تھا... صرف کپڑے پہننے کے لیے نہیں!" \*\*\*



اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی سنجیدگی تھی، جو اس کی انگلیوں کے ساتھ مل کر اب اس کی کمر پر بے باکی سے اپنا اختیار جتا رہی تھیں۔

وہ تھوڑا سا پیچھے ہوئی، نظریں جھکائے خود کو سمیٹنے کی کوشش میں تھی، لیکن وہ جانتی تھی— یہ مرد رکنے والوں میں سے نہیں۔

\*\*\*م...مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا...\*\*\*

اس نے ہچکچاتے ہوئے گردن پیچھے گھمائی تھی، جیسے اس کے لمس کی تپش کو دیکھنا چاہتی ہو، پر اس کے لب پہلے ہی اس کی گردن پر اپنا حق جتا چکے تھے۔

زکاف کی وہ رکاوٹ جو ان دونوں کے بیچ کچھ فاصلے کی آخری دیوار تھی وہ اب مکمل کھل چکی تھی۔

اور وہ بے باکی سے اس کی گردن پر اپنے لبوں کی تپش چھوڑ رہا تھا، ہر لمس میں، ہر سانس میں جیسے کوئی دعویٰ کر رہا ہو۔

اس کی ناک بڑی شدت سے اس کی گردن پر رگڑتی، جیسے وہ خوشبو یا درکھنا چاہتا ہو—

یاشاید، اپنی شناخت اس کی رگ رگ پر لکھ دینا چاہتا ہو۔ وہ کانپ گئی تھی۔ نہ صرف اس کے لمس سے، بلکہ اس شدت سے جو اس کی آنکھوں، لبوں اور سانسوں میں جھلک رہی تھی۔

وہ اسے اپنے وجود کے گرد کچھ یوں سمیٹ رہا تھا، جیسے آج کے بعد وہ اس سے الگ کوئی شے نہ رہی ہو۔ اور وہ...؟

وہ اپنے اندر کی کمزوری اور دل کی دھڑکن کو دباتی، آہستہ سے اپنی کانپتی انگلیاں اس کے لبوں پر رکھ گئی تھی سردار جیسے ساکت ہو گیا اس کی حرکت پر۔۔۔۔۔"

\*\*\*"ڈاکو جی۔۔۔ ولیمہ ہے... نیچے جانا ہے...\*\*\*"

وہ تھرتھراتی آواز میں بولی، جیسے خود کو اس کے لمس سے بچانے کا کوئی جواز تلاش رہی ہو۔

آنکھیں جھکی ہوئیں، سانسیں تیز، چہرہ سرخ... اور وہ اپنے بے قابو دل کو دلاسہ دینے کی کوشش میں تھی۔

جبکہ سردار اپنے انگوٹھے کو نرمی سے اس کی گردن کی نرم رگ پر چلاتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔

\*\*"کیوں؟ ڈر لگ رہا ہے؟ میرے ساتھ... ایک اکیلے کمرے میں رہنے سے؟ میرے قریب

آنے سے؟"

\*\* تمہیں دیکھنے، چھونے، یا... پیار کرنے سے؟"

\*\* یا میرے لبوں کی گستاخیاں تمہارے بدن پر اپنے رنگ چھوڑ دیں، اس خیال سے؟"

اس کا شرارتی لہجہ، آنکھوں کی شرربازیاں اور لبوں کی بے باک مسکراہٹ... سب کچھ اسے اور بے بس کر رہا تھا۔

وہ ہچکچائی، مگر پھر وہی سادہ سی معصومیت سے سراٹھا کر جواب دیا

\*\*"ڈر... ڈر کیوں لگے گا؟ آپ میرے شوہر ہیں..."

\*\* اور شوہر کے ساتھ ہونا تو عورت کے لیے سب سے زیادہ محفوظ ہونا ہوتا ہے..." وہ ایک

لمحہ رکی، لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لائی اور مزید بولی

\*\*"مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا، ڈاکو جی..."

\*\* کیونکہ... آپ کی مونچھیں زیادہ لمبی نہیں ہیں..."

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا، جب کہ وہ نظریں چرا کر پھر آہستگی سے بولی

\*\*\* "... اور آپ بندوق بھی نہیں اٹھاتے، تو ڈرنے کی خاص وجہ تو رہی نہیں نا؟" وہ دبے دبے

جوش کے ساتھ بولی۔ \*\*\*

اس کے انداز میں جو بچپنا تھا، جو سچائی اور شرم کا امتزاج تھا— وہ سردار کے دل میں گونج بن کر اتر گیا۔

\*\*\* "میرا شیر سجن، میری بہادر سائیں!" \*\*\*

\*\*\* "ڈرنے والا تو کچھ ہے ہی نہیں... یہاں پر ہر چیز سردار کے حکم سے چلتی ہے،" \*\*\*

وہ بڑے فخر سے بولتا اسے اپنی باہوں میں بھر چکا تھا،

\*\*\* "اور تم تو میری قبیلے کی شہزادی ہو... یہاں تمہیں کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت

نہیں۔" \*\*\*

وہ اس کی پناہوں میں قید سی ہو گئی تھی، چہرہ شرم سے جھکا، آنکھیں بند، سانسیں تھمی ہوئی۔

مگر ہمت کرتے ہوئے نرمی سے اس کے سینے سے سراٹھا کر بولی:

\*\*\*"شی۔۔۔شی۔۔۔شیر نہیں... شیرنی!"\*\*\*

اس کے سینے سے نکلی وہ دبی دبی آواز جیسے گونج بن کر اس کے دل میں اتر گئی۔  
وہ حیرت سے پہلے اسے دیکھتا رہا، پھر زوردار قہقہہ لگاتا اسے اور قریب کھینچ لیا۔

\*\*\*"بس یہی تو چاہیے تھی مجھے... میری نڈر، معصوم سی شیرنی!"\*\*\*

وہ اس کے بالوں میں چہرہ چھپا کر ہنسا،

اور پھر اس کی پیشانی کو اپنے لبوں سے چوم گیا۔

نیچے چلتے ہیں، بہت دیر ہو گئی ہے۔ دعام سردار کی آنکھوں میں چھپی بے باکیاں دیکھ کر تھوڑا سا  
خوف زدہ ہوئی یہ فوراً بیڈ سے اٹھنے لگی

لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ اس کی فراک پوری طرح اس کے نیچے دبی ہوئی ہے۔

وہ شرارت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجا گیا۔

"اتنی جلدی مجھے نہیں، ویسے کی جتنی میرے سجن سائیں کو ہے۔

ذرا پاس آؤ، ٹھیک سے دیکھ لوں اپنی دلہن کو۔"

وہ اچانک اسے اپنے قریب کھینچ کر بیڈ پر گرا گیا، اس پر سایہ سا چھا گیا تھا،

دعام کی دھڑکن تیز ہو گئی،

دلدار کی نظریں دعام کی خوف زدہ آنکھوں میں گم تھیں۔

"صرف دیکھنے سے دل نہیں بھرے گا،" اس نے گہرے لہجے میں کہا،

پھر اچانک جھک کر اس کے نرم ہونٹوں کو اپنے لبوں میں دبایا۔ اس کے نرم لبوں سے لب ٹکراتے ہی وہ جیسے مدھوش سا ہو گیا تھا اس نے بے تابی سے اس کے ہونٹوں کو شدت سے چومنا شروع کیا، جیسے وہ ہر سانس کو چرانا چاہتا ہو۔

دعام کی سانسیں بے قابو ہو گئی تھیں، مگر وہ بے ساختہ خاموشی سے سہمی ہوئی تھی۔

دلدار نے آہستہ سے دعام کے ہاتھ پکڑے، انہیں اپنی مضبوط ہتھیلیوں میں قید کر لیا۔

اس کی انگلیاں نرمی سے دعام کی کمر پر گھمتی رہیں، جیسے کوئی خفیہ پیغام دے رہی ہوں۔

دلدار کی بے باکیاں دعام کے نرم ہونٹوں سے شروع ہو کر اب گردن کی جانب بڑھنے لگی تھیں۔

هونٹ لبوں کو چھوڑ کر گردن پر وہ شدتیں دکھانے لگا، وہ اپنی بے تابوں کے نشان اس کی گردن پر جابجا بکھیرنے لگا تھا، جیسے خود کو قابو میں رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس کے ہاتھ دعام کے کندھے سے فراک کو آہستہ ہٹاتے ہوئے، اس کی دھڑکنیں تیز کر گئے۔

جبکہ سردار نے اپنے لبوں کو اس کے نازک کندھے پر بے باکی سے چھوڑ دیا۔

دعام کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں، دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

اتنی دیر میں وہ خود کو سمجھا رہا تھا، یہ نہیں پار ہی تھی کہ اچانک دلدار نے ایک زوردار جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا۔ اور پھر تیزی سے بیڈ سے اٹھا تھا۔

اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"نیچے چلنا ہے، ولیمہ۔ آج ہی ولیمہ ہے،"

اس نے ہونٹوں پر نرمی لیے مگر آواز میں سختی تھی۔

"یہ سارے ضروری کام ہم رات کو کریں گے،" اس کے لیے زیادہ وقت درکار ہے۔ دلدار نے دعام کی فراک کو دوبارہ کندھے پر ایڈجسٹ کرتے ہوئے، اسے بستر سے اٹھایا۔ پھر زکاف اٹھا کر اسے دینے لگا۔

جلدی سے اسے دوبارہ سے ٹھیک کرو جیسے پہلے کیا ہوا تھا نا بالکل اسی انداز میں۔ وہ اپنے احساسات پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ دعام کو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ اپنی دھڑکنیں گن رہی تھی، اور دلدار کی قربت میں اس کی آنکھیں خوف سے مدھم ہو رہی تھیں۔

لیکن پھر ایک جھٹکے میں سب کچھ بدل گیا۔

وقت کی رفتار سست ہو گئی، جذبات نے رخ بدل لیا۔

دلدار کے چہرے پر وہی سختی اور کشمکش نمایاں تھی، جیسے کوئی دنیا کا سب سے مشکل وقت برداشت کر رہا ہو۔

اور یہ صرف سردار جانتا تھا کہ یہ وقت اس کے لیے کتنا مشکل ہے



سردار کا ہاتھ اپنی نازک سی سجن سائیں کی کلائی پر بندھی زنجیر کی طرح تھا... مگر آج وہ زنجیر نہیں، ایک محافظ کا لمس تھا۔

وہ پہاڑی کی ڈھلوان پر اترتے ہوئے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا، جیسے زمین بھی اگر ذرا سی لڑکھرائی، تو اس کی شہزادی کو تکلیف ہو جائے گی۔

حالانکہ وہی سردار... جو جب تنہا پہاڑیاں اترتا تھا تو پتھروں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں... وہی شخص آج ان پتھروں پر قدم رکھتے ہوئے ان سے معافی مانگتا محسوس ہو رہا تھا۔

کہیں یہ خار اُس کے نازک خواب جیسی گلاب سائیں کو چُجھ نہ جائیں۔

وہ جو درجنوں لاشوں پر سے گزرتا آیا تھا،

جس کے اشارے پر ڈکیت خون کر دیتے تھے،

آج اُس کے قدم اپنی محبوبہ کے نازک قدموں سے ہم آہنگ تھے۔

"آہستہ چلو جان سائیں..." اس نے مدھم آواز میں کہا،

"یہ پہاڑ میرے لیے کچھ نہیں، مگر تمہارے پہاڑ ہی ہیں، تمہارے ایک چھوٹے سے زخم کے آگے... میں ہار جاؤں گا۔" اوپر کی بلندی پر اُس کے ساتھی ڈاکو موجود تھے، جن کی نگاہیں جھکی تھیں...

وہ جانتے تھے، یہ وہی سردار ہے جس کا نام سن کر قافلے راستہ بدلتے تھے...

مگر آج... وہ صرف ایک عاشق تھا... ایک ایسا عاشق جس کے رُکنے سے پہاڑ بھی خاموش ہو گئے تھے۔

○○○○○○○

جیسے ہی اُس نے نازک قدم زمین پر رکھا، سامنے کا منظر اُسے ٹھٹکنے پر مجبور کر گیا۔

زمین پر پھولوں کی ایک نرم چادر بچھی ہوئی تھی،

اور سامنے قطار در قطار بچے کھڑے تھے، جن کے ننھے ہاتھوں میں پھولوں کی ٹوکریاں تھیں۔

وہ ایک ایک قدم چلتی، حیرانی سے ادھر ادھر دیکھتی جا رہی تھی،

اور ہر قدم پر پھول اس پر نچھاور کیے جا رہے تھے... جیسے وہ کسی جشن کی شہزادی ہو، کسی سلطنت کا مان، نہ کہ ایک ڈاکو سردار کے ساتھ پہاڑیوں سے اتری ہوئی قیدی۔ اُس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں... عورتیں بھی ہوں گی... وہ بھی اتنی خوش لباس، اتنی جدید، اتنی پُر اعتماد۔

کسی نے نفیس ساڑھی پہنی ہوئی تھی، کسی نے جدید گرتہ شلوار، اور وہ سب اُس کی طرف ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ اُن کے لیے کوئی اہم مہمان ہو...

وہ تو سمجھی تھی کہ بالانے اُس کے سردار کو اس کے کمرے میں اوپر اس لیے بھیجا ہے کیونکہ یہاں قبیلے میں عورتیں موجود نہیں ہیں لیکن یہاں تو بہت ساری عورتیں تھیں۔

وہ حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اس نے آج سے پہلے یہ سب نہیں دیکھا تھا شاید پہاڑوں میں چھپی کوئی اور ہی دنیا تھی

یہاں تو... یہاں تو کوئی اور ہی جہان بسا ہوا، مہذب سا قبیلہ تھا،

جہاں عورتیں بولتی تھیں، ہنستی تھیں،

اور بچے... ان بچوں کی چال، اُن کی زبان، اُن کی معصوم ہنسی...

کچھ بھی ڈاکوؤں جیسا نہ تھا۔

وہ تو جیسے کسی رئیس کے آنگن سے نکلے نرم گلاب ہوں۔ وہ حیران تھی بے تحاشہ حیران تھی گاؤں میں آج تک کسی کو یہ بات پتہ نہیں چلی تھی کہ اس قبیلے میں عورتیں اور بچے بھی ہیں، یہ لوگ تو صرف یہی جانتے تھے کہ یہاں پچھلے آٹھ سالوں سے ڈاکو نے اپنا قبضہ کیا ہوا ہے۔ لیکن یہاں ڈاکوؤں نے قبضہ نہیں کیا تھا یہاں ڈاکو بس چکے تھے اپنے گھر بنا چکے تھے اپنی زندگی کی گاڑی چلا رہے تھے۔

دعای کی نظریں سردار کی طرف پلٹیں... دل میں ہلکا سا سوال ابھر رہا تھا

”کون ہو یہ انسان...؟“

یہ کون سی دنیا تھی،

جہاں ڈاکو شہزادوں سے زیادہ شاہانہ انداز رکھتے ہیں؟“

○○○○○○

کچھ بزرگ عورتیں آہستگی سے اُس کے قریب آئیں،

اُس پر محبت بھری دعاؤں کی بارش کرنے لگیں...

کوئی اُس کے سر پر ہاتھ رکھ رہی تھی،

کوئی اس کے چہرے پر ماں جیسی نظر ڈال رہی تھی،

اور وہ... وہ سب کچھ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کسی اور ہی دنیا میں آگئی ہو۔

سردار نے نرمی سے اُس کا نازک ہاتھ تھاما ہوا تھا،

جس میں اب وہ سختی نہیں، صرف حفاظت تھی۔

وہ اُسے لے کر ایک اونچے اسٹیج کی طرف آیا

جسے دیکھ کر لگتا تھا کہ یہاں فیصلے سنائے نہیں جاتے، بلکہ عزت دی جاتی ہے۔ اور اسے بھی تو

عزت ہی دی جا رہی تھی وہ ہر نگاہ میں اپنے لیے احترام دیکھ رہی تھی۔

سامنے صرف دو کرسیاں تھیں، ایسی شان دار، جیسے کسی سلطنت کے بادشاہ اور ملکہ کے لیے

مخصوص ہوں۔

"یہ ہے میرے قبیلے کی شہزادی... میری دلدار... میری سردارنی دُعام دلدار!" سردار نے گرجتی

مگر فخر سے لبریز آواز میں اعلان کیا،

اور اُس کا ہاتھ بلند کر دیا۔

پورے میدان میں ایک پل کو سناٹا چھا گیا،

پھر جیسے آسمان تالیوں سے گونج اٹھا ہو۔

ہر طرف سے استقبال ہوا، جیسے اُس کے قدموں میں قبیلہ بچھ گیا ہو۔

لیکن وہ... وہ ٹھٹھک گئی،

سینکڑوں نظروں کا مرکز بننا... اُس کے لیے نیا تھا۔

اُس نے مسکراتے کی کوشش کی،

لیکن لب کپکپائے اور آنکھیں بھر آئیں یہ سارا پیار، یہ عزت، یہ مقام... کس کا صلہ تھا؟

کیا یہ واقعی سردار کی محبت تھی؟

اچانک بچوں کی ایک طویل قطار سیٹج پر چڑھنے لگی۔

ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی ڈنڈی والا سرخ گلاب۔

ایک ایک کر کے وہ اس کے سامنے آتے،

پھول بڑھاتے،

میرا گلاب سائیں خود گلاب ہے تم لوگ اسے گلاب دے رہے ہو سردار کے لہجے میں شرارت  
تھی

سردار ان سب کے ہاتھ سے ایک ایک پھول لیتا وہ پھول اُس کے ہاتھ میں تھما دیتا۔

پہلا گلاب... دوسرا... تیسرا...

اور وہ... بس حیرت میں گم،

ہاتھ میں بڑھتے ہوئے گلہستے کو تھامنے میں مصروف۔ پھولوں کے ساتھ جیسے جذبات بھی  
بڑھتے جا رہے تھے،

ہر گلاب کے ساتھ کوئی نئی پہچان، کوئی نئی حقیقت، اور ایک نیا سوال اُس کی روح پر دستک دے  
رہا تھا...

"کیا واقعی میں... اب اس قبیلے کی سردارنی ہوں؟

وہ اپنے آپ میں گم، خاموش سی سب کو دیکھ رہی تھی۔ تالیاں بج رہی تھیں، چہروں پر خوشی تھی،

لیکن اُس کے اندر... اک سوالوں کا طوفان مچ چکا تھا۔

یہ سب... یہ لوگ... یہ شہری لباس میں ملبوس لوگ...

شرافت کی چادر میں لپٹے مسکراتے چہرے... یہ اصل میں ڈاکو تھے!

وہی جو جان لینا کھیل سمجھتے ہیں،

جو خوشی کا جشن بند وقوں سے مناتے ہیں،

جن کے لیے بارود خوشبو کی طرح ہوتا ہے،

اور جن کی تربیت خنجر کی نوک پر ہوتی ہے۔

یہ اس کی دنیا نہ تھی... نہ کبھی ہو سکتی تھی۔

وہ جو کتابوں میں انصاف پڑھتی آئی تھی،

لیکن وہ جو غلط کو غلط کہنے کی جرأت نہ رکھتی تھی...



وہ یہاں، اس وحشی نظام میں کیسے فٹ ہو سکتی تھی؟ مشکل تھا... بہت مشکل!

لیکن... قسمت اُسے یہاں لائی تھی،

اور قسمت کے فیصلے کو وہ اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر چکی تھی۔

مگر کیا... کیا وہ یہ سب کچھ واقعی قبول کر سکتی تھی؟

کیا ایک قاتل اُس کی محبت بن سکتا تھا؟

کیا بارود اُس کی ہنسی بن سکتا تھا؟

کیا چوری کو وہ چادر بنا کر اوڑھ سکتی تھی؟

شاید نہیں... لیکن اس لمحے وہ صرف ایک بات جانتی تھی۔

"سردار کا ہاتھ اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا،

اور اُس کی آنکھوں میں دنیا سے ہٹ کر کوئی اور ہی وعدہ تھا۔"

وہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی، کتنی ہی دیر دیکھتی رہی یہ سامنے والے نے اس کی آنکھوں کی تپش محسوس کر کے بھی اسے نہیں دیکھا تھا ہاں لیکن اس کے لبوں پر مسکراہٹ ضرور آئی تھی

اب... یہی اس کی دنیا تھی۔

یہی اس کی حقیقت۔

کتنا بھی دل انکار کرتا،

کتنی بھی روح چیخ چیخ کر کہتی کہ یہ سب نہیں ہے اُس کے لیے...

پھر بھی وہ جانتی تھی۔ اب اُسے یہ سب کچھ قبول کرنا تھا۔

چاہے دل کو کتنا ہی بوجھ کیوں نہ لگے،

چاہے ہر مسکراہٹ میں چھپا اندیشوں کا کاٹنا ہی کیوں نہ چھبے... اب یہ قبیلہ، یہ لوگ، یہ بند و قوں

والی خوشیاں، یہی اُس کی تقدیر تھے۔

اسٹیج پر اُسے کچھ دیر بٹھایا گیا،

وہ جیسے پتھر کی بنی بیٹھی رہی۔

تالیاں، آوازیں، باتیں سب دھندلے سے لگنے لگے۔

پھر اچانک کسی نے آکر آہستہ آواز میں خبر دی

"کھانا لگ چکا ہے سردار!" سردار نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما،

اور بغیر کچھ کہے اُسے اپنے ساتھ نیچے لے آیا۔

ہزاروں نظریں اب بھی اُن پر مرکوز تھیں،

لیکن اُس کی نظریں... صرف زمین پر جمی تھیں۔

oooooooo

ایک طویل، لمبا سا ٹیبل سامنے تھا،

جس پر قبیلے کے بڑے بڑے چہرے براجمان تھے۔

ہر چہرے پر فخر، ہر نظر میں تجسس، اور اُس کے دل میں... بس اک گو نجی ہوئی خاموشی۔

سردار نے اُسے اپنے ساتھ ایک خاص نشست پر بٹھایا،

جیسے کوئی بادشاہ اپنی رانی کو تخت پر ساتھ بٹھاتا ہے۔ لیکن دعام کو محسوس ہو رہا تھا یہ تخت، یہ شان، اسے وہ قیمت ادا کرنی ہوگی جو شاید ابھی وہ سمجھ ہی نہ پائی ہو...

○○○○○○

کھانوں کی مہک بڑی زبردست تھی...

ہر طرف خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں،

لیکن دعام نے ایک لمحے میں ہی سمجھ لیا کہ

اس وسیع شاہی ٹیبل پر اس کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

یہاں جو کچھ رکھا گیا تھا، وہ صرف گوشت، شکار، طاقت کا مظہر تھا۔

یہ تھی ایک سردار کی دعوت... جہاں پھولوں کی خوشبو نہیں، بلکہ بھنے گوشت کی تیز خوشبو غالب تھی۔

ٹیبل پر شاہی کھانے سجے تھے،

پھاڑی مرغ جو خود سردار نے شکار کیا تھا، مصالحوں میں بھنا ہوا، ہڈیوں سمیت۔ بارود کی تیز خوشبو جیسے مصالحوں میں بھنی ہوئی چکنی بوٹی، جسے دھکتے کونلوں پر تیار کیا گیا تھا۔

بکرے کے مغز کو خاص انداز میں تندور میں بھون کر کریمی مصالحوں میں دم دیا گیا۔ پہاڑوں سے پکڑے گئے بٹیر، مصالحوں کے ساتھ بستی چاول میں دم پر رکھے گئے۔ ہرن کا گوشت، سرخ تیز مرچوں کے ساتھ، جسے تیز آنچ پر بھونا گیا تھا۔ ایک دیگ جیسی کڑاہی میں چکن، مٹن اور بکرے کی کلیجی، سب کچھ ایک ساتھ گرم مصالحوں اور گھی میں ڈوبا ہوا۔ لمبے وقت تک ہڈیوں سمیت پکائی گئی نہاری، جس کے اوپر تلی ہوئی ادراک اور ہری مرچوں کا ترکا۔ پورا مرغ، جسے بندوق کی نال میں مصالحوں بھر کر روسٹ کیا گیا تھا۔ بکرے کی چانپیں، جو صرف قبیلے کے بہادر افراد کے لیے مخصوص تھیں۔

ٹیبیل کے درمیان میں رکھے گئے سبجے ہوئے شکار

جیسے کسی زمانے کے شاہی دربار کی یاد دلاتے تھے۔

چمکتی ہوئی پلیٹوں میں رکھے گوشت کے انبار،

اور آس پاس قہقہے لگاتے ہوئے لوگ، جنہیں خون اور بارود کی خوشبو سے ہی بھوک لگتی تھی۔

دُعام نے ایک نظر سب کھانوں پر ڈالی،

اور سوچا "یہ سب کچھ اسکے لیے نہیں ہے..."

نہ ان کھانوں کی خوشبو... نہ ان لوگوں کی ہنسی..."

○○○○○○○

"کیا ہوا سجن سائیں؟ تم کچھ کھا کیوں نہیں رہے گی؟"

وہ خود ہی پلیٹ کھینچ کر اُس کے سامنے رکھ چکا تھا، ہاتھ میں چمچ لے کر کچھ ڈالنے ہی والا تھا کہ

دُعام نے آہستگی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں... یہ سب... کچھ نہیں... کھاتی..."

اُس کی سرگوشی جیسی آواز میں جھجک، نرمی اور بے بسی چھپی ہوئی تھی،

"میں گوشت نہیں کھاتی... کسی بھی طرح کا۔" وہ ایسے بولی جیسے کسی جرم کا اقرار کر رہی ہو۔

سردار کے لبوں پر ہلکی سی گہری مسکراہٹ ابھری، جیسے دل کو خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔

"نون و تاج سائیں ہے میرا!" وہ آہستہ سے جھک کر بولا،

میرا سوہنا مکھڑا... تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟

اگر معلوم ہوتا، تو میں تمہارے لیے سپیشل مچھلی شکار کر کے لاتا... اپنے ہاتھوں سے۔" دُعام نے

جلدی سے انکار میں سر ہلایا،

"میں وہ بھی نہیں کھاتی..."

وہ اس کی بات کاٹ کر بولی، اور سردار کا چہرہ لمحے بھر کو جیسے ٹھٹک گیا۔

"بھابھی! بیل کے پائے...؟" جھرو نے ایک چمکتی پلیٹ اُس کے سامنے رکھتے ہوئے جوش سے کہا،

دُعام نے جلدی سے سر ہلایا،

"نہیں... میں یہ بھی نہیں کھاتی۔"

اور سردار کی طرف کھسک آئی، جیسے اس شور میں پناہ ڈھونڈ رہی ہو۔

"بھابھی! قیمہ؟" بالا ایک اور تڑکتے دھواں اڑاتے برتن کے ساتھ حاضر تھا،

دُعام نے نظریں جھکائے پھر سے نفی میں سر ہلادیا۔

میں۔۔ یہ بھی نہیں کھاتی۔۔۔"

قبیلے کے سب لوگ حیرانی سے اُسے دیکھنے لگے، جیسے کوئی خلائی مخلوق ہو۔

"ہائی لڑکی... تو اتنی سی ہے،

اگر تو کچھ کھاتی ہی نہیں تو جیتی کیسے ہے؟"

ایک بزرگ عورت نے ترس اور حیرت میں ڈوبی آواز میں کہا،

"اچھا بتامیری دھی رانی، کیا کھائے گی؟ میں تیرے لیے بنالاتی ہوں۔"

"میں... انڈا کھالوں گی۔" دُعام نے نظریں جھکا کر، جھجکتے جھجکتے کہا اس کے لبوں پر ایک بچگانہ،

بے اختیار سی مسکراہٹ آگئی۔ جیسے اپنی شرمندگی کم کرنے کی ایک معصوم سی کوشش کی ہو۔

قبیلے کی عورتوں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے قہقہے مارے، جبکہ سردار نے سر پیچھے جھٹک کر

ایسا بے باک قہقہہ لگایا کہ سب کی توجہ پھر سے اسی پر مرکوز ہو گئی۔

"ویسے تو میری چوڑی سائیں نون وتج ہے..."

"لیکن انڈا کھالے گی!" سردار نے بلند آواز میں قہقہہ لگا کر سب کو مخاطب کیا،



پھر فوراً پیچھے مڑی ایک بزرگ مائی کو آواز دی

"جامائی... جا!"

اس کے لیے کچھ اچھا سا بنالے، جو اس کے نازک ذائقے کو بھا جائے... میرے لیے بھی،

کہ آج کی محفل کی شہزادی... تو میرا سوہنا مکھڑا ہے!" پھر وہ دُعام کی طرف جھکا، آنکھوں میں

وہی گہری، گرم مسکراہٹ لیے بولا

"اگر میرا یار سجن کچھ نہیں کھائے گا... تو بتاؤ\ \_ سردار کیسے دعوت اڑائے گا؟" دُعام نے ہچکچاتے

ہوئے آہستہ سے کہا،

"نہیں... آپ کھائیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں..."

بس میں نہیں کھاتی، آپ کو تو یہ سب کچھ پسند ہو گا نا..." سردار نے سنجیدگی سے اس کے چہرے

کو دیکھا،

اس کے الفاظ جیسے دل پر لگے ہوں۔ پھر آہستگی سے بولا:

"مجھے سب کچھ پسند ہے... لیکن اس دنیا میں جو سب سے زیادہ پسند ہے... وہ تم ہو، میری سجن سائیں!"

ایک پل کو سب خاموش ہو گئے، جیسے وقت تھم گیا ہو۔"

اور آج... یہ دعوت نہیں، میرا ولیمہ ہے... میرا نصیب کا، گلاب سائیں، میری دُعام... اگر کچھ نہیں کھائے گی، تو مجھ سے کیسے کھایا جائے گا؟

میں تمہارے بغیر لقمہ کیسے توڑوں گا؟" دُعام کی پلکیں لرزیں، دل لرزا... ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار کسی کے الفاظ میں اپنے لیے خالصتاً محبت محسوس کر رہی ہو۔

وہ جو خود کو غیر محسوس کر رہی تھی،

اُس کی ذات اس وقت اس قبیلے کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

"تمہیں اعتراض نہ ہو... لیکن مجھے تو ہے، گلاب سائیں!" سردار کا لہجہ نرم تھا لیکن آنکھوں میں ضد کی چمک تھی۔

"یہ دعوت... صرف تمہارے لیے ہے، میری دُعام کے لیے!" وہ آہستہ سے اس کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھتے ہوئے جھکا

"اگر تم یہ سب کچھ نہیں کھا سکتی... تو پھر میں بھی کچھ نہیں کھاؤں گا۔

اب میں وہی کھاؤں گا جو تم کھاؤ گی!"

پھر پلکوں کے نیچے سے اسے دیکھا، ایک بے باک مسکراہٹ اس کے لبوں پر تیرنے لگی۔

"لیکن ایک مسئلہ ہے... میں انڈا نہیں کھاتا!"

آخری جملہ کہتے ہوئے سردار نے جان بوجھ کر مسکراہٹ دبا کر رکھی، جیسے کسی بچے کی ضد چھپانے کی ناکام کوشش ہو۔

دُعام کا دل ایک پل کو زور سے دھڑکا...

سردار کا نرالا پن، اس کی یہ ضدی محبت، اسے ایک نئی دنیا میں لے جا رہی تھی،

جہاں بندوق تھا منے والے ہاتھ، آج اس کے نازک ذائقے کے تابع ہو رہے تھے۔

"پھر اتنی جلدی اور تو کچھ نہیں بنے گا... میں یہی کھالوں گی!" اس نے بڑی معصومیت سے لب

بھینچ کر ایسا چہرہ بنایا جو ہر ضد ہار مانوا دیتا ہے۔

ننھی سی ناراضگی، بھوک سے لال ہوتی آنکھیں، اور لہجے میں وہ بھولا پن... جیسے کوئی گڑیا ناراض ہو جائے کہ اس کے پسند کا کھلونا نہیں ملا!

سردار کا قہقہہ فضا میں گونجا—دھاڑ جیسا نہیں، محبت جیسا تھا!

قبیلے میں گونجتا وہ قہقہہ سب کے لیے پہلی بار تھا۔ وہی سردار، جس کی آواز صرف حکم اور وحشت کے لیے سنی گئی تھی...

آج جیسے دُعام کے لبوں سے نرمی چرا کر آیا ہو!

"اپنی من پسند چیز کھاؤ، نین سجن!" وہ اس کے کان کے قریب جھک کر نرم لہجے میں بولا،

"اپنے دلدار سائیں کو برداشت کیسے کرو گی، اج تمہیں پیٹ بھر کر کھانا کھانا چاہیے

قبیلے والے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے

یہ وہی سردار ہے؟ جس کی بندوق پہلے چلے، قہقہہ بعد میں سنائی دے؟ لیکن یہ دُعام تھی...

سردار کی "نین سجن..." جس نے سر سے پیر تک سردار کو بدل رکھا تھا۔

مجھے دال چاول بہت پسند ہیں..."

اس نے دھیرے سے، کچھ جھجکتے ہوئے، جیسے اپنی چھوٹی سی خواہش زبان پر لادی ہو۔

سردار نے اس کی بات پر نظریں جھکا کر ایسے دیکھا،

جیسے وہ اس پل صرف اسی ایک جملے کی قیمت پر، ساری دنیا لٹا دینے کو تیار ہو!

مگر اگلے ہی لمحے، اس کی گمبھیر آواز فضا میں گونجی۔ آواز میں ایسا دبدبہ تھا کہ قبیلے کے دلیر بھی چونک گئے!

"دال چاول لے کر آؤ... میری سردارنی کے لیے!"

آواز میں حکم تھا، محبت میں لپٹا ہوا ایسا حکم، جو صرف جنگ کا اعلان نہیں ہوتا، بلکہ دل کی بات کا اقرار بھی ہوتا ہے۔

اور جیسے ہی اس کے الفاظ ہوا میں بکھرے، قبیلے میں ایک ہلچل سی مچ گئی

ہر طرف دوڑتے قدم، باورچی خانے کی جانب لپکتے ہاتھ، جیسے اب صرف ایک کام رہ گیا ہو "سردارنی کی دال چاول تیار کرو!" وہ خاموش کھڑی تھی، لیکن دل میں ایک معصوم سی خوشی تھی۔ اس کے دل میں جیسے پھول کھل رہے تھے۔

اتنی بڑی دنیا میں کوئی تھا، جو اس کی چھوٹی سی خواہش پر دنیا سر پر اٹھالیتا تھا۔

زندگی میں پہلی دفعہ اسے کسی نے اتنی اہمیت دی تھی، اس نے تو کر بھی کسی چیز کا اظہار تک نہیں کیا تھا گھر میں اگر کبھی کبھار گوشت بنتا تو وہ انڈا کھا کر گزارا کر لیتی تھی۔ لیکن کبھی کسی نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ اس نے کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں لیکن یہاں تو اس کے لبوں سے نکلے لفظوں کی اہمیت تھی۔

oooooooo

سردارنی کتنی سادی سی ہے... یوں ہی تو لٹو نہیں ہو گیا سردار اس پر... نہ نخرے، نہ فرمائشیں... بس دال چاول!

اب ایسے میں سردار کا دل کیوں نہ پگھلتا؟

دعام کے لیے سپیشل کھانے بن رہے تھے،

اور وہ خود کچن کے پاس پچھلی چارپائی پر

چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بیٹھی ہنستی مسکراتی گپے لگا رہی تھی۔

”تو چاچی آپ واقعی انڈے پر گزارہ کرتی ہیں؟“ بچی نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا کے بولی،

”تو اور کیا، انڈا ہو اور دال چاول... بس جنت پوری ہو گئی!“

اف ہمیں تو اچھی نہیں لگتی دال ہم سے تو نگلی ہی نہیں جاتی ایک بچی نے منہ چرا کر کہا تو اس کی کھکھلاتی ہنسی نکلی تھی لیکن یہی کھکھلاہٹ سامنے کھڑے سردار پر بجلیاں گرا گئی تھی۔

دال اتنی جلدی تیار کی گئی تھی کہ حد نہیں

فوراً ٹیبل پر کھانے بچے شاہی انداز میں... جیسے کوئی بادشاہی دعوت ہو پلیٹیں سچی تھیں،

صرف دو لوگ تھے وہاں

سردار... اور اس کی سردارنی۔ لیکن پھر بھی شاہی دعوت جیسی ٹیبل لگائی گئی تھی۔

جب اگلے لمحے ہی بالا اور جمر واپنی پلیٹیں تھامے

چپکے سے برابر والی کرسی پر آ بیٹھے۔

”اب سردار جو کھائے گا، بالا وہی کھائے گا!“

بالا نے اعلان کیا۔

”اور بھابھی جو کھائے گی، جمر وہی کھائے گا!“

جمر نے ہنستے ہوئے ساتھ دیا۔ سردار نے ان دونوں کو گھورا، لیکن مسکراہٹ روک نہ سکا، دعام نے نظریں جھکالیں چہرہ سرخ ہو چکا تھا

سردار کی۔ بے باک محبت کی تپش تھی۔ جو نگاہیں اٹھانے نہیں دے رہی تھی۔

جبکہ دونوں... بالا اور جمر... آنکھوں ہی آنکھوں میں سردار کو اشارے کر رہے تھے،

ایسے جیسے کہہ رہے ہوں "اب تو تعارف کروادو نا سردار، اتنا بھی کیا جلانا؟" سردار نے ہنسی دبائی،

پھر گردن ذرا سا خم کر کے اپنی سوہنی سردارنی کی طرف دیکھا،

"اچھا... چونکہ دونوں کی نظریں میرے سینے میں سوراخ کیے جا رہی ہیں تو چلے، کرواہی دیتا ہوں تعارف..." اس نے آواز اونچی کی،

"ویسے تو کسی تعارف کے قابل یہ دونوں ہیں نہیں... لیکن پھر بھی، رسمی سا سہی،" ابھی جمر نے منہ بنایا ہی تھا کہ سردار کی بات گونجی،



"یہ ہے تمہارا دیور... بالا، اسے تم میرا بھائی کہہ سکتی ہو

لیکن... خبردار،" اس نے شرارت سے انگلی اٹھائی،

"یہ جو بیٹھا ہے... جمر... اسے تم اپنا بھائی کہہ سکتی ہو کیونکہ یہ میرا بھائی نہیں ہو سکتا،

کیونکہ بھائیوں والی حرکتیں اس نے کبھی کی نہیں... یہ ہمیشہ بہنوں جیسے خرے کرتا ہے...

تو اسے تم جس حصے میں رکھنا چاہتی ہو رکھ لو، اس کی بات پر پوری میز پر ہنسی گونج اٹھی۔

بالا نے دل پر ہاتھ رکھ لیا،

"کیا سائیں... دل ہی توڑ دیا!" جمر نے جلدی سے پلیٹ کھسکائی،

"ایسا زخم دیا ہے سردار، اب تو روٹی بھی نہ کھائی جائے گی!" وہ دونوں منہ بنائے بیٹھے تھے

اور وہ، جو بیچ میں بیٹھی تھی،

سردار کی بے رحم باتوں پر مسکرا کر رہ گئی۔

"آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں، اتنے اچھے تو ہیں دونوں..." وہ معصومیت سے بولی،

آواز میں ایسی مٹھاس تھی کہ نہ صرف سردار پگھلا

بلکہ سامنے بیٹھے دونوں دل ہار گئے۔

"ہاں سردار... ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟ اتنے اچھے تو ہیں ہم دونوں اگر یقین نہ آئے تو بھا بھی سے پوچھ لو... دنیا جھوٹ بول سکتی ہے، پر تمہارا سجن سوہنا نہیں!" بالانے آنکھ مار کر کہا،

تو جمر نے قہقہہ لگایا۔

وہ دونوں ایسے دکھا رہے تھے جیسے اس ایک تعریف سے آسمان پر پہنچ گئے ہوں۔

سردار نے آنکھیں گھمائیں، پھر خود آگے بڑھا،

اپنے سوہنے مکھڑے کو دیکھا... اور دھیرے سے نرمی سے اپنے ہاتھوں سے نوالہ اٹھایا...

"بس اب چپ ہو جاؤ تم دونوں..."

میری سردارنی کو کھانا کھانے دو،

کیونکہ جس کے ایک بول پر تم دونوں زمین بچھانے کو تیار ہو،

وہ صبح سے بھوکی ہے۔ وہ اس کی شرم و حیا کو نظر انداز کرتا ہے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلانے لگا

تھاجب کہ دعام میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ انکار کر پاتی خاموشی سے سر جھکائے اس کے

ہاتھ سے کھانا کھاتی رہی دال چاول سچ میں بہت ہی مزیدار تھے یہاں کی عورتوں کے ہاتھوں میں بہت ذائقہ تھا۔

○○○○○○

سردار کی آنکھوں میں چھپی وہ بے تابیاں، جو صرف ایک چہرے کے لیے تھیں... ایسی بے قراری جیسے برسوں کی پیاس آج لبوں تک آئی ہو، جیسے پوری دنیا کو بتا دینا چاہتا ہو کہ یہ جو میرے ساتھ بیٹھی ہے... یہ کوئی عام لڑکی نہیں، یہ میری دھڑکن ہے، میری روح ہے۔ پورے قبیلے کی نظریں اسی ایک جوڑے پر تھیں۔ کسی کو سردار کی نرم آنکھوں نے حیران کیا،

تو کسی کو اس معصوم لڑکی کے جھکے جھکے پلکوں میں چھپی شرافت نے گرویدہ کر لیا۔،  
"کیا سادگی ہے بھئی، سردار تو واقعی عاشق نکلے..." کسی عورت نے آہستہ سے کہا  
"ایسی میٹھی زبان ہے لڑکی کی، قسم سے دل جیت لیا..." کسی نے رشک سے دیکھا،

لیکن سردار کو تو کسی کے جذبات کی پرواہ نہیں تھی، اسے تو صرف ایک فکر تھی اس کے گلاب سائیں کے چہرے پر کبھی وہ سائے نہ لوٹ آئیں جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

اسی لیے، جب اس نے آہستہ سے سردار سے پوچھا،

"آپ نے میرے گھر والوں کو ویسے میں کیوں نہیں بلایا؟" تو سردار کی آنکھوں میں ایک پل کو شعلہ سالپکا،

پھر لہجہ ٹھنڈا اور فیصلہ کن ہو گیا۔

"تمہارے گھر والوں کو تو بولنا ہی نہیں آتا..."

یہاں ولیمہ کیا خاک کریں گے؟ بس کانپنا ہی آتا ہے انہیں..." وہ کچھ لمحے رکا،

پھر طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی،

"ایک گولی چھوڑ دوں گا ان کے علاقے میں،

وہیں کانپنا شروع کر دیں گے، نہیں تو گلی کے قریب سے گھوڑے گزار دوں گا، دل دہل جائے گا

ان کا..." وہ سر جھکا کر سنتی رہی،

مگر سردار وہیں نہیں رکا۔

"کانپنے والے کام گھر بیٹھ کر بھی کر سکتے ہیں،

دعوت میں وہی آتے ہیں جن کا چہرہ دیکھ کر دل کو سکون ملے... اور میں نہیں چاہتا،

کہ وہ منہوس شکلیں دوبارہ تیرے سامنے آئیں،

کیونکہ اب..." وہ اس کی ٹھوڑی کو چھو کر اپنے مقابل کر چکا تھا،

"اب تم صرف خوش رہنے کے لیے بنی ہو میرا یار سجن،

پرانا قصہ ختم، سردار کی سردارنی صرف ہنسی میں اچھی لگتی ہے... اس کے لہجے میں جیسے کوئی حکم

تھا وہ نگاہیں جھکا گئی۔

○○○○○○

محفل ختم ہو چکی تھی اور سردار اپنی سردارنی کو لے کر واپس اسی پہاڑی چٹان کی طرف جا رہا تھا

جہاں وہ رہتا تھا، ایک ایسے شہنشاہ کی طرح جس کی دھڑکن پوری وادی میں سنائی دیتی ہو۔

چھوٹے چھوٹے بچوں کے بیچ وہ بھی بے فکر اور خوش نظر آرہی تھی، مگر دل کے اندر ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اب نیا مرحلہ آچکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے اس رشتے کو مکمل کرنے کا، اپنے دل کی ہر خواہش کو حقیقت میں بدلنے کا۔

سردار کی بے تاب نگاہیں بار بار اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، جیسے ہر بار نیا جذبہ، نیا پیار باندھ رہی ہوں۔ وہ دل کی تمام تر رضامندی کے ساتھ اس رشتے میں آگے بڑھنا چاہتی تھی، مکمل یقین کے ساتھ کہ جو بھی مقدر میں لکھا ہے، وہی ہو گا۔

وہ اپنے تایا سے کہہ چکی تھی کہ جہاں بھی دل چائے، اسے وہاں رخصت کر دیں نہ کبھی اعتراض کرے گی نہ کوئی سوال اٹھائی گی، کیونکہ وہ اپنے رب کی رضا میں راضی تھی۔ اور اب بھی وہ اسی بات پر قائم تھی، ہر حال میں راضی تھی۔ اگر اس کا نصیب اسے سردار کے ساتھ باندھتا ہے، تو وہ خوشی خوشی اسی کے ساتھ رہے گی۔

وہ نرمی سے اس کی باہوں میں آگئی، سردار نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا۔ وہ دونوں چٹان کی جانب بڑھنے لگے، ایک ساتھ، ایک دوسرے کا سہارا بنے، جہاں محبت کے سنگ مرمر پر لکھی داستانیں ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گی۔

oooooooo

دلدار، دعام کو اپنی باہوں میں اٹھائے روم میں لایا تھا۔ جیسے کسی نازک پھول کو حفاظت سے سنبھال رہا ہو۔

آنے والے وقت کو لے کر دعام کی دل کی دھڑکنیں تیز تھیں، اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ پہلی بار کسی مرد کی اتنی قربت میں تھی، اس کے دل میں خوف بھی تھا، اور سردار کی بے باک نگاہیں اس کے خوف کو بڑھا بھی رہی تھی۔

دلدار آہستہ سے چلتا دعام کو بستر پر بٹھا چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی محبت اور نرمی کا وہی لمس تھا، جو دعام کو اپنے اندر کھینچ رہا تھا۔

آج یہ فاصلے مٹانے کی رات ہے... آج تمہارا اثر مانا، گھبرانا سب کچھ میرے اس دل کی نوکیلی دیواروں میں ہمیشہ کے لیے قید ہو جائے گا۔ میرا گلاب سائیں آج سے میرا سوہنا مکھڑا صرف اور صرف سردار کا ہو جائے گا... ہمیشہ کے لیے۔۔۔ اور سردار صرف تمہارا۔۔۔"

میرے خیال میں... باتوں میں اس حسین رات کا یہ قیمتی وقت ضائع کرنا تو گناہ ہو گا نا، میرا یار سجن؟ اور تم تو ویسے بھی ہر بات پر "ڈاکو جی" کہہ دیتی ہو، تو آج اس خواہش پر بھی "جی" کہہ دو نا...

اس کی ناک کی نوک کو چھوتے ہوئے وہ مسکرایا

یہ وہ رات ہے، جسے میں صرف اپنی بانہوں میں محسوس کرنا چاہتا ہوں، تمہارے لبوں سے نہیں، تمہارے پور پور سے سننا چاہتا ہوں کہ تم میری ہو— صرف میری! اس کے لہجے میں جنونیت تھی

جب وہ اس کے کان کے قریب ہو کر سرگوشی میں بولا،



اچھا کانپ لینا جتنا کانپنا ہے پہلے یہ بتا دو کہ یہ دوپٹے کی پن کیسے کھلتی ہے وہ کیا ہے نا میں ایکسپیرینسڈ نہیں ہوں وہ بے حد نرمی سے اس کے دوپٹے کو ہٹا رہا تھا جبکہ اس کی باتیں اس کی شوخی اسے اور زیادہ نروس اور کنفیوز کر رہی تھی۔

وہ پہلے تو نرمی سے جھکا تھا، مگر جب وہ پنز بار بار اس کی انگلیوں کو چھنے لگیں، تو وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"کیا مصیبت ہے یہ بھی...!"

وہ آہستہ سے بڑبڑایا، اور پھر دو انگلیوں کی مدد سے اس کے گلے کے قریب آیا، اور ایک ہی حرکت میں دوپٹے کو اس کے وجود سے آزاد کر دیا۔

"اسے ڈر تھا کہیں کوئی پن دعام کو چب نہ جائے... اور اسے غصہ تھا کہ یہ پنز لایا کون تھا، جس نے اس رات کا مزہ کر کر کر دیا۔"

اس کی نظریں اس کے کھلے وجود پر رک گئیں،

دل میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔

"دومنٹ برباد ہو چکے ہیں..."

اب اگر کسی اور نے اس رات کے لمحات میں دخل دیا نا... تو میں قسم کھاتا ہوں، یہ رات اپنے لیے تو حسین بناؤں گا لیکن سارے قبیلے والوں کے لیے قیامت کی رات بنا دوں گا وہ غصے سے بولا، حالانکہ وہ یہ سوچ کر کنفیوز ہو گئی تھی کہ بلا اس میں قبیلے والوں کا کیا قصور ہے۔ وہ اس سے ذرا پڑے ہوتا اپنے بازوؤں کے بٹن کھولنے لگا

دلدار نے اپنی قمیض کے بٹن آہستہ آہستہ کھولنے شروع کیے، تو اس کی گھبراہٹ بھرنے لگی تھی قمیض کے آخری بٹن کے ساتھ ہی دلدار کا پٹھوں سے بھرپور، گہرا بھورا رنگت والا سینہ نظر آیا، جس پر پسینے کی ہلکی چمک تھی۔ اس کا سکس پیک چٹانی سینا ابھر رہا تھا، جس نے دعام کی نظریں اپنی طرف کھینچ لیں۔

اس کے ماتھے پہ پسینے کی بوندیں چمکنے لگی تو نگاہیں خود بخود جھک گئی تھی دلدار کا جسم بھرپور مردانہ طاقت کا شاہکار تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک نرم دل کا عکس بھی تھا صرف اور صرف اس کے لیے تھا۔

اس کی آنکھوں کی نرمی، اس کے میٹھے لہجے میں چھپی مٹھاس... یہ سب کچھ، صرف اور صرف دعام کے لیے تھا۔ یہ حقیقت اب اس پر پوری شدت سے عیاں ہو چکی تھی۔ یہاں رہتے، وہ ہر اشارہ، ہر جذبہ، ہر نظر کا مطلب سمجھنے لگی تھی۔۔۔ اور اب شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی وہ، صرف اسی کے لیے خاص تھا، صرف اسی کے لیے الگ تھا۔

دلدار نے اس کے قریب آتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھا، نرم اور تھوڑے سے لرزتے ہوئے۔

دعام کی خوبصورت و نازک صورت پر شرم و خوف کا رنگ تھا، مگر اس کے دل میں ایک چھوٹی سی روشنی بھی جل رہی تھی، وہ اس کی آنکھوں میں قبولیت کی تحریر پڑھ رہا تھا۔

'جانتی ہو سجن سائیں!! یہ دنیا کہتی ہے کہ سردار دلدار، بے رحم ہے لیکن، آج تمہارے سامنے میں کمزور ہوں' اور میں کمزور رہنا چاہتا ہوں "وہ گمبھیر لہجے میں کہتا اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں ہنوز جھکی ہوئی تھی۔

آج وائبریشن پر کیوں لگی ہو میرا سوہنا مکھڑا میں شوہر ہوں تمہارا کوئی لٹیرا تو نہیں ہاں دنیا کے لیے لٹیرا ضرور ہوں لیکن تمہارا لمس میرے لیے سانسوں کی امانت ہے، وہ اس کے کانپنے پر چوٹ کرتے ہوئے بولا تھا جب کہ وہ اب بھی یوں ہی الجھی الجھی سی تھی۔

اس نے اپنی انگلیوں کو دعام کے نرم بالوں میں الجھایا اور آہستہ آہستہ اس کے کندھوں سے لے کر بازوؤں پر چھونا شروع کیا۔ اس کا یوں بے باکی سے چھونا دعام کی جلد پر پروں کی طرح نرم تھا، جو اس کے دل کو چھو رہا تھا۔ دعام کی آنکھوں میں آنسو تھے، جو اس کی گھبراہٹ اور محبت کا حسین امتزاج تھے۔ اسے ڈر لگ رہا تھا لیکن اسے برا نہیں لگ رہا تھا نہ اس کا چھونا، اس کا قریب آنا،

دلدار نے اپنی سانسیں دعام کی گردن اور گالوں پر محسوس کرائیں، تو دعام نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اور اس لمحے میں خود کو مکمل طور پر دلدار کے پیار میں سپرد کر دیا۔

دلدار نے دعام کو آہستہ سے اپنے قریب کھینچا، ان کے بدن ایک دوسرے کو محسوس کرنے لگے۔ دعام نے دلدار کے سینے سے اپنا چہرہ لگایا، اور وہ خوشبو جو دلدار کی تھی، اس کے اندر ایک سکون بھر گئی۔ دلدار نے نرم اور محبت بھرے انداز میں دعام کے ہونٹوں کو چھوا،

وہ اسے چوم رہا تھا نرم، پیار بھرا، جس میں کوئی جلد بازی نہیں تھی، صرف خلوص اور محبت کی زبان بولی جا رہی تھی۔ دعام کی ہر گھبراہٹ وہ خود میں قید کر رہا تھا

○○○○○○○

"میں تھوڑا جذباتی انسان ہوں لیکن میں کوشش کروں گا کہ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے تمہاری آنکھوں میں میری وجہ سے کوئی آنسو نہ آئے۔

میں ذرا جنونی قسم کا انسان ہوں سجن سائیں محبت بھی کرتا ہوں تو ایسے جیسے کوئی دشمنی نبھا رہا ہوں، آج تک کسی کو نرمی سے چھوا نہیں لوگ کہتے ہیں میرا چھونا ایسا ہے جیسے میں کوئی انتقام لے رہا ہوں اور ویسے تم نے تو دل کی دنیا ہلائی ہے، تم سے تو انتقام بنتا ہے نا۔ گھبراؤ مت مذاق کر رہا ہوں۔

تمہارا گھبراہٹ مجھے حدیں پار کرنے پر اکساتا ہے

اسنے دعام کی گردن کے قریب اپنے ہاتھ کو آہستہ سے پھیرا، پھر اپنی انگلیوں کی نرمی دعام کے بازوؤں سے نیچے لے گیا۔ وہ اس کے پور پور کو پیار اور نرمی سے چھو رہا تھا، جیسے اپنی محبت کا تحفہ

دے رہا ہو۔ دعام کی سانسیں بے اختیار تیز ہو گئیں، لیکن اس کی آنکھوں میں ابھی بھی گھبراہٹ تھی، جو دلدار کے لمس میں آہستہ آہستہ بھر رہی تھی

دلدار نے جھک کر دعام کے کان کے پاس آہستہ سے سانسیں چھوڑیں،، جو دعام کے جسم کو چھو کر ایک سنسنی سی دوڑا گئی۔ دعام کے گالوں پر سرخی چھا گئی، اور وہ اپنے آپ کو دلدار کے ہاتھوں کے درمیان محفوظ محسوس کرنے لگی۔

لیکن گھبرا اور کانپنا اب بھی وہیں کا وہیں تھا۔

اس کا ہاتھ دعام کے پیچھے کمر پر آہستہ سے سرکنے لگا، دلدار نے اسے کھینچتے ہوئے، اسے اپنے قریب کیا تو دعام کا دل اس کی دھڑکن سے ٹکرایا۔ اس قربت میں دعام نے اپنے دل کی دھڑکن کو محسوس کیا، جو کبھی اتنا تیز تھی کہ حد نہیں تو کبھی اتنا نرم، جیسے رک ہی جائیں گی۔

دلدار حد سے بڑھ رہا، اس کے ہونٹ اب دعام کے کندھے کو چومنے لگے، نرم اور پیار بھرے، وہ ہر لمس میں اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا، بغیر الفاظ کے۔ دعام کے ہاتھ دلدار کے سینے پر رک گئے، وہ تھوڑا لرز رہی تھی مگر دل سے تسلیم کر رہی تھی کہ یہ لمحہ ان کے رشتے کا آغاز ہے۔

میرا کانپتا سجن، "تم جانتی ہو، تم میرے لیے کیا ہو؟ تم وہ دعا ہو جو میں نے ہمیشہ مانگی، مگر جب ملی...  
تو میری رگ رگ میں اتر گئی۔ تم صرف میری بیوی نہیں ہو... تم میرے وجود کی سب سے  
خوبصورت پہچان ہو۔ میرا سوہنا مکھڑا

یہ رات صرف تمہیں چھونے کی نہیں، تمہیں محسوس کرنے کی ہے... تمہاری ہر دھڑکن کو اپنے  
سینے میں اتارنے کی ہے... اور تمہیں یقین دلانے کی ہے کہ تم صرف آج کی نہیں، میرے ہر  
آنے والے لمحے کی ملکہ ہو۔"

وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر آہستہ سے بولا  
"تم وہ عورت ہو جس کے بعد کسی اور کی طرف آنکھ اٹھانے کا دل نہ کرے... تم میری آخری  
خواہش ہو... اور اب، میری پہلی سانس ہو!"

وہ بے حد محبت سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا ارادہ صرف اور صرف اسے اپنے ساتھ کنفر ٹیبل  
کرنے کا تھا کیونکہ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ بے اختیاری میں اس سے ذرا فاصلے پر چلی گئی تو  
دلدار نے پھر سے دعام کی نازک کمر کو اپنے ہاتھوں سے تھام کر آہستہ آہستہ اسے اپنی طرف  
کھینچا۔ دعام کے دل کی دھڑکن زوروں پر تھی، دلدار نے اپنے ہونٹ دعام کی گردن کے قریب

لا کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنا شروع کیں۔ اس کے ہونٹ بے باکی سے اس کی گردن کو چومنے لگے تھے اس کے لبوں کا لمس اسے پاگل کر رہا تھا۔

اسے اپنے حصار میں لیتے ہوئے دلدار نے اپنے ہاتھ دعام کے بازوؤں سے نیچے لے جاتے ہوئے اس کے کندھوں کو سہلایا، پھر آہستہ آہستہ اس کی کمر کو نرمی سے چھونا شروع کیا۔ دعام کی چھوٹی چھوٹی سانسیں اس کی سحر انگیز محبت کو ظاہر کر رہی تھیں، لیکن وہ ابھی بھی گھبرائی ہوئی تھی، کیونکہ یہ سب اس کے لیے نیا تھا۔

دلدار نے اپنے ہونٹ دعام کے کندھے پر رکھے اور نرم اور گہری سانسیں چھوڑیں۔ دعام کی سکن اس کی سانسوں کی گرمی سے جھنجھنارہی تھی۔ دلدار کی سخت کھر دوری انگلیاں دعام کے بدن پر محبت کا پیغام دے رہی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ دعام کو ہر لمحہ یہ احساس ہو کہ وہ محفوظ اور خاص ہے۔

نہ جانے اس کی محبت کی تپش تھی یا کچھ اور دعام نے بے اختیار تھوڑا سا اپنا ہاتھ دلدار کے ہاتھ پر رکھا۔ دلدار نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ دونوں کے دل ایک دوسرے کے قریب تھے، اور وہ محبت کا ایک حسین لمحہ بانٹ رہے تھے۔



"میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں، دعام۔ تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔" دعام نے نرمی سے اپنی سہمی ہوئی آنکھیں کھول کر اس کی آنکھوں میں دیکھا

وہ اس کے نرم گالوں کو اپنے ہونٹوں سے چھونے لگا، دلدار نے آہستہ آہستہ اپنی انگلیوں کو دعام کے بدن کے کناروں پر پھیرنا شروع کیا، جیسے نرمی سے کسی قیمتی خزانے کو چھو رہا ہو۔ دعام کی جلد پر اس کے لمس کی ہر ایک جھلک اس کے دل کو چھو رہی تھی، اور وہ آہستہ آہستہ اس لمحے میں کھو گئی تھی۔

اس کا انداز اتنی نرمی لیے ہوئے تھا کہ وہ بھولنے لگی تھی کہ وہ شخص کوئی عام شخص نہیں لڑکی کے اس سے وحشی درندے سے کم نہیں ہے۔

دلدار نے اپنے ہونٹ دعام کے گال پر رکھے، اور پھر نرم انداز میں اس کے چہرے کا سفر اپنے لبوں سے کرتے ہوئے ہونٹوں کو چھوا، جیسے محبت کے سب سے پیارے راز اس لمس میں چھپے ہوں۔

دعام کی آنکھیں نیم بند تھیں، اس کے دل کی دھڑکن اس کی سانسوں کے ساتھ مل کر ایک حسین موسیقی کی مانند بج رہی تھی۔ دلدار نے آہستہ آہستہ دعام کے گردن پر اپنے ہونٹ

پھیرے، اور پھر نیچے آتے ہوئے اس کے دل کے قریب پہنچا۔ دعام کی سانسیں اب بے قابو ہو چکی تھیں، اور وہ اپنے آپ کو دلدار کی محبت میں مکمل طور پر الجھے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

دلدار نے اپنے ہاتھ دعام کے کمر سے اٹھا کر اس کے بازوؤں پر نرمی سے چلائے، پھر اسے اپنے سینے سے تھوڑا اور قریب کھینچا۔ اس کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک تھی، جو دعام کی کمزوریوں اور خوفوں کو دھیرے دھیرے مٹانے کا وعدہ کر رہی تھی۔ دعام نے دلدار کے سینے کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا،

"تمہاری ہر خواہش میرے دل کے قریب ہے، دعام۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ خوش رہو۔"

اور میں تمہیں ہمیشہ خوش رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کا وعدہ کرتا ہوں دلدار نے صرف تم ہے اپنی شہزادی کہا نہیں ہے دلدار تمہیں اپنی شہزادی بنا کر رکھے گا

دلدار نے اپنے ہونٹوں کو دعام کے ہونٹوں سے ملا لیا، اس کے انداز میں شدت گھلی ہوئی تھی وہ جیسے اس کی سانسیں کھینچ رہا تھا،

اس کی بے باکیاں دعام کو پاگل کر دینے کو تھی اس کے ہونٹوں کی بے باکی اس کے گالوں کو کبھی اس کے ماتھے کو، کبھی اس کے لبوں کو، کبھی اس کی گردن کو، تو بھی حد و پار کر دیں ہوئے اسے چوم رہی تھی۔

وہ پوری طرح اس کی باہوں میں قید اس کی سینے میں پناہ لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن آج تو جیسے اس کا سینہ بھی میسر نہیں تھا۔

"میرے سوہنے دل، اس سینے میں آکر مجھ سے چھپنے کی کوشش مت کرو... مجھے اپنے ہی سینے سے جلن ہو رہی ہے، کہ تم میرے اتنے قریب ہو کر بھی مجھ سے چھپی ہوئی ہو!"

کبھی کبھی دل چاہتا ہے تمہیں خود سے اتنا قریب کر لوں کہ تمہیں اپنے علاوہ کچھ محسوس ہی نہ ہو... نہ ہوا، نہ پردہ، نہ فاصلہ، نہ شرم... بس تم... اور تم پر میرا حق!"

وہ آہستہ سے اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتا ہے

"آج کی رات تم میری ہو— مکمل، بے حد، بے پناہ... اور اگر تم نے دوبارہ مجھ سے چھپنے کی کوشش کی، تو یاد رکھنا... میں تمہیں خود سے بھی چھین لوں گا۔"

اس کے انداز میں عجیب سا جنون گھلا ہوا تھا وہ اس کی بات تو پر حیران ہو یا پریشان اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا ہاں لیکن وہ اس کی باتوں پر شرمنا نہیں پارہی تھی پہلے رات کی دلہن کی طرح وہ اس سے شرمنا نہیں دے رہا تھا۔ وہ بس اسے اپنے قریب کرنا چاہتا تھا بے حد قریب وہ ہر فاصلہ مٹانا چاہتا تھا

دعای کوئی اس سے خوف آ رہا تھا اس کی نظریں جھکی تھیں، سانسیں بے ترتیب تھیں، اور وجود میں ایک بے نام سالرزہ بکھرا ہوا تھا۔

اور وہ... اس کے بالوں کی مہک سے لے کر قدموں کی پور تک ہر زاویے پر جنون کی شدت سے جھکا ہوا تھا۔

اس کے ہاتھوں کی انگلیاں اس کے بازوؤں پر سرک رہی تھیں،

اور لب... لب اس کے کندھے سے شرٹ سرکاتے ہوئے اس کی نازک بدن پر آہستہ آہستہ برف جیسے لمس چھوڑ رہے تھے۔

"تم میری ہو صرف اور صرف میری اس کے گردن کے لمس کے سائے میں جلنے لگی تھی..." اس کے لہجے میں وہ وحشت تھی جو محبت کی انتہا پر ہوتی ہے، وہ بے باکی، جو صرف شوہر کا حق ہوتی ہے۔

وہ اس کے پور پور کو چوم چوم کر، اپنی چاہت کی مہر لگا رہا تھا، جیسے کہہ رہا ہو "یہ تم نہیں، یہ تمہارے وجود کے وہ حصے ہیں جہاں اب صرف میرا نام لکھا جائے گا۔" وہ اس کی گردن پر جھکا، اور ایک لمحے کے لیے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی:

"تم جانتی ہو، میں تمہیں صرف چھونا نہیں چاہتا... میں چاہتا ہوں تمہاری ہر دھڑکن، ہر آہٹ، ہر سانس... میری دھڑکن میں گم ہو جائے۔"

اور پھر، تم ہمیشہ کے لیے میری ہو جاؤ وہ اس کے ہونٹوں تک آیا۔

نرمی سے، شدت سے، جنون سے... ایسے چومتا گیا جیسے برسوں کی پیاس ہو۔

اس کی سانسیں لرزنے لگیں، آنکھیں نم ہو گئیں،

اور وہ خود میں سمٹنے لگی۔ مگر وہ کہاں رکنے والا تھا؟

وہ تو جیسے آج کی رات اسے پورا پالینا چاہتا تھا... حاصل کر لینا چاہتا تھا۔

جیسے خود میں گھول لینا چاہتا ہو۔

"آج تم صرف میری ہو... لیکن صرف آج کے لیے نہیں ہمیشہ کے لیے۔ اور میں تمہیں اس طرح اپنا بناؤں گا، میرا سوہنا مکھڑا کہ تم چاہ کر بھی کبھی خود سے الگ نہ کر سکو گی مجھے۔

وہ... اس کی پوروں پر نہیں، اس کی سانسوں پر جھکا تھا، اس کے لفظوں میں شدت تھی

ایسے جیسے وہ ہر سانس سے اپنا نام لکھ رہا ہو۔

اس کے ہونٹ... اب چپ نہیں تھے۔

جیسے برسوں کی تشنگی آج مٹانے کی اجازت ملی ہو۔ اس کا وجود نرم، نازک اور تھرتھراتا ہوا...

ہر بار جب وہ جھکتا، اس کے لمس سے وہ کانپ اٹھتی۔ جیسے خود کو ہار چکی ہو اس شخص کے سامنے

جو نرمی سے جنون میں ڈھل چکا تھا۔

وہ اس کے بالوں سے لے کر گردن کی لکیر تک،

پھر کندھے، کمر، اور پھر ہر بے نام جگہیں...

جہاں صرف محبت چھپتی ہے وہ سب کو آہستہ آہستہ اپنی چاہت میں گوندھتا جا رہا تھا۔

اس کی سانسیں تیز تھیں، آنکھیں بھیگی ہوئی، اور جسم... بس اس ایک لمس پر جھک رہا تھا، ٹوٹ رہا تھا، اس کی جنونی محبت کے سامنے وہ ہار سی گئی خاموشی سے اس کے سینے میں چھپ کر وہ خود کو اس کے حوالے کر دے پری طرح، صرف اس کی ہو گئی

اور وہ... جیسے اسے چھو کر نہیں، اسے خود میں دفن کر کے، پھر سانس لینا چاہتا ہو۔

لمحے تھم گئے تھے، وقت نے آنکھیں بند کر لی تھیں...

اور محبت — اب صرف ایک لمس نہیں، ایک مکمل حسن کا روپ لے چکی تھی۔ وہ اس کے بالوں میں چہرہ چھپائے، جیسے خود کو اس کی خوشبو میں دفن کرنا چاہتا ہو، سانسیں اس کی گردن کو چھو رہی تھیں... اور لمس؟

وہ تو جیسے ہر پور پر اپنا نام تحریر کر چکا تھا۔

اس کا دوپٹہ جانے کب پھسل چکا تھا،

اور اس کی فراک کی ڈوریاں اچانک ٹوٹ کر کہاں بکھری تھی...۔

"جیسے یہ لباس بھی رکاوٹ تھا... ان کی ملن کے درمیان... یہاں سے ایک نیا سلسلہ شروع ہوا تھا یہاں سے ایک نئی کہانی شروع ہوئی تھی۔

کیف لمحہ تھا جہاں محبت نے جنم لیا،

دعام کی معصومیت، اور دلدار کی شدت... "یہ وہ پل تھا، جہاں دعام اور دلدار... اپنے ناموں سے نکل کر، محبت کے ایک نام میں سما گئے۔

یہی وہ لمحہ تھا... جب دعام اور دلدار، دلدارم بن گئے۔ "ہمیشہ کے لیے ایک ہو گئے

دلدار اسے چاہت بھری بھگی نگاہوں سے دیکھتا رہا—جیسے کچھ مانگنے کے بجائے، چھیننے کا ارادہ رکھتا ہو۔

دعام کی پلکیں بھیگ رہی تھیں، مگر یہ آنسو نہیں تھے،

یہ شدت تھی... وہ، بے بس سی، بس اپنے وجود کو سمیٹنے کی کوشش میں تھی

جبکہ وہ... ہر لمحہ اسے توڑ کر، بکھیر کر، پھر اپنی بانہوں میں سمیٹنے پر تلا تھا۔ لمحے وہ تھے...



جہاں محبت نے شرم کے دامن کو سلیقے سے ایک طرف رکھا، اور جذبے نے مکمل طور پر حق رفاقت جتا دیا۔ کمرے کی دیواریں بھی شاید سرخ ہو گئی تھیں... نہ منظر واضح تھا، نہ الفاظ ضروری، بس وہ لمس تھا، جو چیخ کر کہہ رہا تھا:

"آج کی رات... تم صرف میری ہو، مکمل، بے حد، بے قید..." اور وہ اس کی ہو گئی تھی ہمیشہ کے لیے

○○○○○○○

وہ اسے اپنی چاہتوں کی بارش میں بھگورہا تھا...

ہر لمس، ہر سانس، ہر سرگوشی... ایسی بے قراری سے بھری تھی کہ جیسے صدیوں کی پیاس آج بجھ رہی ہو۔ کمرے میں روشنی مدھم تھی...

مگر ان کے درمیان کی روشنی — وہ لمس، وہ قرب، وہ مکمل ہونے کی تپش —

ہر دیوار پر سانس بن کر ٹک رہی تھی۔

باہر آسمان پر بادلوں کا بسیرا تھا،

اور رم جھم بارش ان کے لمحات کو گویا رب کی گواہی دیتی محسوس ہو رہی تھی۔

پردے ہولے ہولے ہوا سے سرک رہے تھے...

اور ہر چیز جیسے رک گئی تھی،

صرف ایک لمحہ زندہ تھا۔

جس میں وہ دونوں ایک دوسرے میں مکمل ہو چکے تھے۔ دعام شرم سے سمیٹی ہوئی تھی،

سانسوں کی رفتار اب بھی تیز تھی،

سردار کا چہرہ اس کے گردن کے پاس تھا،

سانسوں کی گرمائش اب بھی اس کی جلد کو چھو رہی تھی، جیسے وہ اسے یقین دلارہا ہو۔

"اب وہ صرف اس کی ہو چکی ہے... ہر طرح سے، ہر انداز میں۔" وہ رات... صرف جسموں کی نہیں،

روحوں کی قربت کی رات تھی۔

بارش کی ہر بوند جیسے زمین کو چوم رہی ہو،

ویسے ہی وہ اس کے وجود کو... اپنے جذبات سے، اپنی شدت سے... چپ چاپ، بے آواز مکمل کر رہا تھا۔

ایک ایسی خاموشی تھی جو چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی — یہ رشتہ اب صرف دنیاوی نہیں رہا، یہ... کسی پاکیزہ بندھن کا مکمل اعلان تھا۔

○○○○○○○

فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں...  
ہوا میں ایک الگ سی پاکیزگی گھل چکی تھی،

جیسے رات کی ساری شدتیں، اب کسی میٹھی صبح میں بدل گئی ہوں۔

دعام نیم غنودگی میں اس کے سینے سے لگی،

سانسوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ تھوڑا کا پتی،

جیسے تھکن نے ہار مان لی ہو

لیکن محبت نے نہیں۔ سردار کی آنکھیں اب بھی جاگ رہی تھیں... وہ اسے دیکھ رہا تھا —

حیرت، اور بے انتہا چاہت سے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، لب ہلکے سے کھلے، چہرے پر عجیب سی معصوم تھکن... جیسے کسی بچے نے خواب میں اپنا سب کچھ پالیا ہو۔ اس نے دھیرے سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا،

اور سرگوشی کی:

"پوری رات... میں تمہیں چاہتا رہا،

اور اب... جب اذان کی آوازیں سب کو جگا رہی ہیں، تو میرا دل بھی سجدے میں جھک رہا ہے۔  
رب کا شکر ادا کرنے کے لیے کہ تم... تم میری ہو چکی ہو۔" ویسے میں کبھی کبھار عبادت کرتا ہوں  
لیکن اگر آج تم ساتھ دو تو مل کر کریں گے دعا ماننے آ نکھیں کھولے بغیر اس کے سینے سے لپٹتے  
ہوئے خود کو اس میں چھپایا تھا۔

اب شرمانا گھبرانا بعد میں کر لینا پوری زندگی پڑی ہے چلو ذرا عبادت بھی کر لیں، میرا سوہنا مکھڑا  
۔۔۔ "وہ بے حد نرمی ہے اس کے گالوں پر وانگلیاں پھیر رہا تھا جب محسوس ہوا وہ جاگ رہی ہے

تمہارا جاگنا مجھے اکسار ہا ہے۔ میں سچ میں اس خوبصورت صبح کی شروعات اللہ کے ذکر سے کرنا چاہتا ہوں۔

ہاں تو آپ جائیں نا "پہلے... آپ واش روم میں جائیں، اور... مجھے مت دیکھیے!"

وہ اس کے سینے میں چھپی، گھبرائی گھبرائی سی آواز میں بولی۔

کمرے میں ہلکی سی روشنی اور خاموشی تھی، لیکن اس کی معصوم گزارش نے دلدار کو چونکا دیا۔

پھر وہ ہولے سے ہنسا، دھیرے سے جھکا اور اس کے کان کے قریب سرگوشی کی:

"ہائے! میرا سجن سائیں تو مجھ سے شرمارہا ہے؟ چلو کوئی نہیں... وقت کم ہے، اذانیں کافی دیر سے ہو رہی ہیں۔"

ورنہ میرا تو ارادہ تھا کہ تمہارے ساتھ ہی فریش ہو جاؤں... خیر!

یاد رکھنا، آج تمہیں شرمانے کا وقت دیا تھا... کل شاید نہ ملے!"

یہ کہہ کر اس نے شوخی سے اس کے نرم گالوں کو اپنی انگلیوں کے درمیانی لمس سے تھما، ان پر

ایک نگاہ محبت ڈالی اور پھر مسکراتے ہوئے واش روم میں بند ہو گیا۔

جب کہ وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنے بدن پر اس کی کالی قمیض محسوس کر کے شرم سے پانی پانی ہونے کو تھی۔

یہ اس نے کب پہنائی تھی اسے یاد نہیں تھا، وہ تو اس کی پناہوں میں بکھر کر گہری نیند میں اتر گئی تھی۔ وہ کب سویا کب جاگا اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا سو یا بھی تھا یا نہیں وہ نہیں جانتی تھی۔ بس ایک رشتہ تھا جو مکمل ہو چکا تھا اس کے زندگی کا دوسرا باب شروع ہو چکا تھا۔ آنے والا وقت اس کے لیے کیا لانے والا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن یہ وقت بہت خاص تھا۔ جو وہ اپنے رب کے ساتھ گزارتی تھی، اس نے نماز پڑھنی تھی بہت ساری باتیں کرنی تھی بہت کچھ تھا جو اپنے اللہ کو بتانا تھا، اور وہی تو تھا اس کا سچا دوست جو اسے اگلی راہ دکھائے گا اس کی زندگی کو اسان بنائے گا۔

○○○○○○○

وہ نہا کر، تویے سے بال جھاڑتے دروازے کی طرف بڑھا، تو سامنے ہی دعام کو کھڑا پایا۔ وہ یکدم اس کی موجودگی سے چونکا نہیں، بلکہ پلکوں کی جھپک میں ہی پورا منظر دل میں قید کر گیا۔ دعام نے نظریں اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی، کمبل کو سر پر جماتے ہی تیزی سے اندر داخل ہوئی اور دروازہ دھم سے بند کر گئی۔

دلدار کے لبوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ ابھری۔

"اوووو ہوئے میرا مسٹر اسائن... اتنی بھی کیا جلدی ہے؟" وہ آہستہ سے بڑبڑایا،

دروازے کے بند ہوتے ہی وہ ایک قدم پیچھے ہٹا، لیکن دل میں مزے کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

رات بڑی بہادری سے مقابلہ کیا ہے تم نے میرا میری شیرنی، "ذرا نظریں ملا کر اپنا یہ روپ تو دکھاتی، سردار بھی دیکھے دلدار کی محبت کے کتنے رنگ چڑھے ہیں۔ دلدار نے خالص قبیلوی لہجے میں ہنکار بھری، جیسے اس کا غرور اور مردانگی، دعام کی گھبراہٹ پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہوں۔

جب کہ اپنے بازوؤں اور کندھوں پر اس کے ننھے ناخنوں سے ہوئے ننھے ننھے زخموں پر اس نے نگاہ ڈالتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا تھا، یہ میٹھا سا درد بھی سکون دے رہا تھا۔ اس کے لبوں پر جان دار مسکراہٹ تھی۔

دروازے کے باہر کھڑا وہ شخص جو بظاہر سنگدل سردار اور نامی گرامی ڈاکو تھا، اس لمحے صرف دعام کا "دلدار" لگ رہا تھا۔

نرمی سے، دھیرے دھیرے دروازے کی طرف جھکا، جیسے اس کی اوٹ میں کھڑی لڑکی کے کانوں میں محبت گھول دینا چاہتا ہو۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس طرح سے تم مجھ سے چھپ کر بچ سکتی ہو، تو سجن سائیں... یہ تمہاری بھول ہے۔" اس کی آواز میں شوخی تھی،

\*\*\* "میڈایا سائیں، میرے کول اور دروازے دی چابی وی اے... تے ہن تے تاڑے دل دے دروازے دی وی۔" \*\*\*

("میرایا سائیں، میرے پاس اس دروازے کی چابی بھی ہے... اور اب تو تمہارے دل کے دروازے کی بھی۔") دعام نے اندر سے سنا تو آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں، دل کی دھڑکن جیسے اس کے لفظوں پر سجدہ گزار ہو گئی۔

"لیکن یہ تمہارا معصوم ساڈاکو..." دلدار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائی، تو اس کے، معصوم، کہنے پر وہ دونوں آنکھیں پوری طرح سے کھولتی بند دروازے کو گھورنے لگی تھی



"آج تمہیں تنگ کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں ہے۔ یہ وقت تو عبادت کا ہے نا۔ صبح کا پہلا لمحہ ہے۔ میں تمہارے قرآن پاک کا انتظام کرتا ہوں، تم فریش ہو جاؤ۔ نماز ساتھ پڑھیں گے۔ میرا انتظار کرنا..." آخری جملہ کچھ ایسے کہا جیسے دل کی زمین پر محبت کی صدا دے رہا ہو۔

"میں زندگی کی اس پہلی صبح کو، زندگی کی سب سے خوبصورت صبح بنانا چاہتا ہوں۔"

اس کے لہجے میں دنیا جہان کی مٹھاس گھلی ہوئی تھی،

ایسی مٹھاس جو دعام کے سنبھلے ہوئے وجود کو بھی کانپنے پر مجبور کر گئی۔

○○○○○○○

وہ کافی دیر سے بیٹھ کر خود سے جنگ لڑ رہی تھی۔ بار بار ذہن میں پلاننگ چل رہی تھی کہ کیسے اس کی نظروں سے بچ کر اندر داخل ہونا ہے، کیسے اس بے باک سردار کے سامنے خود کو چھپانا ہے۔ وہ دروازے کے پاس دبکی کھڑی تھی، جیسے قلعہ فتح کرنے جا رہی ہو۔

کمبل کو یوں لپیٹا جیسے وہ کوئی چادر نہیں، بچاؤ کی آخری دیوار ہو۔ چہرے پر ڈالا، نظریں جھکائیں اور جیسے ہی سردار دلدار باہر نکلا، وہ بجلی کی رفتار سے اندر گھس گئی، دروازہ بند کر لیا... جیسے وہ دروازہ نہیں، کوئی محافظ ہو جو اس کے شرمائے وجود کو بچالے گا۔

مگر اندر آکر بھی وہ کب بچی تھی؟

باہر سے اس کے الفاظ کی بازگشت آرہی تھی وہی شوخ، چھیڑتے ہوئے اور عجیب دھمکیوں والے  
جملے، جن سے وہ پہلے بھی گھبرا چکی تھی۔

اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پسینے سے بھگنے لگیں۔

"یا اللہ... اب کیا کروں؟" دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔

پگر کافی دیر سوچ کر خود سے بولی،

"جب تک وہ آتے ہیں، تب تک میں نیت باندھ لوں گی۔ لیکن... وہ میرے شوہر ہیں، مجھے ان کی  
امامت میں نماز پڑھنی چاہیے۔"

ایک پل رکی، پھر ہلکا سا شرارتی سا خیال ذہن میں ابھرا، ہونٹوں پر معصومیت سی چمکی،

"کوئی بات نہیں، تھوڑا سا ڈرامہ ہی تو ہے، اللہ جی معاف کرے گا۔ ان کے آنے سے پہلے کھڑی  
ہو جاؤں گی... پر ان کو نہیں بتاؤں گی کہ میں پڑھ نہیں رہی!"

وہ اپنی معصوم سی سوچ پر خود ہی مسکرا دی۔ بس کیسے بھی خود کو اس کی بے باک نگاہوں سے محفوظ رکھنا تھا۔

جلدی جلدی فریش ہوئی، وضو کیا، اور جب آئینے کے سامنے آئی تو ایک پل کو ٹھٹھک گئی۔  
نگاہیں آئینے میں اپنے چہرے پر ٹکیں... اور جھک سی گئیں۔

شرم، حیاء، اور پہلی رات کی بے نام سی تڑپ سب کچھ آنکھوں میں تیرنے لگا۔  
دلدار تو اس کے وجود میں بسا بیٹھا تھا... اور وہ اب اس کی امامت میں صرف نماز نہیں، زندگی گزارنے جا رہی تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑی وہ خود کو دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی تھی۔

گردن پر جگہ جگہ سرخیوں کے نقش... جیسے سردار دلدار کی شدتوں نے اپنی موجودگی کی مہر ثبت کی ہو۔ کان کے پیچھے، گردن کے نچلے حصے تک... وہاں تک جہاں کوئی چھو بھی نہ سکے،

اس کی لمس کی تپش باقی تھی۔ مونچھوں کے رگڑ کی ریش اتنی گہری تھی کہ وہ اپنا سراٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھ ہی نہ پائی۔ چہرہ شرم سے لال ہو چکا تھا، دل جیسے سینے کی قید میں تڑپ رہا ہو۔

"یہ ایک رات کی قربت تھی... اور اس کا یہ حال ہو گیا؟" پھر آنے والی زندگی...؟ وہ تو نہ جانے کیسی ہوگی۔ "اس کا دل بے ترتیب ہوا تھا، کیا وہ ساری زندگی یوں ہی اسے خود سے چھپنے پر مجبور کرتا رہے گا۔

سوچ کر اس کے وجود میں کپکپی سی دوڑ گئی۔

دلدار کے لمس میں نرمی کا گمان ضرور تھا... لیکن اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ نرمی تو صرف اس کے لہجے میں تھی، بدن پر تو وہ شدتوں کی مکمل چھاپ چھوڑ چکا تھا۔

کمرے میں ہلکی روشنی، شرمائی نظریں، اور آئینے میں اپنا عکس اسے آج اپنا نہیں لگ رہا تھا وہ پوری طرح سے سردار کی شدتوں میں بھیگی ہوئی تھی وہ اپنی بھی نہیں لگ رہی تھی صرف اور صرف سردار دلدار کی لگ رہی تھی۔

○○○○○○○

آج کی صبح واقعی کچھ الگ ہی تھی۔ کمرے میں آتے ہوئے اس کا وقار، چہرے پر بکھری مسکراہٹ، اور آنکھوں میں چھپی شرارت سب کچھ نیا نیا لگا تھا۔ بالانے جیسے ہی اسے مسجد نما

کمرے میں دیکھا، ایک پل کو ٹھٹکا ضرور، لیکن فوراً ہی اس کے ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سردار بڑے چمک رہے ہو، خیریت تو ہے؟"

اس نے دانت دکھاتے ہوئے پوچھا، جیسے اپنے سوالوں اور نگاہوں سے اس کی صبح کا سارا سکون اسی نے خراب کرنا ہو، لیکن سامنے بھی سردار تھا۔

دلدار نے ایک نظر اسے گھورا، پھر ہلکا سا ہنسا۔

"ہاں، بالکل چمک رہا ہوں... شادی شدہ انسان ایسے ہی چمکتا ہے!" آواز میں، دل جلانے والا فخر تھا

"خیر، تو نہیں سمجھے گا... ابھی شادی کالڈو نہیں کھایا نا تو نے۔" وہ الماری سے قرآن مجید نکالتے ہوئے بولا،

ویسے بالا "اُس دن کیا کہہ رہا تھا تو؟ کہ اپنے لیے کوئی ڈھونڈ لوں گا؟ تو بھائی، ڈھونڈی کیوں نہیں؟ کب تک میرے سہارے بیٹھا رہے گا بالا؟ سردار اب ویلا نہیں ہے، شاباش لگ جا کام پہ

ڈھونڈ لیں اپنے لیے کوئی "پھر تو بھی چمکناروز چمکنا اس کے شرارتی لہجے پر بالا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

حیرت سی حیرت تھی ابھی شادی ہوئے ایک دن میں ہی ہوا وہ اس کی ذمہ داری لینے سے مکر رہا تھا اس کے دل میں آیا کہ کچھ کہے، لیکن سردار کی وہ سنجیدہ سی مگر چمکتی ہوئی حالت دیکھ کر بس ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔

وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ایک ہی رات میں بھا بھی نے اسے بدل دیا بھا بھی بیچاری معصوم سی لڑکی کیا ہی کر سکتی تھی، اس معصوم پر تو شک کرتے ہوئے شک بھی شرما جائے۔

کیا مطلب ہے سردار؟ ایسی بات کیوں کر رہے ہو؟ "میری شادی تو تم کروانے والے تھے نا۔ بالا کی آنکھوں میں حیرت، زبان میں تیزی، اور لہجے میں وہی پرانی ضد اتر آئی تھی۔

کھوتیا، اب میں شادی شدہ ہو گیا ہوں، سردار نے جیسے بہت پتے کی بات بتائی تھی۔ بالا تیز قدموں سے دلدار کے قریب آیا،

"شادی شدہ ہو گئے ہو، کوئی پاکستان کے پرائم منسٹر تو نہیں لگنے ہی گئے کہ میرے لیے لڑکی نہیں ڈھونڈ سکتے!"

دلدار نے قرآن مجید کا غلاف سنبھالتے ہوئے پلکیں جھپکائیں، مگر لبوں پر خاموشی چھا گئی۔

"میں نے دن رات دعائیں کیں، تمہیں دولہا بنے دیکھنے کے خواب دیکھے، اور اب جب میری باری آئی ہے تو تم چہرہ پھیر رہے ہو؟

ایسا نہیں ہو گا سردار... میں ایسا ہونے نہیں دوں گا!

وہ پیر پٹختے ہوئے بچوں جیسا ضدی بن چکا تھا،

"تمہیں میری شادی کروانی ہوگی! جیسے تم دلہن لائے ہونا... ویسے ہی بھابھی کی جیسی ایک پیاری سی معصوم سی کیوٹ سی دلہن مجھے بھی چاہیے!" اس کے انداز پر دلدار کی ہنسی چھوٹ گئی، لیکن فوراً ہی چھپا گیا وہ قرآن کو نرمی سے میز پر رکھتے ہوئے مڑا،

دلہن مردوں کو ملتی ہے چھوٹے بچے ضد نہیں کرتے تو بندوق چلا، ذرا نشانہ لگا کہ دکھا مجھے اس سائرن کے بلب پر اس نے دور پہاڑی پر لگے سائرن پر اشارہ کیا تھا جس پر رات کو ایک بتی جلتی تھی۔

آج تک بالا کبھی بھی اس بتی کا نشانہ نہیں لگایا تھا اور یہ نشانہ نہ لگانا اس کی مردانگی پر سوال اٹھا دیتا تھا۔

مجھے نہیں بندوق چلائی، مجھے میری دلہن چاہیے مجھے نہیں پتا جہاں مرضی سے لا کر دو مجھے، اس کے لہجے میں اب بھی ضد بول رہی تھی۔

"تو اب بندوق نہیں، دلہن چاہیے... واہ بالا ڈاکو، بڑے جذبات مچل رہے ہیں تیرے، پہلے مردانگی کا ثبوت دے وہ ہنسا، اور بالا کا منہ غصے سے اور بھی لال ہو گیا۔

سردار تم میرے ساتھ بے ایمانی نہیں کر سکتے۔

سردار ڈکیت ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

لیکن بالا ڈکیت کا یار ہے، اور ڈکیت یار کے لیے جان دے سکتا ہے۔

تو نے جان مانگی کب۔۔۔۔۔"

جان نہیں چاہیے دلہن چاہیے۔ وہ دو بدو بول رہا تھا۔

معاف کر اوو بغیر تاب میں تیرے جیسے یار کی خاطر کسی کی بہن بیٹی پر تیرے جیسا جن مسلط نہیں کر سکتا۔



میں اچھا بچہ بن کے رہوں گا وہ معصومیت سے بولا بالا کا یہ بچپنا، ضد اور معصومیت دلدار کے چہرے پر ہنسی بکھیر گئی۔

کیا کرے گا شادی کرے گی۔۔۔۔۔"

جو تو کر رہا ہے عاشقی کروں گا۔ وہ جوش سے بولا۔

او کھو تیا میری مجبوری ہے، میں پہلی نظر کا شکاری ہوں، تو بچا ہوا ہے عاشقی معشوقی جیسے چکروں سے بچ کے رہ، قسم سے انسان کملہ ہو جاتا ہے اس چکر میں۔۔۔۔۔" وہ اپنا ایکسپیرینس بیان کر رہا تھا، جبکہ بالا کا منہ بن گیا۔

"اچھا کا کالس کر، رونا بند کر۔ کرتا ہوں تیرے لیے کوئی انتظام۔ ویسے بھی اب تو تجھے سچ میں ایک ادھ بیوی ملنی چاہیے، خود اپنی پسند سے کوئی ڈھونڈ لے ورنہ میں ڈھونڈ کر کر دیتا ہوں تیری شادی۔" بالانے فوراً بچوں کی طرح منہ بناتے ہوئے کہا،

"بھابھی جیسی چاہیے مجھے! وہ جوش سے بولا تو دلدار نے گھورا،

"بھابھی جیسی چاہیے؟ ڈنگر آدمی میں نے کاپی پیسٹ کی دکان کھول رکھی ہے؟ میری سجن سائیں دنیا میں ایک ہی ہے، اس جیسی کوئی نہیں! تجھے کوئی لولی لنگڑی ہی ڈھونڈ دوں گا۔"

وہ کہہ کر شرارت سے ہنستے ہوئے باہر نکلا، مگر پیچھے چلتے بالا کو دیکھ کر ایک دم رکا اور سینے پر ہلکا سا دھک مارا،

"اندر جا، بیٹھ کر نماز پڑھ، اپنے لیے دعا مانگ۔ مجھ سے اچھی امید مت رکھ کہ تیرے لیے آسمان سے چاند لے آؤں گا۔ جو ملی، اسی کے ساتھ دو بول پڑھا کر تجھے حوالے کر دوں گا اس کے!"

بالا نے منہ بنایا، مگر اندر چلا گیا۔

"ایک اچھی بیوی صرف دعاؤں سے ملتی ہے، اس لیے دل سے دعا کر۔ نماز پڑھ، تلاوت کر۔" وہ دھمکی دینے والے انداز میں بولا جیسے واقعی کوئی فرض ادا کر رہا ہو۔ بالا نے آہستہ سے بڑبڑایا،

"لولی لنگڑی ہو یا انی کانی... بس عورت ہونی چاہیے... اور گونگی مت ہو، آواز بس بھا بھی جیسی

میٹھ —"

دلدار کی گھورتی نگاہ پڑی تو جلدی سے جملہ بدلا،

"بھا بھی سے تھوڑی کم پیاری بھی ہو تو چلے گی..."

"اے چل بے! زیادہ چوڑا نہ ہو، شادی کرو اور ہا ہوں، اسی میں خوش رہ۔ میری بیوی جیسا کچھ بھی نہیں ملنے والا، میرا سوہنا مکھڑا دنیا میں بس ایک ہی ہے، اونٹلی ون پیس... صرف اور صرف اپنے سردار کے لیے!"

"چل، اب جانے دے مجھے، مجھے نماز پڑھنی ہے۔"

بالا کی شرارت پھر جاگ اٹھی،

"ہاں ہاں مولوی جا، شکل پہ جو تیری شیطانیت ہے نا، صاف بتا رہی ہے۔ کہ تیرے اندر کیا چل رہا۔ وہ اسے بھیجتا خود بھی نیت باندھ چکا تھا۔ جب کہ سردار نے اب کی دفعہ کوئی جواب نہ دیا تھا کیونکہ یہ حقیقت تھی نیت تو اس کی سچ میں اچھی نہیں تھی

○○○○○○○

دلدار کمرے میں واپس آیا تو سامنے ایک جائے نماز بچھائی گئی تھی۔ تھوڑا پیچھے، امامت کے لیے جگہ رکھی ہوئی تھی۔ جانماز پر کھڑی دعاء نے سر جھکائے، ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے، خاموشی سے کھڑی تھی، گویا واقعی نماز پڑھ رہی ہو۔

"انتالیٹ ہو گیا ہوں کہ دعاء نے پہلے ہی نماز شروع کر دی۔" دلدار نے سوچا،

اس نے احترام سے قرآن کو ایک طرف رکھا اور خود بھی نماز کی نیت کر کے کھڑا ہو گیا۔  
، میں ابھی انتظار کر رہی ہوں... "پیچھے جیسے اس کی منمنناہٹ سنائی دی، اس میں ہلکی سی شرارت  
بھی شامل تھی یعنی کہ پوری پلاننگ سے ڈرامہ کیا گیا تھا۔  
اس کی میٹھی آواز سن کر سردار نے مسکرا کر بغیر پیچھے دیکھے نیت مکمل کی۔  
نماز کا ماحول سکون اور خاموشی سے بھر گیا۔ سردار کے پیچھے دعاء نے بھی پوری دلجمعی سے نماز  
ادا کی۔ جب نماز مکمل ہوئی تو وہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے لگی،  
اتنے میں سردار کی آواز آئی،  
"یا اللہ، تیرا بہت شکریہ! تو نے مجھے جینے کی وجہ دی ہے، لیکن ذرا شرم و حیا کا سسٹم ختم کر دے،  
میں ٹھہرا بے شرم بندہ، اب اتنی شرمیلی بیوی بھی نہیں مانگی تھی!"  
اس کی آواز میں بھرپور شرارت اور مزاح تھا، یقیناً دعا پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ بس اسے تنگ  
کرنے کے لیے بول رہا تھا

"یا اللہ، لوگوں کو بتادے کہ ہر کوئی ان جیسا بے شرم نہیں ہوتا، اور نہ ہی سب نے یہاں بے شرمیوں میں ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ کچھ معصوم لوگ شرم و حیا بھی رکھتے ہیں۔" اس طرف سے دعاء کی معصومیت بھری آواز آئی،

یا اللہ لوگوں کو تھوڑی سی شرم و حیا دے دیں

"آمین..." چوں چوں کی آواز کچھ زیادہ ہی ہو رہی تھی، وہ تانے مار رہی تھی وہ بھی دعاؤں میں سردار حیران رہ گیا تھا امید نہیں تھی کہ پیچھے سے اس طرح سے کوئی آواز آئے گی ایک لمحے کے لیے سردار کا دل چاہا کہ وہ پیچھے مڑ کر اس چونچ کو ایک ہی نظر میں بند کر دے، لیکن ابھی تو چوڑی کی آواز نکلنا شروع ہوئی تھی، اس لیے وہ صبر کر گیا۔

○○○○○○

وہ نماز ختم کر چکا تھا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خاموشی سے اٹھا اور جیسے ہی نظر اس پر پڑی، پلکیں جھپکنا بھول گیا۔

وہ ابھی تک جائے نماز پر بیٹھی تھی، آنکھیں بند، لب مسلسل ہل رہے تھے۔ جیسے الفاظ لب سے نہیں، دل سے نکل رہے ہوں۔

"اتنی لمبی دعا؟... کہی اللہ سے میری شکایتیں تو نہیں لگا رہی؟ بنتی تو ہے میرے چوڑے سائیں کی شکایت..." وہ دھیرے سے مسکرا کر بیڈ کے کنارے آ کر ٹکا، نظریں اب اس کے چہرے سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

لیکن جوں جوں وقت گزرا، اس کے دل میں کچھ اور ہی پنپنے لگا۔

وہ معمولی دعا نہیں تھی، وہ جیسے کسی سے شکایت نہیں، حساب لے رہی ہو۔

کبھی ہونٹ بھینچتی، کبھی زاویہ بدل کر چہرہ بناتی،

"جیسے کوئی بچے کسی بڑے سے شکایت کرتا ہے... تفصیل سے... پورے ثبوتوں کے ساتھ..."

وہ تھوڑا آگے کو جھکا، اور اس کی کیفیت کو پڑھنے لگا۔

لب مسلسل متحرک تھے، اور ہونٹوں کے کنارے پر رات کی شدت کا ہلکا سا نشان واضح تھا...

دل جیسے ایک پل کو دھڑکنا بھول گیا ہو۔

"یہ صرف دعا نہیں مانگ رہی... یہ کسی اور دنیا کی باسی لگتی ہے... اتنی معصومیت... اتنی بے خبری..."

شاید غلطی سے اس دنیا میں آگئی تھی۔ "وہ آہستگی سے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اب نگاہیں صرف اس چہرے کی تھیں

وہ چہرہ جو لگتا تھا جیسے کسی نیکی کے صلے میں دنیا کو عطا کیا گیا ہو،

ایسا چہرہ جو شکوہ نہیں کرتا، بس شرافت سے "اللہ" سے اپنا حق مانگتا ہے۔

"یہ لڑکی اس دنیا کی ہو ہی نہیں سکتی... یہ میرا نصیب کیسے بن گئی؟"

اللہ اس کی معصومیت سے ڈر لگ رہا ہے وہ آسمان کی طرف دیکھ کر ہلکا سا بربرایا پھر مسکرا کر اسے دیکھنے لگا جب اس نے اپنے چہرے پہ نازک ہاتھوں کا پھراجمایا تھا۔ یعنی دعا ختم ہوئی تھی۔

○○○○○○○

وہ جیسے ہی نماز ختم ہونے کا یقین کر کے سیدھی ہوئی سامنے دیوار کے قریب بیٹھے اُس پر نظر پڑی

-

"ختم ہو گئی نماز؟ مجھے تو لگا فجر کے وقت شروع ہوئی تھی، اب عشاء کے قریب جا کے دعاؤں کا سلسلہ رُکے گا۔" وہ شرارتی لہجے میں بولا، بازو سینے پر باندھتے ہوئے اسے چھیڑنے کے انداز میں دیکھا۔

"خیر، اگر نماز ختم ہو گئی ہے تو چلو، تمہیں شیر دل کی سواری کروانا ہوں۔"

دعام کابس اتنا سننا تھا کہ اس کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔ پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پیشانی پر چمکنے لگیں۔

شیر دل۔ وہ نام جس نے پچھلی بار اس کے حواس گم کر دیے تھے۔ وہ وحشی سا گھوڑا جس کے سامنے وہ بے بس سی کھڑی رہ گئی تھی۔ گلی والی ملاقات بھولی نہیں تھی اسے۔

وہ ایک پل کو جیسے ساکت ہوئی، لیکن پھر جیسے اپنے خوف سے نکلنے کے لیے اس نے نظریں پھیر کر دائیں دیکھا۔

نگاہ خود بخود جاٹھری قرآن پاک پر، جو بڑے احترام سے رکھا گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی جاگی، جیسے کسی پناہ کی طرف دیکھ رہی ہو۔

وہ فوراً آگے بڑھی، قرآن اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ لبوں سے چوما، اور نرمی سے کھولنے لگی۔

"مجھے تلاوت کرنی ہے۔"

وہ سردار کی بات سننے بغیر، اپنے رب سے جڑنے لگی تھی۔



سردار نے اس کا وہ انداز دیکھا، دل کے کسی کونے میں خاموشی سی چھا گئی۔

شرارت آنکھوں میں اب بھی تھی، مگر لہجہ بدل چکا تھا۔

میرا بہانے باز سائیں "ٹھیک ہے، تم آرام سے تلاوت کر لو۔ تمہاری تلاوت کے بعد ہی چلیں

گے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔" وہ یہ کہہ کر وہیں بیٹھ گیا، اور نظریں اُس پر جما گیا

وہ لڑکی، جو خوف میں بھی قرآن میں پناہ لے رہی تھی، اس کے دل پر ایسا نقش بن رہی تھی جو

کبھی مٹنے والا نہیں تھا۔

○○○○○○○

وہ جیسے ہی قرآن کو سینے سے لگائے تلاوت میں مشغول ہوئی، وہیں وہ دیوار سے ٹیک لگائے اسے

دیکھتا رہا، مگر وہ خود یہ سمجھ بیٹھی کہ شاید وہ بھی تلاوت کرنا چاہتا ہے۔

اچانک نظریں اس پر جمائیں، نرم لہجے میں بولی

"اب وہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ کے پاس اپنا قرآن نہیں ہے؟" وہ پل بھر کو چونک سا گیا، پھر

نظریں جھکا لیں۔

ایک چھوٹی سی شرمندگی اس کی پلکوں پر ٹھہر گئی تھی۔ وہ اسے کیا بتاتا...

کہ قرآن پاک سے اس کا رشتہ بہت پرانا، اور شاید بہت کمزور تھا۔

دین سے وہ بہت دور تھا... لیکن وہ روشنی... جو آج اس لڑکی کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی،

شاید وہی پہلی بار اسے کچھ پلوں کے لیے روک لینے پر مجبور کر رہی تھی۔

"آجائیں میرے ساتھ، پڑھ لیں..."

اس نے اتنی معصومیت سے کہا، جیسے اس کی دنیا میں سب ہی پاک اور نیک ہوتے ہوں۔

اور سردار، وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم سناؤ..." اس نے نرمی سے فرمائش کی، جیسے خود پر قابو نہ رہا ہو۔

ٹھیک ہے، وہ کندھے اچکا کر فوراً قرآن پر جھک گئی۔ جیسے بلند آواز میں پڑھنا اس کی فطرت ہو،

جیسے یہ اس کا اپنا رب سے راز و نیاز کا خاص طریقہ ہو۔

الفاظ اس کے لبوں سے پھول بن کر گرنے لگے تھے،

قرآن کی آیتیں صرف زبان سے نہیں، اس کے دل سے نکل رہی تھیں۔

اس كى آواز ميں وه مٹھاس تھى جو دل كو چھو جائے،

اور جب وه قرآن پڑھ رهى تھى... تو لگ رهيا تها جيسے كوئى اور هى دنيا بول رهى هے۔

كوئى ايسى دنيا جهاں پاكيزگى، نرمى اور نور هى نور هو۔ سردار كا دل تيز تيز دھڑكنے لگا،

پتہ نهىں كيوں...

شايء اس ليے كه آج پهللى بار كسى نے اتنى سادگى سے اسے دين كے قريب بلالیا تھا۔

يا شايء اس ليے كه وه آواز، وه انداز... اس كے دل كے بند دروازے كھول رهيا تھا۔

اس كى آنكھيں آهسته آهسته بند هوئيں،

وه ديوار سے ٹيك لگا كر سر جھكا كيا...

اور وه تلاوت كرتى رهى۔ لفظ لفظ اس كے دل ميں اترتا رہا، اور وه كھو كيا...

اس لڑكى كى معصوم آواز ميں، اور اس رب كى كتاب ميں... جسے اس نے بهت پهلے بھلا ديا تھا۔

oooooooo

وہ قرآن پاک کو ادب سے بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نگاہیں بے اختیار دیوار کی جانب اٹھیں جہاں وہ آنکھیں موندے، پر سکون بیٹھا تھا۔

ایک لمحے کے لیے وہ ٹھٹکی۔

"سورہ ہیں؟" دل میں سوال سا اٹھا، مگر شک یقین میں بدلاجب اس کی پلکوں کی جنبش بھی نظر نہ آئی۔

"واقعی سو گئے..." وہ حیرت کے ساتھ قرآن کو واپس اس کی جگہ پر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی۔

قدم جیسے قالین پر نہیں، بادلوں پر رکھے جارہے ہوں۔ ایک عجیب سی بے چینی تھی... کہیں وہ جاگ نہ جائے، کہیں وہ پھر سے اپنی سردارانہ آنکھوں سے اسے نہ دیکھ لے۔ اور ویسے بھی... رات والے خوف ابھی تک دل سے نکلے نہ تھے۔

اس کا وجود اب بھی ان دیکھے سائے ڈھونڈ رہا تھا۔

"ڈاکو... ج... ی... " نرمی سے انگلی کو اس کے کندھے سے زرا سا چھوا۔

پھر ہمت کر کے تھوڑی سی آواز میں دوبارہ پکارا

"ڈاکو... جی..."

اب کی بار انگلی اس کی گردن سے چھو گئی... ٹھنڈی، نازک انگلی جیسے کسی پرندے کا پر ہو۔

بس پھر کیا تھا، اچانک وہ آنکھیں کھول گیا۔

سرخ آنکھیں، جن میں نیند کم اور حیرت زیادہ تھی۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگی تھی، کہ اگلے ہی پل... وہ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا،

اور اس کے نازک بازو کو تھام کر، اپنے سینے سے لگا لیا۔

لمحے بھر کو وہ اس کے مضبوط سینے سے لگی،

کچھ بھی بول نہ سکی... وہ بس اس کی دھڑکنیں سن سکتی تھی...

اور اپنے دل کی لرزش محسوس کر سکتی تھی۔

وہ وقت جیسے رک گیا ہو۔

کمرے میں سناٹا تھا، مگر اس خاموشی میں عجیب سی گفتگو ہو رہی تھی...

دل کی، جذبوں کی، اور بے آواز دھڑکنوں کی۔

oooooooo

وہ جیسے کسی اندھیری کھائی میں ڈوبا ہوا تھا...

گھپ اندھیرا، بے چینی، ایک وحشت جو سانسوں کو بھی گراں کر دے۔ کچھ نہ سنائی دیتا تھا، کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا...

بس ایک بے نام سا خلا تھا، جہاں وجود تھا، مگر زندگی نہیں۔ اور تباہی کی ذرا سی آواز...

بس اتنی سی نرم سی سرگوشی جو کان کے آس پاس بھٹکی، اور وہ وحشت جیسے چھٹنے لگی۔

ایک ننھا سا لمس، وہ نازک سی انگلی جو اس کی گردن سے چھو کر گزری،

تو وہ لمس اسے واپس دنیا میں کھینچ لایا گیا۔

جیسے کسی نے اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لا پھینکا ہو۔

"ڈاکو... جی..." اس کی آواز میں وہی معصوم سی جان تھی، وہی بے خبری، جو کسی ننھی کلی کی خوشبو

میں ہوتی ہے۔

اسے اپنی ماں یاد آئی... وہی مامتا بھرالمس...

وہی آواز جورات کے سناٹوں میں بھی لوری بن کر سنائی دیتی تھی۔ اور پھر، وہ بے داغ سا ہواٹھا تھا،

جیسے ایک سیاہ رات کے بعد سفید سویرا۔ اس نے جھک کر اس کی گردن کو گالوں کو لبوں کو شدت سے چوم لیا،

وہ لمس نہ صرف محبت کا، بلکہ شکر کا بھی تھا...

شکر اس کی موجودگی کا... شکر اس کی سانسوں کا، شکر اس کی پاکیزہ معصومیت کا۔

وہ اسے خود میں چھپانے لگا... جیسے چاہتا ہو کہ دنیا کی کوئی نظر، کوئی سانس، اس معصوم چراغ کو چھو بھی نہ پائے۔

وہ اسے خود میں چھپائے دیوانگی سے اسے خود میں بینچھے جارہا تھا دعام کو اس کی سخت گرفت میں خوف محسوس ہونے لگا اس کے سینے پہ ہاتھ رکھے خود کو اس سے چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن دلدار کی گرفت بہت سخت تھی۔ بہت سخت۔

○○○○○○○○

وہ زمین پر بیٹھا، اسے اپنی باہوں میں اس طرح قید کیے ہوئے تھا جیسے اس کی سانسوں کا دار و مدار اسی وجود پر ہو۔ دعام، اس کی سخت پناہوں میں بری طرح سے پھنسی ہوئی تھی۔ وہ بے بس تھی، اس کی گرفت میں لرزتی ہوئی، لیکن نہ وہ چلا سکتی تھی، نہ ہی کچھ کہہ پار ہی تھی۔ دلدار کی سانسیں اس کے چہرے کے گرد گرم دائرے کی طرح بکھر رہی تھیں۔ وہ اس کے اتنے قریب تھا کہ دعام کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے دل کی دھڑکن اب اس کے جسم کے اندر نہیں، بلکہ دلدار کی بانہوں میں قید ہے۔

وہ اسے لمحہ بھر کے لیے بھی آزاد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ دعام کی آنکھوں میں حیرانی تھی، گھبراہٹ تھی، اور خود سے ایک خاموش شکایت کہ آخر وہ کیوں اس کے پاس آئی؟

وہ تو آرام سے سو رہا تھا... اسے چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

لیکن اب وہ چھیڑ چکی تھی... اور اس چھیڑ کا انجام صرف اس کی گرفت نہیں، بلکہ دلدار کے اندر جاگتے ہوئے جذبات کی تپش بھی تھا۔

اس کے سینے سے لگی وہ پلکیں جھپکنا تک بھول چکی تھی، اور وہ...

وہ جیسے اپنے ہر احساس کو اس کے وجود میں اتار دینا چاہتا تھا۔



دلدار کی آنکھیں سرخ تھیں، جیسے نیند سے نہیں بلکہ کسی شدید جذبے سے بیدار ہوئی ہوں۔  
اس کی خاموشی بہت کچھ کہہ رہی تھی... اور دعام، صرف سن رہی تھی—ہر وہ بات جو لفظوں  
کے بغیر، سانسوں میں کہی جارہی تھی۔

اس کی بانہوں میں ایک عجیب سی بے تابی اترتی جارہی تھی۔ دلدار کا لمس دعام کو اپنے وجود کے  
آس پاس، اپنے سانسوں میں گھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جیسے آہستہ آہستہ اپنی دنیا سے اسے  
کاٹ کر، اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ دعام کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا، وہ اس کی حرکات پر  
پریشان تھی، گھبراہٹ سے اس کے لب کا اپنے تھے لیکن زبان پر کوئی لفظ نہیں آسکا۔  
دلدار کی انگلیاں بے خیالی میں اس کے اسکاف کی گرہ کو کھولنے لگی تھیں۔ وہ اسکاف... جو نہ  
صرف اس کے گلے کا پردہ تھا بلکہ کل رات کے ان نشانوں کو بھی چھپا رہا تھا جو آج بھی اس کی جلد  
پر دبی دبی سی سرخی کے ساتھ نقش تھے۔

جیسے ہی اسے اپنی گردن پر اس کے مونچھوں کی رگڑ محسوس ہوئی، وہ اندر سے ایک جھرجھری  
سی لے اٹھی۔ سانس اس کی تیز ہو چکی تھی، اور پلکیں شدت سے میچ لی تھیں، جیسے آنکھیں بند  
کرنے سے وہ خود کو اس لمحے سے بچالے گی۔

لیکن وہ لمحہ تو جیسے اس پر حاوی ہوتا جا رہا تھا... دلدار آہستگی سے جھک رہا تھا... اسکاف کی نرمی میں لپٹی اس نازک گردن تک، جس پر اس کی دی ہوئی شدتیں آج بھی بولتی تھیں۔

دعام کی سانسیں جیسے پھنسنے لگی تھیں۔ اس کے لب تھوڑا تھوڑا کانپے، دلدار کا لمس جیسے پورے وجود کو سن کر رہا ہو۔

وہ آنکھیں بند کیے، دل تھامے، بس اس کی مونچھوں کی چبن اپنی گردن پر محسوس کر رہی تھی۔ جب اچانک، وہ دعام کو اپنی پناہوں میں قید کرتا ہوا زمین سے اٹھا کر بیڈ کی طرف بڑھا، دعام نے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ لیکن بند آنکھوں کے پیچھے بھی وہ دلدار کی موجودگی کو، اس کے لمس کو، اپنے گرد سانس لیتے ہوئے شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی...

بخوبی جانتی تھی کہ اب وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

ایک ہی رات میں وہ اس کی بے باکیوں کا ہر رنگ دیکھ چکی تھی — اور ہر رنگ، ہر لمس اسے کسی نئی حد تک بکھیر دیتا تھا۔

○○○○○○○

دلدار نے نہایت نرمی مگر عجیب بے قراری سے اسے بیڈ پر لٹایا تھا۔ اس کی گرم سانسیں دعام کے چہرے کے پاس تھیں۔ پھر اس کا ہاتھ آہستگی سے اپنی قمیض کے پیٹ کے قریب رُکا، اور ایک ہی لمحے میں وہ قمیض کو گردن تک کھینچ چکا تھا۔ انداز کچھ ایسا تھا جیسے اس وقت اس کی قمیض ہی اس کے جذبوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہو۔

پھر اگلے لمحے، وہ اس کا دوپٹہ — جو تھوڑی دیر پہلے ہی اس کے ہاتھوں بکھر چکا تھا — گردن سے کھینچ کر بے نیازی سے پیچھے پھینک چکا تھا۔

اس کے انداز میں تیزی تھی، بے تابی تھی... جیسے صبر کے سب بندھن ٹوٹ چکے ہوں۔ دعا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، وہ بے بس تھی، اور خود کو اس لمحے کے رحم و کرم پر چھوڑے ہوئے تھی۔

دلدار کے رویے میں وحشت نہیں تھی، لیکن وہ شدت جو خاموشی سے اسے اپنی گرفت میں لے رہی تھی...

وہ کچھ بول نہیں سکی، نہ روک سکی...

صرف اپنی آنکھوں زور سے میچے ہوئے اس کی گرم سانس سے اپنی گردن پر بکھرتے محسوس کر رہی تھی۔

"بے ایمان خور..." وہ بے آواز سی بڑبڑائی تھی،

اس کی قمیض کا ایک رخ نرمی سے کندھے سے پھسل چکا تھا، جہاں اس کے لب بڑی شدت سے گستاخیاں کر رہے تھے اور وہ لمحہ... لمحہ نہیں، جیسے کوئی راز تھا جو چھپ نہ سکا۔

دلدار، جو لمحہ بھر پہلے اس کی سانسوں کو اپنے اندر اتار رہا تھا، اچانک رکا۔ لب اس کے کندھے سے ہٹاتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمائی تھی۔

اس نے جھک کر دعام کی آنکھوں میں جھانکا۔ نگاہوں میں شوق نہیں، سوال تھا۔

میرا سوہنا نکھڑا منمناتا بھی ہے، کیا بول رہا ہے مجھے بھی تو سنائی دے۔ بے ایمان تو سمجھ گیا خور  
"مطلب؟" اس کے انداز میں عجیب ساد لکشی بھرا جبر تھا، جیسے وہ الفاظ کو لبوں سے کھینچنا چاہتا ہو۔

دعام نے لب بھینے، مگر اگلے لمحے وہی لب دلدار کی انگلیوں کے حصار میں تھے۔

ان پر میرا حق ہے، تم انہیں بھینچنے کا کوئی حق نہیں رکھتی، وہ دو انگلیوں کے بیچ اس کے لبوں کو تھام کر نہایت دھیرے سے ان پر دباؤ ڈال رہا تھا، جیسے سزا دے رہا ہو، اس حرکت کے بدلے۔  
"کچھ۔۔۔ کچھ۔۔۔ نہیں... بس ایسے۔۔۔ ہی ایک۔۔۔ لفظ یاد۔۔۔ آگیا تھا..." وہ شرمندہ سی، نظریں چرائے بولی۔

لیکن دلدار کے چہرے پر نرمی نہیں، تپش تھی۔  
"میری قربت میں تمہیں \*یہی\* لفظ یاد آیا؟"  
"میرا میٹھا سائیں کچھ اور کہہ کر نہیں پکار سکتی تھی؟" بے ایمان خور... یہ نام دیا ہے تم نے مجھے؟  
مطلب سمجھاؤ اس کا۔" دعام نے ہلکی سی سانس کھینچی۔  
"کچھ۔۔۔ خاص۔۔۔ مطلب نہیں... جو شخص وعدے کر کے مکر جائے، باتوں سے پلٹ جائے...  
اُسے کہتے ہیں بے ایمان خور۔"

"اور تمہیں لگا میں وہ ہوں؟" دلدار کی آوار شرارت تھی،  
ن۔۔۔ نہی۔۔۔ نہیں ایسے ہی منہ سے۔۔۔ نکل۔۔۔ گیا۔۔۔ اس کی آنکھوں سے صاف خوف جھلک رہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ یہ شخص نرم تو ہو سکتا ہے، لیکن کمزور نہیں۔ اس کی ذات میں پناہ بھی تھی اور کوئی خطرہ بھی۔

اور دعام... اس وقت دونوں کے بیچ میں پھنسی ہوئی تھی۔

"میں نے تمہارے ساتھ کیا بے ایمانی کی ہے؟" میرا گلاب سائیں، دعام کے الفاظ میں ایک خاموشی چھپی ہوئی تھی، لیکن اس کا انداز دلدار کے دل میں گہرائی سے اتر رہا تھا۔

اپنی قمیض کو کندھے سے ٹھیک کرتے ہوئے، اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ اپنی گردن پر رکھا، تاکہ رات کی شدتوں کے نشانات اس کی آنکھوں سے چھپ جائیں۔

یہ چھوٹا سا عمل، دلدار کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھیر گیا۔ اس کے ہاتھ کو اپنی مٹھی میں بھرتے ہوئے اس نے گردن سے ہٹایا تھا، جبکہ جس بے باکی سے وہ اس کی نشانات پہ نگاہیں گاڑے ہوئے تھا وہ اس کو مزید شرمندہ کر رہی تھی

"آپ... نے تو کچھ... بھی نہیں کیا، بتایا... میں نے... وہ بس لفظ یاد... آ... گیا تھا۔ اس نے زبردستی مسکرا نے کی کوشش کی تھی۔

اس وقت یاد کرنے کے لیے کوئی اور لفظ نہیں ملا تھا، میرے بہانے باز سائیں کو، دلدار نے مسکراتے ہوئے اس کے لبوں کو شدت سے چوما۔

بتاؤ کیوں بولا مجھے بے ایمان خور، اب کی دفعہ انداز تھوڑا بدلہ تھا اس کے لبوں کو شدت سے چومتے ہوئے وہ ایک ہاتھ اس کی گردن پر رکھے اس کے نشانوں کو سہلا رہا تھا۔

وہ۔۔۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔ نی۔۔۔ نہیں۔۔۔

کیوں بولا۔۔۔۔۔ "اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ اس کے سرخ نشان پر تھوڑا سا انگوٹھے کا دباؤ ڈالتا ذرا سختی سے بولا۔

کیونکہ۔۔۔ آپ ہو۔۔۔ "شیر دل کی سواری کرنے جا رہے تھے نا

، آپ۔۔۔ ایما۔۔۔ ن۔۔۔ خود۔۔۔ کہیں۔۔۔ کے۔۔۔ یہاں

بیڈ۔۔۔ پر۔۔۔ آگئے۔۔۔ جن۔۔۔ کہیں۔۔۔ کے، وہ لب بھیتے اقرار کر گئی تھی کہ بے ایمان خور

اسی کو بولا گیا تھا۔ جب کہ اپنی بے اختیاری اور معصومیت میں وہ اسے جن بھی کہہ گئی تھی جس

پر دلدار کی سب آنکھیں شرارت سے چمکی،

"بے ایمان خور میں؟" اس نے جھٹکے سے اپنی بازوؤں کو دعام کی کمر کے گرد لپیٹتے اپنے قریب کھینچ لیا۔

"میرا میٹھا سائیں، میں تمہاری سوچ سے کہیں زیادہ بڑا بے ایمان خور ہوں..." دلدار کی آواز میں رقصاں خطرہ تھا، وہ دعام کے کندھوں سے پردے ہٹاتے ہوئے، اپنی انگلیوں کو اس کی گردن سے کندھے کے درمیان گھماتا اس کے نشانات پر لب ٹھہرنے لگا، جو ابھی بھی اس کی گردن پر نمایاں تھے۔

دعام نے آنکھیں جھکا کر خاموشی اختیار کی، لیکن دل کی دھڑکن بتا رہی تھی کہ وہ اس جذبے کی شدت کو محسوس کر رہی ہے۔

دلدار کی ہر حرکت میں، ہر لمس میں،

وہ بے ایمانی بھی تھی، عشق بھی، اور ایک خاص قسم کی ضد بھی، جو صرف دودلوں کے بیچ سمجھ آتی ہے۔

دلدار کی دیوانگی اپنے عروج پر تھی۔



وہ دعام کو اس جنون میں یوں چوم رہا تھا کہ جیسے وہ اس لمحے میں مکمل طور پر صرف اُسی کی ہو گئی ہو۔ نہ وہ اس کے سینے سے الگ ہو پار ہی تھی،

نہ ہی اسے خود سے دور کر پانے کی سکت رکھتی تھی۔

وہ اس کی باہوں میں قید، اس کی شدتوں کی خاموش گواہ بن چکی تھی۔

دلدار کا ہر لمس،

ہر بوسہ،

اپنے اندر ایک ایسا پیغام رکھتا تھا جس میں صرف جذبہ، تڑپ اور دیوانگی تھی۔

اس کا جنون،

ہر حد پار کر تا جا رہا تھا۔

دعام جیسے مکمل طور پر اس کے احساس کی قید میں آچکی تھی۔

یہ جو سلسلہ شروع ہوا تھا... یہ صرف محبت کا طوفان نہیں تھا، یہ دلوں کی سرحدوں پر شروع

ہونے والا ایک طوفان تھا

جورکنے والا نہیں تھا، نہ دلدار کی خواہشیں تھمنے کو تیار تھیں۔ اور نہ دعام کی خاموشی میں کوئی انکار باقی بچا تھا۔

oooooooo

وہ اب بھی اسی کی باہوں میں سو رہا تھا۔ ساری رات نہ خود سویا تھا نہ اسے سونے دیا تھا۔ صبح بھی اس کے جذبات مچل اٹھے تھے جسے پوری طرح سے شانت کرنے کے بعد وہ گہری نیند اتر گیا تھا اب اتنی نیند تو بنتی تھی،

دعام کی آنکھ کھلی تو نگاہیں اس کے چہرے سے بندھ سی گئی تھی وہ پوری طرح سے اس کی شدتوں میں بکھری ہوئی تھی اچھی خاصی تھکاوٹ محسوس کرتی اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

دلدار یلغار... اس کے نازک لبوں پر اس کا نام آیا تھا لیکن بالکل ایک سرگوشی کی آواز میں۔

یہ شخص، جو دعام کی زندگی میں زبردستی شامل ہوا۔ اس کی مرضی کے خلاف، اس کے جذبات کو روندتے ہوئے۔ وہ گہری نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی سوئے ہوئے بھی اس کی دلکشی جیسے آسمان کو چھو رہی تھی۔

وہ صرف ایک مرد نہیں تھا... وہ دعام کا محرم تھا۔ اس کا پہلا رشتہ... اس کا پہلا لمس... اس کا پہلا سچ۔ شاید دعام نے آج تک دلدار سے محبت نہیں کی، لیکن دلدار؟ وہ تو اس لڑکی کا دیوانہ تھا۔ جنون کی آخری حد پر کھڑا ہوا وہ شخص، جس کے لیے دعام صرف بیوی نہیں... اس کا عشق تھی۔ ساری رات وہ سویا نہیں تھا۔ دعام کو خود سے جدا نہیں ہونے دیا۔ اور اب جب وہ گہری نیند میں تھا تو اس کے چہرے پر کوئی تھکن نہیں، ایک سکون تھا۔ ایک اطمینان... کہ وہ اب دعام کے قریب ہے، دعام اس کی ہے، اس کے دل کے اندر ہے۔ وہ عام مرد نہیں تھا۔ قد چھ فٹ سے نکلا ہوا، چوڑا سینہ، ہڈیوں میں کچھ ایسا رعب کہ نظر جھک جائے۔ لیکن اس کی سب سے خطرناک اور خوبصورت چیز اس کی آنکھیں تھیں۔ وہ سبز آنکھیں... جنہیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے کوئی جنگل آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔ پُر اسرار، گہرے، اور خطرناک حد تک سچے۔ وہ اپنی دنیا کا بادشاہ تھا اپنے آپ میں ایک راجہ تھا اور دعام وہ لڑکی تھی جو رب کو چاہتی تھی، شکر ادا کرنے والی۔ وہ دلدار سے محبت نہیں کرتی تھی، ہاں وہ اس کے پہلے لمس کو محبت کا نام نہیں دے سکی تھی۔ لیکن وہ اس رشتے سے انکار بھی نہیں کر رہی تھی۔

کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ اس کا رب جو بھی لکھتا ہے، بہتر لکھتا ہے۔ اور اسی لیے آج، دعام نے دلدار کو اس کی محبت کے بدلے میں محبت نہیں دی... لیکن اس کے رشتے کے بدلے میں دل دے دیا۔

قبول کر لیا اسے...

ایک فرض سمجھ کر۔ محبت نہ بھی ہو،

محرم ہے وہ... اور محرم ہونے کا حق، دعام اسے دل سے دے چکی ہے۔

وہ کب کی اسے دیکھ رہی تھی، لیکن دلدار اب بھی نیند کی گہرائیوں میں تھا۔ اس کے بازوؤں میں دبی، وہ کچھ پل یونہی چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

وہ چہرہ... جو بے خبری میں بھی عجیب سا سکون دیتا تھا۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جیسے کوئی خوبصورت خواب دیکھ رہا ہو۔

شاید وہی خواب جس کا وہ حصہ بن چکی تھی، چاہے وہ خود نہ چاہتی ہو۔ دعام نے آہستہ سے اپنی نظر ہٹائی، اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

\*\*\* "اللہ... یہ اتنا بڑا بیڈ اس پہاڑی پر کیسے لائے ہوں گے؟" \*\* وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتی،

پھر بے ساختہ دلدار کی طرف دیکھا۔ اسے ہنسی بھی آئی، اور حیرت بھی ہوئی۔

دلدار واقعی کچھ بھی کر سکتا تھا، وہ اب جان چکی تھی۔

"اب کیا سارا دن اسی بیڈ پر پڑی رہوں؟"

وہ خود سے الجھی، کمبل ایک طرف کیا اور لمبی سانس لی۔

دلدار بے خبر نیند کی آغوش میں تھا، چہرے پر سکون سا سایہ، جیسے اسے اس دنیا سے کچھ لینا دینا ہی نہ ہو۔ لیکن اس کے پیٹ میں تو باقاعدہ جنگ چھڑ چکی تھی۔

"نیچے قبیلے میں چلی جاؤں؟ شاید وہی کل والی مائی ہوں... کچھ کھانے کو دے دیں۔" دل میں خیال آیا، اور ساتھ ہی نظر دلدار پر پڑی۔

"نہیں... انہیں جگایا تو پھر جن بن جائیں گے۔ یوں سوتے ہوئے ہی اچھے لگتے ہیں۔" وہ ہلکا سا

مسکرائی، نظریں پھر سے اس کے چہرے پر جمائی۔ تھا تو پیارا اس میں کوئی شک نہیں تھا،

بھوک اب واقعی ستانے لگی تھی۔

"اس جن نما آدمی کو تو میری بھوک کا احساس ہی نہیں... خود تورات بھر جاگتے رہے، اب ایسے سوئے ہیں جیسے دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔"

پیٹ کے چوہے اب باقاعدہ دھرنادے چکے تھے، ان کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

"اکیلا نیچے جانا عجیب لگتا ہے، پر نماز کا وقت بھی ہو گیا ہے..." وہ خود میں الجھتی اہستہ سے اس کا ہاتھ پیچھے کرنے لگی تو دلدار نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ اگلے ہی لمحے آنکھیں بند کر کے سونے کا نائک کرنے لگی تھی،

اس وقت وہ اس کی شدتیں سہنے کی کنڈیشن میں بالکل نہیں تھی اور جتنا وہ اسے سمجھی تھی وہ ضرورت سے زیادہ رومینٹک انسان تھا،

دلدار اسے پوری طرح اپنی نگاہوں کے حصار میں لیتا یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ سو رہی ہے اس کی گردن پر اپنے لب رکھتا دوبارہ گہری نیند اتر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دعام نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور گہری سانس لی تھی وہ سچ مچ میں دوبارہ سو گیا تھا اب کی دفعہ اس کے کھسکنے کا انداز ذرا نرالا تھا وہ بالکل ذرا زرا کھسکتی بیڈ سے کنارے تک آئی تھی اور پھر اس کے بازو کو اس انداز میں پیچھے کیا جس سے وہ خود میں قید کر رہی ہو۔

فرش پر قدم رکھتے ہوئے اس نے گہری سانس لی تھی جیسے جیل سے ہی آزاد ہوئی ہو

اس نے جلدی سے فریش ہونے کا ارادہ کیا۔ بھاگ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

سکون سے فریش ہونے کے بعد وضو کیا، اور باہر آکر جائے نماز بچھا کر ظہر کی نیت باندھ لی۔ یہی اس کی اصل تھی۔

ہر حال میں شکر، ہر لمحے میں عبادت۔ نماز مکمل کر کے اس نے الماری سے ایک بہت خوبصورت کڑائی والی چادر نکال لیا اور اب وہ فیصلہ کر چکی تھی... چاہے جن جاگے یا سوتا رہے، وہ نیچے جائے گی۔ کیونکہ اب زندگی یہی تھی۔ اور اسی زندگی کو نبھانا بھی تھا۔ اسی زندگی کو سمجھنا بھی تھا۔

○○○○○○○

آسمانی رنگ کی گھٹنوں تک آتی فراک میں وہ کسی خواب کی طرح لگ رہی تھی۔ لمبے سیاہ بال بالکل سیدھے، کاندھوں کے پیچھے کیچر میں سلیقے سے سمیٹے ہوئے۔

سر پر شیفون کا دوپٹہ رکھا تھا، جو اس کے چہرے کے نور کو اور زیادہ نکھار رہا تھا۔

اس نے خود کو چادر میں ایسے ڈھانپ رکھا تھا کہ فراک کا رنگ بس دھندلا سا جھلک رہا تھا،

چوری دار پچامے کی ہلکی سی جھلک پڑتے ہی زمین پر جیسے نرمی برسے لگی ہو۔ شفق کا وہ دوپٹہ، جس کا ایک سر اچادر کے نیچے سے پھسل کر زمین سے زرا اوپر ہوا کے سنگ، نیچے کی طرف سرک رہا تھا۔

پاؤں میں جو سفید نازک چپل تھی، وہ بازار سے نہیں، خاص اس کے نازک قدموں کی ناپ پر بنوائی گئی تھی۔ جو اسے کسی طرح کی تکلیف نہ دے۔ پاؤں میں چھن چھن کرتی پائل کی آواز اسے خود بے حد پسند تھی کیونکہ وہ الگ آواز تھی بہت الگ۔۔۔۔۔ "اس نے نوٹ کیا تھا اس کی ہر وہ چیز جو دلدار نے اس کے نام کی تھی بہت الگ تھی بہت خوبصورت تھی۔ ایسی خوبصورتی، جو سوچ سمجھ کر سبائی جائے۔ مگر اس میں بھی معصومیت اتنی تھی کہ وہ دل کو چھو جانے والا منظر بن گئی تھی۔

وہ پہاڑ بہت آہستہ آہستہ نیچے اتر رہی تھی، ابھی اس کے پاؤں کو عادت نہیں تھی ان سخت پتھروں سے گزرنے کی۔

نیچے میدان میں بالا اور جمر و کسی بات پر الجھ رہے تھے جب ان کی نظر بے ساختہ اوپر سے اترتی اس دعام پر پڑی، بالانے جیسے ہی اسے تنہا پہاڑ سے اترتے دیکھا، اس کا دل ہلکا سا کھٹکا۔



جرم تو فوراً ہی اوپر کی طرف لپکا، مگر بالا اس سے بھی زیادہ پھرتی دکھاتا ہوا، اس کے قریب سے ہوا کی طرح گزرا، ڈھول سالبا ترنگا وجود اس کے عین سامنے جن کی طرح آن کھڑا ہوا۔ تو اس نے بے ساختہ قدم پیچھے ہٹائے۔

"السلام علیکم، بھابھی!" دونوں نے یک زبان ہو کر سلام کیا۔ وہ ان کے اچانک سامنے آ جانے پر گھبراہٹ سے گئی تھی۔

لیکن بڑی مشکل سے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لا کر ان کے سلام کا جواب دے دیا۔  
"پاگل انسان! آرام سے بھی آسکتا تھا، بھابھی کو ڈرا دیا تو نے! دیکھ بیچاری گھبرا گئی!" بالانے فوراً جرم پر سارا الزام ڈال دیا۔

"نہیں، میں نہیں گھبرائی..." وہ نرمی سے بولی، اس کی آواز میں وہی معصومیت تھی جو چہرے پر لکھی جاسکتی تھی۔

"آپ اکیلی آئی ہیں، بھابھی؟" جرم نے حیرت سے پوچھا۔

"تو کیا فوج لے کر آتی؟" بالانے طنز کیا، جب کی آنکھوں ہی آنکھوں میں وارننگ بھی دی کہ کوئی فضول سوال نہ کیا جائے، کیونکہ سارے فضول سوال وہ خود کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

جمرو نے شرمندہ ہو کر سر کھجایا اور فوراً سنبھلتے ہوئے بولا،

"بھابھی، آپ کچھ کھائیں گی؟ میرا بتا رہا تھا کہ آج آپ کے کمرے میں کھانا بھی نہیں گیا۔

میں ابھی انتظام کرواتا ہوں!"

وہ اس کے راستے سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھا، تو وہ دھیرے دھیرے، اس کے پیچھے چلنے لگی۔

"بھابھی، آپ ویجیٹیرین ہیں نا؟ تو آپ کے لیے میں ابھی کچھ مزیدار سا خاص کھانا تیار کرواتا ہوں!" جمرو بڑی تیزی سے سردار کی چارپائی کے قریب پہنچا، اور اندر بھاگ کر تکیہ لے آیا۔

پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس مخصوص چارپائی پر نہ صرف ہاتھ سے صاف کی ہوئی سفید چادر بچھائی گئی تھی، بلکہ اسے صاف ستھرا اور خاص ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔

دعام خاموشی سے ارد گرد دیکھنے لگی۔

پورا قبیلہ کسی گہری نیند میں ڈوبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

نہ کوئی عورت دکھ رہی تھی، نہ کسی بچے کی آواز... بس ہوا کی ہلکی سرسراہٹ اور پہاڑوں کی گونج۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" وہ چارپائی پر بیٹھنے لگی تو سوال بے اختیار لبوں سے نکل گیا۔

بالا اس کے عین سامنے زمین پر الٹی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

وہ فوراً چونکی، "آپ زمین پر کیوں بیٹھے ہیں؟ پلیز، یہاں اوپر آجائیں نا..." اس کا انداز حقیقتاً پریشان تھا۔

تبھی جمرودوڑ کر ایک صاف چھوٹی میز لا کر اس کے سامنے رکھنے لگا۔ بالا مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگا،

"ارے نہیں بھابھی... میں ٹھیک ہوں۔ یہ چارپائی صرف اور صرف سردار کی ہے۔ جب وہ یہاں ہوتا ہے، تب میں اس کے ساتھ بیٹھتا ہوں۔"

اب اس وقت اس تخت پر صرف آپ کا حق ہے۔"

دعا نے حیرت سے ایک نظر اسے دیکھا، اور پھر ارد گرد کے سناٹے پر نگاہ ڈالی۔

"باقی سب لوگ؟"۔۔۔۔۔"

"سب اپنے اپنے خجروں میں ہیں۔ کام کاج محنت مزدوری، بزنس شزنس ہم رات کو کرتے ہیں نا!"

وہ شرارت سے بولا، اور اس کے آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری تھی۔

دعام نے جیسے ہی اس کی بات کا مطلب سمجھا، بس خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلا دیا۔

"ڈکیتی، چوری، ڈاکہ سب محنت مزدوری کام شام بزنس شزنس کے کھاتے میں ڈالتے ہوئے اس نے اپنے کام کو بڑا معتبر ظاہر کیا تھا۔

ابھی وہ بالا کی باتوں پر مسکرا ہی رہی تھی کہ جمر و ایک ٹرے تھامے حاضر ہو گیا۔ اس کے پیچھے دو اور آدمی بھی بڑی احتیاط سے ٹرے سنبھالے آرہے تھے۔

ایک ٹرے میں تازہ پھل سجے تھے، باقی دو میں آلو کا خوشبودار سالن، ابلے چاول، دال چنے، میٹھے میں سویاں اور کھیر رکھی گئی تھی۔

الگ سے چائے کا کپ بھی رکھا گیا تھا جیسے کسی نواب کی ضیافت ہو۔

دعا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ سب کچھ... میرے لیے؟" اس نے ایک نظر صرف ایک پلیٹ پر ڈالی اور اندازہ لگالیا کہ یہ

تمام اہتمام صرف اس کے لیے تھا۔

"آپ سب بھی کھائیں نا۔"

وہ نرمی سے بولی، لیکن جواب جمر کے مخصوص شوخ انداز میں آیا،

"ہم ویجیٹیرین نہیں ہیں، غیر شدّ شاکا ہاری ہیں!"

وہ شرارت سے بولا تو بالا بھی ہنس پڑا۔

اس کا مطلب ہے بھابھی ہم یہ دال سبزیاں نہیں کھاتے۔ اور ویسے بھی ہم صبح کا ناشتہ کیا دوپہر کا کھانا بھی کھا کر بیٹھے ہوئے ہیں، وہ مزے سے بولا تھا جبکہ اتنے مزے کے کھانے سامنے دیکھ کر دعام کا اپنا معدہ بھی خوشی سے دھڑک اٹھا تھا، لیکن ساتھ ہی ایک عجیب سا احساس بھی ہو رہا تھا۔

یہ سب... صرف اس کے لیے؟ اتنا سب کچھ تو وہ نہیں کھا سکتی تھی۔

"گرمی بہت ہے نا، بھابھی!" جمر کی آواز پر وہ چونکی تو دیکھا وہ جانے کہاں سے ایک سٹینڈ فین اٹھا لایا تھا،

اور اب پوری احتیاط سے اسے پلگ میں لگا کر اس کی طرف گھما رہا تھا۔ ہوا کا نرم جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تو وہ بے اختیار پلکیں جھپکنے لگی۔

یہ سب کچھ... یہ وی آئی پی ٹریٹمنٹ... وہ حیران تھی۔

جس قبیلے کے لوگ پہلے وحشی لگے تھے، وہ آج اسے عزت کی انتہا دیتے دکھ رہے تھے۔

اور شاید... یہ سب صرف اس لیے تھا کیونکہ وہ اب اس جن جیسے آدمی کی "بیوی" تھی۔

"یہاں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ نہ کوئی عورت، نہ بچہ... کہیں بچے اسکول تو نہیں گئے؟" دعام نے

نرمی سے سوال کیا، جیسے خود ہی جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ارے نہیں بھابھی... "جمرو نے سر ہلا کر نفی کی۔

"بچے بیچارے اسکول کہاں جائیں گے قبیلے سے؟ ہاں... پڑھائی کا وقت ضرور ہے۔ ہمارے ہاں

ایک مائی ہے جو بچوں کو پرائیویٹ پڑھاتی ہے۔ سال کے آخر میں ہم انہیں پیپر دلواتے ہیں۔

بالا نے بھی بات بڑھائی، "ہمیں حکومت کی ڈگریوں کی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی... علم تو

چاہیے نا۔ ہمارے بچے بھی کچھ نہ کچھ بنیں۔"

"کل آپ نے دیکھا تھا نا... وہ کمزور سا بچہ، نیلا لباس، آنکھوں پر عینک؟" جمرو کے لہجے میں فخر اتر

آیا۔

"بورڈ میں دوسری پوزیشن لی ہے اس نے۔ آٹھویں جماعت کا ٹاپر ہے۔ کمپیوٹر بھی ٹکالک چلاتا ہے۔ اب نویں کے پیپر دے گا۔" دعام خاموشی سے نوالہ لے کر منہ کی طرف لے جا رہی تھی کہ بالاکا اگلا سوال اسے چونکا گیا۔

"ویسے آپ کہاں تک پڑھی لکھی ہیں بھابھی؟ سنا ہے آپ کی امی اسکول کی ٹیچر تھیں؟" وہ حیرت سے بالاکا کو دیکھنے لگی۔

یہ لوگ... اس کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے تھے؟

"بھابھی، ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ تین چار سال سے جانتے ہیں جب سے سردار نے آپ کو پہلی بار بس میں دیکھا تھا۔ پتا ہے... آپ کے ابا پولیس میں حولد ار تھے اور بہت ایماندار افسر تھے آپ کی امی پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی تھیں، اور آپ ان کی اکلوتی اولاد۔" دعام کے ہاتھ تھم گئے۔

یہ سب اتنی تفصیل سے کیسے جانتے تھے؟

"سردار آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ تب سے جانتا ہے،" بالاکا مسکرایا،

دعام کی آواز دھیمی پڑ گئی، "اور میں... میں تو سردار کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

جمر و نے نیچے زمین پر بیٹھے بیٹھے آہستہ سے کہا،

"سردار کو جاننا ہو تو یہ جان لیں بھابھی، اس کا ایک ہی اصول ہے... 'حق کے لیے مر مٹو، سر جھکانے کی ضرورت نہیں۔"

اور جہاں لگے کہ وہ تمہارا حق ہے... وہاں سے کبھی پیچھے نہ ہٹو۔" جمر و نے سانس کھینچا،

"اس کے ماں باپ... دونوں ڈاکو تھے۔ دلاور سکندر نام تھا سردار کے ابا کا۔ تاؤ بھی سردار تھا، مگر ایک وفادار بیوی کے ساتھ۔ تائی... وہ اس کی ہمسفر تھی، ہر حال میں ساتھ دینے والی۔"

ایک چھوٹی بہن بھی تھی سردار کی۔" جمر و کی آنکھوں میں کچھ لرز گیا،

"پھر ایک دن وردی والوں نے قبیلے پر دھاوا بول دیا۔ سب جلا دیا... لوٹ لیا... مار دیا...

بس چند بچے بچ گئے، سردار انہی میں سے ایک تھا۔" اب کی بار دعام خاموش تھی،

اس نے دونوں کے چہرے کی طرف دیکھا... جہاں شرارتیں دفن ہو چکی تھیں، اور فقط ایک پرانا زخم باقی تھا... جو ابھی تک تروتازہ تھا۔

oooooooo



دھوپ سیدھی آسمان کے بیچ چمک رہی تھی، پہاڑوں کے سائے زمین پر پڑ رہے تھے، اور قبیلے کا میدان ایک خاموش گواہ بن کر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ دعام خاموشی سے اپنے سامنے رکھی تھالی میں نوالہ توڑ رہی تھی، لیکن اس کی نظریں بار بار جمرہ اور بالا کی طرف جا رہی تھیں۔ جو اسے قبیلے کے بارے میں بتا رہے تھے۔

دیور جی "ایک بات پوچھوں؟" اس نے آخر کار ہمت کر کے پوچھا۔ بالانے سر اٹھا کر اسے دیکھا، اس کا دیور جی بہت میٹھا تھا۔

"پوچھو بھابھی۔" وہ فوراً بولا۔

"ڈاکو جی کا میرا مطلب ہے، دلدار کا... کوئی تھا؟ مطلب کوئی خون کا رشتہ ماں باپ کے علاوہ؟" اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ سب کچھ جاننے کی خواہش تو تھی لیکن سمجھ نہیں آ رہا تھا کیسے پوچھے۔۔۔۔۔"

بالا اور جمرہ نے ایک دوسرے کو دیکھا، اور پھر ایک گہری سانس لی۔ بالانے ہاتھ سے زمین پر بے وجہ پھیرا، جیسے وقت کی گرد صاف کر رہا ہو۔

ابھی بتایا نا ایک بہن "تھی... "بالا نے آہستہ سے کہا، "ایک بہن تھی اس کی... بہت پیاری، بہت معصوم۔ تاو کی لاڈلی تھی۔" دلدار بڑی مار کھاتا تھا تاو سے جب اسے چھیڑتا۔ بالا مسکرایا جبکہ "تھی" لفظ پر دعام کی پلکیں تھر تھرا گئیں۔

"پھر؟" اس نے پوچھا

"پھر قسمت نے وہ بھی چھین لی... "بالا کی آواز بھرا گئی،

"ایک رات قبیلے پر حملہ ہوا۔ پولیس اور کچھ دشمن قبیلوں نے مل کر قہر ڈھایا۔ باپ ماں، سب مارے گئے۔ کچھ زندہ بچے بھی، کچھ بچھڑ گئے۔ اور دلدار... وہ اندر سے ٹوٹ گیا۔"

کیونکہ اس کی بہن کو، صرف کالی رات نے نہیں بلکہ بعد میں ایک جان لیوہ بیماری نے چھین لیا۔ "اس دن کے بعد وہ دلدار نہیں رہا، سردار بن گیا۔

جمرے نے بات آگے بڑھائی۔

سرداری تو اس کے خون میں تھی۔ پہلے وہ بھی ہمارے جیسا تھا۔ عام سالڑکا، ہنستا تھا، کھیلتا تھا، ہر بات پر لڑتا بھی تھا اور گلے بھی لگاتا تھا۔ لیکن اُس دن نے سب کچھ بدل دیا۔"

بالا نے نرمی سے دعام کو دیکھا،

"میں اس کے ابا کو تاؤ کہتا تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ بڑے ہوئے۔ ایک ہی تالی میں نوالے توڑے، ایک ہی پہاڑ پر دوڑیں لگائیں۔ لیکن پھر جب ظلم حد سے بڑھ گیا، تو دلدار نے وہ فیصلہ کیا... جو کبھی واپس نہیں ہو سکتا تھا۔"

"کون سا فیصلہ؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"سردار بننے کا... ظالم بننے کا... وہ ظلم جو اس نے جھیلا، وہی اس کے اندر بس گیا۔ آٹھ سال ہو گئے، وہ قبیلے کا سردار ہے۔ کوئی نہیں بولتا اس کے سامنے، کوئی نہیں سے اٹھاتا اس کے خلاف۔"

"کہتے ہیں ہماری نسلیں چالیس سال سے ڈاکہ ڈالتی آئی ہیں، لیکن دلدار جیسا سخت دل، جبر والا سردار کبھی نہیں دیکھا۔" بالا نے دھیمے لہجے میں کہا،

دعام کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ اس نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں نوالہ توڑتے توڑتے کپکپاہٹ محسوس کی۔

"ارے بالا! بھابھی کو کیوں ڈرا رہے ہو یار؟ کوئی ظالم شالم نہیں ہے وہ!" جمر نے دعام کے چہرے کی رنگت بدلتے ہی فوراً بالا کو کہنی ماری،

"سردار سخت ہے، لیکن صرف اُن کے لیے جو سختی کے لائق ہیں۔ باقی تو بھابھی آپ میں تو سردار کی جان بسی ہے۔"

دعام نے نظریں جھکا لیں، دل جیسے دھڑکنای بھول گیا ہو۔ اسے سردار کے وہ لمحے یاد آ گئے جب وہ بغیر کچھ کہے صرف اس کے لبوں پر بوسہ دے کر ساری دنیا سے الگ کر دیتا تھا۔

جمرو نے نرمی سے مسکرا کر کہا،

"ہاں ہاں بھابھی، پریشان نہ ہوں۔ آپ تو ہماری سردارنی ہیں، آپ پر تو سردار جان چھڑکتا ہے۔"

بالا نے دعام کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں کو بغور دیکھا، پھر ہنستے ہوئے بولا،

"یہ سب تو کچھ بھی نہیں بھابھی، آپ کی رخصتی سے پہلے ہم سردار کو آپ کی قسمیں دے کر وہ کام بھی کروا لیتے تھے، جو وہ کبھی کسی کے لیے نہ کرتا تھا۔"

اب کے بار بالا کے لہجے میں شوخی تھی، آنکھوں میں چمک، جیسے وہ اسے احساس دلانا چاہتا ہو کہ وہ صرف سردار کی بیوی نہیں... سردار کے دل کا وہ کونا ہے جہاں صرف نرمی، اپنائیت اور سکون

رہتا ہے۔ دعام نے آہستہ سے سر اٹھایا، اُس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی... اور آنکھوں میں  
نمی۔

اسے یقین ہو چلا تھا... کہ جو شخص سب کے لیے ظالم ہے، وہ اس کے لیے صرف ایک چاہنے والا  
شوہر ہے، جو اسے میٹھے ناموں سے پکارتا ہے۔ یہ کیا اس کا لہجہ اس کے لیے نرم ہے۔ لیکن باقیوں  
کے لیے تو شاید وہ لفظوں کو استعمال ہی نہیں کرتا تھا، لیکن وہ اس کی قسم پر کوئی بھی کام کروا لیتے  
تھے یہ سن کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"کون سے کام کرواتے تھے آپ لوگ میری قسم دے کر؟... اور وہ مان بھی جاتے تھے؟"  
اس نے ایک ہی سانس میں دو سوال کر ڈالے تھے۔

پہلے سوال میں ایک معصوم سا تجسس چھپا تھا، جیسے کسی بچی نے کوئی نیا راز سن لیا ہو...  
جبکہ دوسرے سوال میں بے یقینی صاف جھلک رہی تھی۔ جیسے اسے اب تک یقین نہ آیا ہو کہ دنیا  
میں واقعی کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے... جو اس سے اس حد تک محبت کرتا ہو...  
ایسی محبت جس میں اس کی بات، اس کی خوشی... سب سے بڑھ کر ہو۔  
بالا نے جھینپ کر جمرہ کو دیکھا، پھر ہنستے ہوئے سر جھٹکا،

"ارے بھابھی... وہ سب باتیں بتانے والی نہیں ہوتیں۔ کچھ راز راز ہی اچھے لگتے ہیں۔"

پھر جھک کر کھانے کی طرف دیکھا۔ لیکن دعام کو یوں چپ چاپ دیکھ کر وہ پریشان ہوا تھا وہ کچھ کھا کیوں نہیں رہی تھی اور اب تو وہ کھانا چھوڑ بھی چکی تھی۔

"بھابھی... آپ نے تو کھانا ہی چھوڑ دیا! یہ چڑیا جیسے نوالے آپ نے لیے ہیں؟ اتنا کم کھا کر کیسے گزارہ ہو گا آپ کا؟" سردار توجان نکال دے گا کہ اس کی بیوی کو کھانا نہیں دیا ہم نے جمر و فوراً بول اٹھا،

"ہاں بھابھی، اگر یہ پسند نہیں تو ہم کچھ اور لادیں گے بتاؤ نا کیا کھاو گی؟ ہم ابھی لے آتے ہیں۔" ان دونوں کے لہجے میں پریشانی تھی جبکہ دعام نے آہستگی سے نظریں اٹھائیں اور بے ساختہ انگلی ان دونوں کے پیچھے کی طرف اٹھادی۔

"وہ... وہاں... آم کا درخت..." مجھے کچا آم کھانا ہے، اس کے لہجے میں بچوں سی فرمائش تھی۔ جمر و نے چونک کر پیچھے دیکھا، اور ہنستے ہوئے بولا،

"اوہو! تو بھابھی کی نظریں کب سے آم پر لگی ہوئی تھیں؟"

بالا نے شرارت سے دعام کو دیکھا، "واہ سرادنی آم کا درخت نظر آگیا۔" دعام کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ کچھ نہ بولی، لیکن چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی... اور وہ مسکراہٹ بتا رہی تھی۔ اسے بھی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں کرنا خوب آتا تھا۔ لیکن آج پہلی دفعہ کی تھی۔

اور وہ دونوں... بالا اور جمر... ایسے بیٹھے تھے جیسے ان کی زندگی کا اصل مقصد بس دعام کی ہر فرمائش پوری کرنا۔

جیسے ہی اس نے آم کے درخت کی طرف اشارہ کیا، دونوں ایک پل میں زمین سے اٹھے، اور اگلے ہی لمحے درخت کی شاخوں پر چڑھے ہوئے تھے۔

دعام نیچے کھڑی انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

درخت کی شاخوں پر جیسے چھوٹی سی جنگ چھڑ گئی تھی۔

"میں بڑا آم لاؤں گا!"

"نہیں! میٹھا میں توڑوں گا!"

"دیکھنا بھابھی، جمر کا آم تو کھٹا نکلے گا!"

"چپ کر بالا، تیرا آم بھی کیڑا والا ہو گا!"

وہ دونوں جیسے بچوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

دعام کی پلکیں حیرت سے جھپکنے لگیں، وہ دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھی، اور آم کے درخت کے قریب آکر رک گئی۔

اچانک بالانے زور سے آواز لگائی،

"بھا بھی... کیچ!" اور اگلے ہی لمحے ایک آدھ پکا ہوا بڑا سا آم فضا میں تھا

دعام نے ایک دم چونک کر ہاتھ اوپر کیے... اور حیرت انگیز مہارت سے اسے کیچ کر لیا۔

"واہ بھا بھی!" جمر و درخت سے ہی ہنسا۔

"سردارنی ہیں نا ہماری... ہر کام میں ماہر!" کیا کیچ پکڑا ہے،

دعام کے چہرے پر معصوم سی ہنسی چھا گئی، ایک ایسی شرارتی، نرمی سے بھری ہنسی...

جیسے برسوں بعد اس کے دل میں کسی چیز نے گدگدی کی ہو۔

بالا اوپر سے جھانکتے ہوئے بولا،



"بس بھابھی... اب بتائیں، کیسا آم توڑا؟"

دعام نے آم کی طرف دیکھا، پھر اوپر ان دونوں کو،

"ایک دم بیکار، کھٹا کچا آم توڑا ہے تُو نے! اب دیکھ میں بتاتا ہوں کہ آم کیسے توڑا جاتا ہے!"

جمرو، جو ایک ڈالی سے دوسری پر بندر کی پھرتی سے اچھل رہا تھا، ایک ہلکا سا پیلا آم توڑ چکا تھا۔ اس کی رنگت دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ آم پکنے کے قریب ہے۔ وہ پکا تو نہیں، مگر ذائقہ دار ضرور ہوگا۔

بالا نے اسے گھور کر دیکھا، جیسے چیل اپنی شکار کو دیکھتی ہے۔

"اسے کہتے ہیں... بھابھی کی خواہش کا آم!"

جمرو نے آم کو فضا میں تھوڑا سا گھمایا، جیسے کوئی ٹرائی دکھا رہا ہو۔

لیکن وہ بول ہی رہا تھا کہ اگلے ہی پل بالا نے جھپٹ کر آم اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"اور یہ رہا میری طرف سے بھابھی کے لیے تحفہ!" بالا نے ہنستے ہوئے آم کو نیچے پھینکا۔

دعام نے جلدی سے اپنی چادر زمین پر پھیلائی اور آم سیدھا آکر اس کے ہاتھ میں آگرا۔

اس بار دعام کی ہنسی، اس کا ایکساٹڈ انداز... جیسے دل کے اندر سے نکلی خوشی ہو، اس کے چہرے پر چھلک رہی تھی۔

"بھابھی، یہ میں نے توڑا تھا! میری طرف سے گفٹ ہے... اس کی طرف سے نہیں!"

جرم و فوراً درخت سے جھانکتے ہوئے بولا، جیسے اپنی محنت کا حق مانگ رہا ہو۔

بالا نے ہنستے ہوئے بے نیازی سے کہا،

"جس نے آپ کو دیا، وہی اس کا اصل مالک ہے۔ اور ویسے بھی... مجھے آپ کی طرف سے شکریہ کی ضرورت نہیں بھابھی، میں تو آپ کے لیے اور بھی اوپر تک چڑھ جاؤں گا!"

وہ کہہ کر جرم کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے مزید اوپر چڑھنے لگا، اور آم توڑ توڑ کر نیچے دعام کی چادر میں گراتا گیا۔ کچھ ہی دیر میں چار پائی والی بڑی سی چادر میں آموں کا چھوٹا سا ڈھیر بن چکا تھا۔ دعام کبھی چادر کو سنبھالتی، کبھی ہنستی، کبھی دونوں کو حیرت سے دیکھتی۔ وہ ساری کیریاں ایسے اکٹھی کر رہی تھی جیسے کوئی خزانہ اکٹھا کیا جا رہا ہو اور ساتھ ساتھ میں مزے سے کھا بھی رہی تھی

پھر... اچانک... پیچھے سے کسی کے گلا کھکھارنے کی آواز آئی۔

بس...

ایک پل میں سب کچھ رُک گیا۔ درخت پر دونوں کے ہاتھ رک گئے۔

سانسیں جیسے اندر ہی کہیں پھنس گئیں۔

نیچے دعام کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

پیچھے کون تھا؟

آواز میں جو دبدبہ تھا، وہ ان دونوں کو پہچاننے میں دیر نہ لگا سکا۔

بالا اور جمرو، دونوں نے ایک دوسرے کو ایسے دیکھا جیسے بولے بغیر ہی پوچھ رہے ہوں۔

"اب کیا ہو گا؟"

دعام کی آنکھوں میں شرارت کی جگہ جھجک اور ہلکی سی گھبراہٹ نے لے لی تھی۔

فضا میں خاموشی چھا گئی تھی۔

بس آموں کی ہلکی سی خوشبو اور ہوا کا نرم جھونکا اس پل کے گواہ تھے...

اور دعام کے چہرے پر وہی شرارتی مسکراہٹ اب تھوڑی سی گھبراہٹ میں بدل گئی تھی۔

ooooooo

سردار کی آنکھ کھلی تو چہرے پر خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی...

کمرے میں سکون تھا، ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی،

لیکن اس کے دل میں، جیسے کچھ دھیرے دھیرے گنگنا رہا ہو۔

اس نے تھوڑا سا پہلو بدلا، بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تو نظروں میں وہ منظر گھوم گیا...

وہ کیسے آہستہ آہستہ، سانس روکے، خود کو اس کے دائرے سے نکال رہی تھی۔

پہلے ایک پیر بیڈ سے نیچے رکھا، پھر دوسرے کو...

پھر اتنی نرمی سے اس کی گرفت سے نکلتی گئی، جیسے ہوا میں اپنی خوشبو چھوڑ رہی ہو۔

جس طرح وہ اس کے بازوؤں میں قید تھی،

وہ جانتا تھا، اگر وہ نہ چاہتا،

تو وہ اس کی نیند میں بھی خود کو آزاد نہیں کرا سکتی تھی۔

لیکن وہ تو بس اسے دیکھنا چاہتا تھا،

اس کی وہ معصوم سی چالاکی، اس کا وہ دھیرے دھیرے پھسلنا،  
اس کا اپنے انداز سے خود کو اس کے حصار سے نکالنا... سردار کے دل کو جیسے گدگدا گیا تھا۔  
یہ کوئی عام صبح نہ تھی، یہ اس کی زندگی کی سب سے خاص دوپہر تھی۔  
جی ہاں، یہ دوپہر تھی، سورج سر پر آچکا تھا اور وہ اب تک سو رہا تھا۔  
لیکن سردار کے لیے یہ ایک نئی زندگی کی صبح جیسی تھی۔  
اس نے پلکیں موند کر ایک گہرا سانس لیا...  
چہرے پر اب بھی ہلکی سی شرارت تھی،  
جیسے وہ اسے پھر سے بانہوں میں بھرنے کی تیاری کر رہا ہو۔  
\*\* "میرا بھولا سائیں... چھپنے کا ہنر بھی کیسا سیکھ لیا تم نے..." وہ دھیرے سے بڑبڑایا،  
اور نظریں دروازے پر ٹکا دیں... شاید اب وہ لوٹے،  
تو پھر سے اس کی بانہوں میں قید ہو جائے،  
ہمیشہ کے لیے۔

\*\*\*"وہ اس کی تھی۔"

\*\*\*جہاں بھی تھی، جس جگہ پہ بھی تھی،\*\*\*

\*\*\*اس کی محبت کے حصار میں تھی۔\*\*\*

\*\*\*ایسا حصار جو نظر نہیں آتا تھا، لیکن ہر طرف اس کی خوشبو میں بسا ہوا تھا۔\*\*\*

وہ نماز سے فارغ ہوئی تو کچھ لمحے یوں ہی اسے تکتے ہوئے کھڑی رہی،

جیسے خود کو یقین دلانا چاہ رہی ہو کہ وہ واقعی سو رہا ہے۔

پھر اُس کی خاموشی پر ایک شرارت سی لبوں پر جا سچی۔ وہ نرمی سے پلٹی، بغیر آہٹ دیے۔

وہ جانا چاہتی تھی،

اور وہ جو بظاہر سو رہا تھا۔ جان چکا تھا کہ کل رات اور پھر صبح وہ اپنی شدتوں میں کچھ زیادہ ہی اس پر

حاوی ہو گیا تھا۔

اسی لیے اس نے آنکھیں بند رکھیں، یوں ظاہر کیا جیسے گہری نیند میں ہو۔

وہ تیار ہو کر چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

سردار جانتا تھا کہ نیچے اس وقت شاید ہی کوئی اور ہو، بالا اور جمرو کے سوائے۔

ویسے بھی وہ اپنی زندگی میں زیادہ لوگوں کو خود میں دخل دینے نہیں دیتا تھا۔ جمرو ہر وقت اس کے ارد گرد منڈلاتا رہتا تھا،

لیکن اعتبار کی بات ہو...

تو بالا ہمیشہ سب سے اوپر تھا۔

اسے پورا یقین تھا۔

اس کی غیر موجودگی میں بھی وہ نہ تو بور ہوگی، نہ ہی اکیلا پن محسوس کرے گی،

نہ ہی کسی تکلیف کا سایہ اس کے قریب بھٹکے گا۔

گرم ہوا کا جھونکا بھی اگر اس کی طرف بڑھے گا۔ تو بالا اسے روکنے کے لیے کافی ہوگا۔... جس پر

وہ اپنی جان سے بڑھ کر یقین رکھتا تھا۔

اسی لیے اس وقت اسے دعام کی کوئی پریشانی نہیں تھی وہ بالکل پرسکون تھا۔

اس کی تیاری میں کوئی جلد بازی نہیں تھی۔

کالا لباس اس کی شخصیت کا خاصہ تھا، جو اس کی الماری میں ہمیشہ سے چمکتا رہتا تھا۔  
وہ لباس نہ صرف اس کے وقار کو بڑھاتا تھا بلکہ اس کی شخصیت کی گہرائی کو بھی ظاہر کرتا تھا۔  
پہلے وہ بستر سے اٹھا، پھر واش روم میں جا کر تازگی سے نہایا۔ ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک نے اس کے  
چہرے پر تازگی بھر دی تھی۔

تولیہ لپیٹ کر وہ الماری کی طرف بڑھا، جہاں اس کا کالا لباس چمک رہا تھا۔  
لباس بدلا، بال سنوارے اور آرام سے تخت آرام سے نیچے اتر آیا۔  
باہر پتھر یلے پہاڑوں کی چھاؤں میں۔ تیسرے پہاڑ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس کی نظر  
ایک چھوٹی سی لڑکی پر پڑی، جو بڑی سی چادر میں لپیٹی، آم کے درخت کے نیچے کھڑی تھی۔  
وہ بالکل چھوٹی معصوم سی بچی لگ رہی تھی،

اس کی آنکھوں میں شرارت کے ساتھ ساتھ ہلکی سی بے چینی بھی تھی، جو اس کی معصومیت کو  
اور نکھار رہی تھی۔ جب وہ اس کے قریب پہنچا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے دونوں بندے،  
بالا اور جمرو، ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ دونوں کے چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ تھی،



لیکن ان کی نظروں میں ایک چھپی ہوئی جنگ چل رہی تھی۔ وہ بہتر اور بڑی کیری اتار کر بھا بھی کی خدمت میں پیش کرنے کی دوڑ میں تھے۔

بالا ایک ہاتھ میں کیری تھامے کھڑا تھا، جب کہ جمر دوسری طرف اپنی بہترین کیری دکھانے کے لیے تیار تھا۔

ان دونوں کی یہ لڑائی محبت بھری تھی، ایک دوسرے کو ہرا کر بھا بھی کو خوش کرنے کی جستجو تھی۔

درمیان میں دعام کی معصومیت اور خوشی کی چمک تھی، جو اس موقع کو خاص بنا رہی تھی۔ اس کی ہلکی ہنسی، چادر کے اندر چھپی اس کی شرارت، اور اس کے چہرے پر پھیلی خوشی، وہ سب کچھ ایک خوبصورت منظر کی تصویر بنا رہے تھے۔

دعام ایک بار پھر خوشی سے کیریاں پکڑتی ہوئی، اپنے انداز میں اس جگہ کی رونق بڑھا رہی تھی۔

اسی دوران سردار نے گلاکھ کا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا،

اور وہ دونوں بندے ایک لمحے کے لیے رُک گئے،

ان کی سانسیں تھم گئیں، اور وہ جھنجھناہٹ میں اس طرف دیکھنے لگے۔

oooooooo

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

پیچھے سے گونجتی ہوئی سردار کی آواز نے پورے ماحول کو ساکت کر دیا۔ اس کی آواز میں ایسا رُعب اور سختی تھی کہ بالا اور جمر و نگاہیں جھکا کر ساکت ہو گئے۔ ایک لمحے میں دونوں درخت سے اتر کر سیدھے زمین پر کھڑے تھے، جیسے کسی عدالت کے مجرم ہوں۔

دعام جواب تک خوشی خوشی کیریاں کھانے میں مگن تھی، وہ بھی اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔ اگرچہ وہ سردار سے براہِ راست کبھی کچھ نہیں سنتی تھی، مگر اس کا رُعب اسے بھی گم سم کر دیتا تھا۔ وہ کیری، جو ابھی اس کے ہاتھ میں آدھی کھائی ہوئی تھی، چھپانے لگی۔ جب کہ سردار کی نظر نمک اور مرچ کے ڈبے پر بھی پرچکی تھی۔

"سردار... "بالا نے دھیرے سے زبان کھولی، "ہم بھابھی کے لیے کیریاں اتار رہے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ بہت دل سے کہا تھا اس نے۔"

"ہاں سردار!" جھرو نے فوراً بات جوڑی،

کھانا کھانے کا دل نہیں کر رہا تھا ان کا۔ ہم نے سوچا ان کی خواہش پوری کر دیں۔

سردار کی نظریں دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ چہرہ سپاٹ مگر آنکھوں میں سختی، جیسے ان کی معصوم وضاحت بھی اس کی برہمی کو ٹھنڈا نہ کر سکی ہو۔

"تم دونوں کو عقل نام کی چیز چھو کر بھی نہیں گزری؟" اس کی آواز اب قدرے بلند تھی، مگر الفاظ میں ٹھہراؤ تھا،

"اتنے بڑے ہو گئے ہو، مگر نہ خود کی فکر ہے، نہ اس کی، جس کے لیے تم یہ سب کر رہے ہو۔"

اس نے زمین کی طرف دیکھا، جہاں چار سے پانچ کیریوں کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ پھر اس کی نظر دعام کے ہاتھ میں موجود آدھی کیری پر پڑی، جس پر نمک مرچ بھی لگا ہوا تھا۔

"بیمار کرنا چاہتے ہو اسے؟ جانتے بھی ہو کچی کیری کیا کرتی ہے؟ معدے کو جلاتی ہے، کتنی

بیماریاں لگ سکتی ہیں اندازہ ہے تمہیں۔ اور وہ... وہ یہاں بیٹھ کر مزے سے تم دونوں کے احمق

پن کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔" صرف شکل سے معصوم ہے پورا شیطانی دماغ رکھتی ہے وہ، وہ آخری

جملہ کہتے ہوئے دعام کی طرف دیکھے بغیر ہی کہہ گیا، جیسے غصہ دل میں رکھ کر زبان پر سختی لایا ہو۔

لیکن اس کی بات دعام کا منہ کھل گیا تھا،

بالا اور جمر و خاموش کھڑے تھے۔ اب کہ ان کے چہروں پر نہ شوخی تھی نہ دفاع۔ صرف ندامت تھی۔ دعام نے آہستگی سے کیری زمین پر رکھ دی۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی، مگر ہمت نہ ہوئی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کے سردار کو صرف اس کی صحت نہیں، اس کی ذات عزیز ہے۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی اسے نقصان پہنچا سکتی ہیں، یہ سوچ ہی سردار کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوتا، مجھے کھانے کی عادت ہے۔" وہ آہستگی سے منمنائی، جیسے خود کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ مگر جیسے ہی اس کی نگاہ سردار کی سرخ آنکھوں سے ملی، اس کا لہجہ بجھ سا گیا۔ نگاہیں جھکیں، قدم پیچھے ہٹے، اور وہ خاموشی سے بالا کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

تم سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا اپنی چونچ بند رکھو سجن سائیں،

سردار کہ لہجے میں بے تحاشہ مٹھاس تھی لیکن ایک سرد نگاہ ان دونوں پر ڈالی، پھر درخت کے نیچے بچھائی گئی چادر کی طرف اشارہ کیا جس پر کیریوں کا ڈھیر لگا تھا۔

"پھینکو یہ سب کچھ!"

اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے فیصلے کی گنجائش ہی نہ دی گئی ہو۔

دعام کی جان جیسے لبوں میں اٹک گئی۔ اتنی دیر کی محنت، اتنی خوشی سے چنی گئی کیریاں، وہ ان سب کو یوں ضائع کیسے کرے؟

مگر اس کی نگاہ جیسے ہی پھر سے سردار کے چہرے پر پڑی، تو کوئی اور سوال دل میں اٹھ ہی نہ سکا۔  
"ہاں بھابھی، پھینکو!" بالانے فوراً کہا اور دعام کی طرف پلٹ کر گھورا،

"اور تم نے کیا کہا تھا؟ کہ اس پر چاٹ مصالحہ ڈال کر بھی کھاتی ہو؟"

اس کے لہجے میں اب بے چینی تھی، جیسے خود بھی ساری صورتحال کی سنگینی کو سمجھ چکا ہو۔

اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ سردار صرف ناراض نہیں، وہ شدید غصے میں ہے۔ اور یہ صرف کیریوں کی بات نہیں، یہ دعام کی صحت کی بات ہے۔

بالا، اپنا لہجہ درست رکھو، مت بھول ہو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ اپنے سوہنے مکھڑے سے سردار خود کو اس لہجے میں بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اس کے غصے سے کہنے پر سردار بھرا تھا جس پر بالا نگاہیں جھکا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

بالا کو یاد آیا وہ لمحہ جب دعام نے ہنستے ہوئے جمرہ سے کہا تھا

"میں تو نمک مرچی ڈال کر بھی کھاتی ہوں۔"

اور جمرہ، بوتل کے جن کی طرح، فوراً جا کر نمک مرچی لے آیا تھا۔

ابھی وہ کیریاں کھانے لگی تھی کہ اس نے فرمائش کر دی

"کبھی کبھی تو میں چاٹ مصالحہ ڈال کر بھی کھاتی ہوں۔"

بالا نے ہنستے ہوئے وعدہ کیا تھا

"بس اتار لینے دو، میں چار مصالحے لا کر دیتا ہوں!"

بیچارے دیوروں کی معصومیت تھی۔ یہی سمجھا کہ وہ کھانے میں کچھ نہیں کھا رہی، چڑیا کی طرح چند نوالے لیے ہیں، تو چلو کیریاں دے دیں۔

مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ کچی کیری اس کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات سردار کو معلوم تھی۔ اس لیے اس کا غصہ بجا تھا۔

سردار کا چہرہ سخت تھا، مگر دل اندر سے پریشان۔ اسے دعام کے لفظوں سے زیادہ اس کی نا سمجھی سے خوف آیا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ چھوٹی چھوٹی ضدیں کب نقصان بن جاتی ہیں۔

اور پھر... سردار کی آنکھوں کے اشارے کو سمجھتے ہی بالانے ایک پل کی بھی تاخیر نہ کی۔

زمین پر بجھی چادر کے چاروں کونے مضبوطی سے پکڑے، اور ایک جھٹکے میں کیریوں کا وہ سارا خزانہ سیدھا کھائی کی طرف اچھال دیا۔

چھوٹی چھوٹی خواہشیں... جیسے خود کشی کر گئیں ہوں اُس گہرے کھڈ میں۔

دعام کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اس کی سانس رُک سی گئی تھی۔

بس رونے کی کسر باقی تھی... چہرہ مکمل طور پر رو دینے والے نقش میں ڈھل چکا تھا۔

اس کے لب، آنکھیں، اور ساکت ہاتھ سب یہی بتا رہے تھے کہ دل میں طوفان آیا ہے۔

سردار نے ایک گہری سانس بھری، اور دوبارہ ان تینوں کی طرف نگاہ کی۔

"آج کے بعد، تم تینوں اس درخت کے آس پاس بھی نظر نہ آنا!"

آواز میں نہ صرف سختی تھی بلکہ تحکم بھی، جو کسی بحث کی گنجائش ہی نہ چھوڑتا تھا۔

پھر وہ دعام کی طرف مڑا۔ جس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ اندر سے ناراض ہو گئی ہے۔

"چلو، میرا سوہنا مکھڑا تمہیں شیر دل کی سواری کروا تا ہوں۔ اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ

رکھتے ہوئے، وہ اُسے اپنے قریب کرتا بولا۔

"میرا سوہنا سائیں ناراض نہیں ہوتے... جو چیز نقصان دہ ہو، اُس سے دور رہتے ہیں۔" لہجہ نرم ہوا

تھا، لیکن آنکھوں میں اب بھی وہی سختی تھی۔ جیسے وہ اُس کی ہر ضد کو اپنی حفاظت سے

تولے گا۔

مگر جیسے ہی "شیر دل" کا نام سنا، دعام کا رنگ پھر سے اڑ گیا۔ ماتھے پر پسینہ ابھر آیا۔

○○○○○○○

"می۔۔ می۔۔ میں تھک گئی ہوں... وہ سست قدموں سے چلتی، سردار کے بالکل قریب آ کر

رکی،"



یہاں، یہیں بیٹھ کر تھوڑا سا آرام کر لوں؟ اب سواری نہیں ہو سکتی۔ صبح کہا تھا نا؟"

نیند سے بوجھل پلکیں، ڈھیلی آواز اور نقاہت سے لبریز لہجہ،

مگر وہ... جیسے سنی ان سنی کر رہا تھا۔ جیسے اس کے ایک ایک بہانے کو اندر تک سمجھ چکا ہو۔ اس کا ہاتھ تھامے اُسے اپنی رفتار سے لیے جا رہا تھا۔

دعام ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ کبھی زمین پر پیر جما کر رک جاتی، کبھی آہستہ ہو جاتی، کبھی پوری معصومیت سے پیچھے دیکھتی کہ شاید کوئی اسے بچالے۔ لیکن دیور جی تو ایک دوسرے میں مگن ہو گئے تھے بھا بھی کا تو خیال ہی نہیں رہا تھا اسے اس جن کے حوالے کر دیا تھا۔

اور پھر وہ کچھ کر بھی نہیں پار ہی تھی بالا یا جمر و کو باتوں میں کیسے الجھایا تھا لیکن یہ سردار تھا۔

اس کے سامنے کوئی کچھ کہنے کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ نہ دیور، نہ بھا بھی، نہ نوکر۔

"نہیں جانا!" آخر کار وہ رُک کر ضدی انداز میں زمین پر پیر جماتے ہوئے اونچی آواز میں بولی،  
"مجھے بہت گرمی لگ رہی ہے... دن کے وقت ہم کیسے سواری کریں گے؟ شام کو چلیں گے نا؟"

اس کے ماتھے پر چمکتا پسینہ، خوف سے پھیلی نگاہیں اور بوکھلائی ہوئی آواز... لمحہ بھر کو سردار بھی ٹھٹک گیا۔

"هاں؁ گرمى تو واقعى هے۔"

اس نے ايك نگاه آسمان كى طرف ڈالى؁ پھر اُس پر — "سوارى كا مزه بهى شام كو هى آتا هے۔"  
"بس! بهى تو ميں بهى كهه رهى تهى!" وه فوراً بول پڑى جيسے كسى عدالت ميں جج نے اس كے حق ميں فيصله سنا ديا هو۔

اف ڈاكوجى "اوپر سورج ديكيهيں؁ بالكل سرپه هے... هم كسى معصوم جانور پر ظلم تھوڑى كريں  
كهے؟ بوجه بهى اٹھائے كا؁ دھوپ ميں جلے كا بهى... بهت ظلم هے۔"  
وه باتيں كر رهى تهى؁ ليكن اس كى نظريں بار بار استبل كى طرف جار هى تهيں۔ اور سردار اس كا  
سارا ڈر؁ سارى بهچكچاھٹ سمجھ چكا تھا۔

"چلو ٹھيك هے۔"

وه نرمى سے بولا؁

"پھر روم ميں چلتے هيں۔"

ليكن جيسے هى وه پلٹا؁ اس كى آنكھوں كى چمك نے دعام كے قدم روك ديے۔

"کیوں؟" اس کی آواز کانپ گئی تھی۔

سردار رُکا، آہستہ سے اس کی طرف جھکا۔

"میرا سوہنا سائیں گرمی میں سواری نہیں ہو سکتی... "وہ سرگوشی میں بولا، "... لیکن رومانس تو ہو سکتا ہے نا؟"

اور اگلے ہی لمحے، وہ اس کے چہرے کے اتنا قریب آگیا کہ دعام کی سانسیں جیسے رُک گئیں۔

اس کے لبوں پر جھکتے ہوئے، سردار نے شدت سے اسے چوم لیا۔

اب کی بار اس کی سانسیں صرف رُکی نہیں تھیں... بلکہ تھم گئی تھیں۔

اور دھڑکن... جیسے مکمل قابو سے باہر ہو گئی ہو

○○○○○○○○

"ارے رباب! اُٹھ جا بیٹی... آٹا گوندھ، روٹیاں ابھی تک نہیں بنی!" دروازے کے پار سے ماں کی آواز آئی تھی—روایتی، دھمکی بھرا سا شفقت آمیز لہجہ۔ رباب نے کھیس ایک طرف پھینکا، چہرہ بگاڑتے ہوئے غصے سے بولی، "ہاں! بن گئی ہوں ملازمہ... بس مجھ سے ہی ہر کام! کبھی آٹا سر پہ

ڈال دیتے ہو، کبھی جھاڑو پکڑا دیتے ہو۔ میں نے زندگی میں کبھی یہ کام نہیں کیے، مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب! سن لو، آخری بار کہہ رہی ہوں!" اس کے لہجے میں بغاوت تھی، وہی بغاوت جو کب سے اندر دبی بیٹھی تھی۔ پاس ہی صفا خاموش بیٹھی تھی، مگر رباب کا غصہ سب کے لیے تھا۔

"سمیرہ اور نوشین کو تو جیسے نیکیوں کی پٹیاں باندھ رکھی ہیں، نہ اُن سے کوئی کام کرایا جاتا ہے، نہ کچھ کہا جاتا ہے۔ ہم ہی رہ گئے ہیں اس گھر میں، بس کام کی مشینیں!" رباب نے جیسے ہی چاچی کی بیٹیوں کا ذکر چھیڑا، چاچی نے تیز، تلخ نظروں سے اسے گھورا۔ "زیادہ زبان مت چلایا کر، رباب! صبح دھوپ میں میری بیٹیوں نے صحن جھاڑا، اور تو گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی!" چچی کی آواز میں طنز کے ساتھ ساتھ تکلیف بھی تھی۔ "اور تیری بہن صفا؟ صبح سے اُس نے کیا تیرا مارا ہے؟ ابا اور چچا کے کپڑے دھونے کو کہا تھا، مگر مجال ہے جو موت نہ پڑ گئی ہو اُسے! دس بار کہا، کان پر جوں تک نہیں رینگے!" وہ غصے میں صفا کی طرف بھی لپکی، جو باہر صحن میں بیٹھی نہ جانے کون سی کریم اپنے ہاتھوں پیروں پر رگڑ رہی تھی، جیسے یہی اس کا اصل کام ہو۔ رباب کچھ بولنے ہی والی تھی کہ چاچی نے بحث کو چھوڑ کر خود کو اندر لے گئی۔ یہی اُس کا انداز تھا۔ زبان بند، مگر نفرتوں کے دروازے کھلے۔ ابھی دعام کو اس گھر سے گئے کچھ ہی دن ہوئے تھے، مگر لگتا تھا جیسے امن و سکون بھی اُن کے ساتھ رخصت ہو گیا ہو۔ ہر گھنٹے بعد ایک نئی جنگ چھڑتی، ہر بات پر

جھگڑا، ہر کام پر تنقید۔ جن لڑکیوں کو آج تک سر پر بٹھایا گیا، وہ آج جھاڑو پکڑنے پر بھی ناک چڑھاتی تھیں۔ تو پھر گھر کیسے چلے؟ چچا اور ابا سب کچھ سن رہے تھے۔ گھر کی دیواریں اُن کی سماعت سے دور نہ تھیں، مگر وہ خاموش تھے... یا شاید بے بس۔ کبھی یہی صحن چمکتا تھا، ہر کونہ صاف ہوتا، کھانے کی خوشبو ہوا میں گھلی ہوتی تھی، دروازے پر آنے والے کو پانی خود بخود میسر آتا تھا۔ مگر اب؟ ہر کوننا بکھرا ہوا، درختوں کے پتے زمین پر، فضا میں گھٹن... اور بے ترتیبی۔ اور سب سے بڑا سوال جو ہر چہرے پر لکھا تھا، وہ باہر کی دنیا کی زبان پر بھی آگیا تھا۔ "اس رات کیا ہوا تھا؟" "ڈاکو ان سب کو کہاں لے گئے تھے؟" "کیا دعام سے نکاح کر لیا گیا ہے یا بس... رکھ لیا گیا ہے؟" "وہ کیوں گئی؟ کہاں گئی؟" "کیا وہ واپس آئے گی؟"

ان سوالوں کا بوجھ، ماحول کی بے رنگی، اور اندر کے زخم... ان سب نے مل کر اس گھر کو صرف ایک چھت بنایا تھا، گھر نہیں رکھا تھا۔

○○○○○○

"نہیں... ڈاکو... جی... گرمی بہت ہے اور ویسے بھی دن میں کمروں میں کون جاتا ہے؟ اتنے سارے کام ہوتے ہیں، دن میں کرنے کے لیے۔"

جیسا کہ، اس کے انداز پر وہ اسے گہری نظریوں سے دیکھنے لگا۔

جیسا۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔ جیسا۔۔۔ کہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ کھانا بنانا ہوتا ہے۔ یہ کوئی وقت ہے کمرے میں جا کر آرام کرنے کا؟"

دعالم کا وہی پرانا معصومانہ بہانے باز انداز، آنکھوں میں جھجک، چہرے پر ہلکی شرارت اور دل میں وہی گہرا ہٹ جو ہمیشہ دلدار کی نظریں سہتے وقت اُسے گھیر لیتی تھی۔

اف!! وہ دیکھتا بھی تو یوں ہی تھا جیسا ابھی قید کر لے گا، کچے آنگن میں کھڑے ہو کر وہ ایک دو قدم پیچھے ہٹی، نگاہیں ہر طرف جارہی تھی۔

دلدار نے ہاتھ باندھ کر اُسے غور سے دیکھا۔ مسکراہٹ کے پیچھے وہی مردانہ ٹھہراؤ، وہی دھیمہ طنز جس میں عشق کی جھلک بھی تھی اور جبر کی نرمی بھی۔

اس طرح دن دھاڑے کمرے میں جا کر نہیں بیٹھتے اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

"تمہیں کس بے وقوف نے کہا میں کمرے میں جا کر بیٹھوں گا؟ میں تو وہاں جا کر رومانس کروں گا اپنی پیاری سی بیوی کی خوبصورتی کو سراہوں گا، سجن سائیں۔۔۔"

اس نے جان بوجھ کر آواز کھینچی، اپنی کربتوں کے رنگ وہ اس کے چہرے سے پڑھنے لگا۔

"اور ویسے بھی یہ رو مینس شادی کے شروع کے دنوں میں ہی اچھا لگتا ہے نا، سجن سائیں۔۔ بعد میں پھر بچے ہو جائیں گے ان کے کھانے پینے کی ٹینشن بیماریوں کی ٹینشن پڑھائی کی ٹینشن کپڑوں کے ٹینشن ان کی جو ان ہونے کے بعد شادی کی ٹینشن، اور پھر داد دادی نانانانی بن کر پوتے پوتیوں نواسوں نواسیوں کو پالنے کی ٹینشن انہی ٹینشنوں میں زندگی گزر جائے گی۔ اور میں ان سب ٹینشنوں میں پڑنے سے پہلے تمہارے ساتھ بہت زیادہ ر مینس کرنا چاہتا ہوں۔

اور آج رات مجھے ایک بری ڈکیتی پر جانا ہے، رات کو تو تمہارے ساتھ ہوں گا نہیں، یہی وقت ہے رومانس کرنے کا۔۔۔" اسی لیے بہتر ہے کہ میرا وقت برباد کرنے کے لیے بجائے، اوپر چل کر اپنے شوہر کے جذبات کا احترام کرو

"نہیں۔۔۔ یہ وقت نہیں ہے،" دعام کی آواز کانپ گئی۔ "میں ابھی بہت مصروف ہوں، مجھے کھانا بنانا ہے، بہت سارے کام کرنے ہیں۔۔۔"

وہ آگے پیچھے دیکھتے ہوئے زبردستی کوئی کام ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کبھی ایک طرف دیکھتی، کبھی دوسری کی طرف، حالانکہ وہ جانتی تھی یہاں اس قبیلے میں نہ ادھر اُس کا کوئی کام تھا، نہ ہی ادھر

دلدار نے قدم بڑھایا، آہستگی سے، جیسے وہ کسی قیمتی خزانے کی طرف بڑھ رہا ہو۔

"میرا سوہنا مکھڑا۔۔۔ میرا میٹھا سائیں۔۔۔ تمہیں لگتا ہے میں اپنی شہزادی کو کسی کام کو ہاتھ لگانے دوں گا؟ تم کاموں کے لیے نہیں، راج کرنے کے لیے بنی ہو۔۔۔ میرے دل کی دنیا پر راج کرنے کے لیے۔۔۔"

اس نے دعام کی ٹھوڑی کو نرمی سے تھام لیا۔ چہرے پر سنجیدگی اور نگاہوں میں دھیماسا غرور تھا۔  
"یہاں تمہارے سردار سائیں کی حکومت چلتی ہے۔۔۔ اور اس حکومت میں تمہاری ہر ادا قانون ہے۔۔۔ ہر سانس حکم ہے۔۔۔ اور تم۔۔۔ میری سلطنت کی رانی۔۔۔"

اور شہزادیاں حکم چلاتی ہیں کام نہیں کرتی تم بس ایک اشارہ کرو سب کچھ ہو جائے گا تمہیں خود کو تکلیف دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی میٹھی لہجے میں محبت ہی محبت تھی جسے محسوس کر کے وہ نگاہیں جھک گئی لیکن پھر بھی اس کا ارادہ اس جن کے ساتھ کمرے میں جانے کا تو ہرگز نہیں تھا۔

"وہ سب کچھ تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن مجھے کام کرنا اچھا لگتا ہے، خاص کر کھانا بنانا۔۔۔ وہ تو میرا

سب سے پسندیدہ کام ہے۔۔۔ بہت اچھا کھانا بناتی ہوں میں۔۔۔"

وہ بولتے ہوئے نظریں چڑا گئی، جیسے اپنی کسی چھوٹی سی خوشی کا اعتراف کر رہی ہو۔



"ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ آج میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر دوں گی۔۔۔ فکر مت کریں، میں جو بھی کھاتی ہوں، وہ بنا لیتی ہوں۔۔۔ آپ کو گوشت والے کھانے پسند ہیں نا؟ میں ویسا بنا کر دوں گی۔۔۔ بتائیں نا کیا کھائیں گے آپ؟" وہ ضدی بچیوں کی طرح پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کریدتے ہوئے بولی، آنکھیں جھکی تھیں، آواز میں محبت کی لپٹ، اور باتوں میں تایا ابو کی یاد۔

"تایا ابو کو میرے ہاتھ کی مچھی بہت پسند ہے۔۔۔ وہ بھی بناؤں گی۔۔۔"

زبان اس کی چالاکی سے زیادہ تیز بھاگ رہی تھی، شاید دلدار کی نگاہوں سے بچنے کی ناکام کوشش میں۔ وہ اپنے معصومانہ انداز میں اسے باتوں میں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی تاکہ اس کے رومانس سے بچ پائے

دلدار نے اپنی گھنی بھنویں چڑھائیں، مسکرایا نہیں،۔۔۔ بس ایک ٹھہرا ہوا انداز اختیار کیے، نرم مگر دھیماسا طرز بھرے لہجے میں بولا۔

"میں تمہارے کسی بھی شوق کے راستے میں نہیں آؤں گا، میرا سوہناسائیں۔۔۔ لیکن ابھی بہت گرمی ہے۔۔۔ اس وقت رسوائی میں سلگ کر جاؤ گی۔۔۔ اور ویسے بھی، مچھلی۔۔۔ میں اپنے ہاتھ

کی شکار کر کے کھاتا ہوں۔۔۔" جب شکار کر کے لاؤں گا تم ہی بنانا میں تمہیں منع نہیں کروں گا

-

وہ ایک لمحہ کورکا، اس کے چہرے کو دیکھا، جواب بھی خود کو "مصروف" ثابت کرنے میں جٹا ہوا تھا۔ پھر اس کی اگلی بات نے دعام کو جڑ سے ہلا دیا۔

"باقی۔۔۔ اس وقت میرا سوائے اپنے گلاب سائیں کے کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں ہے۔۔۔"

اور اگلے لمحے، ایک جھٹکے میں وہی زمین جس پر دعام کا وجود ٹکا تھا، ہل گئی۔ دلدار نے اُسے ایک جھٹکے سے زمین سے اٹھایا اور اپنے مضبوط کندھے پر ڈال لیا۔

oooooooo

انسپکٹر اکرم کی نظریں سامنے دیوار پر جمی تھیں، لیکن کانوں میں گونجتی ہر آواز، ہر قہقہہ، اسے اندر تک چیر رہا تھا۔ پورے ڈیپارٹمنٹ میں اُس کا مذاق بن چکا تھا، جیسے کوئی کامیڈی فلم کا کردار ہو۔ جس مشن پر وہ پورے یقین اور غرور کے ساتھ نکلا تھا، وہی اس کی ناکامی کا اعلان بن چکا تھا۔

ڈاکو، جسے پکڑنے کی تیاریاں چھ ہفتے سے جاری تھیں... ایک لمحے میں سسٹم کو مات دے کر فرار ہو چکا تھا۔

نقشہ،، مخبر—سب فیل!

اور اب—تمام تر ذلت—اس کے کندھوں پر تھی۔

میٹنگ ہال میں، اعلیٰ افسران کی موجودگی میں، انسپکٹر شفیق نے جب ہنستے ہوئے کہا تھا:

"اکرم صاحب! لگتا ہے ڈاکو آپ کے میڈل اور پروموشن کے بھی ڈاکو بن گئے!"

تو سب ہنس پڑے تھے...

وہ قہقہے، وہ طنزیہ نگاہیں... اکرم کی ریڑھ کی ہڈی میں خنجر کی طرح چبھی تھیں۔

وہ وہاں سے نکل آیا تھا... خاموش، سنجیدہ، اور اندر سے ٹوٹا ہوا۔

لیکن... ناکامی نے اس کے اندر کا کوئی اور ہی آدمی جگا دیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی، اس نے شیشے میں خود کو دیکھا—پسینے سے بھیگا چہرہ، شرمندگی کی دھند میں

ڈوبا ہوا—لیکن اس کی آنکھوں میں ایک نیا جنون پلنے لگا تھا۔

"اب یہ ذلت نہیں دہراؤں گا... اب جو بھی ہوگا، اس ڈاکو کو میں خود پکڑوں گا... زندہ یا مردہ!"

اس نے اپنی مٹھی بھینچی، گاڑی کا اسٹیرنگ گھمایا،

گاڑی کی کھڑکی بند تھی، مگر اس کے اندر جو طوفان مچ رہا تھا، وہ کسی شور سے کم نہ تھا۔ انسپکٹر اکرم کی گرفت اسٹیرنگ پر اتنی سخت ہو چکی تھی کہ ہاتھ کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ ماتھے پر تناؤ کی واضح لکیریں تھیں، اور آنکھوں میں شکست نہیں... صرف انتقام کی لپک۔

اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا، جیسے خود کو تھامنے کی آخری کوشش کر رہا ہو۔

"بہت مذاق اڑالیا تا تم لوگوں نے؟ اب تمہیں دکھاؤں گا کہ وردی صرف جسم پر نہیں، خون میں ہونی چاہیے..."

اس کا اندرونی غصہ دھواں بن کر سوچوں میں اٹھ رہا تھا۔

گاڑی میں مکمل خاموشی تھی، صرف اے سی کی ہلکی آواز اور کبھی کبھار اس کی گھمبیر سانسیں سنائی دیتی تھیں۔

وہ تیزی سے پلیننگ کر رہا تھا... ایک ایسی چال جو اس بار سردار کو نہ صرف بے نقاب کرے، بلکہ اس کے پورے قبیلے کی جڑیں ہلا دے۔

"اگر جنگ لڑنی ہے تو دشمن کی زمین پر جا کر... ان کے لوگوں سے... ان کے راستوں سے..."

اس کی نظریں سامنے سڑک پر جمی تھیں، مگر ذہن میں راستہ کہیں اور بن رہا تھا۔

بس اب فیصلہ ہو چکا تھا۔

اکرم پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔

اور اس بار وہ اکیلا نہیں لڑے گا... بس ایک آخری خاموشی تھی،

پھر ایک چال، ایک قدم...

اور دشمن کے سینے میں خنجر ہو گا۔

oooooooo

انسپکٹر اکرم جب تھانے واپس پہنچا تو سارا عملہ اسے خاموش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، مگر اس وقت وہ سب کچھ نظر انداز کر گیا۔

قدموں میں عجلت تھی، چہرے پر سنجیدگی، اور آنکھوں میں ایک الگ ہی جنگ کی پرچھائیاں۔

اپنی میز پر پہنچ کر اس نے جلدی سے دراز کھولا اور اندر سے چند پرانی فائلز نکال لیں۔

گرد سے اٹی ہوئی وہ فائلیں، جیسے وقت کے ساتھ ساتھ دھندلی ہوتی یادیں ہوں...

لیکن آج ان پر پڑی دھول کو صاف کر کے وہ حقیقت کے قریب جانا چاہتا تھا۔

ایک فائل کو کھولا، پھر دوسری...

سب کچھ بہت سست انداز میں، جیسے وہ ہر لفظ کو ذہن میں نقش کر رہا ہو۔

"تباہی کے بعد... پورے دس سال..."

وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"اس قبیلے کا کوئی نام و نشان نہ تھا... جیسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان اٹھالے گیا ہو..."

فائل کے اندر ایک خاکہ، چند خفیہ رپورٹس، پرانی خبریں اور ہاتھ سے لکھی چند گواہوں کی بیانات تھے۔

"ڈکیتیاں تو جاری رہیں، مگر قبیلہ؟ مکمل غائب۔"

اس نے ایک اور رپورٹ نکالی، جس کی سرخی پر ہاتھ رکھا:

"قبیلہ دوبارہ منظر عام پر—8 سال پہلے کی واپسی"

یہیں سے کہانی پھر بدلی تھی۔

سردار کا نیا نام: سردار دلدار۔

ایک ایسا نام جو ہر فائل میں، ہر شکایت میں، ہر خفیہ رپورٹ میں ایک بھیانک سائے کی طرح موجود تھا۔

"دلدار... یہ صرف نام نہیں، ایک خونی تاریخ ہے..."

اکرم کی آواز میں غصہ بھی تھا، تجسس بھی، اور ایک عجیب بے چینی بھی۔

وہ تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا، خاص طور پر دلدار کی ایک دھندلی سی تصویر پر نظریں جم گئیں۔

"اس کے سامنے آگ بھی کچھ نہیں... نہ موت کا خوف، نہ قانون کا ڈر۔"

"یہ وہ درندہ ہے، جسے روکنے کے لیے قانون کو خود قبیلے میں گھسنا پڑے گا۔"

اکرم کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہی عزم لوٹ آیا تھا...

اور اس فائل کے ساتھ وہ اگلے قدم کی طرف بڑھنے لگا تھا...

اب جنگ اس کے اصولوں پر ہونی تھی۔

انسپکٹر اکرم نے جیسے ہی فائل بند کی، کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ایک ایک لمحہ دماغ میں گونج رہا تھا—وہ لمحہ جب اسے لگا تھا کہ اس نے سردار کی کمزوری پکڑ لی ہے... وہ لڑکی۔

وہ لڑکی جسے وہ محبت کرتا تھا، جس کے لیے وہ سب کچھ چھوڑ سکتا تھا... اور اکرم نے اسی پہ داؤ کھیلا تھا۔

مگر سردار بھی عام مجرم نہیں تھا۔ اس نے وہی ہتھیار چھین کر اپنے قابو میں لے لیا۔

ایک نکاح... ایک لفظ... اور وہ لڑکی، جو کبھی انسپکٹر کے ہاتھ میں بس ایک مہرہ تھی—اب سردار کے گھر کی عزت بن چکی تھی۔

اکرم کی انگلیاں مٹھیاں بن کر کانپنے لگیں۔ "میں سمجھا تھا اسے کمزور کر دوں گا... پر اس نے تو مجھے ہی مات دے دی۔"

اب وہ جان چکا تھا—یہ جنگ اب صرف پیشہ ورانہ نہیں، ذاتی انا، بدلے، اور خون کی جنگ ہے۔

"اب کوئی ہتھکڑی نہیں لگے گی... اب بس ایک گولی لگے گی، اور وہ بھی سینے کے بیچ میں۔"

اکرم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے میز سے اپنی گن اٹھائی، "اب کھیل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں..." اس کی آنکھوں میں اب قانون کی روشنی نہیں، انتقام کی آگ تھی۔



وہ فوراً نکل بند کرتا اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ایک دفعہ پھر سے تھالے سے نکل گیا تھا پولیس والوں اور کچھ حوالداروں نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا جیسے ہی وہ تھانے سے باہر نکلا اسے اندر سے جانیوہ قہقوں کی آواز سنائی دی تھی جو اس کا مذاق اڑا رہے۔

اسے ان لوگوں سے کوئی گلا نہیں تھا اس سے پہلے بھی کہیں ہی پولیس والے آئے تھے اور سردار کو گرفتار کرنے کا خواب خواب ہی رہ گیا تھا لیکن وہ اس خواب کو پورا کرے گا وہ صرف سردار کو گرفتار نہیں کرے گا بلکہ اس کی لاش کو گاؤں کے بیچ چورائے پر لٹکا کر اپنی وردی کا حق ادا کرے گا۔

اب بات صرف میڈل اور پرموشن یا انعام کی نہیں تھی اب بات غیرت کی انا کی اور بدلے کی تھی۔

oooooooo

"ڈا۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ نہیں۔۔۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ چھوڑیں۔۔۔" وہ بوکھلا کر اپنے ہاتھوں سے اُس کے سینے پر ہاتھ مارنے لگی، مگر وہ کہاں سننے والا تھا۔

پتھر یلے پہاڑوں کی طرف اُس کے قدم تیز تھے، اور دل پر چھایا عشق، غضب سے زیادہ گہرا تھا۔

"یہ وقت کام کا نہیں۔۔۔ یہ وقت دلدار کی آغوش میں سمٹنے کا ہے۔۔۔ اور تمہارا سردار سائیں کبھی خالی ہاتھ محبت نہیں کرتا۔۔۔"

اس وقت مجھے تمہارے شرارتی موڈ سے زیادہ شرمایا ہوا انداز پسند آئے گا یقین کرو میں تمہاری ساری شرم و حیا کو اپنے سینے میں چھپالوں گا اپنی پناہوں میں سمیت دوں گا اس وقت تم میری باہوں میں پگھلتی مجھے زیادہ پیاری لگو گی۔ میرا میٹھا ب مت سناؤ مجھے، میرے جذبات میرے قابو سے باہر ہے۔

اب تو بس برداشت کرو، اپنے دلدار سائیں کی بے پناہ شدتوں کو۔۔۔ "وہ اوپر ہی اوپر جاتا اپنے گہرے جذبات اس پر عیاں کر رہا تھا جسے سنتے ہوئے اس کی حالت خراب ہو رہی تھی وہ کیسے بس کے کندھے سے نیچے اترنا چاہتی تھی میدان خالی نظر آ رہا تھا

"اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں، ڈاکو جی۔۔۔ سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔ پلیز، مجھے نیچے اتاریں۔۔۔"

وہ ہڑا کر بولی، لیکن اس کے لہجے میں احتجاج کم اور شرمندگی زیادہ تھی۔ وہ دونوں بازو اس کے کندھے پر بے بس انداز میں پڑے تھے، آنکھیں جھکی تھیں اور چہرہ انگارے کی طرح سرخ۔

دلدار نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی، قدموں کی رفتار بھی ویسی ہی رہی۔ پہاڑی پتھروں پر وہ بے دھڑک قدم رکھتا جا رہا تھا جیسے اسے اس کی ہلکی پھلکی مزاحمت کچھ بھی محسوس نہ ہوئی ہو۔

دعاً نے ایک نظر چوری چوری سامنے دیکھا۔۔۔ بالا اور جمر ایک دوسرے میں اتنے مگن تھے کہ جیسے ان کا اس دنیا سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ ان کی نظریں ایک دوسرے کے سوا کہیں اور جانا شاید ان کے قبیلے کے قانون کے خلاف ہو۔ وہ دونوں اتنے انہماک میں تھے جیسے ادھر دیکھنا گناہ عظیم ہو۔

دل کو کچھ لمحے کو تسلی ہوئی، مگر پھر شرم کی لہر دوبارہ دوڑی۔ رسوئی کی طرف سے آتی مہک اور ہلکی ہلکی آوازیں بتا رہی تھیں کہ کچھ لوگ وہاں ضرور تھے۔ بس وہی لمحہ تھا جب اسے اندازہ ہوا کہ اس قبیلے میں زندگی کہاں کہاں چھپی ہے۔۔۔ ورنہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ کون سی غار میں، کون سا پتھر ہٹاؤ تو پیچھے کون ہے۔

پھاڑ کے سینے میں چھپے ہوئے دروازے۔۔۔ نمکین ہواؤں سے لبریز وادیاں۔۔۔ ہر طرف سے نکلتی راستے جیسے خود پھاڑ نے ان کو راز بن کر چھپا رکھا ہو۔

ایک پل کو دل میں آیا کہ وہ پوچھے، "ہر راستہ کدھر جاتا ہے؟"

لیکن پھر اُسے احساس ہوا۔۔۔ یہ قبیلہ۔۔۔ یہ پھاڑ۔۔۔ یہ غاریں۔۔۔ یہ سب جیسے ایک بھول بھلیاں ہو۔۔۔

اور کمرے سے نکلتے ہوئے وہ جانتی تھی۔۔۔ جب وہ کبھی واپس آئے گی، تو یہی پھاڑ اُس کی سب سے بڑی الجھن بنے گا۔

ہر غار ایک جیسی۔۔۔ ہر دیوار پتھر کی۔۔۔ ہر کونا ویسا ہی۔۔۔ بس فرق تھا تو صرف ایک، وہ پتھر جس کے پیچھے چھپا تھا اس کے کمرے کا دروازے۔۔۔ اور جس دن وہ اکیلی ہوئی۔۔۔ اُسے پتا تھا اسے یہی سمجھ نہیں آئے گا کہ کس غار میں جانا ہے۔۔۔ اور کس دراڑ سے نکل کر، کہاں پہنچنا ہے۔ وہ اکیلی اس قبیلے میں کھو بھی سکتی تھی

لیکن اس وقت۔۔۔ وہ اس بھول بھلیاں کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے اس جن کے بارے میں سوچ رہی تھی جس کے اندر کے جذبات ایک دفعہ پھر سے جاگ اٹھے تھے۔ اور اب اس کی خیر نہیں تھی

oooooooo

وہ اسے اٹھا کر جیسے ہی کمرے میں لایا، تو نرمی سے اسے زمین پر اتارا۔ دعام ابھی اس کی بانہوں کی شدت سے نکلی بھی نہیں تھی کہ سردار نے دروازے کی ایک سائیڈ پر ہاتھ مارا اور ایک چھوٹے سے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ اگلے ہی لمحے دروازہ پتھر کی دیوار میں مدغم ہو چکا تھا، جیسے باہر کی دنیا سے ہر رشتہ کٹ چکا ہو۔

کمرہ بخٹھنڈا تھا۔ باہر کی جھلسا دینے والی دھوپ اور پہاڑوں کی سختی پیچھے رہ چکی تھی۔ اب یہاں صرف وہ دو وجود تھے۔۔۔ اور دلدار کی خطرناک آنکھیں، جو دعام کے گالوں کے رنگ میں تحلیل ہوتی جا رہی تھیں۔

وہ سمجھ گئی تھی۔

وہ جان چکی تھی کہ یہ خاموشی، یہ بند دروازہ، یہ تنہائی۔۔۔ کچھ طوفان اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ دلدار نے اسے ایک جھٹکے میں کمر سے لپٹا لیا۔

اس کے بدن سے چادریوں کھینچ کر الگ کی جیسے وہ کوئی پردہ ہو جس کے پیچھے چھپی دنیا کو وہ دیکھنا چاہتا ہو۔

دلدار کی نظریں اس کے چہرے سے پھسلتی ہوئی گردن سے ہوتی ہوئی پورے وجود پر یوں ٹھہری تھیں جیسے کوئی پیاسا صحرا بارش کو دیکھ رہا ہو۔ اس کی گہری سانسیں دعام کے گرد ماحول کو ساکت کرتی جا رہی تھیں۔

وہ جھینپ کر کچھ بولنے لگی،

"آپ نے ناشتہ نہیں کیا... پھر دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا..."

یہ اس کی وہی معصومانہ کوشش تھی جیسے کوئی بادل سے کہے کہ برسے نہیں، بس رک جائے۔

لیکن دلدار کی مسکراہٹ کے پیچھے جو جنون چھپا تھا وہ ایک لمحے کو بے رحم لگا۔

"فلحال سردار کو صرف یہ میٹھے سے لب چاہئیں۔۔۔ جن کی مٹھاس اپنے اندر اتار کر مدہوش ہونا ہے۔۔۔"

اس نے وہ الفاظ اتنے آہستہ اور سرگوشی میں کہے کہ دعام کی سانسیں رک گئیں۔

پھر کچھ لمحے بعد، وہ لب جو وہ مانگ رہا تھا، اب اس کے قبضے میں تھے۔

شدت، دیوانگی، جذبے۔۔۔ سب جیسے جسم سے نکل کر ہونٹوں پر آچکے تھے۔

دلدار نے دنیا کو بھلا دیا تھا۔

اور دعام۔۔۔

وہ بس بند آنکھوں سے اپنے سردار کی دیوانگی سہہ رہی تھی،

جہاں لفظ ختم ہو گئے تھے، وہاں لمس بول رہا تھا۔

کتنی ہی دیر ہو چکی تھی،

دلدار اس کے میٹھے لبوں میں کچھ یوں الجھا تھا جیسے صحرا کو بارش مل گئی ہو اور وہ ہر قطرے کو خود

میں اتار لینا چاہتا ہو۔

نہ جانے ان لبوں میں کیا تھا...

کچھ ایسا، جو ہوش چھین لیتا تھا، جو وقت روک دیتا تھا، جو دلدار جیسے سخت وجود کو بے بس کر دیتا تھا۔

اس نے بڑی مشکل سے خود کو اس مٹھاس سے جدا کیا، لیکن جدا ہوتے ہی اس کی دیوانگی نے نیا رخ اختیار کر لیا۔

اب وہ اس کے گالوں پر اپنے لبوں سے گستاخیاں کرنے لگا تھا۔

اس کی گھنی مونچھوں کی رگڑ، دعام کے نرم و نازک گالوں کو سرخ کر رہی تھی، جیسے حیا کے رنگ وہاں ٹھہر گئے ہوں۔

اس کے لب اب دعام کی گردن کی جانب بڑھنے لگے تھے...

آہستہ آہستہ...

ایک توقف، ایک شدت، ایک بے خودی تھی ہر بوسے میں۔ وہ دیوانگی اس سے اس کی گردن کو چوم رہا تھا۔

دوپٹے پیچھے کی جانب پھینکتے ہوئے اس نے نرمی سے دعام کے بالوں میں انگلیاں پھنسانیں،



پھر گردن کو تھوڑا سا پیچھے کیا، جیسے کوئی محبوب اپنی محبوبہ کو روشنی میں دیکھنا چاہتا ہو۔

اور پھر... اس کی سانسیں دعام کی گردن پر بکھرنے لگیں۔

نرمی سے، شدت سے، بے قابو ہو کر۔۔۔

جیسے اس کا جنون صرف یہی راستہ جانتا ہو۔

ایک کے بعد ایک بوسہ، گردن پر، کندھے کی نرمی پر، اس کے کان کی لو پر... دیوانگی کا ایک نیا سفر شروع ہو چکا تھا۔۔۔

جہاں کوئی منزل نہیں تھی، صرف محبت کی شدت تھی۔

اپنی فراک کی ڈوریاں پیچھے سے کھینچتی محسوس ہوئیں تو اس نے گھبرا کر اپنی نازک انگلیوں سے اس کی قمیض کو تھامنے کی کوشش کی، مگر سردار کی دیوانگی عروج پر تھی۔ وہ ہولے سے مسکراتا ایک ہی جھٹکے میں ساری ڈوریاں توڑ چکا تھا۔

پھر اگلے ہی لمحے، اسے ہلکے سے بیڈ کی طرف دھکیلتے ہوئے اپنی قمیض اتار دی تھی۔ گرتے میں لگے بٹن ایک ایک کر کے زمین پر گرتے جا رہے تھے، مگر اُس وقت نہ کسی آواز کی پروا تھی، نہ کسی چیز کا ہوش۔

جذبات کی شدت قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ اس لمحے سردار کی دیوانگی اُس پر سایہ فلک تھی۔ وہ دوبارہ اس کے لبوں کو قید کر چکا تھا، محبت کی مہر ہر زاویے پر ثبت ہو رہی تھی۔، اور وہ بے بس سی، لرزتی ہوئی، اندھیرے کمرے میں اپنے وجود کو اس کے سپرد کرتی اس کے جذبات سہنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سردار نے اپنے پاؤں سے کمرے کی لائٹ بند کی،

اور دن کے اجالے میں رات کی سیاہی بکھیر گیا تھا۔

لیکن اس سیاہی میں جو دیوانگی تھی،

وہ ایک نازک دل لڑکی کے بس سے باہر تھی۔

کہاں وہ پہاڑوں کا بے رحم راجہ... اور کہاں وہ معصوم سی لڑکی...

سچ میں وہ ایک دیو کی قید میں پھنسی پری لگ رہی تھی، جس کے پاس راہ فرار کا کوئی رستہ نہ تھا۔

oooooooo

دعای کی آنکھ کھلی تو سامنے آئینے کے سامنے سردار کھڑا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا، جن میں اس کا قد لمبا اور جسم مضبوط نظر آ رہا تھا۔

اس کی مونچھیں تیز، سیدھی اور سنورے ہوئے تھیں، بالکل ایسے جیسے کوئی سردار اپنے وقار کو پہچانتا ہو۔

سبز آنکھیں شدید وحشت لیے چمک رہی تھیں، جیسے شکار پر نظر جمائے ہوئے ہوں۔  
اس کا چہرہ سخت مگر قابو میں تھا، ہر جھلک میں ایک کہانی چھپی ہوئی تھی۔  
ہاتھوں میں بندوق مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، جیسے موت کو دعوت دے رہا ہو۔  
کپڑوں کی چین ٹھیک کرتے ہوئے وہ خاموشی سے اپنی تیاری مکمل کر رہا تھا۔  
آئینے میں اپنی عکاسی دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا، جیسے جنگ کے لیے دل مضبوط کر رہا ہو۔

دعام چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ نہ مخاطب کیا تھا اور یہ اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا بس وہ خاموشی اسے دیکھنے کی تھی جو دکھنے میں کسی ریاست کا شہزادے سے کم نہیں تھا۔

اپنی تیاری مکمل کر کے سردار نے فون اٹھایا اور پُر اسرار انداز میں بالا کو کال کر دیا۔  
بالا، آج کی ڈکیتی مسجد میں ہونے والی ہے۔"

یہ کوئی عام معاملہ نہیں، وہاں مولوی اور لوگ موجود ہوں گے، اگر بیچ میں کوئی آگیا  
تو سب کچھ خراب ہو جائے گا۔

مولوی ویسا بھی بیکار آدمی ہے، اگر مر جائے تو دھرتی سے بوجھ کم ہوگا، لیکن ہمیں  
بالکل خاموشی سے کام لینا ہے۔ کوئی جانی نقصان نہ ہو تو بہتر ہے۔

کوئی شور شرابہ نہیں کرنا، نہ فالتو وقت ضائع کرنا ہے۔ "خاموشی سے کام کریں گے اور  
واپس آجائیں گے، سب کو تیار رکھو اور ایسا کرو کہ اپنی بھابھی کے لیے اوپر کھانا بھجوا  
، دو، اسے کھانا کھلا کر جاؤں گا

فون کے ذریعے اس کی آواز میں سرد پن جھلک رہا تھا۔ جبکہ اس کی آخری بات پر  
دعام نے حیرت سے اس کی پشت کو دیکھا تھا شاید وہ جان چکا تھا کہ وہ جاگ رہی  
ہے۔

دعام بیڈ پر لیٹی تھی، کان کھڑے کر کے ہر لفظ سن رہی تھی۔

دل دھڑک رہا تھا اور خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ کتنی آسانی سے کسی کو موت کے گھاٹ اتارنے کی بات کر رہا تھا۔ وہ کسی مسجد کے مولوی کو مارنے کی بات کر رہا تھا۔ ان ڈاکوؤں کے لیے ان کا ٹارگٹ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ جس طرح انہوں نے اس سیٹھ طیب جیسے نیک انسان کو مار ڈالا تھا اسی طرح یہ مولوی بھی کوئی نیک انسان ہی ہوگا لیکن ان ڈاکوؤں کو تو صرف اپنے کام سے مطلب تھا اس کی سانس بے ترتیب ہوئی، مگر وہ بول نہ پائی۔

سردار فون بند کرتا اپنے مناسب لمبے بالوں میں تیز تیز ہاتھ پھیرتا بالوں کو پیچھے کی طرف کرنے لگا، دعام آنکھوں میں بے بسی اور خوف کے ساتھ۔ اسے دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، جب کہ سردار پوری طرح سے اپنی تیاریوں میں مگن تھا،

الماری کی دراز کھولتے ہوئے سردار کا ہاتھ بالکل بے رحم انداز میں آگے بڑھا۔ اندر سے ایک چمکتا ہوا چاقو نکالا، دھار پر انگلی پھیر کر تسلی کی۔

پھر وہی چاقو اپنے بیلٹ کے ساتھ اٹکا دیا جیسے برسوں سے یہ اس کا ساتھی ہو۔  
لبوں پر ہلکی سی سرسری مسکراہٹ آئی، جیسے کوئی پرانی عادت پوری کی ہو۔  
شاید اس کی ضرورت پڑ جائے "...وہ آہستہ سے بڑبڑایا، جیسے خود سے بات کر رہا"  
ہو۔

دعام بیڈ پر لیٹی، آنکھیں سکیڑ کر یہ سب دیکھ رہی تھی۔  
اس کے دل میں خوف کا کوئی ٹھنڈا سا سایہ رینگا، مگر وہ ساکت رہی۔  
سردار اب مکمل تیار تھا، چہرے پر وہی وحشی سکون، جیسے کسی طوفان سے پہلے کی  
خاموشی۔

اس نے ایک آخری بار آئینے میں خود کو دیکھا، اور نگاہ دعام پر ڈالی۔ ایک نظر،  
گہری، ناقابلِ فہم۔ کمرے میں کچھ لمحوں کے لیے صرف سانسوں کی آواز باقی رہ  
گئی۔ وہ خاموشی سے اسے ادھر سے ادھر جاتے دیکھ رہی تھی۔

اس کی تنی ہوئی عضلات اور سخت چہرے نے ایک عذاب جیسا تاثر دیا، لیکن جب  
اس نے دعام کی طرف پلٹ کر دیکھا، اس کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ آگئی۔

اس کے چہرے کے سخت پن میں اچانک نرمی اور محبت کا رنگ چھا گیا۔

اس نے دعام کی آنکھوں میں گہری محبت سے دیکھا

!اٹھ گئی میرا گلاب سائیں؟" ہوئی نیند پوری۔۔۔۔۔"

اس کے لبوں پر عجیب سی نرمی تیر گئی، جیسے وہی ایک چہرہ تھا جس پر اس کی سختی ہار،  
مانتی تھی۔ دعام نے نظر چرا کر کہا

"میں کام پر جا رہا ہوں، تمہارے لیے کھانا منگوایا ہے آرام سے کھا لو،۔۔۔۔۔"

لیکن میں نے تھوڑی دیر پہلے کھایا تھا۔" سردار نے ایک پل اسے دیکھا، پھر بیٹھ گیا۔"

تھوڑی دیر پہلے نہیں... دوپہر میں کھایا تھا تم نے۔" میری گلاب جامن۔۔۔۔۔" آواز "

میں کوئی غصہ نہیں تھا، بس حساب تھا۔ لیکن دنیا جہان کی مٹھاس سمیٹے ہوئے۔

پر... مجھے ابھی بھوک نہیں لگی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔"

، سردار نے گردن ذرا جھکائی

نہیں، تمہیں کچھ کھانا ہو گا۔ اگر تم میرے سامنے نہیں کھاؤ گی نا، تو میرا دھیان تم " پر لگا رہے گا، کام پر نہیں۔" اٹھو شاباش فریش ہو جاو۔۔۔

،دعام چپ ہو گئی۔ بحث کا حوصلہ نہیں تھا

اور دلدار کا ڈاکو والا روپ... وہ تو ویسے بھی نہ سہہ سکی تھی، وہ ہاں میں سر ہلاتی اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی تھی فریش ہو کر واپس آئی، تو اسی پل دروازے پر ہلکی سی، دستک ہوئی۔ بالا کھانے کی تھالی لے کر آیا

سب کچھ تیار ہے سردار تم بھابھی کو کھانا کھلا کر نیچے آ جاؤ، بھابھی سردار کے نکلتے ہی دروازہ ٹھیک سے بند کر دینا ہم نیچے جانور کھول کر جائیں گے۔ ضدی جانور ہیں اپنا پرایا نہیں سمجھتے، اور پھر چھوٹا گوشت بہت پسند ہے انہیں۔۔۔۔۔ "بالا کا لہجہ بڑا پر سرار سا مگر شرارت سے بھرپور تھا۔ جبکہ اس کی بات سن کر اس کے چہرے کی تو ہوائیاں ہی اڑ گئی تھی۔

ہاں ہاں ٹھیک ہے ڈرانے کی ضرورت نہیں میرے سوہنے مکھڑے کو میں سمجھا دوں "گا تو نکل۔۔۔۔۔" آتا ہوں دس منٹ میں۔۔۔



سردار نے تھالی دعام کے سامنے رکھی، جب کے بالا فورا ہاں میں سر ہلاتا شرارتی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا تھا۔

، سردار نے اس کے لیے نوالہ بنایا، اور بڑے نرم لہجے میں بولا

میرا میٹھا سائیں... اپنی صحت کا خیال رکھو۔"

چڑیا جتنی ہو تم، مجھ جیسے بندے کے ساتھ گزارا مشکل ہو جائے گا۔" اور تمہیں دیکھ کر جذبات قابو میں بھی نہیں رہتے اب دیکھو اتنے ضروری کام پر جانا ہے اور یہاں جذبات مچل رہے ہیں، اپنے گلاب کا گلابی مکھڑا دیکھ کر دل بغاوت کر رہا ہے کہتا ہے چھوڑ کام کاج اور لگ جب بیوی کے گھٹنے سے بیٹھ کر۔۔۔" وہ نوالہ اس کے ہونٹوں تک لاتے ہوئے بے باک لہجے میں بولا تو اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر سرخی چھانے لگی تھی۔

آپ بھی کھائیں نا..." دعام نے نرمی سے کہا، نوالہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ سردار نے "ہلکی سی سانس بھری

"نہیں، میں نہیں کھاؤں گا، واپس آ کر کھا لوں گا۔"

"لیکن آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا، دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔"

وہ بے ساختہ دوپہر کی شدتیں یاد کر گئی تھی، کمرے میں آتے ہی اس کے جذبات جاگ اٹھے تھے۔ اور وہ جن پوری طرح اس پر قابض ہو گیا تھا

"کھانے پینے کا تو ہوش ہی نہیں رہا تھا۔"

"ابھی وقت نہیں ہے، میرا سوہنا مکھڑا واپس آ کر کھالوں گا۔"

لیکن آپ نے صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا، میرے خیال میں تو چائے بھی نہیں " پی۔ "وہ ایک دفعہ پھر سے معصومیت سے بولی تھی نہ جانے کیوں اس کے کھانے پینے کی اتنی فکر ہو رہی تھی۔

چائے بھی پی لیں گے، تم کھاؤ۔ "سردار نے ایک اور نوالہ بنا کر اس کے منہ میں " ڈالا۔

لیکن ڈاکو جی، آپ صبح سے بھوکے ہیں۔ "دو چار نوالے لے لیں نا تھوڑا گزارا ہو " جائے گا اس طرح بھوکے کیسے ہوں گے

اف۔۔۔!!۔ اتنی فکر مت کرو، میرے سجن سائیں، ایسا نہ ہو کہ دل جانے سے مکر جائے۔ کھانا نہیں، تمہیں کھا جاؤں گا۔" وہ بے باکی سے اسے سر سے پیر تک دیکھتا، تھوڑی سنجیدگی سے بولا

ویسے بھی مجھے لگ رہا ہے میں تم پر ظلم کر رہا ہوں، جذبات میرے کنٹرول میں " نہیں ہیں۔

اور تم؟ اتنی سی جان ہو، "میرا چڑی پہلوان، یوں فکر جتا کر، مجھے مجبور نہ کرو کہ میں جانے سے مکر جاؤں۔

سردار پہلے ہی نکما ہو چکا ہے۔ "وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔۔

اس کے خطرناک ارادے جان کر دعام اگلے ہی لمحے خاموش ہو گئی تھی اس نے دوبارہ اسے کھانے کے لیے نہیں کہا تھا وہ بے شرم انسان اگر رک بھی جاتا تو اس کے رکنے کا مقصد کھانا کھانا ہرگز نہیں ہوتا۔

دروازہ میں بند کر کے جا رہا تھا۔

ہم سارے مرد لوگ جا رہے ہیں۔" اس نے گہری آواز میں کہا۔"

قبیلے میں اس وقت کوئی مرد نہیں ہوگا۔ خطرناک جانور باہر کھلے چھوڑ دیے ہیں۔ باہر "مت نکالنا۔" اس نے آہستہ سے کہا

ویسے تو میرا بہادر سائیں، چڑیا والا دل رکھتا ہے، مجھے یقین ہے اگر میں نہ بھی بتاؤں "تو تم ابھی باہر نہیں جاؤ گی۔ لیکن پھر بھی احتیاط لازم ہے۔"

سردار نے ہلکا سا مسکرا کر کہا، لیکن دعام کو اچھا نہیں لگا تھا۔

وہ اتنی بھی بزدل نہیں تھی۔ ہاں، یہ بات بالکل درست تھی کہ وہ ہرگز اس اندھیرے میں دروازہ نہ کھولتی، لیکن پھر بھی وہ اتنی کمزور نہیں تھی جتنا سردار اسے سمجھ رہا تھا۔ یا شاید تھی، لیکن اسے کبھی بھی بتانا نہیں چاہتی تھی۔

، ایک بار پھر اپنی ساری چیزیں چیک کرتے ہوئے

"وہ نرمی سے بیڈ پر اس کے پاس آیا۔۔۔"

پھر آہستہ سے اس کے لبوں کو پوری شدت سے چومتے ہوئے، اس کے میٹھے لمس کو اپنی روح میں اتار رہا تھا۔

تم نے سچ میں نکما کر دیا ہے مجھے میرا میٹھا سجن اس مٹھاس سے میرا دل نہیں بھرتا، واپس آ کر کھانا کھانے کے بعد پھر میٹھے میں مجھے ساری رات یہ لب اپنے لبوں کی قید میں چاہیے۔ اس نے ایک دفعہ پھر سے اس کے لبوں کو تھوڑی شدت سے چوما تھا جبکہ اس کی حرکت پر وہ سرخ گلاب ہو رہی تھی اور پھر وہ چلا گیا، لیکن جاتے ہوئے دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔

○○○○○○○

سردار کے جانے کے بعد دعام بیڈ پر لیٹ گئی، دل میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی وہ نرم محبت بھری نظر تھی۔ جو سردار نے ابھی ابھی دکھائی تھی۔

وہ اس سے کتنی محبت کرتا تھا، یاد کرتے ہوئے اس کی لبوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ کھلی تھی۔

لیکن اس کے بے باک جذبات اور بے قابو پن نے اسے حیران اور تھوڑا سا بے چین کر دیا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ سردار جب جذبات میں بہکا ہوتا ہے تو پورے جسم سے بول اٹھتا ہے،

کبھی اپنے پیار کی گہرائی میں غرق، کبھی اپنی شدت میں کھویا ہوا۔ اس کی آواز میں وہ مٹھاس اور نرم دلی تھی جو اسے لبھاتی تھی، اس کے میٹھے لفظوں پر مغرور سی ہونے لگی تھی، وہ ابھی تک یقین نہیں کر پائی تھی کہ اتنی محبت کرنے والا شخص حقیقت میں اس کا نصیب ہے لیکن اس کی حقیقت بھی تو کچھ اور وہ ایک الگ دنیا سے نکل کر ایک دنیا میں آگئی تھی۔ اس کی زندگی لمحے میں بدل گئی تھی وہ شخص ایک الگ ہی دنیا کا باسی لگتا تھا

لیکن اس کے ہر لفظ کے پیچھے بے حد تڑپ اور بے قراری چھپی ہوتی تھی۔ دعام کے دل میں ایک چھوٹا سا خوف بھی جاگ اٹھا

یہ شدت اور بے قابو پن کبھی کبھار اسے تھوڑا سا ڈرائے بھی تھا۔

مگر یہ سب اس کی محبت کا پہلو تھا، جو کبھی نرم پھول کی طرح کھلتا ہے، لیکن قربت کے لمحات میں وہ طوفان کی طرح گرجتا ہے۔

اس انسان کو سہنا جنگ لڑنے کے برابر تھا۔ یہاں سب کچھ اچھا تھا بس اس انسان کی بے باکیاں اور شدتیں سہنا مشکل تھا وہ اس کی دیوانگی کی تاب نہیں لا پا رہی تھی۔ اس وقت اسے یاد کرتے ہوئے بھی اس کہ جسم میں سرسراہٹ سے دور گئی تھی۔

چل دعام شاباش جن کے واپس آنے سے پہلے سو جا، ورنہ وہ آکر واپس تجھے قابو کر لے گا، وہ خود سے بڑبڑاتی ہوئی کمبل خود پر ڈال دی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگے

oooooooo

اندھیری رات کی خاموشی میں قبیلے کی بستی پر وحشت چھائی ہوئی تھی۔ ہوا میں درختوں کے پتے سسکیاں لے رہے تھے اور دور کہیں سے جانوروں کی دھاڑتی ہوئی آوازیں ماحول کو مزید ہولناک بنا رہی تھیں۔

انسپیکٹر اکرم سول لباس میں، اپنے قدموں کی آواز کو دبائے، قبیلے کے پچھلے راستے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر قدم پر آنکھیں چاروں طرف گھما رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ ایک غلطی اسے کسی درندے کا نوالہ بنا سکتی ہے۔

اگر آج رک گیا... تو شاید ہمیشہ کے لیے پچھتاؤں گا \*\* "...اس نے دل میں \*\*"

سوچا۔

اسے خبر تھی کہ قبیلے کے سب مرد کسی مہم پر نکلے ہوئے ہیں۔ اور یہ وہی لمحہ تھا جس کی اسے مدتوں سے تلاش تھی۔

قبیلے کی پتھروں کی دیوار پھلانگتے ہی سامنے جھاڑیوں میں حرکت ہوئی۔ وہ فوراً جھک گیا، بندوق کی نال سامنے کی۔

لیکن سامنے صرف ایک جنگلی بلی تھی... وہ دوبارہ آہستگی سے آگے بڑھا۔

—درختوں کے پیچھے سے ایک بھاری سا سایہ گزرا

شاید کوئی بھیڑیا تھا یا پھر... وہ کالی آنکھوں والا خونخوار کتا جس کی کہانیاں مشہور \*\* تھیں۔ یہاں جانور ہو سکتے ہیں اسے اندازہ نہیں تھا کیا جانوروں کا یہاں کھلا رہنا کسی سازش کا حصہ تھا یہ صرف حفاظت کی ایک کوشش --- \*\* "خیر جو بھی تھا آج اکرم کا سامنا درندوں سے نہیں، اپنے فرض سے تھا۔



كو صرف قبيله ديكيهي ميں نے اور يهاں كے راز جاننے آيا تھا، يه قبيله ان گنت رازوں سے بھرا هوا تھا يهي اصل درندگي كا اڈه تھا۔ ليكن پھر اسے محسوس هوا كه يهاں اور اس نے غلطي كي هے

اندھيري رات كے نيچے، قبيلے كي سرحد عبور كرتے هي ماحول جيسے سانپ بن كر اس كي گردن سے لپٹ كيا هو۔

انسپيكر اكرم كے قدموں كي چاپ گھاس ميں دب چكي تهي، ليكن كتے... ان كي سونگھنے كي طاقت خاموشي نهیں بيٹهي۔

بھوں بھوں! بھوں بھوں! اچانك نا جانے كهائں سے \*\*چار، نهیں پانچ، چھ جنگلي كتے \*\*  
— اس كے پيچھے دوڑ پڑے تھے

آنكھوں ميں خون، جبرؤں سے رال ٹپك رهي تهي۔ وه چينے نهیں، دھاڑے تھے۔  
اكرم نے ايك لمحہ ضائع كيے بغير پهائ كي طرف دوڑ لكا دي۔

...قدم پھسلتے، سانس اكھڑتي، ليكن وه جانتا تھا

\*\* آج كي رات موت اور زندگي كي دوڑ هے۔ \*\*

اچانک ایک غراہٹ فضا کو چیرتی ہوئی نکلی۔

کتوں کی آوازیں دب گئیں۔

پہاڑوں کے پیچھے سے اب ایک نیا سایا ابھرا۔ ایک جنگلی شیر... ایک جنگلی شیر... جس کی آنکھوں میں بھوک اور وحشت ناچ رہی تھی۔ اکرم کا حلق خشک ہو چکا تھا۔

کتوں کی بوچھاڑ اور شیر کی موجودگی میں، اب کوئی بھی سانس اس کی آخری ہو سکتی تھی۔

تبھی... ایک سور جھاڑیوں سے نکلا، غصے میں غرایا، اور اس پر جھپٹ پڑا۔

وہ دھڑام سے گرا، گھٹنوں اور بازو سے خون بہہ نکلا۔ سور نے اپنے تیز دانتوں سے اس کی ٹانگ کو نشانہ بنایا لیکن اکرم خود کو جھٹک کر ایک طرف لڑھکایا۔ زمین جیسے دشمن ہو گئی تھی۔ ہر طرف کانٹے، پتھر اور خون۔

نہیں ایسے نہیں میں "مر نہیں سکتا! ابھی نہیں" وہ دانت پیس کر اٹھا، اپنے ہی خون میں بھگا، لیکن دوڑ پڑا، آخری سانس تک لڑنے کو تیار۔

پہاڑ پر ایک تیز زاویے پر چڑھتے ہوئے، ایک بھاری پتھر کو تھام کر رکا۔

پشت اس پتھر سے ٹکائی اور سانس کھینچی۔

لیکن... یہ صرف پتھر نہیں تھا۔ اکرم نے دیکھا۔ پتھر کی سطح پر کچھ چٹانی لکیریں تھیں، جیسے وہ دروازے کی چوکھٹ ہو۔

\*\*اس نے ہاتھ پھیرا... کچھ دبایا... اور دھڑاک سے پتھر ایک طرف سرک گیا۔\*\*

—اندر ایک تاریک سرنگ تھی۔ اور اب وہ ایک ملے میں سمجھ گیا

\*\*یہ قبیلہ زمین کے اوپر نہیں، نیچے بھی بستا ہے۔\*\*

\*\*ہر دیوار، ہر چٹان... ایک راز ہے۔\*\*

\*\*"یہ قبیلہ صرف جانوروں سے نہیں بچا ہوا... یہ رازوں سے بنا ہوا ہے۔"

اس کا سانس اب دھیرے دھیرے بحال ہو رہا تھا، لیکن دماغ... وہ اور زیادہ الجھ چکا تھا۔

جنگلی سور کے حملے اور شیر کی گرجدار موجودگی کے بعد، اکرم کے لیے ہر سانس قیمتی تھی،

دلدارم

اس کی سانسیں تیز، قدم لڑکھڑاتے، اور زخمی ٹانگ جیسے چلاتی ہوئی چیختی۔

اس نے ایک پتھر نما راستہ چڑھتے ہوئے خود کو گھسیٹا۔ اوپر آ کر سامنے ایک جگہ

— آئی

پتھروں کے بیچ ایک چھوٹی سی کھلی جگہ، نہ کوئی خیمہ، نہ کوئی چراغ، لیکن زمین پر بچھا، قالین، دیوار سے لٹکا ہوا ایک پرانا ہتھیار

اور ایک مٹی کی دیوار میں گندھی \* کسی عورت کی تصویر \* - \ \* " \* یہ جگہ عام  
\* - \ \* " ... نہیں

وہ دھیرے سے بولا، حیرت زدہ نظروں سے سب دیکھتے ہوئے۔ وہ الجھ کر رہ گیا تھا  
... فضا میں ایک الگ سی خاموشی تھی

شیرازی ٹھیک کہتا تھا ان ڈاکوؤں کی دنیا بہت الگ ہے یہاں دیواریں خود کوئی راز  
—سنانے کو تیار بیٹھی ہوں۔ لیکن وقت نہیں تھا

، اسے وہاں رکنا نہیں تھا۔ اچانک نیچے سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں پھر ابھریں  
ان کے ساتھ جنگلی جانوروں کی غراہٹ۔

، اکرم فوراً نیچے جھکا، ہاتھ میں پڑی لکڑی تھامی

اور اندھیرے میں چپ چاپ ایک چھوٹے پہاڑی راستے سے نیچے اترنے لگا۔

\*\*\*"بس خاموش رہنا ہے... سانس بھی آہستہ"\*\*\*

لیکن قسمت کو شاید اب بھی اس پر رحم نہ تھا۔

ایک اور جھاڑی ہلی، اور سامنے ایک \* شیر کے بچے \* کی موجودگی نے اسے ساکت کر دیا۔

جہاں بچہ ہو، ماں قریب ضرور ہوتی ہے۔

وہ پیچھے ہٹا، دل سینے سے نکلنے کو تھا۔

— لیکن پیچھے سے ایک درخت سے ٹکرایا

شیرنی کی گرجدار دھاڑ سنائی دی۔

\*\*\* اب دو ہی راستے تھے... مرنا یا دوڑنا۔\*\*\*

اکرم نے خود کو پوری طاقت سے ایک چٹان سے نیچے لڑھکایا، کئی زخم آئے، ہاتھ چھل  
\*\* گئے، خون بہا، لیکن \*\* وہ زندہ تھا۔

جنگلی جانور پیچھے رک گئے، شاید وہ ان کی حد سے باہر نکل چکا تھا۔ نیچے میدان سا آ  
گیا تھا، اور وہاں ایک کچا راستہ قبیلے سے باہر جاتا دکھائی دیا۔

— اکرم دوڑنے لگا۔ \* \* \* وہ جانتا تھا، ابھی وہ بچا ہے \* \* \*

... لیکن وہ خفیہ جگہ، وہ ہتھیار، وہ پرانی تصویر

یہ سب عام باتیں نہیں تھیں۔

اسے واپس آنا پڑے گا... اس قبیلے کے راز جاننے کے لیے اور اس قبیلے کو جڑ سے "   
مٹانے کے لیے اسے واپس آنا تھا۔

oooooooo

دعایا سوئی نہیں تھی، بس یونہی لیٹی جاگتی آنکھوں سے چھت کو تک رہی تھی۔ نیند تو  
... کب کی پوری ہو چکی تھی، وہ تو بس جن کے آنے سے پہلے سونا چاہتی تھی

ابھی کچھ ہی وقت ہوا تھا اسے گئے، جب پہاڑ کی پتھریلی زمین پر ہلکی سی ہلچل ہوئی۔  
دعام چونکی۔ دل کے کسی کونے میں امید جاگی کہ شاید وہ واپس آ گیا ہے۔

اس نے فوراً سر چادر میں لپیٹا اور آنکھیں موند کر سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی... لیکن  
کئی پل گزر گئے، کوئی آواز نہیں آئی۔

وہ حیران تھی... اگر وہ آیا تھا، تو اب تک کمرے میں آ جانا چاہیے تھا۔ یا پھر...؟ کوئی  
اور تھا، لیکن اور تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا خاض کر اس جگہ کے باہر تو کوئی نہیں ہو  
سکتا تھا۔

خوف اور تجسس کی چپ میں وہ آہستہ سے بیڈ سے اتری، دبے قدموں دروازے تک  
آئی، اور ہلکا سا دروازہ کھول کر نیچے جھانکا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ صرف کتوں کے  
بھونکنے کی مدھم، گھبراہٹ سے بھری آوازیں آرہی تھیں۔

اس نے گھبرا کر دروازہ بند کر لیا، دل سینے میں دھڑکنے لگا۔

"اگر کوئی نہیں آیا... تو یہ آوازیں کیسی؟ اور وہ پتھروں کی ہلچل...؟"

الجھنوں کے جنگل میں گم وہ دوبارہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

اگر کوئی بھی نہیں ہے تو یہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

!یہ دیور بھیا ہی ہوں گے... ڈرا رہے ہیں مجھے"

دیور جی کی شکایت کرنے کا ارادہ دل میں ابھرا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔

آپ کی شکایت کروں گی آنے دیجیے ڈاکو جی کو "لیکن میں بزدل نہیں ہوں یہ تو میں

آپ کو بتا کر رہوں گی۔ اس بار اس نے پکی نیت سے ہمت کی، بیڈ سے اتر کر چپکے

سے دروازہ کھولا۔ اس بار وہ صرف جھانکی نہیں، باہر قدم بھی رکھ دیا۔

...اندھیرے میں نیچے جھک کر دیکھنے لگی، جیسے کسی کے سائے کی تلاش ہو

لیکن ہر طرف صرف خاموشی اور سیاہی تھی۔

!تب ہی اچانک، ایک جھٹکے سے کسی بھاری چیز نے اس پر حملہ کر دیا

ایک چیخ فضا کو چیرتی ہوئی قبیلے کی دیواروں سے ٹکرائی۔ دعام کی چیخ اتنی بھیانک تھی

کہ پورا قبیلہ لرز اٹھا۔



وہ چیخ، وہ حملہ، اور... اگلے ہی لمحے گولیوں کی گونج نے سناٹے کو توڑ ڈالا۔

دعام کی کمر کے گرد پنچے جیسے کسی درندے کے لپٹے تھے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا اور صرف درد کا احساس تھا۔

اس پر جو جانور تھا، وہ کوئی عام جانور نہ تھا — وہ جنگلی شیر جیسا تھا! وہ اس کے جسم پر جھکا ہوا تھا جب ایک گولی کی آواز نے اس درندے کو جھٹکا دیا۔

شیر گھبرا کر پیچھے ہٹا، اور دعا چیختی ہوئی لڑھکتی، پہاڑ کے کنارے کی طرف جا گری۔  
تکلیف اور درد سے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

○○○○○○○

وہ اپنی کارروائی مکمل کر کے واپس آیا تو فوراً اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ کوئی اس کے قبیلے سے گزر گیا ہے۔

یقیناً انسپیکٹر اکرم کی ہمت ہی تھی جو اتنی خطرناک جگہ میں داخل ہوا تھا۔ اکرم واقعی بہادر پولیس والا تھا۔ اگر وہ ڈاکو نہ ہوتا تو اس کی بہادری کی تعریف ضرور کرتا۔

اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے اس نے خاموشی سے بالا کو شیر دل کی رسی تھمائی۔  
ارادہ اوپر جانے کا تھا۔ اسے یقین تھا دعام سو رہی ہو گی۔  
سردار تم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں۔۔۔۔ "جمرو نے کہا۔

ابھی کچھ کھانے کا دل کر رہا صبح ساتھ ناشتہ کر لیں گے، جاؤ تم لوگ بھی آرام کرو۔  
میرا سجن سائیں میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ تم سونے سے پہلے سارے جانوروں کو قید  
، کر دینا، وہ مسکرا کر کہتا اوپر کی طرف قدم بڑھا رہا تھا  
جب اسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ سب کچھ معمول کے مطابق نہیں ہے۔ اپنے پہاڑ کی  
جگہ سے ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی تھی، اور پھر اچانک اس کی نظر کسی کی تاک میں  
کھڑے جنگلی شیر پر پڑی۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ جانور انسان کے خون کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔

سردار نے پوری تیزی سے اوپر کی طرف دوڑ لگائی۔ اس کے پیچھے بالا اور کچھ دیگر  
لوگ بھی آئے تھے۔ وہ جانور حملے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ یعنی کہ کوئی تھا جو اس کا  
شکار بننے والا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتے، جنگلی چیتے نے اوپر کی طرف حملہ کر دیا۔

سردار نے سوچے سمجھے بغیر فائرنگ شروع کر دی، مگر اس کے باوجود وہ جانور دعام کو شدید نقصان پہنچا چکا تھا۔ اور وہ مزید بھی نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

سامنے کھڑا شیر اب اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ وائرنگ کی آواز سے گھبرا کر بھاگنے کے بجائے، الٹا ایک بار پھر اپنے شکار پر جھپٹنے کو تیار تھا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ جھپٹتا، سردار پوری شدت سے آگے بڑھا اور دعام کے سامنے آگیا

وہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اسے نقصان پہنچانا اتنا آسان نہیں!" تم نے غلط جگہ ہاتھ مارا ہے، تمہیں اس کا نقصان"

اٹھانا پڑے گا۔۔ میری سرداری کو نقصان پہنچا تم نے خود مجھے اپنا دشمن بنایا ہے۔

سردار کی نگاہ میں ایک وحشیانہ عزم چمک رہا تھا۔ وہ ہر چیز میں اس لڑکی کے لیے

دیوار بن جاتا تھا... چاہے سامنے شیر ہی کیوں نہ ہو۔

شیر ایک غضبناک دھاڑ کے ساتھ اس پر جھپٹا۔ اس کے تیز ناخن سردار کے کندھے کو چیرتے ہوئے گزرے۔ وہ اپنا بڑا، خوفناک منہ کھولے سردار کی گردن کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا، لیکن سردار نے اپنی پھرتی اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً کمر سے خنجر نکالا اور پوری طاقت سے شیر کی گردن میں پیوست کر دیا۔ شیر کی ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔

خون کا فوارہ پھوٹا، زمین پر ٹپکتا سرخ رنگ جیسے جنگ کا اعلان ہو۔ سردار کا ارادہ اپنے جانور کو مارنے کا نہیں تھا... وہ جانتا تھا کہ یہ فطرت کا حصہ ہے، لیکن اس وقت وہ مجبور تھا۔

اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ وہ اگر نہ کرتا تو شیر دعام کو چیر پھاڑ ڈالتا۔ جس کا ذائقہ اس کے منہ کو لگ چکا تھا۔

وہ دراز لگاتار اس پر وار کرنے لگا سردار کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ انسان نہیں، کوئی وحشی جانور بن چکا ہو۔

اس کے چہرے پر چھائی جنونیت، اس کی آنکھوں میں دکھتا ہوا طوفان، اور ہاتھوں میں تھما خون آلود خنجر... سب اس کے اندر کے طوفان کی گواہی دے رہے تھے۔

، اگر وہ ایک لمحہ بھی لیٹ ہو جاتا

تو شاید آج وہ اس وجود کو کھو بیٹھتا... جو اس کے لیے سب کچھ تھا۔

یہ خیال ہی اس پر ایک ایسا پاگل پن سوار کر گیا تھا جسے قابو کرنا اب اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

وہ بار بار شیر کے وجود پر وار کر رہا تھا۔

ہر وار پہلے سے زیادہ شدت لیے ہوئے۔

ہر بار چاقو کی نوک میں اس کا بے قابو غصہ، اس کا جنون، اور اس کا خوف بول رہا تھا۔

، بالا پیچھے کھڑا اسے پکار رہا تھا

"!سردار! بس کرو! مر گیا ہے وہ... ختم ہو چکا ہے"

لیکن سردار کے کانوں پر جیسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا ہو۔

ہر وار کے ساتھ اس کا سینہ تیزی سے اٹھتا گرتا، آنکھوں کی سرخی اور گالوں پر بہتا پسینہ — وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکا۔

وہ خود بھی جانتا تھا کہ وہ اسے صرف مار نہیں رہا... وہ اپنے اندر کی چیخیں، اپنا خوف، اپنی بے بسی... سب اس خون میں بہا رہا تھا۔

یہ وہی شیر تھا جسے بالاکئی بار کہہ چکا تھا کہ اسے جنگل میں چھوڑ دینا خطرناک ہے۔ یہ جنگلی جانوروں کو صرف نقصان پہنچاتا ہے اپنی بھوک نہیں مٹا سکتا۔ اور پھر یہ پاگل ہو رہا ہے قابو میں بھی نہیں اتا۔

"یہ کسی دن ہمارے ہی لوگوں کو نقصان دے گا سردار"

لیکن سردار نے ہمیشہ اس بات کو نظر انداز کیا تھا۔

...اسے جانوروں سے ایک عجیب سا انس تھا

مگر آج وہ خود اس جانور سے زیادہ خونخوار نظر آ رہا تھا۔

آج سردار نے اپنے ہاتھوں سے اس تعلق کو دفن کر دیا تھا۔ اپنے ہی ہاتھوں سے ...  
اپنے ہی جذبات کو قتل کر دیا تھا۔

کیونکہ اس کے ہر جذبات پر اس کی محبت حاوی ہو چکی تھی اس کا عشق دیوانگی کا  
روپ اختیار کر رہا تھا اب اس کے لیے سانس لینا بھی اتنا ضروری نہیں تھا جتنا ضروری  
دعام تھی۔

oooooooo

رات کی تاریکی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں صرف ایک چمک تھی... دعام کی فکر، اس کے زخمی  
وجود کی تڑپ۔ اسے اور کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ خود بھی بری طرح زخمی ہو چکا تھا، خون اس کے بازو سے رس رہا تھا، کندھے سے نیچے تک قمیض  
خون سے گیلی ہو چکی تھی۔

کالے لباس میں ہونے کی وجہ سے اس کا خون نظر تو نہیں آ رہا تھا، لیکن اس کی قمیض سے نیچے کر  
زمین پر گرنا خون سب کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ جیسے اس کے لیے  
کوئی معنی نہ رکھتا ہو۔

اس کا سارا وجود بس ایک سوچ میں جکڑا ہوا تھا۔۔۔

"کہ اس کی دعام کو کچھ نہ ہو... اس کی سانس کو کچھ نہ ہو..."

جمرو اور بالا، دونوں نے اسے سنبھالنے کی پوری کوشش کی۔ وہ بار بار اس کے سامنے آرہے تھے تاکہ وہ پیچھے ہٹ جائے، بیٹھ جائے، کچھ لمحے آرام کر لے، مگر وہ دیوانہ بنا دھر سے اُدھر چکر کاٹ رہا تھا۔

oooooooo

"سردار، خدا کا واسطہ ہے، بیٹھ جاو!" ڈاکٹر آرہی ہے۔ جمرو نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

"ہٹ جا جمرو... مجھے دعام کے پاس رہنا ہے،

اس نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑایا۔

سردار تم بھابھی کو زخمی دیکھو گے تو تمہاری حالت مزید خراب ہوگی تمہیں مزید کچھ سارے تم خود کو نقصان پہنچ جاؤ گے۔ اس نے جیسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے سانس نہیں آرہی جمرو... مجھے اپنی دعام کے پاس جانا ہے..." وہ غصے سے چیخ پڑا۔



بالا اس کی آنکھوں میں وہ جنون دیکھ چکا تھا جو کبھی کسی دشمن کے لیے ہوتا تھا، مگر آج محبت کے لیے تھا۔

"سردار... تمہارا کا اپنا خون بہہ رہا ہے۔ جسم کارنگ نیلا پڑنے لگا ہے۔ اس حال میں دعام کو کیسے سنبھالیں گے؟"

اندر قبیلے کی عورتیں ہیں ڈاکٹر بھی بس آرہی ہے تھوڑا سا صبر کر جاؤ تم وہاں جاؤ گے تو مزید پاگل ہو جاؤ گے۔ اب کی دفعہ بالانے آگے بڑھتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا تھا، وہ اس کی جنون سے واقف تھا اس نے پورا قبیلہ تباہ کر دینا تھا دعام کی ایک ذرا سی تکلیف پر۔ مگر دلدار کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

"بس کر دو تم دونوں... اگر میری دعام کو کچھ ہو گیا نا، تو میں اس دنیا کو آگ لگا دوں گا۔ اسے کچھ نہیں ہو گا سردار تھوڑی سی فکر اپنی بھی کر لو، بالا اس کے بہتے خون کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا

مجھے پرواہ نہیں کہ میں مر جاؤں... پر میری جان سلامت ہونی چاہیے..." اس کا جسم لڑکھڑانے لگا، مگر ہاتھ اس کا مضبوط تھا۔

قبیلے کے سارے مرد خاموش کھڑے تھے۔ سب جانتے تھے کہ دلدار صرف جسم کا نہیں، روح کا بھی سردار ہے۔ اس کی چاہت کے آگے ہر دشمن بے بس، ہر زخم ہیچ۔

لیکن وہ ایک لڑکی کے لیے اتنا دیوانہ ہو جائے گا یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

○○○○○○○○

"ڈاکٹر آگئی ہے۔ دعام بھا بھی کے کمرے میں لے جایا جا رہا ہے۔" اسی لمحے کسی نے آکر اطلاع دی، سردار جیسے ہوش کھو بیٹھا۔

وہ بھاگا... خون میں لت پت، بغیر یہ دیکھے کہ زمین پر کتنے دھبے رہ گئے۔ اس کی صرف ایک منزل تھی... دعام۔۔۔ "بالا اور جمر و اسے اس طرف نہیں جانے دے رہے تھے لیکن اب کی وہ انہیں پیچھے ہٹاتا تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

سردار تو بالکل باولا ہو گیا ہے اگر دعام بھا بھی کو کچھ ہو گیا تو یہ تو پاگل ہو جائے گا۔ ایک ڈاکو نے پریشانی سے بالا کی طرف دیکھا تھا

"اللہ نہ کرے کچھ ہوا سے..." وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا، آج سردار کی حالت دیکھ کر تو وہ سب لوگ ہی پریشان ہو گئے تھے ابھی اس لڑکی کو اس قبیلے میں آئے دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ سردار بدلنے لگا تھا۔

بالا نے ایک ان سب کو دیکھا تھا پھر اوپر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے جب کہ جمرو بھی اس کے پیچھے ہی اوپر کی طرف گیا تھا۔

○○○○○○○

ساری عورتوں کو باہر نکال دیا گیا تھا جبکہ کمرہ اندر سے بند تھا۔ سرکار وہی باہر کھڑا تھا۔ اندر صرف ایک مائی تھیں۔ جو کسی بھی باہر والے انسان پر یقین نہ کرنے کی وجہ سے اندر تھیں۔ ورنہ ڈاکٹر نے انہیں بھی جانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

سردار تم فکر مت کرو ابھی دیکھنا ڈاکٹر باہر آ کر کوئی اچھی خبر سنائے گی میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بھابھی کے زخم زیادہ گہرے نہیں ہیں تم نے کچھ برا ہونے سے پہلے ہی اس شیر پر حملہ کرتے کیا تھا۔

زخم گہرے ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ درد میں تو ہے نابالا "اگر اللہ اس کا درد مجھے دے دو، تو میں ہنس کر سہہ لوں گا... پر اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتا..."

میں اسے دنیا سے بچانے کے لیے یہاں لایا تھا میرے قبیلے میں اس کے ساتھ ایسا ہو گیا۔ کیسے۔۔۔۔؟ مجھے خود سمجھنا چاہیے تھا وہ اس قبیلہ میں نئی ہے نہیں جانتی یہاں کے بارے میں کچھ بھی اگر میں جا ہی رہا تھا تو بھی مجھے حطر ناک جانور کھول کر نہیں جانا چاہیے تھا۔

بالا اور جمرہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ یہ وہ سردار تھا جو دشمن کے سامنے بھی پلک نہیں جھپکتا تھا، آج تک سردار سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی لیکن آج وہ بتا رہا تھا کہ اس نے غلط کیا ہے۔ آج ایک نازک لڑکی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ جب کہ قبیلے کے مردوں کے بھی منہ کھل گئے تھے اس وقت ہر کوئی سردار کے بدلے ہوئے رویے کی بات کر رہا تھا، سردار کی یہ تڑپ یہ محبت کسی کی آنکھوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی "اور عاشق سردار نہیں بن سکتا یہ اس قبیلے کے لوگوں کا ماننا تھا"

جمرہ نے آہستہ سے دروازہ کھول کر مائی کو نکلتے دیکھا تو وہ تیزی سے مائی کے پاس آیا تھا۔

زخم کوئی گہرا نہیں ہے بس ہلکی سی خراشیں ہیں ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے تھوڑی دیر میں ہوش آجائے گا مائی نے جیسے سکون کا اعلان کیا تھا

"سردار" جمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، "تم بے بس نہیں ہو۔ رب نے تمہاری دعا سنی ہے... دعام بھابھی محفوظ ہے۔ جمر نے جوش اور اونچی آواز میں اس کو بتایا تھا جب کہ وہ خاموشی سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"یارب... تُو تو سب جانتا ہے... میرے دل کی دھڑکن، میری سانسوں کی ڈور، سب اسی ایک چہرے سے بندھی ہے۔ اگر کبھی پھر ایسی کوئی آزمائش دوبارہ آئی نا... تو میری سانسیں چھین لینا، لیکن میرے سوہنے مکھڑے کو کچھ نہ ہو۔ میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اور نہ ہی مجھے کسی اور کی چاہ ہے۔ شکر ہے تیرا... تُو نے مجھے آج بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔ تُو نہ ہوتا، تو میں کب کا بکھر چکا ہوتا..."

وہ ایک گہری سانس لیتا تیزی سے اندر کی طرف قدم بڑھا چکا تھا جبکہ بالا اور جمر اس کے ساتھ اندر آگئے تھے۔

○○○○○○○

ڈاکٹر اپنا کام کر چکی تھی۔ دعام کو ڈرپ لگادی گئی تھی، اس کے زخم صاف کر دیے گئے تھے، خراشیں تھیں، کچھ زیادہ گہرا نہیں تھا، لیکن وہ بے ہوش تھی۔ آنکھیں بند تھیں، اور اس کے چہرے پر ایک خوف تھا۔

دوسری طرف سردار دلدار... وہ اب بھی دعام کی طرف ہی دیکھ رہا تھا، جیسے پلکیں جھپکنے سے بھی وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔ اس کے اپنے زخموں سے خون رس رہا تھا، مگر اُسے پرواہ نہ تھی۔ فرش کارنگ مکمل بدل چکا تھا۔ اس کا کندھا بھی سوج چکا تھا، چہرے پر خراشیں اور بازو کی ہڈی پر کٹ، پر وہ جیسے سب بھول چکا تھا۔

بالا اور جمر و بار بار اس کے قریب آکر اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن ہر بار وہ ایک جنونی انسان کی طرح خود کو جھٹک دیتا۔

"سردار، یہ خون بند کروائیں... آپ کا خون بہت زیادہ ضائع ہو رہا ہے آپ کو کمزوری ہو جائے گی آپ بے ہوش ہو سکتے ہیں، زخم بہت زیادہ گہرا لگ رہا ہے آپ کا کندھا سوجھ رہا ہے ممکن ہے کہ بازو کی ہڈی پر بھی فرق پڑا ہو ڈاکٹر کہہ رہی تھی۔

اسے فوراً مرہم پٹی کی ضرورت تھی۔"

ٹھیک ہوں میں آپ کو نے اپنی بیوی کا علاج کرنے کے لیے بلایا ہے اپنا نہیں، آہ کا کام ہو چکا ہے تو  
اپ جاسکتی ہیں وہ بے رخی سے بولا  
جمر کے لہجے میں ایک بے بسی تھی

لیکن سردار ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہے ہیں جمر نے سمجھنا چاہا۔

تم مجھے مت سمجھاؤ، اگر اتنا مسئلہ ہے تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ سردار کا لہجہ بے حد کٹھور تھا، لیکن  
اس کی آنکھوں میں ایک سچی بے قراری تھی۔

سردار تمہیں کچھ ہو جائے گا تو ہمارا کیا ہو گا، بالانے بے بسی سے کہا۔

مجھے کچھ نہیں ہوا "اگر کچھ ہوا ہے، تو صرف میری دعام کو... باقی سب کچھ بکو اس ہے... یہ زخم، یہ  
خون... کچھ معنی نہیں رکھتے!"

ڈاکٹر پیچھے کھڑی تھی۔ وہ ایک عام سی عورت تھی، مگر سردار کی یہ حالت دیکھ کر اس کے بھی  
قدم لرزنے لگے۔

"سردار جی... معاف کیجئے گا... لیکن... اگر آپ نے زخموں پر توجہ نہ دی... تو انفیکشن ہو سکتا ہے۔  
جسم کمزور ہو سکتا ہے۔ آپ کو علاج کروانا پڑے گا۔"

وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہاں اسے سننا کون چاہتا تھا،  
اس کی نظریں دعام پر تھیں۔ وہ ہر چیز کو نظر انداز کیے نگاہیں اس کے بے جان وجود پر جمائے  
ہوئے تھا۔ ڈاکٹر پیچھے ہٹی۔

"یہ شخص تو پاگل ہے..." وہ بڑبڑائی۔

لیکن اس کی بر بڑاہٹ سن کر اچانک بالا کا پارہ چڑھ گیا۔

"پاگل نہیں ہے... عاشق ہے۔ اور ایسا عاشق جو اپنی محبت کے لیے جان بھی قربان کر دے!"

اس نے غصے سے ڈاکٹر کو پیچھے کیا، اور خود دلدار کے پاس آیا۔

"اب تو میں کچھ نہیں سنوں گا۔ تو سردار ہے، تو ہمارا حاکم ہے... اگر تجھے کچھ ہو گیا تو؟ ہم کس کے  
لیے جییں گے؟ تو ہماری جان ہے،

اگر یہ لڑکی تیرے لیے تیرا سب کچھ ہے تو تو ہمارے لیے ہمارا سب کچھ ہے ہم تجھے اپنا کوئی  
نقصان نہیں کرنے دیں گے، حالت دیکھ اپنی اگر تجھے یہاں کچھ ہو گیا تو۔۔۔ تو سب کچھ ختم ہو  
جائے گا۔" اس کے لہجے میں بے تحاشہ غصہ تھا۔ لیکن آنکھوں میں محبت کی نمی تھی۔



پھر اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر خود سردار کا بازو تھاما، زبردستی اس کی قمیض کا بازو پھاڑا، اور وہاں لگے گہرے زخم پر دوا ڈالنے لگا۔

دلدار کی آنکھوں سے چنگاریاں برسیں، لیکن وہ خاموش رہا۔

"یہ میرا حق ہے سردار... میں تجھے بچپن سے جانتا ہوں... میں تیرا یار ہوں... اور یار کبھی دشمنی نہیں کرتا، صرف درد بانٹتا ہے!"

جرم بھی قریب آگیا، اس نے دوسرے زخموں پر روئی سے دوا لگائی۔

"سردار، ہم جانتے ہیں تمہیں کیا تکلیف ہے... ہم سب دعام بھا بھی کے لیے پریشان ہیں... لیکن اگر تم کمزور ہو گئے، تو دعام بھا بھی کو کون سنبھالے گا؟"

تمہاری اس تڑپ اور اس حالت نے باہر سرداری کی تاک میں بیٹھے سارے کتوں کے منہ کھول دیے ہیں کہتے ہیں کہ سردار اب سردار نہیں رہا عاشق ہو گیا ہے، اور عاشق سرداری نہیں کرتے، بالانے مرہم لگا کر پیٹی باندھی، ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی،

سردار کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں، لیکن زبان پر خاموشی طاری تھی۔

کرلی مرہم پٹی مل گیا سکون اب دفع ہو جائے شکل گھوم کر اپنی ادھر سے، سردار نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ تو بالانے مسکریا،

"نہیں سردار... میں نے صرف اپنا فرض نبھایا ہے۔ تیرا عشق اگر دعام ہے، تو میرا عشق تُو ہے..."

تو اب بھابھی کے پاس آرام کر، اگر کسی چیز کی ضرورت تو میں یہی باہر اپنا بستر الگار ہا ہوں آواز دے دینا۔ وہ جمر کے کندھے پہ ہاتھ رکھتا اسے بھی یہ باہر نکل گیا تھا جب کہ اس کی نگاہیں ایک دفعہ پھر سے دعام پر جم گئی تھی۔

○○○○○○○○

تات سے صبح ہو چکی تھی لیکن ایک شخص تھا جس کی پلکوں پر لمحہ بھی قرار نہ تھ سردار دعام کے قریب بیٹھا، اپنی زخمی بانہیں اس کے گرد تانے، صرف اس کی سانسوں کے زیر و بم کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی نظر مسلسل دعام کے چہرے پر تھی۔ ہلکی ہلکی روشنی میں وہ چہرہ اسے دنیا کا سب سے مقدس منظر لگ رہا تھا۔

جب دعام کی پلکوں میں لرزش ہوئی۔ آنکھوں کے کنارے تھوڑے سے ہلے۔ سردار فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔ سانسیں رکی... وقت جیسے تھم سا گیا۔

"دعام...؟ میرا میٹھا سائیں "میرا بہادر سائیں،

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے چہرے کو چھوا۔

دعام نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، جیسے صدیوں کی نیند سے جاگی ہو۔ چہرے پر ایک گہرا خوف، اور آنکھوں میں ایک بے یقینی۔ اسے سب کچھ دھندلا سا یاد آرہا تھا، وہ دروازہ، وہ اندھیرا، وہ حملہ، وہ چیخ... اور پھر صرف اندھیرا!

"ڈاکو... جی...۔" اس کے ہونٹوں سے نکلا، لیکن آواز جیسے کانپ رہی تھی۔

"میرا سوہنا سائیں... میں یہاں ہوں... تمہارے پاس... تمہارے ساتھ... دلدار نے ایک پل بھی انتظار نہ کیا۔ جیسے ہی دعام کی آنکھیں پوری طرح کھلیں، وہ اٹھ کر اسے اپنی باہوں میں لے چکا تھا۔ مضبوط، محفوظ، پناہ دینے والی باہیں... جس میں دنیا کے ہر خوف سے بچا جاسکتا تھا۔

دعام، جو ابھی کچھ لمحے پہلے موت کے دہانے سے لوٹی تھی، اب اس کی باہوں میں آکر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"مجھے لگا... میں مر جاؤں گی... مجھے لگا... آپ کبھی نہیں آؤ گے... میں بہت ڈر گئی تھی... بہت!"

وہ ننھی بچی کی طرح رورہی تھی، سردار کے سینے میں منہ چھپا کر، اپنے آنسو بہا کر جیسے اندر کا سارا ڈرنکال دینا چاہتی ہو۔

دلدار کے اپنے آنسو جیسے اس کی آنکھوں میں چمکنے کو تھے، مگر وہ مضبوط بن کر دعام کو تھپکتا رہا۔  
"ششش... کچھ نہیں ہو امیرے گلاب کو... میرے سوئے مکھڑے کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا جب تک سردار کی سانسیں چلتی ہیں۔ میں تھانا؟ آیانا میں؟" اور تمہارے زخموں سے پہلے نہیں پہنچ پایا اس کا افسوس ہے لیکن ان زخموں کی وجہ کو بھی مٹا دیا ہے میں نے۔۔۔۔"

لیکن۔۔۔ یہ۔ آپ کو کیا ہوا۔ آپ تو زخمی ہ۔۔۔۔ وگئے نا؟ آپ کا خون... وہ... وہ..."  
"... قمیض

"تم ہے نا... میرے پاس... باقی سب بکو اس ہے۔"

اس نے نرمی سے دعام کے لبوں پر بوسہ دیا۔

دعام نے اس کے بازو کو دیکھا، وہاں پٹی بندھی تھی، کچھ خون اب بھی جھلک رہا تھا۔

"یہ سب... آپ میرے... آگے آئے تھے ناشیرن... آپ... پر بھی حملہ... کیا... آپ کو بھی زخمی کر دیا... "وہ اس کے زخم دیکھ کر رونے لگی تھی۔

"تم میری ہو۔ تمہاری ایک خراش پر میں اپنی جان وار سکتا ہوں... زخم تو بہت چھوٹا سودا ہے۔"

دلدار کی آواز میں وہی جنون تھا، دعام پھر رودی... لیکن اس بار سکون کے آنسو تھے۔

وہ ایک بار پھر اس کے سینے سے لگ گئی، اور سردار نے اسے ایسے تھاما جیسے زندگی تھام لی ہو۔  
کمرے میں کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی، بس دھڑکنوں کی گونج تھی۔

oooooooo

کافی وقت گزر چکا تھا۔ دعام ابھی سردار کی باہوں میں تھی۔ تھوڑا سا سکون آیا تو وہ آہستہ سے اس کے سینے سے الگ ہوئی، لیکن ہاتھ اس کے بازو سے اب بھی جڑے ہوئے تھے، جیسے ڈر ہو کہ اگر چھوڑ دیا تو وہ پھر تنہا ہو جائے گی۔

"اب ٹھیک ہونا؟" سردار نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

دعام کی پلکیں لرزیں... اس کے لب ہلے،

"آپ کے بعد... آپ کے جانے کے بعد... کچھ عجیب سا ہوا..." دلدار کا جسم ایک دم تن گیا، جیسے کسی نے اس کی روح کو جھنجھوڑ دیا ہو۔

"کیا ہوا تھا، دعام؟ بتاؤ مجھے... ایک ایک بات صاف صاف بتاؤ!"

میں نے دروازہ کھول کر باہر جانے سے منع کیا تھا تو تم کیوں گئی تھی باہر۔۔۔ "اب وہ حساب کتاب پر اتر آیا تھا۔"

دعام نے گہرا سانس لیا،

سب کچھ ایسے پھر سے آنکھوں کے سامنے آگیا خوف، اندھیرا، دروازے کی آواز، اور حملہ۔  
"آپ گئے تھے نا باہر... میں کمرے میں تھی... تھوڑی دیر تک تو میں نے سمجھا، آپ بس گئے ہیں، واپس آجائیں گے... پھر اچانک... دروازہ زور سے بجا... ایسا لگا جیسے کوئی بہت زور سے آکر دروازے سے لگا ہے۔"

سردار کی بھنویں تن گئیں، اس کا ہاتھ دعام کی ہتھیلی پر سختی سے بند ہو گیا، لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ بس سن رہا تھا۔

"مجھے لگا... آپ ہوں گے... میں نے دروازے کی طرف دیکھا... کافی دیر تک انتظار کرتی رہی، آپ آئے نہیں... تو میں باہر دیکھنے چلی گئی..."

اس کی آواز اب ہولے ہولے کانپ رہی تھی، اور آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں۔

"لیکن باہر... باہر کوئی نہیں تھا... بالکل سناٹا... میں نے سوچا بالابھیا مذاق کر رہے ہوں گے... میں نے

دروازہ بند کر دیا... مگر... تھوڑی دیر بعد... ہر طرف خاموشی چھا گئی تو میں نے اٹھ کر دیکھا...

لیکن..." وہ رک گئی، گھبرا کر ایک نظر سردار کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی

"مجھے نہیں پتہ وہ کیا تھا... شاید وہی شیر تھا... بس اگلے لمحے مجھ پر جھپٹ پڑا... اور پھر... بس

اندھیرا..." سردار کا چہرہ اب مکمل سرد ہو چکا تھا۔

جیسے اس کے چہرے پر زندگی کی جگہ صرف انتقام، آگ اور جنون آ گیا ہو۔

چاکو جی مجھے پہلے لگا وہ کوئی انسان باہر ٹکرایا ہے۔ جانور اس طرح سے آکر دروازے سے کیسے

ٹکرا سکتا ہے یا شاید مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ دعام نے سر جھکا لیا،

جو بھی تھا انسان یا جانور "اب میرے ہوتے ہوئے... کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کے بھی

دیکھے..." تو آنکھیں نوچ لوں گا۔ دلدار آہستہ سے بڑبڑایا، جیسے خود سے وعدہ کر رہا ہو،

وہ جو کوئی بھی تھا تمہارے ان زخموں کا حساب تو اسے دینا ہو گا، جب تک میں حساب نہ لے لوں میں اسے مٹی میں بھی دفن نہیں ہونے دوں گا۔" وہ اٹھنے لگا، لیکن دعام نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں... ابھی مت جائیے... مجھے ڈر لگتا ہے۔"

وہ اس کے سینے میں پناہ ڈھونڈنے لگی تو سردار واپس بیٹھ گیا، اس کی نظروں میں کچھ پل کے لیے وہی نرمی ابھری، جو ہمیشہ کی طرح آج بھی صرف دعام کے لیے تھی۔

"نہیں جاؤں گا... جب تک تمہارا ڈر میری بانہوں میں دم نہ توڑ دے... جب تک تم خود نہ کہو کہ 'اب ٹھیک ہوں'، میں کہیں نہیں جا رہا۔"

دعام نے اس کی طرف دیکھا... آنکھوں میں تھوڑا سا اطمینان آیا... مگر خوف ابھی مکمل ختم نہیں ہوا تھا۔

اور سردار جان چکا تھا، کہ اب یہ معاملہ صرف زخم کا نہیں... یہ تو کسی دشمن کا پہلا وار تھا۔

اب سرداری کا فیصلہ ہو گا... اور فیصلہ صرف ایک ہو گا "انتقام!" وہ نہیں جانتا تھا کہ کون تھا اگر تو یہ اکرم تھا تو اب کی دفعہ غلط جگہ ہاتھ ڈال چکا تھا۔



میدان میں رات کے سناٹے کا راج تھا۔ دعام کمرے میں سکون کی نیند سو رہی تھی، جبکہ نیچے چارپائی پر پڑے سردار کے اندر طوفان مچ چکا تھا۔ سارا جسم زخمی، ہونٹوں پر خراشیں، بازو پر پٹی، اور سینے پر چھپی اذیت... لیکن آنکھیں ابھی بھی بے چین تھیں۔ نیند سے کوسوں دور۔ وہ تو بس ایک ایک لمحے کو دعام کی سانسوں میں تول رہا تھا۔

اچانک قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جمر و تھا، جو تیزی سے چلتا ہوا آیا اور ایک طرف کھڑا ہو کر سانس بحال کرنے لگا۔

"سردار... میں خبر لے کے آیا ہوں..."

آواز دبی ہوئی تھی، لیکن اس میں وہ لرزش تھی جو خطرے کی گواہی دیتی ہے۔

سردار کی آنکھیں ایک دم جمر و پر پڑیں۔ خون اتر آیا آنکھوں میں۔

"بول... کیا خبر ہے؟"

آواز تھکی ہوئی تھی، لیکن اس میں وہی کڑک، وہی وحشت چھپی ہوئی تھی جو سردار کی پہچان تھی۔

"وہ پولیس والا... انسپکٹر اکرم، وہ آیا تھا یہاں..." ایک خبری نے بتایا ہے کہ شام کو اسی علاقے میں چکر کاٹ رہا تھا پھر جیسے ہی ہم لوگ قبیلے سے باہر نکلے وہ غائب ہو گیا۔ اور کل رات اس پر اسی جانور نے حملہ بھی کیا ہے۔ حملہ کسی پاگل شیر کا لگتا ہے

جمرو نے دے دے لفظوں میں بتایا۔

سردار کے چہرے کی رگیں تن گئیں، ہونٹ بھینچ گئے، آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

وہ اٹھ کر بیٹھا تو اس کی نظریں زمین میں گر گئیں۔ اس کی آنکھوں کے آگے وہ سب پلک جھپکنے میں گزر گیا... دعام کی چیخ، اس کا ڈر، اس کے زخمی کندھے پر بہتا ہوا خون... اور اس سب کے پیچھے وردی والا ایک پولیس والا۔ اور وردی سے تو اس کی سانس سانس نفرت کھاتی تھی۔

اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ جمرو کو دیکھا، تو اس نے سر جھکا لیا۔

"کچھ چور کی طرح آیا اس سے سزا ملنی چاہیے اگر مرد ہوتا تو سینہ ٹھوک کر آتا، چلیں اسے مردان کی کا مطلب سمجھا کے اتے ہیں آواز میں زہر تھا، سانسوں میں زلزلہ۔

جہرو نے اثبات میں سر ہلایا۔ سردار کی وحشت لوٹ آئی تھی۔ دل زخمی تھا، جسم زخمی تھا، لیکن غیرت ابھی سانس لے رہی تھی... اور غیرت کا دشمن، چاہے وردی میں ہو یا بغیر وردی... سردار کے قبیلے میں بخشتا نہیں جاتا۔

oooooooo

گرد آلود سڑک پر دور سے گھوڑوں کی ٹاپیں، ٹائروں کی چرچر اہٹ، اور زمین ہلانے والی للکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

پولیس اسٹیشن کے باہر دھول کا طوفان اٹھ رہا تھا۔

دروازہ دھڑام سے کھلا۔

سردار دلداریلغار، کاچہرہ زخموں سے سجا ہوا، آنکھوں میں خون، ہاتھ میں بندوق، اور پیچھے اس کے قبیلے کے دس جنگجو۔ ہر ایک کی کمر سے بندوقیں، آنکھوں میں انتقام۔ پولیس اہلکار بھاگ کر اسلحہ لینے دوڑے مگر...! \* سردار دھاڑا۔! \*

"ہاتھ مت ہلانا! ورنہ آج تم سب کی وردیاں اتار کر یہاں کی زمین پر پھیلا دوں گا!" سناٹا چھا گیا۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ جواب دے۔

آواز سن کر اکرم تیزی سے اپنے افس سے باہر نکلا۔ جسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف بھرا تھا اور پھر ایک جھٹکے میں سردار نے اکرم کو اپنے سامنے گھسیٹا، جو پہلے سے ہی زخموں میں لت پت تھا، کل شیر نے اس پر کافی زوردار حملہ کیا تھا۔

"یہی ہے وہ بزدل سردار! کل ہماری غیر موجودگی میں ہمارے قبیلے میں گھس کر خود کو مرد کہنے والا پولیس والا، بالا غصے سے بھنایا تھا۔

میری تیرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی اکرم! مگر اب تجھ پر میری بیوی کی اذیت کا قرض ہے، اور آج وہ سود سمیت وصول ہو گا۔"

اس نے اپنی بندوق کا پچھلا حصہ اکرم کے منہ پر مارا تھا۔ اکرم کا سر ایک طرف کو جھکا، ہونٹوں سے خون ٹپکا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتا، سردار نے پیچھے سے اس کی یونیفارم پکڑ کر چاک کر دی۔ چیچک! "کی آواز کے ساتھ وردی پھٹی۔ جیسے عزت روند دی گئی۔

سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، لیکن کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے۔ اکرم کی مدد کے لیے ایک قدم بھی کسی نے نہیں اٹھایا۔

"سردار... بس یہ لفظ ہی کافی تھا کہ دل دہل جائیں۔

ان کے لیے اتنا جان لینا ہی کافی تھا کہ وہ نقاب پوش کوئی عام آدمی نہیں، وہ اس علاقے کا خون خوار ڈاکو تھا۔ وہ اگلے ہی لمحے اسے اپنی طرف کھینچتا۔ اکرم کی بچی کھچی وردی کے بٹن نوچ کر پھاڑتے اسے زمین پر گرا دیا۔

اکرم کراہ اٹھا،

"تم قانون ہاتھ میں لے رہے ہو۔ وہ چیخ اٹھا تھا"

قانون؟ تیرا قانون میرے پیر کی جوتی کے نیچے ہے، انسپیکٹر۔۔۔! تم لوگوں کا قانون صرف تب سراٹھاتا ہے جب کوئی طاقتور انصاف مانگتا ہے آج تک تم لوگوں کی وردی نے تم لوگوں کے قانون نے کسی کے غریب کسی ضرورت مند کو انصاف نہیں دلایا تو ایسے قانون کو ہاتھ میں رکھو یا پیر کی جوتی کے نیچے ایک برابر ہے

"کس کی اجازت سے کل رات تو میرے قبیلے میں گیا تھا۔ کس مائی کے لال میں اتنی ہمت آگئی کہ تیرے ریسرچ وارنٹ کو پاس کر دیا۔"

کہ تو نے میری اجازت کے بغیر میرے قبیلے میں قدم رکھا۔۔۔" سردار کی آواز میں گرج تھی، بجلیوں جیسی۔ "۔۔۔ اور اس کی سزا اسے ہر ضرب میں مل رہی تھی!"

وہ کافی دیت سے اکرم پر بندوق کی پچھلی نوک سے ضربیں لگا رہا تھا۔ اکرم کی وردی خون سے تر، جسم زخموں سے چور، لیکن سانس ابھی باقی تھی۔ اس کے پیٹ سے خون پانی کی طرح تہر رہا تھا۔\\_\\*\\*\! "سردار... وہ مر جائے گا!"\\_\\_\\_ ایک پولیس والے نے ڈرتے ڈرتے لب ہلائے۔

سردار نے پلٹ کر دیکھا، آنکھوں میں دھکتے انگارے تھے۔

"نہیں مرتا...! بہت ہی ڈھیٹ ہڈی ہے یہ... لیکن اگلی بار 'سردار' سے پنگا لینے سے پہلے ہزار بار سوچے گا!" پھر سے وہی وار ہوا—بندوق کی پچھلی نوک، ہڈیوں کو توڑتی ہوئی۔ اکرم میں اتنی سکت نہیں بچی تھی کہ خود کو بچا سکے۔ ایک وار کے بعد وہ دھرام سے پیچھے لڑھک گیا، اور اس کے بازو سے\\_\\*\\*\\* کچک\\_\\*\\*\\* کی آواز آئی—جیسے ہڈی چینی ہو۔\\_\\_\\_\\*\\*\\* "معافی مانگ لو... ہمارا سردار بڑے دل والا ہے... معاف کر دے گا تمہیں!"\\_\\_\\_\\*\\*\\* پیچھے سے بالاک کی شرارتی آواز گونجی۔

"جی سردار جی! معاف کر دیجیے... یہ صاحب سے غلطی ہو گئی!" ایک حوالدار کانپتے ہوئے بولا۔

پھر جیسے پورا تھانہ ایک ساتھ بول پڑا، ہر کسی نے اکرم کی جان کی بھیک مانگنی شروع کر دی۔  
حالانکہ اکرم ہی سب سے سینئر تھا، لیکن اس وقت وہ وحشیانہ بے بسی کی عبرتناک تصویر بنا ہوا  
تھا۔

سردار نے اکرم کو زمین میں گھسیٹا، ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔  
"کردوں گا معاف..." سب کی سانسیں تھم گئیں۔"

اگر یہ اپنی پینٹ اتار کر، اُس کونے میں بیٹھ کر بھیک مانگے۔ بھکاریوں کی طرح!"

اتنا کہنا تھا کہ سارے ڈاکو قہقہے لگا کر ہنس پڑے۔ شرٹ اس کی وہ پہلے ہی پھاڑ چکا تھا اب مطالبہ  
پینٹ اتار کا معافی مانگنے کا تھا مطلب صاف تھا وہ اسے ذلیل و خوار کرنا چاہتا ہے۔

اکرم نے سردار کو وحشت سے دیکھا، آنکھوں میں نفرت، بے بسی، اور ایک مردہ سی اناباقتی تھی  
— لیکن اگلے ہی لمحے، سردار نے اس کے سر پر بندوق کا پچھلا حصہ پوری طاقت سے دے مارا۔

اکرم کا منہ خون سے بھر گیا، نظریں دھندلا گئیں۔ "آنکھیں دکھاتا ہے سردار کو؟!" سردار  
دھاڑا۔ "غلطی بھی کرے گا، اوپر سے باپ کو آنکھیں دکھائے گا؟"

اس نے اکرم کا کان اس شدت سے مروڑا جیسے وہ سچ میں باپ اور بیٹا ہی ہوں،

"جناب کپڑے پہن لیجیے، کب تک یوں بے لباس ہو کر بیٹھے رہیں گے؟" یہ آواز حوالدار کی تھی، جو دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اکرم کے لیے ایک نئی وردی تھی۔ تھانے کا وہ کمرہ، جہاں کبھی اکرم کا رعب بولا کرتا تھا، آج اس کی ذلت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ سر ٹکائے بیٹھا تھا، آنکھوں میں نفرت، غصہ، اور شکست کی نمی لیے۔ صرف ایک کالا نکر اس کے جسم پر باقی تھا، جو پتہ نہیں سردار نے کیسے چھوڑ دیا تھا۔

باقی سب کچھ سردار نے اتار والیا تھا،

وہ رعب، وہ طاقت، وہ یونیفارم، سب کچھ۔ جس کا اکرم کو غرور تھا۔

اکرم نے آہستہ سے نظریں اٹھائیں، وردی کو دیکھا، پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ وردی جو کل تک اس کی شان تھی، آج اس کے لیے مذاق بن چکی تھی۔

اس نے کچھ نہیں کہا، صرف وہیں بیٹھا رہا جیسے کوئی مرچکا ہو اور جسم زندہ رہ گیا ہو۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا..." اس نے اچانک دانت پیس کر کہا۔



آواز میں لرزش تھی، لیکن آنکھوں میں جھلسا دینے والی آگ۔

"میں اسے جان سے مار ڈالوں گا۔ اس نے مجھے ننگا کیا۔ میری عزت برباد کی۔"

اس کے لفظ، حوالدار کے قدم روک گئے۔ وہ حیران کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اکرم تھر تھراتی آواز میں بول رہا تھا، جیسے غصے کی کوئی آگ اس کے جسم میں جل رہی ہو۔

اس نے مجھے تھانے کے چند پولیس والوں کے سامنے ننگا کیا ہے میں اسے پوری دنیا کے سامنے ننگا کروں گا۔

"وہ ڈاکو نہیں ہے... وہ ذلت کا ایک نشان ہے جو میرے ماتھے پر لگا دیا گیا ہے۔"

اکرم کا جسم کانپ رہا تھا، آنکھوں سے آنسو نہیں، شعلے برس رہے تھے۔ اس نے مکے مار مار کر دیوار پر اپنا ہاتھ سوجا دیا۔ اس کے ہاتھ خون تھوڑا تھوڑا بہنے لگا،

جب کہ جسم تو اس کا پورا لہو لہان تھا کچھ اثر کل رات کے شیر والے حملے سے تھا تو باقی کثر ڈاکو نے نہیں چھوڑی تھی۔

لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔ اس کا غرور، اس کی عزت، سب کچھ روند ڈالا تھا اس سردار دلدار نے۔

کیا یہ خبر کے باہر نکل چکی ہے اس نے حیرانگی سے خولد ار سے بہت اچھا جس نے کندھے اچکائے تھے لیکن وہ جانتا تھا یہ خبر باہر نکل چکی تھی

"اب میں ہر تھانے کی سرخی بنوں گا... ہر تھانے کی چٹکلا۔"

اس نے مجھے دو کوڑی کا کر دیا مجھے بنگا کر کے میری عزت برباد کر دی اب ٹکے ٹکے کے لوگ میرا مذاق اڑائیں گے 'اکرم وہیں بنا کپڑے کے بیٹھانچے کی طرح رونے لگا تھا'..  
یہ لوگ یہی کہیں گے، یہی ہنسیں گے۔"

حوالدار نے کچھ کہنا چاہا، لیکن اکرم نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"نہیں۔ کچھ مت کہو۔ تم جانتے ہو؟ میں نے پندرہ سال اس وردی کو عزت دی، قانون کو مانا۔  
لیکن اس ڈاکو نے، اس جانور نے، میرے پندرہ سال کے وقار کو ایک لمحے میں دفن کر دیا۔"

اکرم کی آواز اب دھیمی ہو چکی تھی، جیسے کسی قبر کے اندر سے نکل رہی ہو۔

"جس لمحے اس نے مجھے کہا کہ 'جا بیٹا، جا کر کمرے میں بیٹھ جا'... میں مر گیا تھا۔ میرے اندر کا ہر  
افسر، ہر مرد مر گیا۔"

وہ لمحہ اس کے ذہن میں بار بار آرہا تھا۔ سردار دلدار کی آنکھوں میں وہ رعونت، وہ بے خوفی، اور اپنے قبیلے والوں کے درمیان اکرم کو ذلیل کرنا۔ اکرم کے لیے یہ صرف ایک توہین نہیں تھی، یہ ایک اعلان جنگ تھا۔

"اب میں کچھ اور نہیں دیکھوں گا... نہ قانون، نہ اصول۔ میں صرف بدلہ لوں گا۔" اکرم آہستہ آہستہ کھڑا ہوا، کپڑے لیے، اور سامنے دیوار میں لگے چھوٹے سے سینے کو دیکھنے لگا۔

"سردار دلدار یلغار... تم نے مجھے ننگا کیا؟ اب دیکھنا میں تمہیں کیسے بے بس کرتا ہوں۔ تمہارے قبیلے کے ایک ایک بندے کو جلاڈالوں گا، تمہاری عزت کا ایک ایک زرہ چبا جاؤں گا۔"

اس کی آواز میں اب حوصلہ تھا، نہیں... وحشت تھی۔ وہ اب وہ اکرم نہیں رہا تھا جو تھانے میں رشوت سے بچنے والا، ایماندار آفیسر سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی کامیاب بھی کا انتظار کرتا تھا جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سردار کو پکڑنے کا خواب دیکھ کر اپنی پر موشن چاہتا تھا اب وہ صرف اکرم نہیں، بدلے کی آگ میں جلتا درندہ تھا۔

"وہ لوگ جو آج میرا مذاق اڑا رہے تھے، وہ دیکھیں گے میں کیا کرتا ہوں۔" اس نے وردی پہنی، آئینہ کے سامنے اپنے چہرے کو دیکھا، اور آہستہ سے بول پڑا

"میں اب صرف قانون نہیں ہوں... اب میں موت ہوں سردار کے لیے۔"

اسی لمحے تھانے کے باہر کوئی شور ہوا۔ اکرم نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا—کچھ پولیس والے، اور آس پاس کے لوگ تھانے کے باہر جمع تھے۔ سب کا ایک ہی سوال تھا۔

"کیا واقعی ایک ڈاکو نے انسپٹر اکرم کو ننگا کر دیا؟"

اکرم کی مٹھی سختی سے بند ہوئی۔ اس کی رگیں تن گئیں۔ اب وہ دنیا کو دکھائے گا، کہ جس نے اسے ننگا کیا... وہ خود کیسے بے لباس ہو گا۔

سر آپ پچھلے راستے سے یہاں سے نکل جائیں، اب آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ حوالدار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

اس وقت اس کا نکل جانا ہی بہتر تھا جس نے ایک نظر حوالدار کو دیکھا اور وہاں سے نکل گیا

○○○○○○○

رات کا وقت تھا، پہاڑی قبیلے کی فضا میں خوشی کا شور گونج رہا تھا۔ آسمان تاریک ضرور تھا، لیکن قبیلے کے درودیوار پر جلتی مشعلیں روشنی بکھیر رہی تھیں۔ وہ خوشی جو برسوں بعد ملی تھی، وہ

انتقام جو برسوں سے سینوں میں سلگ رہا تھا، آج وہ سب کچھ پورا ہو چکا تھا۔ سردار دلدار کی واپسی کے ساتھ ہی قبیلے میں ایک الگ ہی فضا بن چکی تھی۔

قبیلے کے دروازے سے جیسے ہی سردار اندر آیا، پہلا نعرہ بالانے لگا تھا۔

"سردار زندہ باد!"

اور پھر پورے قبیلے نے جیسے نعرہ دہرا دیا ہو۔ چھوٹے بچوں سے لے کر بوڑھے بزرگ تک، سب کی آنکھوں میں ایک ہی جذبہ تھا—فخر۔

جمرو نے سب سے آگے ہو کر سردار کا استقبال کیا۔

"سردار، قسم رب دی، آج تے ساڈی چھاتی چوڑی ہو گئی اے۔" اس وردی والے کا کیا حساب لیا ہے۔۔۔۔"

سردار دلدار خاموش رہا، صرف ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ الفاظ کی نہیں، آج عمل کی زبان چل رہی تھی۔ وہ وہ سب کچھ کر چکا تھا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ وردی والوں کی شان میں دراڑ ڈال دی تھی۔ آج اس نے اکرم جیسے پولیس والے کو نہ صرف بے عزت کیا بلکہ زمین بوس کر دیا تھا۔

آسمان کی طرف بندوقیں اٹھا کر اندھا دھند فائرنگ کی گئی۔ پہاڑ گونج اٹھے تھے۔ شور، فہقہ، سیٹیاں، شور شرابہ۔ سب کچھ تھا۔ قبیلے کی عورتیں بھی اپنے پہاڑوں کے غاروں سے نکل آئی تھیں۔ بچے ناچنے لگے۔ کچھ چھوٹے لڑکے تو اکرم کی نقلیں اتار کر فہقہ لگا رہے تھے۔

وہ جانتا تھا قبیلے کے ایک ایک انسان کو یہ واقعہ خوب مزے لے کر سنایا گیا ہے، اور پھر مزے کیوں نہ لیے جاتے پولیس والوں کے ساتھ دشمنوں نے 40 سال سے تھی۔

"اوے جمرو! ہاہا ہاوردی والا کیسا کانپ رہا تھا وہ۔ جیسے بچہ ہو، جس کے ہاتھ میں کھلونانہ ہو۔"

"ہاہا ہا! اور کیسے اپنی پینٹ اتار کر میز پر رکھ دی تھی۔"

جان کے لالے پڑے تھے کیسے نہ اتارتا

"ہائے ہائے! سردار نے بھی کیا ڈانٹا مارا تھا۔ جابٹا، جا کر اندر بیٹھ جا۔ باپ نے معاف کیا!"

سب ہنس ہنس کر پاگل ہو رہے تھے۔

بالا نے تو حد ہی کر دی، وہ اکرم کی طرح چلنے لگا، اپنے کپڑے جھاڑتا، سر جھکاتا، سردار کو ایسے گھورتا جیسے اکرم گھور رہا تھا تبھی جمرو نے اٹھ کر اس کے منہ زور سے تھپڑ مارا تھا۔

باپ کو آنکھیں دکھاتا ہے ایک تو غلطی کرتا ہے پھر باپ کو آنکھیں دکھاتا ہے۔۔۔"

جمر نے موقع کا فائدہ اٹھا کر اپنا ہاتھ صاف کیا اور زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ جمر کی اس حرکت پر سردار کا بھی زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا جبکہ بالا تو جمر کو گھور کر رہ گیا تھا قبیلے کا ہر فرد آج خوش تھا۔

وہ دکھ، وہ اذیت، وہ زخم جو اٹھارہ سال پہلے لگے تھے، جن وردی والوں نے ان کے گھروں کو آگ لگا کر ان کے اپنے جلائے تھے، آج ان کے ایک نمائندے کو اسی آگ میں جلایا گیا تھا۔ عزت کی آگ میں۔

قبیلے کی بڑی عورت، جس کا پورا خاندان تب جل کر راکھ ہو گیا تھا، وہ بھی دروازے پر آئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، لیکن لبوں پر تبسم۔

"ساڈا پتر دلدار، توں سچ مچ سردار ہے... اج تیرا باپ ہووے تے فخر کرے..." ایک بوڑھی مائی نے کہا تو وہ نرمی سے ان کے ہاتھ تھام کر اپنے لگن سے لگا گیا تھا،

یہ تو شروعات ہے مائی اب اگر پولیس والوں نے سامنے سے پنگالے ہی لیا ہے، ہم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے اس پولیس والے نے قبیلے کے اندر آکر بہت بڑی غلطی کی ہے اس کی سزا تو اسے ملنے ہی تھی۔

وہ دلدار کی ماں نہیں تھی، لیکن قبیلے کی ہر عورت اسے اپنا بیٹا مانتی تھی۔ اور دلدار بھی انہیں ماں کی طرح ہی مانتا تھا۔ اس عورت نے جب سردار کے سر پر ہاتھ رکھا، تو سب خاموش ہو گئے۔

"بس پتر، یہ پہلا بدلہ تھا۔ اصل حساب تو ابھی باقی ہے۔" ان لوگوں نے ہماری نسلیں مٹائی ہیں ہم تب بے بس تھے لیکن تیرے ہوتے ہوئے ہم آج بے بس نہیں ہیں۔

سردار نے سر جھکایا، لیکن خاموش رہا۔ قبیلے کے لوگ جانتے تھے کہ وہ باتوں کا نہیں، عمل کا آدمی ہے۔

دوسری طرف، کچھ نوجوان لڑکے اپنے ہاتھوں میں اکرم کی پھٹی وردی کے ٹکڑے لیے گھوم رہے تھے۔ وہ وردی جسے ہمیشہ سے طاقت کی نشانی سمجھا گیا تھا، آج ان کے قدموں میں پڑی تھی۔ انہوں نے اسے جھنڈے کی طرح اونچا کر کے جلانے کا اعلان کر دیا۔



"یہ وردی نہیں، ہمارے جلے ہوئے خواب ہیں۔ آج ہم ان خوابوں کی راکھ میں امید کا دیا جلائیں گے!" بالانے اونچی آواز میں کہا۔

اور جیسے ہی وہ وردی جلائی گئی، قبیلے کی زمین پر ایک اور نعرہ گونجا:

"سردار دلدار یلغار زندہ باد!"

پہاڑوں نے یہ نعرہ گونج کر واپس لوٹایا۔ گویا فطرت بھی اس انتقام میں ساتھ تھی۔

سردار سمجھ چکا تھا اب یہ واقعہ صرف ایک یاد نہیں تھا، یہ ایک طاقت تھا کہ ان کا قبیلہ پولیس والوں پر حاوی ہے۔

یہ بات ہوا نہیں پہلے بھی پتہ تھی کہ پولیس والے ان سے ڈرتے ہیں لیکن آج میں ثابت ہو گیا تھا کہ پولیس ان کے سامنے کچھ نہیں ہے اور پھر جس طرح تھانے کے اندر بیٹھ کے وہ ان کے ساتھ انسپیکٹر کی وردی اتر کر لے آئے تھے۔

مطلب صاف تھا کہ اب پولیس والے ان کے لیے صرف ایک مذاق سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھے۔ 18 سال پہلے اس کے قبیلے کے لوگ وردی والوں کے خوف سے کانپتے تھے۔

اور آج اس کے قبیلے کے لوگ جشن منارہے ہیں صرف ایک وردی والی کی حالت پتلی کر کے۔

قبیلے کے جوان لڑکے، جو برسوں سے انتقام کی تربیت لے رہے تھے، آج پہلی بار ہنس رہے تھے۔ ان کی مائیں، جنہوں نے اپنے شوہروں اور بیٹوں کو وردی والوں کے ہاتھوں کھویا تھا، آج شکر ادا کر رہی تھیں۔ ان کی دعاؤں کا نتیجہ سامنے تھا۔

سردار بہت دیر تک نہیں رکا۔ وہ سب کو سراہ کر، ان کی ہنسی دیکھ کر، ان کی خوشی محسوس کر کے سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

کیونکہ اب ایک اور جنگ باقی تھی۔ ایک اور دشمن سامنے تھا۔ اور ایک نازک وجود، وہ دشمنین جان جس میں اس کی سانس بستی تھیں۔

لیکن قبیلے کی رات ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ رات، قہقہوں کی رات تھی۔

وہ رات، ظلم کے خلاف جیت کی رات تھی۔

وہ رات، ایک سردار کے نام لکھی گئی تھی۔

○○○○○○○○

سردار خاموشی سے کمرے میں داخل ہوا۔ دھیمی روشنی میں دعام کا چہرہ بے حد معصوم لگ رہا تھا، لیکن اس کے چہرے پر چھائے خوف نے سردار کے دل کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ اُس کی پلکوں کے نیچے

چھپے ہوئے درد کو دیکھ کر دل سے محسوس کر رہا تھا کہ یہ خوف کل کی رات کا زہر تھا، جو دعام کی روح میں گھس چکا تھا۔

اس کی آہستہ آہستہ سانسیں اور کبھی کبھار ہلکا سا کپکپانا، اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ابھی بھی اپنی کل رات کے حملے اور آنے والے خطرات سے بے حد ڈری ہوئی ہے۔

سردار اپنی جگہ پر کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا، جیسے اس کا دل چاہ رہا ہو کہ وہ اس خوف کو اپنی مٹھی میں لے لے، دعام کے دکھ کو اپنے سینے میں دبالے۔ وہ جانتا تھا کہ دعام کے لیے یہ دنیا کتنی بے رحم ہے، مگر وہ بھی اتنا ہی بے بس تھا۔

دعام کی معصومیت نے سردار کے اندر چھپی ہوئی محبت کو جگا دیا، اور وہ جانتا تھا کہ اسے اپنی پوری طاقت سے اس کی حفاظت کرنی ہے۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا، "میں تمہارے ساتھ ہوں میری زندگی، تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" کبھی بھی نہیں۔۔۔ میں اب اپنے سوئے مکھڑے پر کسی کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔

سردار دعام کو سب سے بچا کر اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کی دنیا کا حصہ بنے، لیکن دعام کی تکلیف اسے درد میں مبتلا کر گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا پالتو جانور، جو کبھی اس کے محافظ

کی طرح تھا، اب پاگل ہو کر حملہ کر رہا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس جانور کو ختم کرنے سے دعام کو سکون ملے گا یا نہیں۔ لیکن اس خطرے کو قبیلے سے مٹانا اب ضروری ہو گیا تھا۔

وہ دعام کے قریب بیٹھا، نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ دعام کے چہرے پر درد تھا، لیکن سردار کی موجودگی میں اسے تھوڑا سکون بھی مل رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نہ اس جانور کا خاتمہ، نہ انسپیکٹر سے بدلہ، دعام کے دل کے زخم بھر سکیں گے۔ وہ معصوم لڑکی کسی کی دشمن نہیں تھی وہ تو اپنے خوف کے خول میں قید تھی۔ جس سے سردار نے اسے نکلنا تھا۔

دعام کی آنکھ اچانک کھلی، اس کی نظر پہلی بار اپنے گرد کے اندھیرے میں سردار پر پڑی۔ وہ گھبرا گئی تھی، دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا،

ڈا۔۔ کو۔۔ جی "مجھے لگا وہ شیر واپس آ گیا ہے۔" اس کی آواز میں خوف اور بے بسی دونوں شامل تھے۔ سردار نے نرمی سے اسے اپنے سینے سے لگالیا،

کوئی نہیں ہے "اب کوئی تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا، میرا میٹھا سائیں جب تک میں ہوں تمہارے ساتھ کوئی تمہیں چھو بھی نہیں سکتا، میں ہوں نا۔۔!!"

اس کے ہاتھ اس کے بالوں میں پھرتے رہے، چہرے کو پیار سے چوما،

"میرے ہوتے ہوئے تمہاری حفاظت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔" وہ جیسے اس سے زیادہ خود کو یقین دلارہا تھا۔

دعام کے دل میں سکون کا احساس آیا، نجانے کیوں اس انسان پر اسے اتنا یقین تھا، لیکن اس کے ساتھ اس کا ہر ڈر ختم ہو جاتا تھا۔

وہ سردار کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی، جیسے وہی اس کی دنیا کا سہارا ہو۔

میں کھانا لے کر آتا ہوں، تمہیں بھوک لگی ہوگی نا۔۔۔"

نہی۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں لگی بھوک۔۔۔" میں یہاں اکیلی نہیں رہ سکتی۔ وہ ڈری کوئی تھی۔

،"دعام، میں سمجھتا ہوں تمہارا خوف، مگر یہاں رہنا بھی ضروری ہے یہ جگہ محفوظ ہے۔ تمہیں آرام کرنا ہوگا۔ تم۔ میرے ساتھ نیچے تک نہیں آسکتی۔ سردار نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں، میں اکیلی نہیں رہوں گی۔ آپ کے بغیر یہ سب میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اگر وہ شیر دوبارہ آگیا تو۔ میں نے آپ کے ساتھ آنا ہے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" دعام نے سر ہلاتے ہوئے ضد کی۔

میرا گلاب مکھڑا، وہ شیر مر گیا اب نہیں آسکتا۔۔۔"

نہیں اگر وہ مر گیا تو کوئی اور آجائے گا مجھے آپ کے ساتھ آنا ہے۔۔۔"

دعام تم نہیں چل پاو گی۔۔۔" میں ابھی آجاؤں گا صرف دو منٹ۔ بالاشاید سو گیا ہے ورنہ وہ کھانا دے جاتا۔۔۔! سردار نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن دعام نے اس کی بات نہ مانی،

نہیں میں بھوک ہی ٹھیک ہوں، کچھ نہیں کھانا آپ بھی مت جاؤ۔" وہ معصومیت سے بولی تو سردار کو ترس آگیا، اسے بھوک بھی لگی تھی اور اسے اکیلے جانے بھی نہیں دینا تھا۔  
پکا نہیں جانے دینا۔۔۔!! اس نے مسکرا کر پوچھا۔

دعام نے آنکھیں بند کر کے پھر زور سے سر ہلایا اور اس کے بازو میں سر دے دیا۔ اس کے انداز پر وہ مسکرا کر اس کے بال چوم گیا۔

بھوک رہ لو گی ساری رات۔۔۔۔۔"

"میں آپ ساتھ جاؤں گی، آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔" بے شک میں بھوک رہوں۔ وہ ضدی نہیں تھی لیکن اس وقت ہو گئی تھی، سردار نے اس کے گال پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔

میراضدی سائیں "ٹھیک ہے، تم میرے ساتھ آؤ گی، میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔"  
دعام نے اس کے بازو میں سر نکال کر اسے دیکھا۔ چہرے پر معصومیت کے ساتھ ایک رونق بھی  
تھی سردار مسکرا دیا۔

پھر نرمی سے جھک کر اس کے لب چوم لئے۔۔۔ "جس پر وہ دوبار اثر کر سراس کے بازو میں  
گھسائی۔

○○○○○○

سردار نے دعام کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے رکھا، جیسے اسے یقین دلانا چاہتا ہو کہ وہ کبھی اسے تنہا  
نہیں چھوڑے گا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکلے، سردار نے دعام کو احتیاط سے نیچے  
اتارا، کیونکہ راستہ پتھر والا اور خطرناک تھا۔ جبکہ خود زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے وہ اسے  
اپنی باہوں میں نہیں اٹھا رہا تھا۔

ہر قدم پر دعام اپنی آنکھیں چاروں طرف گھماتی، کہ کہیں سے کوئی خطرہ نہ آجائے۔

دعام نے گھور کر پہاڑوں کے اس جانب دیکھا جہاں شیر نے رات میں حملہ کیا تھا، دل میں ایک دھڑک اٹھا۔ جیسے وہاں سے پھر سے شیر آنکلا ہو اس نے فوراً سردار کی دوسری طرف آتے اس کے گرد اپنا گھیرا بنایا جبکہ سردار اپنا بازو اس کے گرد پھیلاتا اسے مزید اپنے قریب کر گیا۔ اس کی چورنگاہیں ہر طرف گھوم رہی تھی سردار کو اس کے معصوم سے ڈر پر پیار آیا تو اگلے ہی لمحے وہ اسے اپنی باہوں میں اٹھاتا اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

ڈا۔۔ کو۔۔ جی۔۔۔ زخم۔۔۔ "اس نے بوکھلا کر جیسے اسے یاد کروایا تھا۔

تم جب قریب ہوتی ہو تب سارے زخم بھر جاتے ہیں میرا میٹھا سائیں، وہ اسے اپنے سینے میں چھپاتا نیچے کی طرف جانے لگا تو وہ اس کے سینے میں ہی خود کو چھپا گئی تھی۔

oooooooo

وہ دونوں کچن میں داخل ہوئے۔ کچن بڑا اور سادہ تھا، ہر طرف بڑے بڑے برتن رکھے ہوئے تھے، گوشت کی خوشبو ہوا میں مچلی ہوئی تھی، لیکن دعام کے لیے خاص طور پر الگ کھانا تیار کیا گیا تھا۔ سردار نے چچ سے دعام کے لیے تیار کیا ہوا سالن نکالا



، "یہ تمہارے لیے، خاص تمہارے ذائقے کے مطابق۔" بغیر کسی گوشت کے۔۔۔ "ویسے تم کیوں نہیں کھاتی گوشت، اس نے نرمی سے سوال کیا تھا ارادہ صرف اس کا دھیان شیر سے ہٹانا تھا۔

مجھے اچھا نہیں لگتا، میرے بابا بھی نہیں کھاتے تھے۔ اور جو چیز میرے بابا کو پسند نہیں وہ مجھے بھی پسند نہیں، اس کے لہجے میں اپنے بابا کے لیے بہت محبت تھی۔

ہاں ماموں کو ہم زبردستی پکڑ کر کھلاتے تھے۔۔۔۔۔ "وہ بے حد کم آواز میں بولا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

جو لوگ گوشت نہیں کھاتے ہم انہیں زبردستی گوشت کھلاتے ہیں ہماری یاری نہیں نا ایسے لوگوں کے ساتھ، لیکن تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں تم تو جان ہو میرا گلاب سائیں تم اس معاملے میں آزاد ہو۔۔۔۔۔"

مجھے نہیں کھانا مجھے نہیں اچھا لگتا وہ منہ بنا کر بولی جیسے وہ۔ اسے زبردستی کھلا دے گا،

اسی وقت کچن کے باہر کوئی آہستہ سے قدموں کی آواز آئی، دعام خوف سے اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور سردار کے پیچھے چھپ گئی۔

اس نے پیچھے سے اس کی قمیض کو مضبوطی سے پکڑا تو ایک درد کی لہر سردار کے اندر اٹھی تھی جیسے انگور کرتے ہوئے وہ اسے اپنے بازوؤں میں لے گیا سردار نے جلدی سے دروازے کی طرف دیکھا۔

oooooooo

"کون ہے؟" سامنے باہر کی طرف آدمی کا سایہ دروازے پر کھڑا تھا، سردار نے سخت لہجے میں پوچھا

دعام نے سردار کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اس کے چہرے پر خوف ہی خوف تھا۔ سردار نے یقین دلایا،

دعام کچھ نہیں ہے "تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، جب تک میں ہوں۔" تم رکو میں دیکھتا ہوں کون ہے۔ ڈونٹ ورری میرا معصوم سا بزدل سائیں،

ارے میں ہوں سردار۔۔۔۔۔ "کچن کے دروازے کے باہر بالا کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی دعام نے سکون کی سانس لی۔

"سردار، میں بھا بھی کو کھانا دینے آیا تھا، لگتا ہے تم خود ہی دے رہے ہو۔" وہ اندر آگیا تو دعام نے دروازے کے پار سے تھوڑا گھبراتے ہوئے جواب دیا،

"بالا بھائی، آپ نے تو مجھے ڈرا دیا، مجھے لگا وہ شیر پھر واپس آگیا ہے۔"

ارے پیاری بہنا اب مت ڈرو۔۔۔ "اب وہ شیر نہیں آئے گا، کیونکہ ہمارے سردار نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے۔"

اچھا کیا۔۔۔ "وہ بہت بڑا تھا اور بہت خطرناک بھی، دعام نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے اپنے زخموں کی طرف نظر ڈالی جواب بھی کافی زیادہ تھے۔ لیکن سردار کا تو پورا بازو ہی سوجا ہوا تھا اور اسی کے ساتھ وہ اسے اٹھا کر یہاں تک لے کر آیا تھا۔" وہ ایک نظر اس کے سوچے ہوئے کندھے کو دیکھ کر شرمندہ سی ہو گئی تھی لیکن یہ شرمندگی اس نے اپنے تک ہی رکھی تھی۔

زیادہ درد ہو رہا ہے ڈاکٹر نے انجیکشن لگانے کے لیے کہا تھا سردار کمرے میں جا کر لگوا دے گا کھانا کھا لیجیے پھر تکلیف نہیں ہوگی۔

بالا نے دعام کے زخمی بازو کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا،

"بها بھی یہ زخم آسانی سے نہیں جائیں گے، شیر پاگل ہو کر تم پر حملہ کر رہا تھا۔ اور پاگل شیر کے حملے بہت خطرناک ہوتے ہیں، وہ تو شکر ہے شیر بھوکا نہیں تھا۔

دعام چپ چاپ اس کی بات سن رہی تھی۔ بالانے کچن میں کھانا گرم کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا،

یہ سب کچھ تمہارے لیے تھا۔ تم نے سردار کی حالت نہیں دیکھی بالکل باولا ہو گیا تھا یہ، مجھے یہ تو پتہ تھا یہ تمہارا عاشق ہے لیکن ایسا عاشق ہے یہ آج پتہ چلا۔۔۔۔۔" وہ تھوڑا ہنس کر بولا، تو سردار نے اسے گھوڑا تھا

"تم جانتی ہو، شیر کی موت تمہارے شوہر کے ہاتھ لکھی ہوئی تھی، مگر پولیس والوں کی غلطی نے سب خراب کر دیا۔"

"کون سا پولیس والا؟" دعام نے الجھن کے ساتھ پوچھا،

"کوئی پولیس والا نہیں، بس آرام کرو اور کھانا کھاؤ۔" سردار نے اس کے منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے کہا،

کھانا تو میں کھا رہی ہوں لیکن پولیس والا کون ہے وہ گھر سے پوچھنے لگی، جبکہ سردار دعام کے قریب آ گیا۔ اس نے اس کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا،

ارے ایک پولیس والا ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے دفعہ کرو اسے "تمہیں میرے ہوتے ہوئے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

مجھے ابھی بھی ڈر لگتا ہے۔ اگر کوئی اور شیر آ گیا تو یہ علاقہ تو خطرناک بھی بہت ہے کہتے ہیں یہاں جنگل میں بہت جنگلی جانور ہیں "دعام نے تھوڑا گھبراتے ہوئے کہا،"

سردار نے اسے سینے سے لگا کر کہا، "اب کوئی نہیں آئے گا۔ تم میرے ساتھ ہو۔" میرے ہوتے ہوئے اب کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا کیوں کہ یہاں کے لہاریاں اور جنگل بھی اس بات سے واقف ہیں کہ سردار سے بڑا جنگلی یہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ ایک نقطے پر گہری نظر جمائے سوچ رہا تھا جبکہ بالا ان دونوں کو ایک دوسرے کے اتنے قریب دیکھ کر پچن سے نکل گیا تھا دعام کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر اس کے چہرے پر سکون بھی تھا۔ اس لمحے وہ سمجھ گئی تھی کہ چاہے حالات کتنے بھی مشکل ہوں، سردار کی حفاظت میں وہ محفوظ ہے۔

○○○○○○

یہ کمرہ سردار دلدار کے قبیلے کی طاقت، شان اور رعب کی تصویر تھا، مگر اس لمحے اس کمرے میں صرف خاموشی، ایک عام سی لڑکی، ایک خون خوار ڈاکو کی نگاہوں میں عشق بن کر بسی تھی، بیڈ پر دعام، گہری نیند میں سو رہی تھی۔

اس کی سانسوں کی مدھم روانی، سردار کے دل میں ایک عجیب سی سکون کی لہر بن کر بہہ رہی تھی۔

وہ قالین پر بیٹھا تھا، اس کے بالکل قریب، اس کی آنکھوں میں محبت کی تپش تھی... جو اس دنیا سے چھپی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں میں نرمی تھی جو شاید کبھی کسی نے دیکھی بھی نہیں تھی اس کی محبت، اس کی دنیا، اس کی نرمی، سب اس لڑکی کے لیے تھا اور کسی کے لیے نہیں۔ وہ گھنٹوں بنا پلکیں چھپکائے اسے دیکھ سکتا تھا۔ اس کی پر سکون نیند سردار کے لیے سکون کی اصل وجہ تھی۔ آج اس کا ڈر کم ہوا تھا روز کی طرح وہ نیند میں کانپ نہیں رہی تھی۔

سردار نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ باندھ رکھا تھا جیسے وہ اسے ہر ڈر سے بچالینا چاہتا تھا۔

تبھی اچانک فون بجا تو سردار کی آنکھوں کے زاویے بدلے۔

یہ لمحہ اس کی بیوی کا تھا، اس کا نہیں... دنیا کی کسی آواز کا اس لمحے میں داخلہ ممنوع تھا۔

فون پر 'بالا' کا نام چکا۔

ایک لمحے کے لیے سردار کی مٹھیاں بند ہو گئیں۔

بالوں پر ہاتھ پھیر کر اس نے خود کو سنبھالا اور فون اٹھایا۔

"کیا بات ہے، میں نے تمہیں کیا کہا تھا رات کے وقت مجھے ڈسٹرب مت کرنا بالا؟ اس کے لہجے

میں دبا دبا غصہ تھا۔

لیکن "دوسری طرف بالا کی آواز نہیں آئی، صرف سانس آئی، اور پھر درد سنائی دیا۔

"سردار... ظلم پھر سے ہو گیا ہے۔"

سردار کی آنکھیں لمحہ بھر کے لیے بند ہوئیں۔

بالا کی آواز میں اب کانپتی ہوئی بے بسی تھی، جو ہر مرد کا کلیجہ چیر دیتی ہے۔

وہ بچی "بارہ سال کی تھی، سردار... پڑوس کے گاؤں کی بڑی حویلی میں دس دن پہلے کام پر لائی گئی

تھی۔ مالک کی نیت گندی تھی، جانتے تھے سب... پروہ بچی تھی، یار... صرف بارہ سال کی بچی!

رات وہ نشے میں تھا... اسے نوچا، روند ڈالا...

پھر جب وہ زندہ تھی، اسے کنویں میں پھینک دیا۔ "سردار کی نظریں دعام کے چہرے پر ٹک گئیں،

وہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی...

اور دنیا میں کسی اور معصوم کی نیند ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی تھی۔

"لاش ملی ہے، سردار... "بالا کی آواز اب لرز رہی تھی،

"رپورٹ میں کچھ نہیں لکھا... کہتے ہیں بچی گری ہے... کہتے ہیں کچھ نہیں ہوا... قانون پھر سے اندھا بن گیا ہے۔ یہ وردی والے... صرف امیروں کے تلوے چاٹتے ہیں، دلدار! حرامی ماں باپ کو کہتے ہیں ثبوت دو... کہ تمہاری بیٹی نوچتی گئی ہے۔

بچی کو کنویں سے نکالا گیا پوسٹ مارٹم کروانا چاہتے تھے ماں باپ لیکن آواز دبا دی گئی بچی کو دفن دیا گیا۔

اب کیا وہ بچی خود قبر سے اٹھ کر بتائے گی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ "سردار کی سانسوں میں ایک طوفان اٹھنے لگا۔

اس نے فون مضبوطی سے تھاما۔



"اب تو بتا، سردار... بالاک کی آواز تھر تھراتی ہوئی نکلی،

"اب تو بتا! کیا تو انصاف دلائے گا۔

اس بچی کو؟

بتاؤ اب کیا کرنا ہے تیری عدالت کیا فیصلہ کرے گی کیا حکم ہے تیرا۔۔۔"

یہ قبیلہ تیرا ہے، یہاں پتا بھی تیرے حکم کے بغیر نہیں ہلتا۔ "تو بتا کیا تیرا قبیلہ ایسے درندوں کو صفائی ہستی سے مٹانے کے لیے آگے بڑھے گا،

اس کی بات سنتے ہوئے سردار اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ دعام کی پیشانی پر جھک کر بوسہ دیا،

پھر کمبل اس کے کندھوں تک ٹھیک کیا، پھر وہ اس سے تھوڑے فاصلے تک آیا تھا لہجے اور

آنکھوں کی محبت میں نفرت کی چنگاریاں ابھری تھی

"اس بچی کا خون... اب میرے ہاتھوں کا قرض ہے۔

جس درندے نے اس کی چیخوں کو دبایا... میں اس کی ہر سانس روک دوں گا۔ جہاں قانون ختم

ہوتا ہے... وہاں سردار کا انصاف شروع ہوتا ہے بالا اور یہی میرا فیصلہ ہے۔ "نکلنے کی تیاری کر...

آج رات وہ حویلی نہیں... وہ قبرستان بنے گی۔

اور میں... میں اُس قبر کا پہلا گواہ ہوں گا۔"

سردار نے پھتریلہ دروازہ کھولا، پہاڑوں کی گونجتی ہوائ نے کمرے میں زوردار دستک دی،

جیسے فطرت نے اعلان کر دیا ہو کہ سردار جاگ گیا ہے! اس کے جسم پر اب بھی شیر کے پنچے کے

زخم تازہ تھے، کندھے پر کپڑا بندھا تھا،

ہونٹوں پر ایک ہلکی درخت جیسی کٹ۔

مگر دل... وہ انصاف کی آگ میں دھک رہا تھا۔

سردار نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا...

دعام نیند میں مسکرا رہی تھی۔ اس نے اہستہ سے دروازے کو بند کیا تھا۔ اور پھر آسمان کی طرف

دیکھتا نیچے کی طرف قدم بڑھانے لگا

"اے رات! تو گواہ رہنا... آج ایک بچی کے لیے انصاف زمین پر اتر رہا ہے۔"

○○○○○○

نیچے قبیلے کے بڑے چٹانی میدان میں بالا اور دیگر وفادار ساتھی انتظار کر رہے تھے۔

بالا کا چہرہ سرخ تھا، آنکھیں جلی ہوئی سی۔

ایسا لگتا تھا وہ تکلیف سے اندر ہی اندر مر رہا ہو۔

بالا۔۔۔" پر سکون ہو جاؤ اب قبر دشمن کی کھلے گی۔ تمہارا یہ درد میں ضائع نہیں جانے دوں گا اس

سے کہتے ہوئے سردار نیچے آیا۔

بالا ایک قدم آگے بڑھا۔

"سردار۔۔۔" اس کی آواز میں اب وہی درد تھا جو دلدار کے لہجے میں آگ کارنگ بھرتا تھا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے وہ بچی میرے ہاتھوں میں کانپ رہی ہے... جیسے پوچھ رہی ہو،

میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟

میں تو صرف مزدوری کرنے آئی تھی۔

میں صرف بارہ سال کی تھی، سردار... وہ معصوم۔ ل تھی۔

سردار کی مٹھیاں بند ہو گئیں۔

"یہ درندے کیوں نہیں مرتے دلدار!" بالاک کی آواز ٹوٹ گئی۔

چند لمحے صرف خاموشی رہی۔ پھر سردار کے لبوں سے ایک سنسناتی گونج نکلی۔

قانون کیا کہتا ہے۔۔۔۔۔"

قانون کہتا ہے کچھ مت کرو، ثبوت لاؤ۔۔۔ اور ثبوتوں کا کیا کریں گے وہ جا کر حویلی والوں کے

قدموں میں رکھ کر جلادیں گے میں تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ تیرا اگلا حکم کیا ہے؟

تو بول... کیا ہم اس درندے کو دفنائیں گے، بالاک اس وقت جذباتی ہو رہا تھا... سردار نے آسمان کی

طرف دیکھا

ستاروں میں چمک نہیں تھی، جیسے وہ بھی شرمندہ تھے۔

"اس کا نام؟" سردار نے پوچھا۔

"مالک کا نام حکمت خان ہے... بالاک نے آہستہ کہا۔

"پروس کی حویلی میں اکیلا رہتا ہے، قانون کو خرید لیا ہے۔" سردار کا چہرہ خاموش تھا...

پھر اس نے گردن موڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"سب آدمی لے کر حویلی کا گھیراؤ کرو،

کسی بندوق کی گولی نہ چلے... جب تک میں نہ کہوں۔ حکمت خان کو میں خود سامنے لاؤں گا...

اسے وہی درد دوں گا جو اس بچی نے سہا۔

پھر میں اس کی قبر خود کھودوں گا—زمین انصاف دیکھے گی۔"

بالا کی آواز بھی بدل گئی تھی...

"میں تیرے ساتھ ہوں، سردار۔ میں صرف حکم کا انتظار کر رہا تھا...

میں اس بچی کی قبر پر خود جا کر فاتحہ پڑھوں گا لیکن اس سے پہلے میں اس کی چیخ کا جواب دوں

گا!" سردار آگے بڑھا۔

ہر قدم کے ساتھ قبیلے کے لوگ بھی پیچھے پیچھے ہو لیے۔

"بالا..." سردار نے کہتے ہوئے پیچھے دیکھا،

"قانون صرف کتابوں میں انصاف کرتا ہے... آج پہاڑ پر قبیلے کا انصاف بولے گا۔ آج ہم اس بچی

کی قبر پر لکھیں گے

'یہاں وہ دفن ہے... جس کا قاتل قانون سے بچ کر سردار کے ہاتھوں مارا گیا۔

oooooooo

رات کا آخری پہر۔ فضا میں دھند سی چھائی ہوئی تھی... اور پروس کے گاؤں کی حویلی اب بھی روشنیوں سے جگمگا رہی تھی۔ جیسے وہاں جشن ہو...

جبکہ موت اس جشن دروازے پر دستک دینے آرہی تھی۔ سردار گھوڑے پر سوار تھا پیچھے بالا اور اس کے ساتھ۔ خاموش... لیکن تیار تھے۔

حویلی کے مرکزی دروازے پر دو محافظ کھڑے تھے۔

ایک لمحے میں دونوں کے منہ پر ہاتھ پڑا...

گردنیں مڑی... اور پھر صرف سانسیں تھیں جو تھم گئیں۔ سردار دروازے کے بیچ کھڑا ہوا، اور دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔

"حکمت خان! دروازہ کھولا، جب کہ اس کی پکار کے ساتھ پوری حویلی لرزی

تیرا انصاف آچکا ہے! باہر نکل، ڈاکو اندر داخل ہوئے "اندر بھاگ دوڑ مچ گئی۔ کچھ نوکر کھڑکیوں سے جھانکنے لگے، کچھ نے فون اٹھایا، پولیس کو کال کی۔ لیکن قبیلے کے لوگ پہلے سے سگنل جام کر چکے تھے۔ اندر سے گارڈز نکلے۔

لیکن وہ سردار کے لوگوں کے سامنے کھلونے تھے۔

سردار نے بغیر نظر ملائے کہا۔

"بالا..."

حکم۔ سردار۔"

"یہاں سے چٹخ نہیں، دھماکہ سننا چاہتا ہوں۔

تو جانتا ہے کیا کرنا ہے۔" بالانے ہاتھ اٹھایا۔

اس کے بندے حویلی کی دیوار پھلانگ چکے تھے۔

وہ تیز قدموں سے چلتے ہوئے حکمت خان کے کمرے کے دروازے پر تھے۔ بالانے کمرے کا دروازہ لات مار کر توڑا۔

حکمت خان نیم نشے کی حالت میں بستر پر لیٹا ہوا تھا، چند محافظ بے چینی سے کھڑے تھے۔

سردار اندر داخل ہوا۔

ہر قدم پر کمرہ لرز رہا تھا۔ حکمت خان نے آنکھیں کھولیں...

"کون ہو تم لوگ؟... کس کی اجازت سے آئے ہو؟"

"میں سردار دلدار لیکن تیرے لیے زہر ہوں..." سردار کی آواز پتھروں جیسی ٹھنڈی اور بھاری تھی۔

"اور جس اجازت کی بات تم کر رہے ہو کیا وہ اجازت... تم نے بارہ سالہ بچی کے جسم سے لی تھی۔" حکمت خان کارنگ فق ہو گیا۔

"ک۔ کون سی بچی؟ میں کچھ نہیں جانتا..."

بالا نے اگلے ہی لمحے بچی کی تصویر سامنے پھینکی۔

"اس کی چیخیں اب بھی کنویں سے آرہی ہیں..."

اور تو یہاں شراب پی رہا ہے؟"



حکمت خان نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔

"تمہیں پتہ ہے میں کون ہوں؟ میرے تعلقات کہاں کہاں تک ہیں؟ تم سب کے لیے مسئلہ بن سکتا ہوں!" سردار نے میز پر پڑی شراب کی بوتل اٹھائی... اور دیوار پر دے ماری۔

"پہنچ کہاں تک ہے تیری پہنچ مجھے بھی پتہ چلے...! لیکن اپنی پہنچ بتانے سے پہلے ذرا تو میری پہنچ بھی جان لے۔

اگر قانون نے تجھے بچا لیا، تو پہاڑ تیری قبر بنائیں گے۔ اور آج وہ پہاڑ، میں ہوں!"

حکمت خان نے تیزی سے الماری سے بندوق نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن بالانے اس کے ہاتھ پر گولی ماری۔ اس کی دردناک چیخ فضا میں گونجی،

لیکن قبیلے کے شیر خاموش کھڑے تھے۔ سردار آگے بڑھا...

اس کے چہرے پر دردوں جیسا سکون تھا،

اور قاتلوں جیسی دہشت۔"

یہ تیرے لیے سزا نہیں... یہ تیرے لیے فیصلہ ہے۔ تو صرف ایک درندہ نہیں... تو بدبو ہے اس نظام کی جو کمزوروں کو دفناتا ہے۔ "سردار نے گردن موڑ کر حکم دیا

"اسے لے چلو... اور گاؤں کے بیچ میں باندھ دو۔"

کل سورج اس پر طلوع ہو گا اور قبیلہ گواہ ہو گا، کہ اگر قانون مر جائے... تو سردار کا انصاف زندہ ہوتا ہے۔"

○○○○○○○

حویلی کی وہ رات... جب ظلم چیخ رہا تھا،

اور انصاف، سردار کی آنکھوں میں جل رہا تھا۔

حکمت خان کے ہاتھ بندھے، منہ سے سسکیاں نکل رہیں تھیں، بدن پر زخموں کے نشان تھے

لیکن سردار کی آنکھوں میں ایک لمحے کو بھی رحم نہیں تھا۔ "یہی جگہ ہے..." سردار نے حویلی کے

بیچوں بیچ صحن کی طرف دیکھا،

جہاں رنگین پتھر لگے ہوئے تھے،

جہاں اس ظالم نے بچی کے خواب روندے تھے۔

"یہی زمین، اس کا انجام بنے گی۔" بالا آگے بڑھا،

اس کے پیچھے قبیلے کے مضبوط ہاتھوں والے تین جوانوں نے، پھاؤڑا، کدال، اور خالی خاموشی اٹھا رکھی تھی۔ سردار نے صرف سر ہلایا،

اور زمین کھودنا شروع ہو گئی

پتھر بٹے، مٹی چینی، اور ہر ایک کدال ظلم کا چیرا کھولتی چلی گئی۔ حکمت خان کے ہاتھوں میں کپکپی تھی،

"میں۔۔۔ میں پیسے دوں گا، زمین، گاڑیاں، ہر چیز تمہاری!" وہ لالچ دے رہا تھا

"زمین اور حویلی تمہاری نہیں تھی، وہ بچی کا خواب تھی... جسے تم نے توڑ دیا۔ اب وہی زمین تجھے

نگلے گی۔" سردار کی آواز گونجی

گڑھا مکمل ہوا۔

ایک گہرا، سرد، اور خوفناک گڑھا۔ سردار نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ اور حکمت خان کو ایک جھٹکے میں اندر پھنکا

جس کی سانس ابھی باقی تھی

وہ چیختا رہا چلاتا رہا لیکن بالانے اس پر مٹی ڈالنا شروع کر دی، ایک ایک پھاؤڑا، ایسا لگا جیسے انصاف خود خاک ڈال رہا ہو۔

"یہ قبر نہیں... یہ نشان ہے، ہر اس درندے کے لیے،

جو سمجھتا ہے کمزور چیخ نہیں سکتے۔

لیکن سردار چیخیں سنتا ہے...

سردار قبروں کو جواب دیتا ہے! "سردار کی سرد آواز گونجی، اور حویلی کا صحن لرز گیا۔

پھر سردار نے اپنے ہاتھ سے آخری مٹھی مٹی ڈالی،

پیشانی پر خون کا پسینہ صاف کیا،

"زمین نے اسے لے لیا... اب یہیں دفن ہو گا

اور حویلی اس کے جرم کی گواہ بنے گی،

تا قیامت!"

oooooooo

رات کے سناٹے میں ہر چیز سوچکی تھی، سوائے اکرم کے اندر جلتے اس الاؤ کے جو نہ نیند مانگتا تھا،

نہ رحم۔ قبیلے کے باہر کھڑا، وہ چپ چاپ پہاڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ دھوئیں جیسی سرد ہوا چل رہی

تھی۔ حوالدار پاس آکر سرگوشی میں بولا

"صاحب... میرا خیال ہے آپ کو ڈاکوؤں سے پنگا نہیں لینا چاہیے۔ پہلے بھی انہوں نے آپ کے

ساتھ..." وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

اکرم کی سرخ آنکھیں اس پر جم گئیں۔

"بول دو تم بھی... خاموش مت رہو۔ تمہارے لفظوں میں بھی اگر میرے لیے توہین ہے تو کہہ

دو۔

سب کہہ چکے ہیں... تم بھی مکمل کر لو۔" حوالدار نے نظریں جھکا لیں،

"جناب... میں صرف آپ کا خیر خواہ ہوں۔"

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں آکر کچھ حاصل ہو گا... تو میں یہاں ہی آپ کا انتظار کروں گا۔

اگر کچھ ہوا... تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔"

اکرم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس قبیلے کی حدود کو پار کر گیا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا

○○○○○○○○

۔ قبیلے کے اندر خاموشی تھی۔ نہ مرد، نہ جانور... بس ایک سناٹا، جو اکرم کے ارادوں کو مزید واضح کر رہا تھا۔ وہ ہر طرف دیکھ رہا تھا،

کبھی لمبے میدان کی طرف، کبھی پتھر یلے پہاڑوں کی اونچائی کی طرف۔ پھر وہی نظر...

پہاڑوں پر موجود اُس چوٹی پر جا کی جہاں سردار کی دنیا بستی تھی۔

اکرم کے لبوں پر ہلکی سی، زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

اور قدم اس طرف چل پڑا

○○○○○○○○

دعام کو نیند میں کسی انجان آہٹ نے چونکا دیا۔

آنکھ کھلی تو کمرہ مکمل خاموش تھا۔ ایسا سکوت... جو صرف قبرستانوں میں ہوتا ہے۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا... سردار کہیں نظر نہیں آیا۔

"ڈا۔ ڈاکو۔۔۔ جی..؟" اس نے ہولے سے پکارا، مگر جواب نہ ارد۔ دل کی دھڑکن ایک دم سے تیز ہو گئی۔

وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جیسے ہر دیوار، ہر چیز، اچانک اجنبی لگنے لگی ہو۔

"وہ تو... کبھی بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑتے..."

تو... کہاں گئے وہ؟ "کمرے میں نہ اُس کی خوشبو تھی، نہ قدموں کی آہٹ، نہ سانسوں کی گرمی کچھ بھی نہیں۔ ایک دم سے ایسا لگا جیسے کمرے کی ہر دیوار اس پر جھکنے لگی ہو۔ وہ خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔ کمبل اُس کے وجود سے نیچے گرا۔ قدم فرش پر رکھے، روح تک میں کپکپی دوڑادی۔

"نہیں... ڈا۔۔۔ کو۔۔۔ ایسا نہیں... کر سکتے..."

وہ جانتے ہیں، مجھے اکیلا اندھیرے۔۔۔۔۔ سے ڈر لگتا ہے... تو وہ مجھے اس۔۔۔ طرح چھوڑ کر... کیوں جائیں گے؟"

دل کی دھڑکن اب تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔

پھر... دروازے کے پار، کمرے کی ہلکی سی روشنی میں، ایک سائے کی جنبش ہوئی۔ دعام کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ش... شیر؟ کہیں وہی تو نہیں... جو اس دن مجھ پر جھپٹا تھا؟" وہ دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

سانسیں تھم گئیں۔ کپکپاتی انگلیاں دروازے کی طرف اشارہ کر رہی تھیں، مگر وہ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ دروازے کی اوٹ میں وہ سایہ آہستہ آہستہ کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا.. اور وہ.. خوف سے کانپنے لگی تھی۔ جب اچانک سردار اندر داخل ہوا۔

دعام کی آنکھوں میں خوف اب بھی لرز رہا تھا، لیکن جیسے ہی اس کی نظر اس پر پڑی، دل کو سکون آیا۔ وہ شیر نہیں تھا، وہ تھا... اس کا ڈاکو تھا۔

"ڈا۔۔ کو۔۔ جی!" وہ تیزی سے بھاگی، پردے کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اس کی طرف لپکی، اور سیدھا اس کے سینے میں سمٹ گئی۔

سردار نے فوراً اپنی باہیں کھول دی تھیں۔ جیسے وہ خود برسوں سے اس پل کا انتظار کر رہا ہو۔



دعام اس سے لپٹی، لیکن اگلے ہی لمحے جیسے وہ سارے جذبات، شکوے، خوف، ناراضگی، سب ایک ساتھ اس پر برسنے لگی۔

"آپ تو بہت۔۔۔ محبت کرتے۔۔۔ ہیں نا مجھ سے؟"

اس نے اس کے سینے پر ہلکا سا مکا مارتے ہوئے پوچھا،

"تو پھر۔۔۔ ایسے کیسے۔۔۔ مجھے اکیلا چھوڑ۔۔۔ کر چلے گئے؟ میں ذرا سو کیا گئی، اور آپ۔۔۔ آپ

مجھے تنہا کمرے میں۔۔۔ چھوڑ کر چل دیے؟"

اس کی آواز تھر تھرا رہی تھی، غصے اور خوف کی ملی جلی شدت میں۔

"اگرش۔۔۔ شیر آجاتا تو؟ مجھے کھا جاتا تو؟"

وہ اب اس کے کندھے پر ماتھے رکھے رونے لگی تھی۔

سردار نے گہری سانس لیتے ہوئے اسے اور مضبوطی سے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا، جیسے وہ اس کی

تھر تھراتی روح کو اپنی سینے کی حدت میں پناہ دے رہا ہو۔

"ششش... بس بس... "میری بزدل سائیں، میرا ڈرپوک سجن، اس کے لبوں پر ایک نرم، محبت بھری مسکراہٹ تھی، آنکھوں میں دلکش گہرائی۔

"میرے گلاب سائیں... تم تو میری سانس ہو۔ کیسے سوچا کہ میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں؟ بس ایک لمحے کو کچھ یاد آگیا تھا، تو نکلا، اور فوراً واپس آیا... دل تو یہیں، تمہارے پاس چھوڑ گیا تھا۔" میرا معصوم مکھڑا۔۔۔ دعام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، نم آنکھوں سے، ناراضگی سے۔

"بس؟ ایسے ہی؟ اگر میں مرجاتی تو؟"

سردار نے اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے تھاما، اور اس کے ماتھے پر لب رکھتے ہوئے کہا

"تو میں بھی مرجاتا تمہارے ساتھ۔" تمہارے بغیر سانسیں حرام ہیں مجھ پر۔ وہ شدت سے بولا

تو دعام کا دل دھڑکا، اس کے چہرے پر شرم اور غصے کا عجیب امتزاج ابھرا۔

سردار نے اس کی کمر کے گرد بازو سخت کیے، جیسے اب کبھی چھوڑنے کا ارادہ نہ ہو۔

"تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تمہیں چھوڑ کر جاسکتا ہوں؟"

وہ اس کے نازک چہرے کو اپنی بڑی، مضبوط ہتھیلی میں سمیٹے مدھم آواز میں بولا۔

دعام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، دل ابھی تک لرز رہا تھا۔

"میں اٹھی، تو آپ تھے ہی نہیں... مجھے لگا... آپ..." الفاظ اس کے گلے میں پھنس گئے۔

"ششش..." وہ اس کے لبوں پر انگلی رکھتا آہستہ سے مسکرا گیا۔

"ایسا سوچنا بھی مت، میرے سوہنے مکھڑے۔ تم میری ہو، میرے وجود کا حصہ ہو۔" وہ آہستہ

سے اس کے اور قریب آیا، چہرہ جھکا کر اس کی سانسوں کی گرمی کو محسوس کیا۔

دعام کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، وہ نظریں چرا کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

"میری سانسوں میں بستی ہو تم... تمہیں تنہا چھوڑنا میرے بس میں ہوتا تو تمہیں اس دنیا کا قیدی

ہرگز نہ بناتا۔ اس کے لہجے میں ایسی سرگوشی تھی جیسے رات کے سناٹے میں صرف عشق بول رہا

ہو۔

دعام کے لب کپکپا گئے، وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ اس نے جھک کر اس کے لبوں پر نرم سا بوسہ

دیا۔

اس نے آنکھیں موند لیں، اس کی انگلیاں اس کے بازو پر سرکتی نیچے گئیں تو اس کی سانسیں تیز

ہونے لگیں۔

"ڈاکو۔۔۔ جی... "وہ بس اتنا ہی بول پائی۔

"ڈاکو صدقے۔۔۔۔"

اس کے ہاتھ اس کے کمر کے گرد سخت ہو گئے، لیکن آواز میں اب بھی وہی نمی، وہی طلب تھی۔

دعام نے شرماتے ہوئے اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا۔

جب کہ وہ اس کا چہرہ اپنے سامنے کرتے ہوئے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔ وہ اب بھی اس کے لبوں کی مٹھاس میں ڈوبا ہوا تھا...

دعام کی سانسیں بے ترتیب تھیں، اور سردار کی نظروں میں محبت کا سمندر تھر تھرا رہا تھا۔  
جب اچانک نیچے سے شور کی آواز گونجی۔

قدموں کی تیز چاپ، لوگوں کے چلانے کی آواز، اور پھر ایک سایہ... جیسے کوئی قبیلے کی حدود توڑ کر نکل بھاگا ہو۔

دعام کا وجود خوف سے اکڑ گیا، سردار کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے سنجیدگی اتری، اور پھر اگلے ہی لمحے، دروازے کے باہر سے بالا کی تیز، گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

"سردار! باہر آؤ... فوراً!"

سردار نے ایک آخری بار دعام کی لبوں پر لب رکھے، اسے اپنی نظروں میں تسلی دی، اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

نیچے قبیلے کا میدان بھرا ہوا تھا۔ ہر طرف ڈاکو جمع تھے، سب کے چہروں پر غصہ، حیرت اور بے چینی لکھی تھی۔ بالا تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"سردار... ہماری غیر موجودگی میں کوئی قبیلے میں داخل ہوا۔ کتنا وقت رہا، کیا کچھ کیا، یہ تو پتہ نہیں چل سکا... لیکن ہم جب پچھلی طرف کمروں کے پیچھے سے گزر رہے تھے تو ایک سایہ نظر آیا، جو تمہارے پہاڑ کی سمت تیزی سے نکلا۔"

سردار کی نظریں تیز ہو گئیں، ہاتھ مٹھی میں بند ہو گیا۔ بالا کی آواز سنجیدہ ہو گئی،

"مجھے لگتا ہے وہی تھا... وہی پولیس والا۔ اکرم کے سوا ایسا کوئی نہیں کر سکتا۔"

سردار نے فوراً بات کاٹی، آنکھوں میں گہری چمک تھی۔

"وہ کر سکتا ہے... کیوں کہ وہ وردی کا بندہ ہے۔"

اور وردی کے وفادار لوگ... جان کی بازی لگا دیتے ہیں، لیکن پیچھے نہیں ہٹتے۔"

چلو نیچے۔۔۔" سردار تیز قدموں سے نیچے اتر رہا تھا، اس کے پیچھے دعام بھی دھیرے دھیرے پہاڑ سے نیچے اتر رہی تھی۔ اس کے قدم ہولے تھے، لیکن ارادہ واضح وہ اکیلی نہیں رہنا چاہتی تھی۔ خاص طور پر جب وہ جاگ چکی تھی، تب تو بالکل نہیں۔

سردار نے اپنے قدموں کی رفتار جان بوجھ کر سست رکھی، شاید اسے معلوم تھا کہ وہ پیچھے آرہی ہے... یا شاید وہ چاہتا تھا کہ وہ ساتھ ہی چلے۔ دعام کا وجود خاموش تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں الجھن، خوف، اور ایک بے اختیار سا بھروسا جھلک رہا تھا۔

نیچے قبیلے کے میدان میں ڈاکوؤں کی نظریں تیزی سے پہاڑی سے اترتی دعام پر گئیں... عورت کا بھی اس طرح کے معاملات میں شامل نہیں ہوئی تھی لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔

معاملہ سنگین تھا لیکن فی الحال سب نے خاموش رہنے کو بہتر سمجھا۔

کیونکہ دعام کے سامنے یہ نہیں بتایا جاسکتا تھا کہ سایہ اسی پہاڑی کی سمت سے نکلا ہے جہاں سردار دعام کے ساتھ تھا۔

ایسے نازک لمحے میں... بالا کا صرف ایک ہلکا سا اشارہ کافی تھا۔

سب ڈاکو اپنی جگہ خاموش ہو گئے۔

نہ کوئی بات، نہ کوئی سوال، نہ کوئی شک۔

سردار کا چہرہ سخت اور پرسکون تھا، جیسے وہ سب جانتا ہو لیکن ابھی وقت نہیں آیا۔

دعام اس کے قریب آکر رک گئی تھی۔ وہ نیچی نظریں کیے کھڑی تھی، لیکن اندر ہی اندر کچھ محسوس کر چکی تھی۔

وہ جانتی تھی، نیچے کچھ ہوا ہے... لیکن سردار نے اس سے کچھ نہیں کہا۔

وہ جس طرح تیزی سے نیچے آیا تھا اسے یہی لگا تھا کہ نیچے کچھ ہوا ہے۔ لیکن یہاں تو سب کچھ نارمل تھا۔

"ڈاکو جی یہ سب لوگ یہاں اکٹھے ہیں؟"

وہ دلدار کے برابر آکر سوال کرنے لگی۔ سب نے بندوقیں اٹھا رکھی تھیں، بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دے رہے تھے۔

اس نے بے ساختہ سردار کے بازو کو اپنے دونوں بازوؤں میں لپیٹ لیا تھا۔

"کچھ نہیں، بس یہ سب لوگ ابھی ابھی کام سے واپس آئے ہیں، اب اپنے اپنے کمروں میں جا رہے ہیں۔"

سردار نے اشارے سے ان سب کو وہاں سے بھیج دیا، جو اگلے ہی لمحے وہاں سے غائب ہو گئے۔

"چلو بالا، چائے بناؤ، چائے پی کر ہم بھی واپس چلتے ہیں۔" وہ وہیں چارپائی پر بیٹھنے لگا۔

"میں رات کو چائے نہیں پیتی، اور ویسے بھی میں آپ سے ناراض ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولی۔

وہ سردار کو جھٹکوں پر جھٹکے دے رہی تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ صرف اپنی

ایک ادا سے اس کی جان لے سکتی تھی۔ سردار صدقے، سردار قربان... میرا گلاب سائیں

ناراض کیوں ہے؟ کون سی خطا ہو گئی مجھ سے کہ میرا چھوٹا، معصوم سا سجن مجھ سے خفا ہو گیا؟

بتاؤ، کیسے مناؤں تمہیں؟ ایک حکم کرو سردار، پوری دنیا لا کر تمہارے قدموں میں رکھ دوں

گی!"



اس کے ناراض ہونے پر تو سردار جیسے خوشی سے دوسری سانس بھی نہ لے پایا تھا۔ وہ اس کے گرد حصار بناتے ہوئے اسے اپنے قریب لے آیا، جبکہ بالاخود کو وہاں غیر متعلق محسوس کرتا، چپ چاپ ایک طرف نکل گیا۔

"مجھے نہیں چاہیے پوری دنیا اپنے قدموں میں!" وہ منہ بسور کر بولی،

آپ نے میری نیند کا فائدہ اٹھایا اور چپکے سے کہیں چلے گئے! تو میں ناراض ہوں آپ سے۔ اور تب تک نہیں منوں گی، جب تک..."

"جب تک؟" سردار نے پوری توجہ سے پوچھا۔ اس کے خاموش ہونے پر سردار کا پورا وجود جیسے کان بن گیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کی سوہنا مکھڑا کیا فرمائش کرنے والی ہے۔

اس نے آہستہ سے سامنے درخت کی طرف اشارہ کیا،

"جب تک آپ مجھے کچا آم لا کر نہیں دیتے! تب تک میں اس پر نمک، مرچ، اور چاٹ مصالحہ ڈال کر کھاؤں گی... اور کوئی مجھے روکے گا نہیں! اگر کسی نے روکا، تو میں اور بھی زیادہ ناراض ہو جاؤں گی۔ پھر نہ کھانا کھاؤں گی، نہ کسی سے بات کروں گی، اور نہ ہی اوپر کمرے میں سوؤں گی! بلکہ یہی نیچے، اسی چارپائی پر سو جاؤں گی!"

وہ ضرورت سے زیادہ ہی جذباتی ہو رہی تھی۔ سردار نے اس کی اس معصوم سی فرمائش پر اسے حیرت سے گھورا۔ اور وہ منہ پھیلاتے ہوئے سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھینے لگی۔

"یہاں نیچے چارپائی پر سو گئی، تو شیر آجائے گانا، پھر وہ تمہیں کھا جائے گا..." سردار نے نرمی سے کہا تو وہ اگلے ہی لمحے اس کے ساتھ چپک گئی۔

"آپ تو کہتے تھے کہ شیر مرچکا ہے؟"

"تمہیں پتہ ہے کہ شیر مرچکا ہے؟" سردار نے الٹا سوال کیا،

اس نے خاموشی سے ہاں میں سر ہلایا۔

"تو پھر اوپر کمرے میں تمہیں کون سا شیر کھانے والا تھا جس پر تم اتنی ناراضگی جتا رہی ہو؟" وہ مسکرا کر بولا،

"تمہاری اس ناراضگی کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے۔ اس لیے... سردار تمہاری ناراضگی کو رد کرتا ہے!"

لیکن میں ناراض ہوں نا!" وہ پریشانی سے بولی تھی۔ اس نے تو پوری لاجک کے ساتھ ہی اس کی ناراضگی کو رد کر دیا تھا۔

"میری جان سجن! تم ناراضگی کی کوئی خاص وجہ لے کر آؤ، سردار تمہارے قدموں میں اپنی جان رکھ دے گا۔ لیکن اس طرح کی ناراضگی کے ساتھ ایسی فرمائشیں سوٹ نہیں کرتیں۔ ایسی ضدوں کے لیے تھوڑی سی محنت درکار ہوتی ہے۔"

وہ شرارت سے جھک کر بولا،

"اور محنت والے کام صرف بیڈروم میں، بیڈ پر اچھے لگتے ہیں... میرا چیری پہلوان! اپنی صحت پر تھوڑا دھیان دو، میں زیادہ دن تم سے دور نہیں رہ سکتا۔"

وہ نرمی سے اس کے لبوں کو چھو کر اپنی بے چینیاں بھی عیاں کر گیا۔

دعام غصے سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی، جبکہ بالا چائے لاتے ہوئے پیالہ اسے پکڑا تا خود نیچے زمین پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ اور دعام تو صاف کہہ چکی تھی کہ وہ چائے نہیں پیتی۔

"میں جارہی ہوں اوپر روم میں، مجھے نیند آرہی ہے۔" اس کی نظروں سے بچتے ہوئے، دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف چڑھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ دلدار اسے دیکھ رہا ہے، اس کی نظروں سے بھی وہ تحفظ محسوس کرتی تھی۔

جبکہ اسے جاتے دیکھ کر، بالادلدار کو ساری صورت حال سمجھانے لگا۔

"یہ بات تو دعام کو پتہ نہیں چلنی چاہیے سردار، کہ اس کے کمرے کے آس پاس کوئی غیر موجود تھا۔ اس کا ڈر بڑی مشکل سے ختم ہوا ہے۔ یہ معاملات ہم دعام کو شامل کیے بغیر ہی حل کریں گے۔"

دلدار نے چائے کا آخری گھونٹ لیا، اور اپنی جگہ سے اٹھ کر پہاڑ کی طرف چل پڑا۔ جہاں پہنچتے پہنچتے دعام کو سات آٹھ منٹ لگے تھے، وہاں وہ ایک جھٹکے میں ہی اس کے پیچھے پہنچا، اور اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھالیا۔

دعام نے منہ بنایا اور چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

اس کی معصومانہ ناراضگی پر مسکراتے ہوئے، سردار نے قدم کمرے کی جانب بڑھا دیے۔

oooooooo

دلدار اسے بازوؤں میں اٹھا کر لایا تھا قدموں کے نیچے سخت پتھر یا راستہ تھا، مگر وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے سجن سائیں کے نازک پیر کسی نوک سے بھی چھو جائیں۔ اسے اٹھا کر جیسے اپنے دل کے سب سے نرم گوشے میں چھپا لایا تھا۔

وہ لڑکی جو خفا تھی، مگر اس کے لبوں پر خفا خفا سی ضد بہت حسین لگ رہی تھی۔  
کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی، وہ اُسے لے کر بیڈ کی طرف بڑھا، اور پوری نرمی سے  
لیٹا۔ وہ الگ ہٹنا چاہتی تھی، مگر سردار کو تو جیسے ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ بیڈ پر جھکتے  
ہوئے، اس نے دُعام کی گردن پر اپنے لب رکھ دیے۔ نرمی سے، بہت آہستگی سے۔  
پھر وہ خود کو روک ہی نہ پایا۔

، اس کی گردن سے اس کے رخساروں تک، وہ بے ساختہ لب رکھتا گیا  
اور دُعام کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

، اس کی انگلیاں دُعام کے چہرے کو چھو رہی تھیں

اور اس کے لب، اب اس کی تھوڑی سے نیچے پھسلتے ہوئے گردن پر آ چکے تھے۔  
ایک، ایک بوسہ... دل کی دھڑکن کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ دُعام کی پلکیں بھگنے لگی  
تھیں۔

مگر آنسو نہیں... محبت کی نمی تھی۔

، وہ اس کے کانوں کے قریب جھک چکا تھا۔ سرد سانس اس کے کانوں کو چھو رہی تھی  
وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو سمیٹتا، اس کی گردن کو اور بے خود ہو کر چوم رہا تھا۔

، پھر اس نے دُعام کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا

... اور ہولے سے اس کے لبوں کو چھوا۔ پہلے ایک ہلکی سی چھبن، پھر تھوڑی شدت  
اور پھر وہ لمحہ... جب اس کی سانس، دُعام کے اندر تک اتر گئی۔ دُعام کی کمر میں بازو  
، ڈالے

وہ اسے خود سے اور قریب کر چکا تھا۔

جیسے کوئی خزانہ ہو، جو بکھر نہ جائے، جیسے

اسے چھپا لینا ہو۔ لبوں کی وہ گرفت، ایک پل نہ رکی وہ اس کی گردن، اس کے  
کندھوں، اور بازوؤں تک... بے خودی سے اپنے لمس سے سجا رہا تھا۔ سردار اس کے  
بدن کی حدت میں کھو چکا تھا۔

، ہر سانس، ہر لمحہ

، اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں قید کیے

وہ اس کی سانسوں پر اپنی شدت اتار رہا تھا۔

ہر لمس میں ایک بے چین خمار تھا، شدتوں میں ایک بے قابو جذبہ۔ دُعام کی سانسیں  
، رُک رُک کر آزاد ہو رہی تھیں

اور وہ ان سانسوں کی مہک کو خود میں سمیٹے جا رہا تھا، وہ اس کی گردن سے نیچے  
کندھوں کے بیچ آ چکا تھا، اس کے لبوں کی نرمی اس کے نازک بدن پر بکھرتی جا رہی  
تھی۔

، اس کے ہاتھ، خود بخود اس کے گرد لپٹ چکے تھے

لیکن اگلے ہی لمحے اس کے اندر ایک احساس نے چنگاری سی دوڑا دی۔ وہ جھٹکے سے  
، تھوڑا سا پیچھے ہٹی

اور اس کی پیٹھ پر موجود زخموں پر نگاہ پڑی۔

سینے کی دبی چیخ لبوں پر آ کر رک گئی۔

ڈا... کو... جی... آپ کے زخم "...وہ کانپتی آواز میں بولی، آنکھوں میں فکر مندی اتر " آئی تھی۔

آپ۔۔ کو۔۔ درد ہو رہا ہو گا نا "... اس کا ہاتھ بے ساختہ اس کے سینے کے زخم پر " ، پھسل گیا ،

دلدار مسکرا دیا جس نے شیر کا سامنا کیا تھا، وہ اب محبت کے سامنے بے بس ہو چکا ، تھا لیکن۔ وہ اس کے پاس سے ہٹنے لگی تھی مگر سردار نے آہستگی سے اس کا چہرہ تھام لیا۔

محبت اگر روکنے لگے تو شدتیں بے معنی ہو جائیں گی میرا سوہنا مکھڑا "... اس کے لبوں سے الفاظ نہیں، سانسیں نکلی تھیں۔

اور اگلے ہی لمحے وہ اسے اپنے بازوؤں میں قید کر چکا تھا۔

میری کوئی تکلیف... مجھے تم تک آنے سے روک نہیں سکتی۔ اگر مر بھی رہا ہوں نا... " تو بھی تمہاری قربت کی خواہش ختم نہیں ہوگی، میرا گلاب سائیں... تم نے مجھے دیوانہ " کر دیا ہے۔



اس کے ہونٹوں سے نکلے الفاظ میں ایک بے قابو جنون تھا... وہ جنون جو کسی کی چاہت میں اپنی حدیں پار کر چکا ہو۔

وہ ایک بار پھر اس پر جھک چکا تھا

، اس کی سانسوں پر اپنا سارا وجود وار کر

شدت سے، دیوانگی سے، اس کے لبوں کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

ہلکا سا وزن دُعام کے نازک بدن پر ڈالے، اس نے اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے نرمی سے اس کے کندھے سے فراک نیچے سرکا دی تھی، اور تیزی سے اس کے لب ایک بار پھر حرکت میں آچکے تھے۔

وہ جیسے ہوش کھو چکا تھا، اس کے وجود کی خوشبو نے اسے مدہوش کر دیا تھا۔

لب، گردن، کندھے... ہر جگہ وہ بکھر رہا تھا، چوم رہا تھا، جیسے وہ سب کچھ پا لینا چاہتا ہو اس ایک لمحے میں۔ دُعام، مکمل خاموشی کے ساتھ اس کی شدتیں سہ رہی تھی، سحر زدہ سی، تھمی ہوئی سانسوں کے ساتھ، لیکن وہ۔ شدت پسند تھا۔

... اس کے ہاتھ بے ساختہ اس کے کندھے تک آر کے

مگر اگلے ہی لمحے، وہ اپنی جھجک میں ہاتھ پیچھے کھینچ لیتی۔ وہ زخم تھا۔ دعام اس کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

لیکن جب وہ حد سے زیادہ جنونی ہونے لگا، تو اس کی برداشت جواب دینے لگی۔ اس نے نرمی سے چادر کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا،

ہونٹ کپکپائے، پلکیں بھاری ہو گئیں۔ تبھی اسے اپنے ہاتھ پر گرفت محسوس ہوئی... سردار نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے گرد لپیٹ لیا۔

ایک لمحے کو وہ ٹھٹھک گئی... پھر آہستگی سے آنکھیں میچ لیں، اور خود کو مکمل طور پر... اس کی پناہوں میں سونپ دیا

کہ جیسے اس شدت میں، اس جنون میں... وہی ایک جگہ تھی جہاں وہ محفوظ تھی۔

اس کے زخموں پر دعام کی سخت گرفت نے اسے ایک عجیب سا سکون دیا۔ وہ نرمی سے مسکرا رہا تھا، وہ مسکراہٹ جو اس کے لبوں پر دعام کی قربت میں کبھی کم نہ ہوتی تھی۔

پھر ایک بار پھر اس کے لبوں نے اس کے لبوں کو چھو لیا۔ کوئی تکلیف، کوئی درد، کوئی زخم...

کسی بات کی پرواہ نہیں تھی اسے۔ اسے معلوم تھی تو بس ایک بات اس کی زندگی اس کی پناہ میں تھی، اسی قربت میں جو ہر درد، ہر تکلیف سے دور لے جاتی تھی۔ اس کی آغوش میں،

درد کی کوئی جگہ نہ تھی

، صرف محبت کی گرم خوشبو تھی

جو ہر زخم کو بھلا دیتی تھی۔

oooooooo

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ دلدار باہوں میں سختی سے قید تھی۔

، اس کے سینے پر ایک زخم اب واضح ہو چکا تھا

سفید پٹی پر سرخ خون کے دھبے نمایاں تھے۔

، دعام خواخواہ شرمندہ ہو گئی

اس نے نرمی سے اپنی نازک انگلیاں سرخ دھبوں پر پھیر دیں۔

میری کوئی غلطی نہیں ہے، یہ سب جب کی بے تاب شدتوں کا نتیجہ تھا۔ "رات میں"

تو یہ پاگل ہی ہو جاتے ہیں۔

، لیکن پھر تھوڑی دیر بعد، دل میں کچھ نرم ہوا

، اس کی بند آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا

ایم سوری... شاید غلطی میری تھی۔ "لیکن آپ بھی پورت جن ہیں غلطی آپ کی ہی"

ہے۔ پتہ نہیں کس احساس کے تحت دعام نے نرمی سے اپنے لب اس کے زخم پر

رکھے۔

پھر پیچھے ہٹ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

آنکھیں اب بھی بند تھیں، لیکن اس کے ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔

، پھر کچھ یاد آیا تو اچانک وہ اٹھ کر بیٹھ گئی

، غصے سے اسے گھورتے ہوئے بولی

"ہائے اللہ، میں تو ناراض ہوں"

وہ اس کے ہاتھ کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھ گئی۔

، تو سردار نے آنکھیں کھول کر خفگی سے اسے دیکھا

وہ اسے جھٹک کر دور ہو گئی، آنکھوں میں خفگی تھی، اور منہ پھیر کر واش روم کی طرف چل پڑی۔

میں ناراض ہوں، مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ دلدار حیران تھا، اس کی " ناراضگی میں بھی ایک انوکھی خوبصورتی تھی۔

، اف "میرا ناراض سائیں

، ایسی ناراضگی میں تم اور بھی پٹاخا لگتی ہو

"تمہیں کچھ دیر اور ناراض رہنا چاہیے۔

یہ کہہ کر وہ کمبل اوڑھ کر دوبارہ سو گیا۔

oooooooo

وہ تازہ دم ہو کر باہر نکلی، تو سردار منہ تک کمبل میں لپٹا گہری نیند سو رہا تھا۔

اس نے منہ بنایا، پھر جا نماز پر کھڑی ہو گئی۔

نماز مکمل کر کے اس نے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا کر ایک چور نظر بستر کی طرف ڈالی۔

، اللہ جی، پیارے اللہ جی"

لوگوں کو بیویوں کی قدر کرنا سکھائیں

اگر بیوی کوئی فرمائش کرے تو اسے پورا کرنا سکھائیں

اگر بیوی ناراض ہو تو اسے راضی کرنا سکھائیں

"یہ کیا بات ہوئی کہ بیوی ناراض ہے، اور لوگ گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں؟

یہ تو سچ مچ میں سو گئے ہیں لگتا ہے، آواز اور اونچی کرتی ہوں۔ اس نے شرارت سے "سوچا اور پھر بولی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اتنی تیز چڑیا، جیسی آواز سن کر وہ بے ساختہ اٹھ "بیٹھا تھا

کبل ایک طرف پھینکتے ہوئے، وہ پوری طرح اپنی نظر اس پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اب وہ اس کی سوچوں سے بالکل الگ کام کر رہی تھی۔ سادہ اور معصوم دکھنے والی، لڑکی،

لیکن شرارتی وہ حد سے زیادہ تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سب کر کے وہ اپنے لیے خود مصیبت کھڑی کر رہی ہے۔ وہ ان حرکتوں کی وجہ سے اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا،

اور اگر وہ ایسے ہی ادائیں دکھائے گی تو سردار تو کسی کام کے قابل ہی نہیں رہے گا۔ اس کا دھیان پھر سے اس کی دعا کی طرف گیا

اللہ جی، میں نے کیا مانگا تھا؟"

،پوری دنیا مانگ لی کیا، صرف ایک کیری ہی تو مانگی تھی۔ اب بندی بیمار ہو

بندی پر شیر نے حملہ کیا ہو، تو بیوی کی اتنی سی فرمائش تو پوری کر ہی سکتے ہیں۔

اور اتنا زیادہ محبت کا دعویٰ؟

اللہ جی، اگر آپ نے کسی کے دل میں محبت ڈالی ہے، تو پھر اسے قدر کرنی چاہیے نا محبت کی۔

لیکن یہاں تو کسی کو قدر ہی نہیں۔

دیکھیں، اللہ جی، جیسا کہ آپ کو پتہ ہے، میں ناشکری بالکل بھی نہیں ہوں۔ آپ نے مجھے جو کچھ دیا بہت اچھا دیا، آپ کا بہت بہت شکریہ۔

لیکن اگر مجھے تھوڑا سا اور مل جائے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں۔ میں مانتی ہوں، زندگی امتحانوں سے بھری ہوئی ہے۔

"ماں باپ نے بچپن میں ہی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

، وہ بیڈ پر بیٹھے اس کی آواز میں نمی سی اترتی محسوس کر کے حیران ہوا

اس کی مسکراہٹ کہیں کھو گئی تھی۔



، میں اپنے تایا چاچا، کے رحم و کرم پر پئی"

، اللہ آپ کا شکریہ، آپ نے ہر حال میں مجھے بہتر سے نوازا۔ "وہ ہنس کر بولی

، لیکن کیری۔۔۔۔۔ کیری تو شادی سے پہلے بھی کھاتی تھی نا"

، چپ چپ کے۔ "اور اگر کبھی کسی نے پکڑ بھی لیا

تو اتنی سی بات کے لیے کسی نے مجھے کبھی ڈانٹا نہیں تھا۔ لیکن آپ نے دیکھا، جس

، شخص کو آپ نے مجھے محبت کرنے کے لیے بھیجا

، وہ مجھ سے ڈانٹتا ہے، غصے سے آنکھیں دکھاتا ہے

بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے۔ وہ بھی صرف کیوں؟ ایک کچا آم کھانے کی وجہ

سے۔

صرف ایک چھوٹا سا کچا آم کھانے کی وجہ سے۔

میں نے تو کبھی نافرمانی بھی نہیں کی۔ میں ہر بات مانتی ہوں، پھر بھی ایسا ظالم شوہر ملا

، ہے مجھے۔ اب کی تو آواز میں باقاعدہ لاڈ بھرا ہوا تھا

جیسے وہ اللہ سے نہیں، سچ میں کسی دوست سے بات کر رہی ہو۔ سردار اس کے لہجے پر حیران رہ گیا تھا۔

اللہ جی، میں بتا رہی ہوں، یا تو ڈاکو جی کو اچھا کر دیں۔ یا پھر مجھے مجبور ہو کر شوہر کی نافرمانی کرتے ہوئے چوری چپکے، چپکے آم کھانے جانا پڑے گا۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی،

وہ سمجھ چکی تھی کہ اس کی باتیں کوئی نہیں سن رہا، بلکہ اس کا ظالم اور جابر شوہر گہری نیند سو رہا ہے۔

، اسی لیے اب وہ معصوم سی منمنناہٹ کے ساتھ بول رہی تھی

پورا پورا ارادہ تھا شوہر کی نافرمانی کرنے کا۔

، سردار تو اس کے لہجے پر عیش عیش کر اٹھا تھا

وہ دعاؤں میں اس کے خلاف سازش نہیں کر رہی تھی، اور وہ اس کی معصومیت پر مر مٹا تھا۔

، دیکھیں اللہ جی، میں پہلے ہی معافی مانگ رہی ہوں

مجھے شوهر کی نافرمانی کی سزا مت دیجئے گا

لیکن اب میں مجبور ہو چکی ہوں۔ وہ جیسے دعا ختم کر رہی تھی۔ سردار خاموشی سے دوبارہ لیٹ گیا، وہ بیڈ کروان سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ جب کہ وہ نماز ختم کرتے ہوئے پلٹی،

اس کی آنکھیں کھلی تھیں

وہ بیڈ کے کونے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے نظریں جھکا کر ادھر، ادھر نگاہیں گھمائیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، اس نے جھٹ سے قرآن پاک اٹھا کر اپنے چہرے کے قریب کر لیا۔

ہائے اللہ جی، چھوٹا سا اشارہ ہی کر دیتے"

کہ جن سب کچھ سن رہے ہیں، تو میں اپنا منہ بند کر لیتی، دل ہی دل میں آپ سے باتیں کر لیتی۔" اس کی نرم مگر بلند آواز لاؤڈ اسپیکر کی طرح گونج رہی تھی۔ شاید وہ، یہ دل میں بولنا چاہتی تھی۔

اور پھر ایسی قرآن پاک میں ڈوب گئی کہ

دوسری کوئی چیز نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔

سردار کافی دیر انتظار کرتا رہا، اس کی تلاوت ختم ہونے کا، تاکہ پوچھ سکے کہ ان ساری باتوں کا کیا مقصد تھا، اور وہ نافرمانی کرنے والی تھی۔

، اس بات نے دل میں ہلچل بھی مچا دی تھی

لیکن وہ نہ تلاوت ختم کر رہی تھی، اور نہ ادھر ادھر دھیان دے رہی تھی۔

آخر رت جاگے نے اثر دکھایا، دماغ پر نیند سوار ہوئی، وہ سونے پر مجبور ہو گیا تھا۔

○○○○○○○

، وہ ہر تھوڑی دیر بعد چوری چوری اُسے دیکھ لیتی

پھر نظریں جھکا کر دوبارہ تلاوت میں مشغول ہو جاتی۔ کبھی وہ اس کے چہرے کے

، زاویے پڑھتی

کبھی اس کی آنکھوں کی بند پتلیوں میں اپنی شامت کا عکس تلاش کرتی۔ لیکن جیسے

، جیسے وہ قرآن پاک میں زیادہ ڈوبتی گئی، سردار کا خیال کہیں پیچھے رہ گیا

دل پوری طرح رب کی باتوں میں کھو گیا تھا۔

جب تلاوت مکمل ہوئی، تو اُس نے محبت سے قرآن بند کیا، عقیدت سے چوم کر، آنکھوں سے لگایا،

اور پھر جیسے ہی نظر بیڈ کی طرف گئی

وہ نیند کی گہرائیوں میں اُترا ہوا تھا۔

ایک گہرا، سکون بھرا سانس اس کے لبوں سے نکلا۔

دل جیسے شکر سے بھر گیا تھا۔ نرمی سے الماری کی طرف بڑھی

چادر نکال کر خود پر اوڑھی، پھر مزے سے باہر نکلنے لگی

! آج اس کا پکا ارادہ تھا... پورا قبیلہ گھومنے کا

آخر وہ بھی تو جانے کہ اس قبیلے میں ایسا کیا ہے جو سب کو حیران رکھتا ہے۔

نرمی سے سانس لیتی، چادر کو سنبھالتی، وہ آہستہ آہستہ پتھر یلے راستے پر قدم رکھتی نیچے اتر رہی تھی۔

چند لمحے گزرے ہی تھے کہ دور سے ایک مانوس سا عکس دکھائی دیا۔ جمرو قبیلے کی ایک  
، اونچی جگہ پر کھڑا تھا، شاید کسی کام میں مشغول

مگر جیسے ہی اس نے ہاتھ ہلا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا، جمرو کے چہرے پر ہلکی سی  
مسکراہٹ ابھر آئی۔۔

پھر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔

oooooooo

"اگڈ مارنگ بھابھی"

جمرو نے اُسے دیکھ کر خوش دلی سے آواز دی، "صبح صبح نیچے آگئیں؟ آئیے، آپ کو  
ناشتہ کرواتا ہوں!" وہ مسکراتے ہوئے اس کے آگے آگے چلنے لگا۔

"جمرو بھیا، مجھے بالکل بھی بھوک نہیں لگ رہی۔ ابھی تو مجھے پورا قبیلہ گھومنا ہے"

، وہ جوش سے بولی

یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟ وہ جو بائیں طرف مڑتا ہے، وہ کہاں؟ اور وہ پہاڑی کے پیچھے "کیا ہے؟ اور آپ، آپ اوپر اونچی جگہ کھڑے پیچھے کی طرف کیا دیکھ رہے تھے؟ وہ ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر گئی تھی۔

،جمر و نے بے ساختہ قہقہہ لگایا

"ارے بھابی، آپ تو پورا انٹرویو لے رہی ہیں"

جب یہاں رہنا ہے تو یہاں کے بارے میں سب جاننا تو بنتا ہے نا "وہ ہنستی ہوئی "بولی۔

،جمر و نے سر ہلایا

آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ یہ جگہ بہت بڑی ہے، بہت کچھ ہے دیکھنے کے لائق۔ آپ "نے ایک بار دیکھنا شروع کیا تو دس دن لگ جائیں گے قبیلہ مکمل گھومنے میں۔" وہ ذرا ،سا جھک کر رازداری سے بولا

لیکن جمرو ہے نا، سب سکھائے گا! آپ بس حکم کریں، بتائیں کس طرف چلنا ہے؟ " جب تک میرو ناشتہ تیار کرتا ہے، میں آپ کو تھوڑا بہت قبیلہ دکھا دیتا ہوں۔ " وہ فل جوش سے بوا۔

یہ جو راستہ ہے نا، یہ آگے جا کر پرانے قلعے کی طرف نکلتا ہے "۔...جمرو نے ایک پتھر پلے راستے کی طرف اشارہ کیا۔

اور وہ جو دائیں طرف مڑتا ہے، وہ سیدھا سردار کے آبائی کھنڈرات کی طرف جاتا " ہے، جہاں کبھی ان کے بزرگ رہا کرتے تھے۔

دعام کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، وہ بڑے غور سے ہر طرف دیکھ رہی تھی۔

جمرو نے ایک اور طرف اشارہ کیا، "یہ جو پہاڑ آپ دیکھ رہی ہیں نا، یہ اصل میں پہاڑ نہیں، یہ بھول بھلیاں ہیں۔ ان کے بیچ اتنے راستے ہیں کہ اگر کوئی اکیلا یہاں آ جائے " تو کبھی واپس نہ جا پائے۔

، واقعی؟ " دعام نے حیرت سے سر گھمایا

"یہ سب ... بھول بھلیاں؟"



جی بھابھی۔ سردار نے اپنے ہاتھوں سے یہ راستے بنوائے تھے، اتنے پیچیدہ کہ کوئی " باہر والا تو دور، خود قبیلے کے کچھ لوگ بھی آج تک ان کا راز نہیں جان پائے۔ یہاں آکر ہر کوئی کھو جاتا ہے۔ کسی ایک راستے سے جائیں گے اور کسی دوسرے سے واپس "!" آئیں گے... اور خود کو وہیں کھڑا پائیں گے جہاں سے چلے تھے

اس کی باتیں سن کر دعام کی حیرت اور بھی بڑھ گئی، جیسے دماغ کچھ سمجھنا چاہ رہا ہو اور آنکھیں بہت کچھ دیکھنے میں مصروف ہوں۔

آئیے، میں آپ کو ایک خاص راستے سے لے کر چلتا ہوں۔ یہاں سے آگے چلیں " گی تو صبح کے سورج کی وہ روشنی نظر آئے گی جو پہاڑوں پر سنہری چادر کی طرح بکھرتی ہے... اور کچھ آگے چلیں گی تو دو جھرنے ہیں، جیسے نیلے شفاف آئینے کسی چھپے "ہوئے جنتی منظر کا حصہ ہوں۔

جرم آگے بڑھا اور دعام حیرت سے سحر زدہ نظروں سے اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ قدموں تلے کچے پتھروں کی ہلکی ہلکی آوازیں تھیں، لیکن ارد گرد فضا میں خاموشی تھی پر سکون، قدرتی اور پراسرار۔ —

پھاڑ بلند و بالا تھے، جیسے کسی قدرتی فنکار نے انہیں جوڑ کر ایک عظیم شاہکار تراشا ہو۔  
کہیں دو چٹانیں ایک دوسرے سے الجھی ہوئی تھیں، تو کہیں قدرتی محرابیں بنی ہوئی  
تھیں جن سے روشنی کی کرنیں ایسے گزر رہی تھیں جیسے کسی پرانے مندر کی  
گزر گاہوں میں سورج جھانک رہا ہو۔

ہر موڑ پر نیا منظر، ہر راستے پر ایک نئی حیرت۔ دعام پل پل میں رک رک کر سب  
کچھ آنکھوں میں سمیٹتی، جمرہ سے سوال کرتی، ہنستی، اور وہ اسے سکون سے سمجھاتا  
جاتا۔

جمرہ بھیا... یہ جگہ تو جادو جیسی ہے، جیسے کوئی خواب ہو!" دعام نے دھیرے سے کہا۔  
، جمرہ نے ہنستے ہوئے سر ہلایا

"بس بھابھی، سردار کا قبیلہ ہے... ہر چیز میں راز ہے، ہر پتھر میں کہانی۔"

اور سچ میں، یہ قبیلہ ایک راز تھا... جو جتنا کھلتا تھا، اتنا ہی دل میں اترتا جاتا تھا۔

○○○○○○

بھیا، مجھ سے تو یاد ہی نہیں ہو رہا... ہم یہاں سے گئے تھے یا وہاں سے؟ پھر وہیں " سے واپس آئے یا کسی اور طرف سے؟

وہ الجھی ہوئی نظروں سے میدان کے درمیان کھڑی ہو کر بولی، جیسے کسی چکر دار خواب میں گھوم کر لوٹی ہو۔

،جمر و نے مزے سے قہقہہ لگایا

"بھابھی! ہم یہاں سے گئے تھے اور وہیں سے واپس آئے ہیں۔"

اس نے آنکھوں میں شرارت لیے اسے دیکھا اور انگلی سے درست راستہ دکھایا۔

دعام نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا، "نہیں، مجھے تو بالکل یاد نہیں۔" لیکن دل کے کسی کونے میں ایک یقین سا جاگا تھا کہ جمر و جو کہہ رہا ہے، وہ سچ کہہ رہا ہے۔ وہ تو ہمیشہ سے یہیں تھا، ان پہاڑوں کا راز، ان راستوں کی بھول بھلیاں... سب کچھ وہ جانتا تھا۔

میں تو کبھی یاد نہ رکھ سکوں گی یہ سب کچھ۔ ان راستوں کو یاد کرتے کرتے تو " سالوں لگ جائیں گے، پھر قبیلہ کیسے سمجھوں گی؟

اس کے لہجے میں الجھن اور بے بسی صاف جھلک رہی تھی۔

نقشے سے۔۔۔ "جمرو ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ دعام کی آنکھوں میں چمک سی اتری۔"

، کیا؟ آپ کے پاس نقشہ ہے؟ "وہ پرجوش ہو گئی"

آپ کے ڈاکو جی کے پاس ہے لے لیجیے گا۔

سچ میں ان کے پاس ہے میں ابھی مانگوں گی۔ سچ میں، اگر وہ نقشہ دے دیں تو میں

قبیلے کو یاد کر لوں گی۔ پھر میں چھپ چھپ کر آم کھاؤں گی، بالکل وہیں جا کر

"بیٹھوں گی جہاں آپ نے بتایا تھا وہ جھرنا ہے۔"

وہ آہستہ بولی، جیسے کوئی چوری کا پلان شیئر کر رہی ہو، مگر جمرو نے سن لیا اور اسے

گھورنے لگا۔

ایسے مت گھوریے جمرو بھیا... میرا تو اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ نہ ماں، نہ باپ، "

"نہ کوئی بھائی جو میری چھوٹی چھوٹی خواہشیں پوری کرے۔"

دعام کی آواز دھیمی ہوتی چلی گئی، جیسے وہ کوئی پرانا درد کھول رہی ہو۔

یہاں آکر احساس ہوا، اللہ نے مجھے دو دو بھائی دے دیے ہیں۔ بالا بھیا تھوڑے " سخت ہیں، لیکن آپ... آپ تو بالکل میرے جیسے ہیں۔

اس کی معصوم باتوں پر جمرو کا دل بھی بھر آیا۔ وہ کچھ بول نہ سکا، صرف اسے دیکھتا رہا۔

سوچا تھا آپ سے بہت فرمائشیں کروں گی۔ لیکن ڈاکو جی کے سامنے آپ کی ایک " بھی نہیں چلتی۔ ورنہ میں تو بڑے ڈھاٹ سے کہنے والی تھی... میرے جمرو بھیا میرے " لیے ڈاکو جی سے بھی لڑ جائیں گے۔

اس نے ہنستے ہوئے شرارتی انداز میں کہا، اور جمرو بھی ہنس دیا۔

بھابھی، آپ کی ہر خواہش سر آنکھوں پر۔ میرا بس چلے تو پورا آم کا درخت اکھاڑ " کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔ لیکن آپ کی صحت کا بھی خیال رکھنا ہے۔ سردار " نے کتنا ڈانٹا تھا نا اس دن۔

ڈانٹنا ہی تھا۔ ہمیں بھی کیا سوچھی، بنا سوچے سمجھے درخت پر چڑھ گئے۔ ایک دو آم " توڑ کر چھپ کر کھا لیتے، لیکن نہیں، ہم تو پورا مشن لے کر چڑھ گئے تھے۔

یہ سب بالا کی وجہ سے ہوا! وہ نہ چیختا تو سردار کو پتہ ہی نہ چلتا کہ ہم کہاں ہیں۔ ہر "کام میں اتنا شور مچاتا ہے

جمر و نے بالا کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔

ہاں نا! یہ آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں، جمر و بھیا۔ اگلی بار بالا بھیا کو نہیں شامل "کریں گے۔

دعام نے پر جوش انداز میں کہا، جیسے کوئی پلان پکا کر رہی ہو۔  
ویسے ہم اُس پہاڑ کے پیچھے گئے تھے نا؟ جہاں وہ چھوٹی سی غار تھی، جس کے بارے "میں آپ بتا رہے تھے کہ وہاں کوئی بزرگ نماز پڑھتے تھے؟  
اس نے اچانک پوچھا۔

، جمر و نے نفی میں سر ہلایا اور دوسرے راستے کی طرف اشارہ کیا  
"نہیں بھابھی، وہ غار اس طرف ہے۔"

اووو اچھا اس طرف ہے۔ تو چلیں ایک کام کرتے ہیں... "میں ابھی کچن سے نمک، مرچ اور چاٹ مصالحہ لے کر آتی ہوں۔ بس آپ آم توڑیں، ہم وہیں جا کر بیٹھیں گے، پھر باقی کی پلاننگ وہیں ہوگی۔"

وہ چمکتی آنکھوں اور پرجوش لہجے میں بولی۔

اور پلیز! بالا بھیا کو ان سب میں شامل مت کیجیے گا۔ میری چھوٹی سی خواہش ہے۔ " وہ میرے راز سب کو بتا دیں گے۔ لیکن آپ میرے بھائی ہیں، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ مجھے آپ پر پورا یقین ہے۔ اور میں جانتی ہوں... آپ میری خواہش "پوری کریں گے۔"

،جمرو کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دعام نے آخری وار کر دیا

بھائی ہوتے کس لیے ہیں؟ اپنی بہنوں کی خواہشیں پوری کرنے کے لیے۔ اللہ پاک " نے مجھے آپ جیسا بھائی دیا ہے... میں ہر نماز میں آپ کے لیے دعائیں مانگا کروں گی۔"

جمرو کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ کچھ نہ بولا، صرف ہولے سے مسکرایا۔

اور سنیں "دعام نے جاتے جاتے پلٹ کر کہا، "زیادہ آم مت لائیے گا۔ ڈاکو جی نے "ٹھیک ہی کہا تھا۔ زیادہ کھانے سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ صرف پانچ آم... ٹھیک ہے صرف موٹے والے پانچ!" اب زیادہ کھا کر ہم نے طبیعت خراب تھوڑی کرنی ہے وہ انگلی دکھاتے ہوئے کچن کی طرف روانہ ہو گئی۔

جمرو کے چہرے پر اب فخر تھا، خوشی تھی، اور ایک بھائی ہونے کا احساس کہ اس کی بھابھی نے سب کے ہوتے ہوئے صرف اُسے اپنا بھائی مانا۔

وہ لمحے میں آم کے درخت پر چڑھ گیا، اور پوری ایمانداری سے سب سے اچھے آم توڑنے لگا۔

oooooooo

وہ مزے سے اس چھوٹی سی غار میں آکر چھپی بیٹھی تھی۔ غار کا دہانہ چھوٹا تھا لیکن اندر جا کر وہ جگہ خاصی کشادہ محسوس ہوتی تھی۔ اتنی کہ پانچ چھ لوگ آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ زمین پر نرم سا کالین بچھا ہوا تھا، جس پر ایک وقت میں کوئی بزرگ اپنی عبادتیں کیا کرتے تھے۔



اور وہ... وہ اس مقدس سکون میں اپنی شرارتوں کی چادر بچھا کر جم کر بیٹھی تھی۔

سامنے رکھی پلیٹ میں چاٹ مصالحہ، نمک، مرچ اور ایک چھری موجود تھی۔ وہ مکمل تیاری کے ساتھ جمرو بھیا کا انتظار کر رہی تھی۔

میرو نے اس کے کچن میں آنے پر کسی طرح کا کوئی سوال نہیں کیا تھا اس نے ٹوکری سے پلیٹ نکالی اور پھر آرام سے اس میں نمک مرچی اور مصالحہ ڈال دیا۔

میرو اسے دیکھتا رہا لیکن بولا کچھ نہیں جب کہ وہ کچن سے نکلتی جمرو کے بتائے ہوئے راستے پر نکل گئی تھی۔ اور اب یہاں مزے سے بیٹھے جمرو کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

جب ایک ہاتھ اس کے سامنے آیا اور ایک موٹا، تازہ، رس بھرا کچن آم اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا، وہ خوشی سے چہک اٹھی۔

اف شکر ہے جمرو بھیا! آپ لے ہی آئے، ورنہ قسم سے چاٹ مصالحہ دیکھ دیکھ کر تو "میرے منہ میں پانی آ رہا تھا!" وہ جلدی جلدی آم کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کاٹنے لگی۔

چلیں بیٹھ جائیں! آپ کو بھی آج زندگی کے اصل مزے سے متعارف کرواتی ہوں!" یہ لیں، چکھیں ذرا، اگر سواد نہ آیا تو میرا نام بدل دینا!" وہ بڑے فخر سے آم کی ایک سلائس پر چاٹ مصالحہ چھڑکتے ہوئے ہنسی خوشی اسے اٹھا کر اس کے منہ کی طرف بڑھا رہی تھی۔

لیکن... جیسے ہی نظر سامنے کھڑے شخص پر پڑی، اس کے چہرے سے رنگ ہی اڑ گیا۔

وہ جمرو نہیں تھا۔  
ڈاک۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔ "الفاظ اس کے لبوں پر آ کر منجمد ہو گئے۔"

اس کی آنکھیں، جو لمحہ بھر پہلے شرارت سے چمک رہی تھیں، اب آنکھوں میں خوف لیے ہوئے تھی اس کا دل دھڑکنے کی بجائے جیسے رک سا گیا ہو، اور ہاتھ میں پکڑا آم کی سلائس نیچے گری اور پلیٹ میں گر کر شور مچا گئی۔

oooooooo

رباب کے قدموں میں جیسے آج منوں مٹی بھر گئی تھی۔ ہر قدم اٹھانا دشوار تھا۔ وہ گھر سے نکلی اور گاؤں کی خاموش گلیوں سے ہوتی ہوئی درزن کے گھر کی طرف جا رہی تھی، مگر اس کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے اسے مسلسل یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے، اور آج یہ احساس پہلے سے کہیں زیادہ گہرا تھا۔ ہر موڑ پر، ہر قدم پر اسے محسوس ہوتا جیسے کوئی نگاہ اس پر جمی ہے، کوئی سایہ اس کے پیچھے چل رہا ہے۔ اس نے گھبرا کر مڑ کر دیکھا، لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف خالی گلیاں اور خاموش گھر، جو اپنی دیواروں کے پیچھے ہزاروں راز چھپائے کھڑے تھے۔

دعالم کے سردار کے ساتھ جانے کے بعد سے رباب کی زندگی ہی جیسے بدل گئی تھی۔ اب اس کی صبح گیارہ بجے نہیں ہوتی تھی، بلکہ فجر کے ساتھ ہی گھر میں ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ پورے صحن میں جھاڑو لگاؤ، کنویں سے پانی بھرو، ناشتہ تیار کرو۔ وہ جیسے ایک ملازمہ بن کر رہ گئی تھی، دن رات کام میں جتی رہتی۔ کہاں وہ آرام دہ زندگی جو اس نے برسوں گزاری تھی، اور کہاں اب یہ مشقت! وہ اکتا چکی تھی۔ "آف! اس سے بہتر تو تھا کہ میں سوئی ہی رہتی!" وہ بڑبڑاتی، اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ صاف تھی۔ "میں تو بس ایک نوکرانی بن کر رہ گئی ہوں، صبح سے شام تک یہی کام، کام اور بس کام!"

میری اپنی زندگی جہنم بن گئی ہے دعام کے جانے کے بعد! وہ بڑبڑائی "گھر میں چھ عورتیں تھیں، لیکن کام صرف دعام کرتی تھی اور گھر کو اس طرح سنبھالتی تھی جیسے کوئی جادو کر رہی ہو۔ اب جب کہ دعام نہیں تھی، وہ چھ عورتیں مل کر بھی گھر کا وہ رکھ رکھاؤ برقرار نہیں رکھ پارہی تھیں۔ رباب کے کاندھوں پر بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

واپسی پر اس نے اچانک انسپیکٹر اکرم کو دیکھا۔ وہ حیران رہ گئی، انسپیکٹر اکرم اس کا پیچھا کیوں کرے گا؟ اس سے اس کا کیا لینا دینا ہو سکتا ہے؟ وہ تو پہلے ہی زندگی سے اکتائی ہوئی تھی، اس پر یہ نیا خوف۔

oooooooo

جرم و کادل آج خوشی سے جھوم رہا تھا۔ آج جب دعام نے اسے اپنا بھائی کہا تھا، تو جیسے اس کی پوری دنیا ہی بدل گئی تھی۔ یہ رشتہ محض لفظوں کا نہیں تھا، بلکہ ایک بڑی ذمہ داری اور فرض تھا جسے وہ پوری لگن سے نبھانا چاہتا تھا۔ اسی خوشی میں، وہ قیلے کے سب سے پرانے اور گھنے آم کے درخت پر چڑھا ہوا تھا تا کہ سب سے اچھی اور رسیلی کیریاں توڑ سکے۔ اسے معلوم تھا کہ یہ کیریاں سب کو بہت پسند ہیں، اور وہ اپنی نئی بہن کے لیے بہترین کیریاں چن کر لانا چاہتا تھا۔

اس نے ایک بڑی، پکی کیری ہاتھ میں لی اور مسکرا دیا۔ وہ اسے تھیلے میں ڈالنے ہی والا تھا کہ نیچے سے ایک گہری، بھاری آواز نے اسے چونکا دیا۔

"تم یہاں اوپر کیا کر رہے ہو؟"

آواز میں اتنا رعب تھا کہ جمرو کے ہاتھ سے کیری بمشکل پکی۔ اس نے ڈرتے ہوئے نیچے دیکھا۔ سردار دلدار پوری شان سے درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرا غصہ تھا۔ جمرو نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر اس کا پورا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔

"سردار... سردار!" جمرو ہکلا یا۔ "وہ... وہ میں آم توڑ رہا تھا..."

سردار کا چہرہ مزید سخت ہو گیا۔ اس نے اپنی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر جمرو کو گھورا۔ "کس کی اجازت سے؟" اس کی آواز اتنی تیز تھی جیسے کوئی تیز خنجر چلا ہو۔

"وہ... وہ اصل میں بات یہ ہے کہ..." جمرو کے دماغ میں الفاظ الجھ گئے تھے۔ وہ یہ بتا ہی نہیں پا رہا تھا کہ وہ یہ سب اپنے نئے رشتوں کی خوشی میں کر رہا تھا۔ الفاظ جیسے اس کے گلے میں اٹک گئے تھے۔

سردار نے اس کی گھبراہٹ فوراً بھانپ لی۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں کچھ چمکا، جیسے اسے اندر کی بات سمجھ آگئی ہو۔ اس کی آواز ہلکی سی نرم ہوئی، مگر اس میں طنز صاف تھا۔ "کیا تمہیں یہ سب کرنے کے لیے تمہاری بھابھی نے کہا ہے؟"

سردار کا یہ سوال جمرو کے لیے جیسے ایک دھماکا تھا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا، اور وہ درخت پر ہی جم کر رہ گیا۔ سردار دلدار کی نظریں اس پر جمی تھیں، جیسے وہ اس کی خاموشی میں ہی سارے جواب پڑھ رہا ہو۔

بولو جمرو۔۔۔ "سردار دلدار کا سوال بجلی بن کر جمرو پر گرا تھا۔" کیا تمہیں یہ کرنے کے لیے تمہاری بھابھی نے کہا ہے؟ "جمرو کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے دعاء کا معصوم مسکراتا چہرہ گھوم گیا۔ وہ فوراً درخت سے نیچے اترا۔ اس کے قدموں میں ہلکی سی لرزش تھی، مگر اس کے چہرے پر اب خوف کی بجائے ایک عجیب سی شرمندگی اور نیا عزم تھا۔ وہ سردار کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے سردار کے حکم کو نہ مان کر ایک بڑی غلطی کی تھی، ایسے قبیلے میں جہاں سردار کی اجازت کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا تھا۔

سردار نے اس کی حالت دیکھ لی، مگر اس کے غصے میں کمی نہیں آئی تھی۔ اس کی گرج دار آواز ایک بار پھر گونجی، "سچ سچ بتاؤ، کیا تمہیں یہ کرنے کے لیے تمہاری بھابھی نے کہا ہے؟"

جمر نے ہچکچاتے ہوئے نظریں اوپر اٹھائیں، اور اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو سردار دلدار کے غصے کو بھی لکار رہی تھی۔ اس کی آواز میں اچانک گہرائی اور مضبوطی آگئی، "سردار! وہ معصوم ہے! یتیم ہے! اس دنیا میں اس کا کوئی نہیں! اس کی زندگی میں پہلی بار اسے کوئی رشتہ ملا ہے! کبھی کسی کا پیار نہیں ملا اسے! کبھی کسی نے اس کے نخرے نہیں اٹھائے! اس کی باتیں نہیں مانیں! وہ معصوم سی لڑکی تو دنیا کی ٹھوکروں میں پلے ہے! زندگی میں پہلی بار اسے رشتے مل رہے ہیں! تم اسے کچھ مت کہنا، سردار! وہ بیچاری بہت معصوم ہے!"

جمر نے سردار کے قدموں کے پاس ایک قدم آگے بڑھایا۔ "اس نے مجھے بھائی ہونے کا مان دیتے ہوئے بس ایک چھوٹی سی فرمائش کی، اور میں اس کے لیے وہ فرمائش پوری کرنا چاہتا ہوں!" اس کی آواز میں سچی محبت اور اپنائیت تھی، ایک ایسی محبت جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ "سردار! وہ میری بہن ہے! اس کو کچھ کہنے کے بجائے تم مجھے سو جوتے مار لو!"

جمرو کا پیار اور جذباتی پن ضرورت سے زیادہ ہی سامنے آ رہا تھا۔ نیا نیا بہن کا رشتہ ملنے کے بعد وہ بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا، اور سردار دلدار اس کے چہرے پر یہ صاف دیکھ سکتا تھا۔

سردار کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت ابھری، پھر ایک باریک سی مسکراہٹ آئی جسے شاید جمرو نہ دیکھ پایا۔ اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ دعام نے جمرو کے اسی جذباتی پن کا بڑے اچھے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ لڑکی ضرورت سے زیادہ شرارتی تھی، یہ بات سردار کو صبح اس کی باتوں سے ہی سمجھ آ گئی تھی۔

"توڑ لیے آم...؟" سردار نے اچانک لہجہ بدلتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

جمرو نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے چھپانے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ سردار نے ہاتھ آگے کیا تو اس نے خاموشی سے آم اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اتنی دیر سے وہ سب سے اچھا آم توڑنے کی کوشش میں صرف ایک ہی آم توڑ پایا تھا۔ سردار نے آم کو دیکھا اور پھر ایک پل کے لیے جمرو پر نظر ڈالی۔

"کہاں ہے وہ؟" سردار نے جمرو کو کچھ بھی کہنے کے بجائے الٹا سوال کیا۔ اس کی آواز میں اب وہ پہلے والی سختی نہیں تھی، ایک گہری سی خاموشی تھی جس میں آگے کا ارادہ چھپا تھا۔



جمر و نے فوراً، بنا کسی ہچکچاہٹ کے بتا دیا، "قبیلے کے پیچھے وہ جو غار نہیں ہے جہاں منگاڈا کو نماز پڑھتا تھا؟ وہیں پر چھپ کر بیٹھی ہوئی ہے۔"

سردار نے ایک گہری نظر جمر و پر ڈالی۔ اس کی نظر میں کوئی غصہ نہیں تھا، بس ایک سوچ تھی، ایک پراسرار فیصلہ۔ وہ آم کو ہاتھ میں تھامے، خاموشی سے اس غار کی طرف چلا گیا جہاں دعام چھپی ہوئی تھی۔ جمر و وہیں ساکت کھڑا رہا، سردار کی پشت کو دیکھتا رہا، اس کے دل میں ایک انجانا خوف اور اطمینان ساتھ ساتھ تھا۔

○○○○○○○

دعام غار کی نیم تاریکی میں ڈوبی، جمر و کے انتظار میں بیٹھی تھی، دل خوف اور تجسس کے ملے جلے جذبات سے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اچانک غار کے دہانے پر ایک بڑا سایہ نمودار ہوا اور دعام نے چونک کر دیکھا۔ یہ جمر و نہیں تھا!

اس کے سامنے سردار دلدار کھڑا تھا،

اس کے ہاتھ میں آم تھا۔ دعام کا چہرہ فق ہو گیا، اسے لگا جیسے وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ اس کے ذہن میں تیزی سے یہ خیال گزرا کہ سردار اب اس کے ساتھ کیا کرے گا؟ اس نے جمر و کو

کتنا ڈانٹا ہو گا؟ وہ خوفزدہ تھی، لیکن سردار کے چہرے پر وہ وحشت نہیں تھی جس کا اس نے تصور کیا تھا۔

سردار نے ایک قدم اندر رکھا، اس کی آنکھیں دعام کے چہرے پر جمی تھیں۔ ان میں غصہ یا سختی نہیں تھی، بلکہ ایک گہری، پرسکون چمک تھی، جیسے وہ کسی قیمتی خزانے کو دیکھ رہا ہو۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، جس میں وہ آم تھا۔

پھر سردار نے دھیمی، نرم اور محبت بھری آواز میں اسے پکارا،  
"ارے! میرا معصوم سائیں! یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو، میری جان؟" دعام کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

"معصوم سائیں؟ ہائے اللہ انتا نرم لہجہ،" اس نے سردار سے ایسی نرمی کی توقع نہیں کی تھی۔ وہ تو اسے وحشت کا دوسرا نام سمجھتی تھی۔ اور اس وقت تو وہ اس کے حکم کے خلاف جا کر چوری چوری کچے ام کھانے کی پلاننگ کر کے بیٹھی تھی۔

سردار نے آم اس کے قریب کیا۔

"یہ دیکھو، میری بہادر چوڑی، تمہارے بھائی جمر نے تمہاری خاطر کیا لایا ہے۔"

دعام نے بے یقینی سے آم اور پھر سردار کے چہرے پر دیکھا۔ اس کی نظریں اس کے لہجے میں چھپی محبت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

سردار نے اس کی خاموشی اور خوف کو بھانپ لیا۔ اس نے دھیمی، محبت بھری ہنسی ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ مزید آگے بڑھایا۔

"لے لو، میرا گلاب سائیں! کیا اپنے سردار کا تحفہ نہیں لوگی؟"

دعام نے آہستہ سے، لرزتے ہوئے ہاتھ سے آم تھاما۔ اس کی انگلیاں سردار کی ہتھیلی سے چھوئیں، اور ایک لمحے کے لیے ایک انوکھی گرمی اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔

اس کی آنکھیں سردار پر جمی ہوئی تھیں، جواب بھی اسے گہری محبت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی سختی نہیں تھی،

صرف محبت تھی۔ جو دعام کے لیے بالکل نئی نہیں تھی۔ غار میں مکمل خاموشی تھی، بس ان دونوں کی سانسوں کی آوازیں اور دعام کے دل کی تیز دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔ سردار کا انداز اتنا نرم اور محبت بھرا تھا کہ دعام کے ذہن میں موجود اس کی وحشیانہ تصویر یک دم بکھر کر رہ گئی تھی۔

سردار نے محبت سے اس کے گالوں کو لبوں سے چھوا۔

مجھے معلوم ہے میرا چری پہلوان، کہ تم کچے آم کھانے کی بہت شوقین ہو، اور یقین کرو اگر یہ تمہارے لیے اچھے ہوتے تو میں ڈھیر لگا دیتا لیکن میں تمہاری صحت کے لیے فکر مند ہوں۔ یہ تمہیں بیمار کر سکتے ہیں، میرا ڈر پوک سجن۔ اس کی آواز میں گہری تشویش تھی، مگر ساتھ ہی بے پناہ پیار بھی تھا۔

"لیکن... یہ صرف ایک آم ہے، تمہاری خواہش ہے۔ میں تمہاری کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں چھوڑ سکتا، میرا سوہنا مکھڑا۔" اس نے آم کو آہستہ سے اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک وعدہ تھا کہ وہ اسے کبھی اکیلا یا پریشان نہیں ہونے دے گا۔

ان کی شادی کو اب ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سردار دعام کو سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا، اور اسی کی محبت بھری توجہ نے دعام کو تھوڑا شرارتی بنا دیا تھا۔ وہ جان چکی تھی کہ سردار اس سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور وہ بھی دل سے اس رشتے کو قبول کر چکی تھی۔ محبت نہ سہی، لیکن نکاح کی طاقت پر اسے پورا یقین تھا۔

اور شاید کہیں نہ کہیں محبت بھی جاگ رہی تھی جس سے وہ بھی واقف نہیں تھی

دعام نے آم کا ایک ٹکڑا اٹھایا، اس پر خوب چاٹ مصالحہ چھڑکا اور اپنی آنکھوں کے شرارتی رد عمل کو دیکھتے ہوئے اسے کھانا شروع کر دیا۔ سردار صرف مسکراتے ہوئے، محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر دعام نے ایک ٹکڑا سردار کی طرف بڑھاتے ہوئے آفر کی،

"آپ کھائیں گے؟" بہت مزے کا ہوتا ہے ٹرائی کریں آپ کو اچھا لگے گا۔

سردار پہلے حیران ہوا، کیونکہ اس نے اس طرح کی چیزیں پہلے کبھی بھی نہیں کھائی تھیں اور جس طرح دعام چاٹ مصالحہ ڈال ڈال کر کھا رہی تھی، اسے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ "کچا مصالحہ کون کھا سکتا ہے بھلا؟" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

لیکن دعام کی آنکھوں میں چمک اور اس کی معصوم پیشکش دیکھ کر سردار کے لبوں پر ایک نرم مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر تم اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ گی تو زہر بھی کھالوں گا، میرا سجن سائیں،" سردار نے محبت بھری آواز میں کہا، اس کی آنکھوں میں بے پناہ چاہت جھلک رہی تھی۔

وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے ایک سلاؤس اس کی طرف بڑھاگئی۔ سردار نرمی سے اپنے ہاتھ کی گرفت میں اس کا ہاتھ لیتے ہوئے، اس کی انگلیوں کو اپنے لبوں سے چھوتے اس سلاؤس کو منہ میں رکھ گیا۔

لیکن نمک، تیکھی مرچ اور مصالحے کا عجیب سا ذائقہ اس کے منہ میں بھر سا گیا جو اسے حیرت سے دعام کو گھورنے پر مجبور کر گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا، جیسے وہ اس غیر متوقع ذائقے کی شدت سے گنگ رہ گیا ہو۔ سردار کا ہاتھ ابھی بھی دعام کے ہاتھ میں تھا، مگر اب اس کی گرفت میں ایک حیرت انگیز ٹھہراؤ تھا، اور اس کا چہرہ بنا کسی لفظ کے بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

دعام اس کی آنکھوں میں اپنا ہی عکس دیکھ رہی تھی، اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ سردار نے اس کی خاطر یہ تیکھا ذائقہ بھی قبول کر لیا ہے۔

دعام ہونٹ بھیچنے، آنکھوں میں شرارت بھری مسکراہٹ لیے تیزی سے مصالحے دار چیز کھا رہی تھی کہ سردار نے پلیٹ چجن لی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے سائے گہرے تھے۔

"تم یہ کیا کھا رہی ہو، میرا گلاب سائیں؟ اتنا تیز نمک مرچ! جانتی ہو تمہاری صحت کے لیے کتنا خراب ہے؟ تم ایسا کیسے کھا سکتی ہو؟" اس نے فکر مندی سے دعام کا چہرہ دیکھا، جس پر پسینے کے قطرے نمودار ہو چکے تھے۔

دعام نے فوراً پانی کا گلاس اٹھایا اور سردار کے لبوں سے لگا دیا۔ اس کی یہ حرکت بے ساختہ تھی، مگر جس انداز میں سردار نے آنکھیں میچیں، دعام سمجھ گئی کہ تیز نمک مرچ کا ذائقہ اس کے سر تک چڑھ چکا ہے۔ سردار نے گلاس دور ہٹایا اور گہری سانس لی۔

سجن سائیں! سب کچھ کھانے کے قابل ہر گز نہیں ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنا سا بھی اتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ تم یہ سب کچھ نہیں کھا سکتی اور نہ ہی میں تمہیں یہ سب کچھ کھانے کی اجازت دوں گا۔

اس نے دعام کے ہاتھ سے پلیٹ لی اور ایک طرف رکھتے ہوئے، اس کی پیاری کیری اٹھا کر بہت دور پھینک دی۔ دعام تو صدمے سے کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تیر رہی تھی۔

"ڈا۔۔۔ ڈاکو۔۔۔ جی۔۔۔" اس کے منہ سے ہکلاتے ہوئے صرف یہی لفظ نکلے۔

"خاموش! بالکل خاموش! آواز نہ آئے مجھے تمہاری! تم یہ سب کھاتی ہو میرا معصوم سائیں! لگتا ہے تمہیں کہ اس طرح کی چیزیں کتنی نقصان دہ ہو سکتی ہیں؟ اندازہ بھی ہے؟ تمہارے معدے کا بیڑا غرق کر دیں گی!" سردار نے اپنے گلے میں جلن محسوس کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندر تک تیز مصالحو بہت زیادہ لگا تھا۔

جب کہ سامنے کھڑی معصوم سی لڑکی نے ضرورت سے زیادہ معصوم چہرہ بنا رکھا تھا۔ شرارت تو کہیں بہت دور چھپ گئی تھی۔ دعام کی آنکھوں میں اپنی کیری کی اس بے حرمتی پر موٹے موٹے آنسو آگئے تھے۔ وہ سچ مچ میں رو دینے کو تھی جب سردار نے اچانک اسے پکڑا اور اپنے قریب کرتے ہوئے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم نے رونا دھونا کرنا ہے؟ یہ کندھا میسر ہے، میرا سوہنا مکھڑا! جتنا رونا ہے رولو، لیکن اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ اس طرح ہونٹ باہر لٹکا کر یا آنکھوں میں پانی لا کر تم مجھے میرے فیصلے سے پیچھے ہٹا سکتی ہو تو ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔"

اس نے دعام کی کمر پر تھکی دی۔

۔ "تم نے صبح سے ناشتہ نہیں کیا، جمر و تمہارا ناشتہ لگو اچکا ہو گا۔ چلو، میری چیری پہلو ان!"



"مجھے کچھ نہیں کرنا!" دعام غصے سے اس کے سینے سے الگ ہونے کی کوشش میں تھی۔

جب کہ وہ اسے خود میں چھپائے، مضبوط قدموں سے قبیلے کی طرف بڑھ چکا تھا۔ اب وہ ہاں کرتی یا نہ کرتی، اس کے سامنے کون سا اس کی چلنی تھی۔

ہاں لیکن اس کی شرارتوں سے تنگ آتے ہوئے وہ اسے اپنی باہوں میں اٹھا گیا تھا

oooooooo

سردار دعام کو گود میں اٹھائے ہوئے قبیلے کی طرف بڑھ رہا تھا، دعام اس کے سینے پر سر رکھے ابھی تک منہ بسور رہی تھی۔ سردار نے اسے آرام سے زمین پر اتارا، جہاں دسترخوان بچھا ہوا تھا اور طرح طرح کے پکوان سجے تھے۔ گرم گرم پراٹھے، تازہ مکھن، شہد، دہی اور کئی طرح کی سبزیاں اور پھل موجود تھے۔ جمر و جو پہلے ہی دسترخوان پر موجود تھا، انہیں دیکھ کر مسکرایا اور دعام کے لیے خاص طور پر اس کا پسندیدہ حلوہ آگے بڑھایا۔

"چلو ناشتہ کر لو، سجن سائیں۔" سردار نے نرمی سے کہا، اس کی آواز میں گہری محبت تھی۔

"تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ یہ تمہاری صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔"

دعام نے اپنا چہرہ موڑ لیا اور نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے کچھ نہیں کھانا۔" اس کی آواز میں ضد صاف جھلک رہی تھی۔ سردار مسکرایا۔

ایسا کیسے ہو سکتا ہے، میرا سوہنا مکھڑا؟ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور اب ناشتہ بھی نہیں کرو گی؟" اس نے ایک پراٹھا اٹھایا اور اس پر مکھن لگاتے ہوئے دعام کے قریب کیا۔

"دیکھو کتنا لذیذ لگ رہا ہے۔ تمہاری پسند کا پراٹھا ہے، خاص تمہارے لیے بنوایا ہے۔"

دعام نے ایک نظر کھانے پر ڈالی، اس کی ناک پر بل پڑ گئے تھے۔ "نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔"

سردار نے لمبی سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کی ضد ہے۔ اس نے بڑے پیار سے دعام کا ہاتھ تھاما۔ "میری بات مان لو میرا گلاب سائیں، تھوڑا سا کھالو۔ تم کمزور ہو جاؤ گی تو مجھے پریشانی ہو گی۔" اس نے اسے ایک لقمہ کھلانے کی کوشش کی۔

دعام نے اپنا منہ بند کر لیا اور اسے کھلانے نہ دیا۔

میں نے کہا نہ، نہیں کھانا۔" اس کی آواز مزید اونچی ہو گئی۔

"مجھے بھوک نہیں لگی۔ میں تو اس کیری کے غم میں ہوں۔" جو آپ نے اتنی بے رحمی سے

پھینک دی۔ وہ غصے سے منہ بناتے ہوئے بولی

سردار نے لمحہ بھر کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں، پھر کھولیں۔

اب یہ کچھ زیادہ ہو رہا تھا وہ ایک کیری کے لیے اپنی بھوک پیاس نہیں مار سکتی تھی اتنا بھی لاڈ وہ

اسے دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، کہ وہ ذرا سی ضد پر خود کھانا پینا چھوڑ کر بیٹھ جائے۔ اس کی

آنکھوں میں نرمی کی جگہ اب ہلکی سی سختی نمایاں ہو چکی تھی۔ اس نے دعام کی آنکھوں میں

دیکھا، اس کی نگاہیں کسی آہنی دیوار کی طرح مضبوط تھیں۔ دعام جو اتنی دیر سے نخرے دکھا رہی

تھی، سردار کی آنکھوں کی وہ سختی دیکھ کر ایک دم چپ ہو گئی۔ اس کی شرارت غائب ہو گئی اور

ایک لمحے میں اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

سردار نے پراٹھے کا ایک اور لقمہ توڑا اور اس کی طرف بڑھایا، لیکن اس بار اس کے لبوں پر

مسکراہٹ نہیں تھی۔

"اب بنا کسی چوں و چراں کے یہ کھالو، میرا معصوم سائیں۔" اس کی آواز دھیمی تھی، لیکن اس

میں ایک غیر محسوس دباؤ تھا جسے دعام اچھی طرح سمجھ گئی۔

دعام نے خاموشی سے منہ کھولا اور سردار کے ہاتھ سے لقمہ لیا۔ اس نے چپ چاپ کھانا شروع کر دیا، اس کی نظریں پلیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ سردار اسے خاموشی سے ناشتہ کرتے دیکھتا رہا، اس کے چہرے پر اطمینان کا تاثر لوٹ آیا تھا۔

○○○○○○○

آج کل گھر میں پانی کا مسئلہ بھی بڑھ گیا تھا۔ نل میں پانی نہیں آتا تھا، اس لیے پینے کا پانی کنویں سے لانا پڑتا تھا۔ آج بھی وہ سمیرا سے لڑ کر کنویں پر پانی بھرنے آئی تھی،

اور یہاں بھی اسے وہی احساس پھر سے ہونے لگا۔ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر جب وہ ڈول کنویں میں ڈال رہی تھی، اسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ تیزی سے مڑی، لیکن کوئی نہیں تھا۔ صرف سورج کی تیز روشنی اور کنویں کے گرد جھاڑیاں۔

یہ احساس، یہ پراسرار تعاقب اسے ڈرا رہا تھا، اس کی راتوں کی نیندیں حرام کر رہا تھا۔ کیا واقعی کوئی اس کا پیچھا کر رہا تھا؟ یا یہ صرف اس کے تھکے ہوئے ذہن کا وہم تھا؟ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

اپنی سوچوں میں گم، رباب تیزی سے پانی بھر کر گھر کی طرف لوٹ رہی تھی کہ ایک بار پھر گلی کے نکڑ پر اسے انسپیکٹر اکرم نظر آیا۔ یہ آدمی یہاں کیا کر رہا تھا؟ اور ہر اس جگہ کیسے ہو سکتا تھا جہاں وہ جا رہی تھی؟

کل شام کو وہ ابا کے ساتھ موٹر سائیکل پر شہر جا رہی تھی اپنے بی اے کے کاغذات جمع کروانے کے لیے، لیکن تب بھی یہ انسپیکٹر اکرم وہیں کھڑا تھا۔ اور آج بھی وہیں! کیا اسے کوئی غلط فہمی ہو رہی تھی یا انسپیکٹر اکرم سچ میں اس کا پیچھا کر رہا تھا؟

"تم کافی زیادہ کام کرتی ہو،" وہ آہستہ سے چلتا ہوا اس کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔ رباب کے ماتھے پر بل نمایاں ہوئے۔

"گھر کا کام تو ہر کوئی کرتا ہے، اس میں ایسی کون سی بری بات ہے؟" اس نے سخت، تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"اور آپ آج کل گاؤں میں کچھ زیادہ ہی نہیں نظر آرہے؟"

"رباب، میرا کام گاؤں کی حفاظت کرنا ہے،" اس نے اپنی وردی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نرم لہجے میں وضاحت کی۔

یہ یونیفارم میں نے اس گاؤں کے محافظ کے روپ میں پہنی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے، تو آپ اپنا کام کریں،" وہ کہہ کر آگے بڑھنے لگی۔

"میں تمہارے گھر رشتہ لانا چاہتا ہوں، اگر تم اجازت دو تو..."

اس کی بات سنتے ہی رباب کے قدم جیسے زمین سے جڑ گئے تھے۔ وہ حیرت سے پلٹ کر اسے

دیکھنے لگی، جیسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"رباب، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔ "جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا، تبھی سے مجھے اپنی

زندگی میں بالکل تمہارے جیسی لڑکی کی تلاش تھی۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟ میں تمہارے

گھر رشتہ لے کر آنا چاہتا ہوں۔"

اس کی نظریں رباب کے چہرے پر جمی تھیں، جیسے اس کے ہر تاثر کو پڑھ لینا چاہتا ہو۔

"میں چاہتا ہوں کہ یوں بہانے سے دور دور سے تمہیں دیکھنے کے بجائے، ہمیشہ کے لیے اپنا بنا

لوں۔ مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے، الحمد للہ میں سرکاری ملازم ہوں، اچھا خاصا کماتا ہوں۔ تمہاری

ساری خواہشیں پوری کر سکتا ہوں۔"

ایک لمحے کو اس کی آواز میں دکھ کی ہلکی سی لہر آئی، "میرے والدین حیات نہیں ہیں، کوئی نہیں ہے میرا اس دنیا میں۔ تمہارے گھر اگر چاہتا تو سیدھے طریقے سے رشتہ لے آتا، لیکن میں اس رشتے میں تمہاری مکمل رضامندی چاہتا تھا۔ اسی لیے سوچا کہ پہلے تم سے آکر یہ سوال کرتا ہوں۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا، جبکہ رباب کو تو سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا جواب دے۔ اس کا دل سینے میں زور زور سے دھڑک رہا تھا اور دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔

"تم سوچ سمجھ کر، پرسکون ہو کر مجھے جواب دے دینا۔ میں تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔" وہ کہتے ہوئے وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ اس کے قدموں میں تیزی تھی، جیسے وہ وہاں مزید رکنا نہیں چاہتا تھا۔ رباب کتنی ہی دیر تک وہیں، کڑی دھوپ میں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ہزاروں خیالات کا ہجوم تھا، اور وہ خود کو ایک بھنور میں محسوس کر رہی تھی۔

oooooooo

گھر آنے کے بعد رباب مسلسل انسپیکٹر اکرم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کا ذہن عجیب کشمکش کا شکار تھا۔

"وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا!" یہ خیال اسے بار بار حیران کر رہا تھا۔

رباب آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی۔ سمیرا اور صفا، جو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھیں، اس کے ہوتے ہوئے اس کی نظریں رباب پر کیسے ٹھہر سکتی تھی۔

اکرم کی نظر اسی پر کیسے اٹک گئی تھی؟ یہ سوال اس کے اندر عجیب سی بے چینی پیدا کر رہا تھا۔ اور ویسے بھی، وہ تو گھر کی تیسری بیٹی تھی! اس سے پہلے سمیرا اور صفا کی باری تھی، جن کے رشتے ابھی تک طے نہیں ہوئے تھے۔ اگر وہ انسپیکٹر اکرم کے رشتے کے لیے ہاں کر بھی دیتی، تو بھی شادی فوراً نہیں ہونی تھی، بلکہ اسے اپنی بہنوں کی شادی کا انتظار کرنا پڑتا۔ یہ بات وہ گھر پر خود کیسے کرتی؟ اسے یہ سوچ کر ہی گھبراہٹ ہونے لگی۔

پھر اسے اکرم کی "چار دن والی محبت" پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ اسے دیکھتے ہی وہ اس پر مر مٹا ہو؟" رباب کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔



هاں، وہ کسی کو کچھ کہنے نہیں دیتی تھی، اپنی مضبوط شخصیت کے پیچھے اپنے جذبات چھپالیتی تھی، لیکن اپنی ظاہری خوبصورتی پر وہ اتنا یقین نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی اسے ایک نظر دیکھ کر ہی شادی کا فیصلہ کر لے۔ اسے لگایہ محض ایک اتفاق ہے، یا شاید اکرم کی کو محبت ہو بھی سکتی تھی۔ اس کے اندر شکوک و شبہات کا طوفان برپا تھا۔

○○○○○○○

ناشتہ کرنے کے بعد دعام اپنی جگہ سے اٹھی اور سیدھی اس چٹان کی طرف جا کر بیٹھ گئی جہاں جمر و صبح اسے کھڑا نظر آیا تھا۔ یہ جگہ واقعی بہت دلکش تھی۔ یہاں سے دوسری طرف پانی بہنے کی مدھم آواز آتی تھی، تازہ ہوا میں ایک ہلکی سی خنکی تھی جو دل کو بھاتی تھی۔ حالانکہ اس جگہ بیٹھ کر جمر و دن کے آغاز میں قبیلے کے باہر کی طرف سے آتے لمبے راستوں کی نگرانی کیا کرتا تھا،

مگر آج اس کی نظریں بے چینی سے دعام پر ہی جم کر رہ گئی تھیں۔

وہ سردار کے مزاج سے خوب واقف تھا، اور جان چکا تھا کہ جب سردار کی "سرداری" ناراض ہو، تو سارا ماحول ہی بدل جاتا ہے۔

"سردار، بھابھی بہت زیادہ ناراض لگ رہی ہیں،" بالاناشتہ کے بعد سردار کے پاس آکر بیٹھا، جو سکون سے دعام کو ناشتہ کروانے کے بعد اب باقی معاملات پر غور کر رہا تھا،

ہاں لیکن نگاہیں بار بار اس چٹان کی طرف بھی جارہی تھیں جہاں اس کی روٹھی ہوئی "سجن سائیں" بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

"بہت نہیں، بہت زیادہ ناراض ہے،" سردار نے دعام کی طرف سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اب ذرا جمرو کی طرف دیکھا جو بس کب سے بیٹھا کھائے جارہا تھا، کھائے جارہا تھا۔

انداز ایسا تھا جیسے اگر کھانا چھوڑے گا تو سردار کی دربار میں حاضری دینی پڑنے گی اور پھر موت پکی تھی۔

آخر سردار کی سرداری اسی کی وجہ سے تو ناراض ہوئی تھی۔

جمرو کی اس بھوک اور غفلت کو دیکھ کر سردار نے ایک بے اختیار مسکراہٹ دبائی، اس کے ہونٹوں پر ایک شرارتی سی لکیر ابھری، مگر پھر اس کی نظریں دعام کی طرف چلی گئیں، جہاں اس کی اصلی فکر موجود تھی۔ اسے اپنی دعام کو منانا تھا۔

○○○○○○○

تھوڑی دیر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کے بعد، سردار اٹھ کر اس چٹان کی طرف آیا۔ جہاں دعام بیٹھی تھی۔

اس کے قدموں میں ایک ٹھہراؤ تھا، اس کی چال میں وہی پرسکون خود اعتمادی تھی جو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔

وہ آہستہ سے آیا اور دعام کے ساتھ ہی پتھر پر بیٹھ گیا۔ دعام نے اسے اپنے ساتھ پتھر پہ بیٹھے دیکھا تو فوراً منہ بناتی، چہرہ پھیر گئی۔

اس کی ناراضگی اس کے چہرے پر صاف لکھی تھی۔ اس کی آنکھیں خفا تھیں اور ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ناراضگی کو کسی بھی صورت کم ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میرایار سجن، میراروٹھاسائیں، اتنا بھی ناراض نہیں ہوتے،" سردار نے اپنے مخصوص، شہد سے میٹھے لہجے میں اسے پکارا، جو صرف وہ دعام کے لیے استعمال کرتا تھا۔

اس کی آواز میں ایک ایسی نرمی تھی جو دنیا والوں کے لیے وحشت کا نام رکھنے والے سردار کے لیے اجنبی تھی۔

اس نے اپنا ایک ہاتھ دعام کے ہاتھ پر رکھنا چاہا، مگر دعام نے تیزی سے اپنا ہاتھ ہٹالیا۔

دعام نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ابھی بھی غصہ بھرا تھا۔ پھر دوبارہ منہ پھیرا۔

اور ایسے موٹی موٹی آنکھوں سے گھورنے کے بعد ایسے پیار بھی نہیں جتاتے!، گھوریں نا، ویسے ہی اب کیوں پیار آرہا ہے؟" اس کی آواز میں چڑی ہوئی ناراضگی تھی،

جو اس کے اندر کی بے چینی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں بالکل اچھی بیوی نہیں ہوں! کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات کرنے کی۔" وہ فل ناراضگی دکھانے کے موڈ میں تھی،

اس کی ہر بات میں خفگی جھلک رہی تھی، مگر اس کے اندر کہیں نہ کہیں یہ بھی تھا کہ سردار اسے منائے، اسے یہ یقین دلائے کہ وہ اس کے لیے اہم ہے۔

سردار نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ دعام کے مزاج سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ ظاہری ناراضگی دراصل اس کے اندر کی چھپی ہوئی چاہت ہے۔

اس کی یہ میٹھی ناراضگی سردار کے لیے کتنی اہم تھی اگر وہ جان لیتی تو شاید کبھی راضی ہی نہیں ہوتی۔

"میرا میٹھا سائیں،" اس نے دوبارہ پیار سے پکارا۔ "تم ناراض ہوتی ہو تو یہ سارا جہاں روٹھ جاتا ہے۔ تم خود بتاؤ، کیسے مناؤں تمہیں میری ڈرپوک شیرنی" اس نے آہستہ سے دعام کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا، اس بار دعام نے مزاحمت نہیں کی۔

سردار کے لمس میں ایک ایسی گرمی تھی جو دعام کے دل کو پگھلانے لگی تھی۔

"میں کوئی ڈرپوک شیرنی نہیں ہوں،" دعام نے دھیمی آواز میں کہا، اس کی آنکھوں میں ہلکا سا پانی تیرنے لگا تھا۔

"بس مجھے یہ سمجھ نہیں آرہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ... وہ میری کچے آم کی کیری... کتنے مزے کی تھی" اس کی آواز میں ایک عجیب سی الجھن اور معصومیت تھی۔

سردار نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھا،

- "ہائے میرا معصوم سائیں، یہ بات ہے ناراضگی کی؟" اس کے لہجے میں ایک شرارت تھی۔

اسے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ اب تک جو روٹھی بیٹھی ہے وجہ کہیں نہ کہیں یہ کچے آم ہی تھے "وہ تمہاری صحت کے لیے اچھی نہیں تھی۔ میں تمہیں اس طرح کی کچی چیزیں نہیں کھانے دے سکتا جو تمہاری صحت کی دشمن ہوں۔" اس نے نرمی سے سمجھایا۔

"ہاں، لیکن اس کی جگہ میں تمہاری کوئی اور بات مان لوں گا۔ بتاؤ تمہیں کیا چاہیے؟ یہ الٹی سیدھی چیزیں کھانے کے بجائے تم مجھ سے پوری دنیا مانگ سکتی ہو!" اس کے لہجے میں بھرپور اپنائیت اور پیار تھا۔

دعاً نے ایک دم سے اپنا چہرہ سردار کی طرف کیا، اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"پوری دنیا؟ پوری دنیا کا میں نے اچار نہیں ڈالنا!" اس کا لہجہ ابھی بھی چڑھا ہوا تھا،

مگر اس کے اندر کی ناراضگی میں کچھ کمی آچکی تھی۔

"اور اچار تو میں تمہیں ان کیریوں کا بھی نہیں ڈالنے دوں گا، میرا گلاب جامن!"۔ سردار نے مسکراتے ہوئے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں، اس کے ہونٹوں پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ بہت برے ہیں! مجھ سے بات نہ کریں!" دعام نے دوبارہ منہ پھیرا، مگر اس کے لہجے میں اب وہ شدت نہیں تھی۔ یہ بس اس کی آخری ناراضگی کا اظہار تھا۔

"اچھا چلو میں برا سہی،" سردار نے اس کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"مگر میرا شیر دل بہت اچھا ہے! وہ کبھی میرے سوئے مکھڑے کو ناراض نہیں کرتا۔" اس نے اپنے گھوڑے کا ذکر کرنا شروع کیا، اور گھوڑے کا نام سنتے ہی دعام کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔

"آج میں تمہیں اس کی سواری کرواؤں گا، میرا چیری پہلوان!" سردار نے اس کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دی۔ "روز تمہارے بہانے نہیں چلیں گے۔ بس آج تو میں اس کی سواری کرنی ہوگی۔ کتنے دنوں سے وہ تمہارا منتظر ہے، جس دن سے ہماری شادی ہوئی ہے وہ تمہاری طرف سے نظر کرم کا انتظار کر رہا ہے۔" اس نے ایک شرارتی نظر دعام پر ڈالی،

وہ اس کا بازو تھام کر اچانک ہی اسے چٹان سے نیچے اتروانے لگا۔

دعام "نہیں نہیں" کرتی رہ گئی، اس کی آنکھوں میں خوف صاف جھلک رہا تھا، مگر وہ اسے اصطبل کے پچھلی طرف لے کر جاتے ہوئے اس کی کسی بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔

سردار کے لیے اس وقت دعام کا خوف محض ایک دلچسپ کھیل تھا۔ وہ اسے اپنے شیر دل سے ملوانا چاہتا تھا،

اور اس کے خوف کو محبت میں بدلنا چاہتا تھا۔ دعام کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، اسے گھوڑوں سے ڈر لگتا تھا، اور سردار اس بات کو خوب جانتا تھا۔ وہ اس کی مزاحمت کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے اصطبل کی طرف کھینچتا چلا گیا۔

○○○○○○○

جیسے ہی وہ اصطبل کے قریب پہنچے، دعام نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو سردار کی گرفت سے چھڑایا اور تیزی سے اصطبل کے پیچھے موجود بھاری بھر کم گھاس کے ڈھیر کے پاس چھپ گئی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح شیر دل اسے دیکھ نہ پائے۔

اس کی چھوٹی چھوٹی معصومانہ حرکتوں پر سردار کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔



اسے دعام کا یہ ڈر اور بھی بھلا لگ رہا تھا۔ سردار نے سر ہلایا اور ایک چور نظر اس کی چھپنے کی جگہ پر ڈال کر خود ا صطبل کے اندر چلا گیا۔

وہ جانتی تک نہیں تھی کہ یہ جگہ شیر دل کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی اور رسی سے آزاد ہونے کے بعد وہ سب سے پہلے یہی پر آتا تھا

اندر جاتے ہی سردار نے سب سے پہلے شیر دل کو مخاطب کیا۔

شیر دل لگتا ہے آج تمہاری مالکن تھوڑا شرمناک ہے۔ "اس نے مسکراتے ہوئے شہر دل کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

شیر دل ایک خوبصورت، شاہی گھوڑا تھا جس کی آنکھوں میں ذہانت اور اپنے مالک کے لیے بے پناہ محبت جھلکتی تھی۔ وہ سردار کی بات سمجھتا ہوا، اپنا سر ہلاتے اپنی گردن سردار کے ہاتھ پر رکھ دی۔ سردار نے اسے پیار سے تھپتھپایا اور پھر اس کی لگام کھول دی۔

"جا، میرا سوہنا مکھڑا کہیں چھپا بیٹھا ہے، جا کر ڈھونڈ لے اسے۔" سردار نے شیر دل کی کمر پر ہلکی سی تھپکی دی۔

شیر دل فوراً صطبل سے باہر نکلا، اس کی چال میں ایک عجیب سی چنچلتا تھی۔ وہ سیدھا اسی گھاس کے ڈھیر کی طرف بڑھا جہاں دعام چھپی ہوئی تھی۔ دعام کی سانسیں اٹک سی گئی تھیں۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں، جیسے اگر وہ شیر دل کو نہیں دیکھے گی تو شیر دل بھی اسے نہیں دیکھ پائے گا۔ مگر فطرت کی محبت کو کون روک سکتا تھا؟

شیر دل نے گھاس کے ڈھیر کے قریب پہنچ کر آہستہ سے سر اندر ڈالا اور دعام کے گال پر اپنی نرم تھو تھنی سے ہلکا سا لمس دیا۔ دعام کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں،

وہ خوفزدہ تھی مگر شیر دل کی آنکھوں میں کوئی وحشت نہیں تھی، شیر دل نے اپنا سر نرمی سے اس کے گال سے رگڑا، ایک ایسی حرکت جو سمجھار ہی تھی کہ "ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" دعام نے دیکھا، وہ بالکل ویسا نہیں تھا جیسا اس نے سوچا تھا۔ اس کے پیر میں اپنا سر رکھ کر وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ایک چھوٹی بچی کو دیکھتا ہو۔ دعام کا خوف آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔

سردار یہ سارا منظر صطبل کے دروازے پر کھڑا مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تسلی اور اطمینان تھا کہ اس کا شیر دل اپنی سوہنی مالکن کا خوف دور کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔ یہ گھوڑے اور انسان کی فطرتی محبت کا ایک خوبصورت نظارہ تھا۔ دعام نے آہستہ سے اپنی انگلی بڑھا

کر شیر دل کے نرم بالوں پر پھیری۔ شیر دل نے اس کی انگلی کو چاٹا اور ایک ہلکی سی ہنہناہٹ سے جواب دیا، جب کہ اس کے زبان کے لمس سے اس کی انگلی میں ہلکی سی گدگدی ہوئی دعام کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ ابھری۔

سردار اصطلیل سے باہر آیا، اس کے ہونٹوں پر وہی دلکش مسکراہٹ تھی جسے دیکھ کر دعام کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے دعام کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "آؤ میری بہادر چوڑی، اب تمہارے خوف کو مکمل طور پر ختم کرتے ہیں۔"

دعام نے سردار کی طرف دیکھا، پھر شیر دل کی طرف۔ اس کے دل میں ابھی بھی تھوڑی ہچکچاہٹ تھی، مگر شیر دل کی نرم آنکھوں نے اسے ہمت دی۔ اس نے سردار کا ہاتھ تھاما اور آہستہ آہستہ شیر دل کے قریب آئی۔ سردار نے اسے پیار سے سہارا دیا اور شیر دل کی زین پر بٹھانے کی کوشش کی۔ دعام نے ایک بار پھر ہچکچاہٹ دکھائی، اس کی آنکھیں بڑی بڑی ہو گئیں۔

"نہیں، نہیں ڈا کو جی! میں... میں نہیں کر سکتی!" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

یہ بہت اونچا ہے۔" میں گرجاؤں گی۔

- "ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میرا معصوم سائیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے اسے مزید اوپر اٹھایا تاکہ وہ شیر دل کی پیٹھ پر بیٹھ سکے۔ دعام نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ اسے لگا جیسے وہ گر جائے گی۔

مگر شیر دل، جیسے دعام کا خوف محسوس کر رہا ہو، اچانک ہی زمین پر جھک گیا۔ اس نے اپنی پچھلی ٹانگوں کو موڑا اور اگلے گھٹنے ٹیکتے ہوئے ایسے بیٹھا جیسے کوئی انسان کسی کے بیٹھنے کے لیے جگہ بناتا ہے۔

دعام کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ اسے یقین نہیں آیا کہ ایک گھوڑا اس کے لیے خود نیچے بیٹھ سکتا ہے۔

اس کا خوف ایک لمحے میں کہیں غائب ہو گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ ایک پیاری سی مسکراہٹ آگئی۔

سردار کی آنکھوں میں فخر اور محبت جھلک رہی تھی۔

دیکھا میرا گلاب جامن؟ یہ تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" اس نے دعام کا ہاتھ تھام کر اسے شیر دل کی نرم پیٹھ پر بٹھایا۔ دعام نے اب کوئی مزاحمت نہیں کی، بلکہ حیرت سے شیر دل کے گال کو چھوا۔

شیر دل نے محبت سے اپنا سر دعام کے ہاتھ سے رگڑا، جیسے اسے خوش آمدید کہہ رہا ہو۔ وہ آہستہ سے اٹھا، اور اس کی حرکت میں ذرا بھی جھٹکا نہیں تھا۔ دعام اپنے آپ کو شیر دل کی پیٹھ پر محسوس کرتے ہوئے ایک عجیب سے سکون اور خوشی سے ہمکنار ہوئی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ گھوڑے اتنے پیار کرنے والے ہو سکتے ہیں۔

○○○○○○

سردار نے اس کے ساتھ ہی شیر دل کی پیٹھ پر سواری کی، اس نے دعام کے پیچھے اپنی جگہ بنائی۔ دعام ابھی بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھی، مگر سردار نے اسے مضبوطی سے اپنی باہوں میں تھام لیا۔

اس کے مضبوط بازو دعام کی کمر کے گرد لپٹے ہوئے تھے، جو اسے تحفظ کا احساس دلارہے تھے۔ شیر دل نے آہستہ آہستہ قدم بڑھائے۔

شروع میں دعام کے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں، ہر قدم پر اسے لگ رہا تھا کہ وہ گر جائے گی، مگر سردار کی گرفت نے اسے ایک عجیب سا سہارا دیا ہوا تھا۔

وہ اپنے جسم پر سردار کی قربت محسوس کر رہی تھی، جو اسے ایک طرف تو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھی اور دوسری طرف ایک انجانا سکون دے رہی تھی۔

جیسے ہی شیر دل تھوڑا آگے بڑھا اور پتھر یلے راستے پر اس کی چال میں کچھ تیزی آئی، سردار نے بہکتے ہوئے اپنی گردن دعام کے کندھے پر رکھ دی۔ اس کے گرم لب دعام کی نازک گردن کو چومنے لگے،

اور وہ مدہوش ہونے لگا۔ اس کی سانسیں تیز ہو گئیں، اور اس کی گرفت دعام کی کمر پر مزید سخت ہو گئی۔ دعام کو سردار کی قربت سے ایک لمحے کے لیے گھبراہٹ ہوئی، اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔

سردار نے اسے کمر سے پکڑ کر مزید اپنے قریب کرتے ہوئے، اس کے کندھے سے ہوتے ہوئے اپنی توجہ گردن کے سفر پر مرکوز کی اور بے تابی سے اسے چومنے لگا۔

سردار کی بے تابیاں عروج پر تھیں،

"دا۔۔۔ کو۔۔۔ جی۔۔۔ شیر دل دیکھ۔۔۔ رہا۔۔۔ ہے۔۔۔" اس کی آواز میں ایک معصومانہ بے چینی تھی۔

سردار ہلکاسا مسکرایا، اس کی آنکھیں محبت اور شرارت سے چمک رہی تھیں۔

"نہیں میرا سوہناسائیں، وہ نہیں دیکھ رہا۔ اس کا سارا دھیان راستے کی طرف ہے اور تم اپنا سارا دھیان مجھ پر دے دو، کیونکہ اس سے زیادہ میں تم سے دور رہ نہیں پارہا۔" اس نے دعام کے کندھے کو چومتے ہوئے بے قراری سے کہا۔ اس کی شدت اور گھوڑے کی سواری نے دعام کو تھوڑا پریشان کر دیا تھا، جب اچانک تیز بارش شروع ہو گئی تھی۔

ایک ہی لمحے میں ان دونوں کو بارش نے بھگو دیا تھا۔ پورا منظر بدل چکا تھا؛ پتھر یلے پہاڑوں پر گھوڑے کی سواری کرتے وہ دونوں ٹھنڈی بوندوں کا مزہ لے رہے تھے۔

ہوا میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو رچ بس گئی تھی۔ شیر دل بھی بارش سے لطف اندوز ہوتا، اپنی رفتار کو ہلکاسا تیز کر چکا تھا۔

اس منظر کے دوران اگر کچھ سب سے زیادہ دیکھنے لائق تھا تو وہ تھی سردار کی بے قراریاں۔ وہ دعام کی قربت میں مکمل طور پر کھو چکا تھا، اور بارش نے اس کے اس جنون کو مزید بڑھا دیا تھا۔ دعام بھی اب شرم اور گھبراہٹ سے نکل کر اس لمحے کو محسوس کر رہی تھی، بارش کی بوندیں

اس کے چہرے سے پھسلتی، اور سردار کی مضبوط باہوں کا حصار اسے دنیا کے ہر خوف سے آزاد محسوس کروا رہا تھا۔

oooooooo

شیر دل پر دعام اور سردار کی سواری جاری تھی، جب اچانک بارش کی شدت بڑھ گئی۔ آسمان سے پانی موسلا دھار برسنے لگا،

جیسے بادلوں کے بندھن ٹوٹ گئے ہوں۔ گھنے بادلوں نے سورج کی روشنی کو بھی گھنایا تھا اور چاروں طرف ایک عجیب سی تاریکی چھا گئی تھی۔ پتھریلے پہاڑوں پر سواری کرتے ہوئے اب مزید آگے بڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔

سردار نے شیر دل کو ایک طرف موڑا اور ایک پتھریلے پہاڑ کی اوٹ میں لے گیا، جہاں ایک قدرتی غار نما جگہ تھی۔ وہ دونوں بارش سے پناہ لینے کے لیے وہاں چھپ گئے۔

۔ غار کے اندر اندھیرا تھا اور باہر موسلا دھار بارش کا شور۔ اس ماحول میں سردار کی بے قراریاں مزید عروج پر پہنچ گئیں۔ اس کے لیے اس وقت سب سے اہم صرف دعام کی قربت تھی۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔



بارش کی ٹھنڈی بوندوں اور غار کے اندر کی گھٹن نے سردار کے جنون کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ اس نے دعام کو مضبوطی سے اپنی باہوں میں تھام لیا۔ اس کی انگلیاں دعام کی کمر پر چلنے لگیں، اور اس کے لب بے تابی سے اس کی گردن پر اٹک گئے۔ دعام سردار کی اس شدت سے گھبرا گئی۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ ذرا پیچھے ہٹنا چاہی، مگر سردار نے اسے پیچھے ہٹنے نہیں دیا۔ اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ دعام اس کے حصار سے نکل نہیں سکتی تھی۔

"میرا دلدار سجن،" سردار کی آواز بھاری ہو چکی تھی، اس کے لفظوں میں بے پناہ محبت اور طلب تھی۔ اس نے دعام کے بالوں کو ایک ہاتھ سے سہلایا اور اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

سردار نے آہستہ سے اپنے لب دعام کے ماتھے پر رکھے، پھر اس کی آنکھوں پر، اور پھر اس کے گالوں پر۔ اس کی بے قراریاں اس کی ہر حرکت سے عیاں تھیں، اور دعام کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر قیمتی ہے۔ سردار کے گرم لب دعام کے پوروں پر اترے، اور اس نے انہیں ہلکا سا چومنا شروع کیا۔ یہ بوسہ اتنا شدت لیے ہوئے تھا کہ دعام کی سانسیں تھم گئیں۔ وہ اس وقت

خود کو ایک الگ ہی دنیا میں محسوس کر رہی تھی، جہاں صرف سردار کی محبت اور اس کی بے  
قراریاں تھیں۔ بارش کا شور بھی اب ان کی دھڑکنوں کے سامنے ماند پڑ چکا تھا۔

سردار نے دعام کو اپنے مزید قریب کیا، یہاں تک کہ ان کے جسم ایک دوسرے میں مدغم ہو  
گئے۔ اس کا ایک ہاتھ دعام کی کمر پر تھا جبکہ دوسرا اس کے رخسار پر، جو نرمی سے اس کے چہرے  
کو تھامے ہوئے تھا۔ دعام کے نقش اب اس کی گرفت میں تھے۔

سردار نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے لب اس کے لبوں پر رکھ دیے۔ یہ لمس محبت، شدت اور  
پیاس کا حسین امتزاج تھا۔ دعام نے ایک لمحے کے لیے مزاحمت کی، لیکن پھر اس کی آنکھیں  
آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں،

اور اس کے ہاتھوں نے بے اختیار سردار کے کندھوں کو تھام لیا۔ غار کے اندر کا اندھیرا، بارش کا  
شور اور ان کی دھڑکنوں کا بڑھتا آہنگ، سب مل کر ایک ایسے لمحے کو جنم دے رہے تھے جہاں  
وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ سردار کی شدت بڑھتی جا رہی تھی، وہ دعام کی ہر سانس، ہر لمحے کو اپنے  
اندر سمو لینا چاہتا تھا۔

○○○○○○○

اس ملاقات کے بعد ان کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی، اور نہ ہی رباب گھر سے باہر نکلی تھی۔ مگر اگلی شام کو اکرم ان کے گھر ضرور آگیا تھا، اور اس کے گھر آنے کا مقصد بھی اس نے واضح طور پر سب کو بتا دیا تھا۔ رباب کی حیرانی کی انتہا نہ تھی کہ اکرم کی جلد بازیاں اس حد تک پہنچ چکی تھیں!

اس کے ابا تو حیرت اور خوشی کے مارے کچھ بول ہی نہیں پائے تھے۔ ان کے چہرے پر بیک وقت کئی تاثرات ابھرے اور مٹے تھے۔ بیٹی کے لیے اتنا اچھا رشتہ، اور وہ بھی ایک پولیس افسر کا! جبکہ چچا نے تھوڑی مزاحمت کی تھی، ان کے چہرے پر حسد کے سائے نمایاں تھے۔

ارے بیٹا، ہماری رباب سے بڑی ہیں ہماری دو بیٹیاں، پہلے ان کی شادی ہوگی پھر ہم رباب کے بارے میں کچھ سوچیں گے!" ان کا انداز ایسا تھا کہ سب سے پہلے ان کی بیٹی سمیرا کا ہی رشتہ آئے، جو عمر میں رباب سے بڑی تھی۔

ظاہر ہے، اکرم تو پولیس والا تھا، سرکاری نوکری تھی، اتنا اچھا رشتہ وہ کیسے ہاتھ سے جانے دیتے؟ اس وقت ان کے انداز میں اپنی بیٹی کا بھلا زیادہ نمایاں تھا، رباب کی خوشی سے زیادہ انہیں سمیرا کی فکر لاحق تھی۔

لیکن اکرم ان سب کے سامنے ڈٹ کر کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر خود اعتمادی اور ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔

"معاف کیجیے گا جناب!" اس نے چچا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں ایک ٹھہراؤ تھا۔

"میں رباب کو پسند کرتا ہوں۔ میں نے اسے جب سے دیکھا ہے، میں نے اسے اپنی بیوی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ آپ میرے رشتے کو قبول کرتے ہیں یا نہیں؟ بظاہر مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے، یہ آپ بھی جانتے ہیں۔" اس کی باتوں میں ایک فیصلہ کن انداز تھا، جو کسی بھی قسم کی مزاحمت کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔

پھر اس نے اپنے مقصد کا بھی اظہار کیا جو اس کے لیے شاید رشتے سے بھی زیادہ اہم تھا۔

"میری زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے ڈاکو سردار دلدار کو سلاخوں کے پیچھے پہنچانا اور اسے پھانسی کے پھندے پر لٹکانا۔" اس کی آواز میں ایک ایسی سختی تھی جو اس کے ارادوں کی پختگی کا ثبوت تھی۔ "اور میں اپنی شادی سے پہلے اپنے اس مقصد کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں آپ لوگ اس کا رشتہ کہیں طے نہ کر دیں، اسی لیے اپنے دل کے

ہاتھوں مجبور ہو کر میں یہاں آیا ہوں۔" اس نے رباب کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر مکمل طور پر گول کر دیا تھا، جیسے ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔

چچا کچھ کہتے، اس سے پہلے ہی ابانے معاملے کو اپنے طریقے سے سلجھایا تھا۔ ان کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"بیٹا، ہمیں رشتے سے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمارا بھی خوش نصیبی ہے کہ تم جیسا قابل انسان ہمارے خاندان کا حصہ بنے گا۔" ان کے لیے یہ ایک غیر متوقع اور خوشگوار موقع تھا۔ "لیکن بھائی جان، پہلے سمیرا۔۔۔۔۔" چچا زاد نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی، ان کے چہرے پر مایوسی صاف جھلک رہی تھی۔

ابانے چچا کی بات کاٹ دی۔

"اللہ پاک خیر کرے گا، سمیرا کے لیے بھی کہیں نہ کہیں جوڑ بنا ہی ہو گا۔۔۔ باقی ہمیں منگنی وغیرہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے، تم جب چاہو انگوٹھی پہنا سکتے ہو۔" ابا تھوڑے جلد باز ہو گئے تھے۔ جہاں ان کے ایک گھر کی بیٹی کو ڈاکو اٹھا کر لے گیا تھا، ایسے میں ان کی بیٹی کا اتنا اچھا رشتہ آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی، بلکہ یہ ایک نجات کا ذریعہ تھا۔

"بہت شکریہ، بہت بہت شکریہ! آپ لوگوں نے میری محبت کو قبول کیا، میرے لیے یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوتا بولا تو کمرے کے اندر ان سب کی باتیں سنتی رباب کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اس کے نصیب سچ مچ میں کھل گئے تھے۔ اسے تو لگا تھا جو تماشا ہو چکا ہے، اس کے بعد اب زندگی کبھی کوئی نیا روپ نہیں دکھائے گی، بلکہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو گا، لیکن یہاں تو الٹا ہی ہو گیا تھا۔ اسے زندگی کی طرف سے ایک نیا موقع ملا تھا، ایک ایسی امید جو اس نے کبھی سوچی بھی نہیں تھی۔

○○○○○○○

"اوہ میرے ناراض سجن، بس کر دو کتنا روٹھنا ہے اب؟ یہ ناراضگی ختم کرو۔" سردار کل کافی دیر سے واپس آیا تھا اور جو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے معصوم سائیں کی ناراضگی ختم کر چکا ہے، اسے صبح صبح یوں ہی منہ بسورے بیٹھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے منانے لگا۔

دعام بستر پر تکیے کے سہارے بیٹھی تھی اور سردار اس کے سامنے بیٹھا اس کے روٹھے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"میں راضی نہیں ہوں گی اور نہ ہی مجھے راضی ہونا ہے!" دعام نے ایک اداس منہ پھیر لیا۔

اور۔ ہاں وہ نقشہ دیں قبیلے کا مجھے گھومنے جانا ہے صبح سویرے۔ "اس نے ایک نئی فرمائش کا اظہار کر دیا۔ اس کے لہجے میں ابھی بھی ناراضگی تھی،

"میرا سوہنا سجن، میں خود تمہیں پورا قبیلہ گھما کر لاؤں گا، تم کیا کرو گی نقشے کا؟" وہ مسکرا کر بولا تو دعام نے پوری آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے لہجے میں جو بے باکی تھی وہ دعام کو مزید چڑھا رہی تھی۔

"استغفر اللہ! مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے ساتھ قبیلہ گھومنے کا! نیت دیکھی ہے آپ نے اپنی؟ انتہائی بری نیت کے مالک ہیں آپ! کل ہم گھوڑے کی سواری کرنے گئے تھے اور وہاں غار میں آپ نے کیا کیا؟" وہ جو اچانک سے بولنا شروع ہوئی تھی،

ہائے میں نے کیا کر دیا۔۔۔! سردار کے شوخی سے پوچھنے پر اس کی زبان رک گئی۔ اس کے گال سرخ ہونے لگے۔

"وہاں اس غار میں آپ نے وہ وہ وہ سب کیا... جو ایسی غاروں میں کرنا الاؤ نہیں ہے!" اسے کوئی مناسب الفاظ نہ ملے اس کی شدتوں کو لفظوں میں بیان کرنے کے لیے۔ اس کے جملے میں معصومیت اور شرم صاف جھلک رہی تھی۔

سردار کی آنکھوں میں چمک آگئی، اور وہ مزید اس کی معصومیت سے لطف اندوز ہونے لگا۔  
"میں تو اس قبیلے کے ہر کونے میں وہ وہ وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں جو سوائے بیڈروم کے اور کہیں  
کرنا الاؤ نہیں ہوتا۔" اس نے بے باکی سے آنکھ دبا دی۔

"بس تم تھوڑا سا تعاون تو کرو!"

"یہ! ایسے ایسے بے شرم انسان کے ساتھ میں کہیں نہیں جاسکتی! آپ مجھے نقشہ دیں، میں اپنے  
بالا بھیا اور جمر و بھیا کے ساتھ جاؤں گی!" اس نے جیسے اپنا فیصلہ سنایا تھا، مگر سردار کے چہرے پر  
وہی شوخی برقرار تھی۔ سردار نے بیڈ کے سائیڈ پر اچانک ہاتھ مارتے ہوئے ایک بٹن دبایا تھا اور  
بٹن دباتے ہی سامنے دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ نمایاں ہوا تھا۔ اس کے اندر ایک رول کیا ہوا  
نقشہ رکھا تھا۔

"جاؤ، لے لو اپنا نقشہ اور قبیلے کا کونہ کونہ گھوم آؤ۔" اس نے نقشے کی طرف اشارہ کیا، اس کے  
چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"آنے والے چند مہینوں میں اس قبیلے کا ہر کونہ سردار دلدار کی محبت کا گواہ بنے گا!" اس نے  
معنی خیز لہجے میں کہا۔



"باقی جگہ تم خود پسند کر لینا، سردار حاضر ہو جائے گا۔" اس جگہ کو تمہارے لیے یادگار بنانے کے لیے، جیسے کل رات وہ غار یادگار بن گئی۔ وہ ایک دفعہ پھر سے بے باکی سے آنکھ دباتے ہوئے بولا تو دعام غصے سے پیر پر پٹختی، اپنی شرم و حیا چھپاتے ہوئے اس سوراخ سے نقشہ نکال چکی تھی۔

جو نقشہ کم، اسے عجیب و غریب فارمولا زیادہ لگ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس میں کیا ہے اور کیا نہیں۔

"کوئی بات نہیں، بالا بھیا اور جمر و بھیا سمجھا دیں گے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور نقشہ لے کر غصے سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

سردار اس کے جانے کے بعش مسکراتا رہا، اس کے لیے دعام کی یہ ناراضگی بھی محبت کی ایک نئی شکل تھی۔

○○○○○○○

دعام غصے سے پیر پٹختی، اپنی شرم و حیا چھپاتے ہوئے سردار کے کمرے سے نکلی۔ اس کے ہاتھ میں وہ عجیب و غریب نقشہ تھا جو اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ پتھریلی پہاڑی سے اتر کر نیچے آئی، اس کی نظر سامنے کھڑے بالا پر پڑی۔ جمرو بھی اس کے پاس ہی بیٹھا ناشتہ کرتی ہوئے کوئی بات کر رہا تھا۔

دعام کا چہرہ جو ایک لمحہ پہلے غصے اور شرم سے لال تھا، اب جوش و خروش سے چمک اٹھا تھا۔

"جمرو بھیا! دیکھیں! میں نقشہ مانگ لائی ہوں!" وہ تیزی سے ان دونوں کی طرف بڑھتی نقشہ دکھاتے ہوئے بولی۔

"چلیں! اب مجھے پورا قبیلہ گھمائیں۔"

بالا ایک دم حیران رہ گیا۔ یہ نقشہ قبیلے کے عام لوگوں کو تو دور، یہاں کے خاص لوگوں کو بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ یہ ایک خفیہ دستاویز تھی جو قبیلے کے راستوں، گزرگاہوں اور اہم جگہوں کو ظاہر کرتی تھی۔

"بھابھی، یہ نقشہ تم مانگ کر لائی ہو یا سردار سے چھپ کر لے کر آئی ہو؟" بالا کو اب تک یقین نہ آیا تھا۔ اس کے لہجے میں واضح حیرت تھی۔

دعام نے اپنا سر جھٹکا اور اس کے چہرے پر ایک معصومانہ بے چینی تھی۔

"بالا بھیا! میں کوئی ڈاکو تھوڑی ہوں جو چوری کر کے لاؤں گی؟" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"میں نے مانگا ہے ان سے، انہوں نے مجھے منانے کے لیے دے دیا!" وہ پرجوش تھی، اس کی آنکھوں میں قبیلہ دیکھنے کی چمک تھی۔

"اب آئیں نا! مجھے دکھائیں نا پورا قبیلہ۔۔۔"

بالا پہلے تو حیران ہوا، پھر اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اسے یہ بات خود ہی سمجھنی تھی کہ اس کی بھابھی قبیلے کے باقی لوگوں سے الگ تھی۔ وہ صرف ایک عام انسان نہیں تھی، بلکہ وہ خاص تھی۔ وہ سردار کے لیے اس کی کل کائنات تھی۔

سردار نے اس کے لیے اپنے اصولوں کو توڑا تھا، اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بالا کو یقین تھا کہ واقعی سردار کا فیصلہ درست تھا، دعام جیسی لڑکی ہی سردار کے دل میں جگہ بنا سکتی تھی۔

دعام کے جوش و خروش کو دیکھ کر بالا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

بالا نے ایک نظر جمرہ کی طرف دیکھا، جو ابھی بھی کھانے میں مگن تھا اور شاید دعام کی باتوں پر پوری توجہ نہیں دے رہا تھا۔

"آؤ بھابھی،" بالانے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں کو قبیلے کے کچھ اہم حصے دکھاتا ہوں۔" اس نے نقشہ دعام کے ہاتھ سے لیا اور اسے کھولا۔ جمرو بھی اب ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

بالا نے نقشے پر انگلی رکھی۔

دیکھو بھابھی، یہ ہمارے قبیلے کا مرکزی حصہ ہے۔ یہاں سردار کا میدان ہے، قبیلے کے سارے فیصلے یہیں پر ہوتے ہیں اور اس کے آس پاس ہی سارے پہاڑوں میں ہم غیر شادی شدہ لڑکوں کے کمرے ہیں۔" باقی شادی شدہ لوگ اپنے خاندان کے ساتھ اوپر پہاڑوں میں رہتے ہیں م اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

یہ قبیلہ لگ بھگ 40 خاندانوں پر مشتمل ہے اور ہر گھر پہاڑوں کے اندر ہی بنا ہے، اس لیے باہر سے کسی کو آسانی سے نظر نہیں آتا۔"

دعام کی آنکھیں چمک اٹھیں، وہ اتنی بڑی جگہ کو اتنے قریب سے دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔

"چلیں نابالا بھیا! مجھے پورا قبیلہ دکھائیں۔"

بالا نے ہنس کر سر ہلایا۔

"ضرور بھا بھی، مگر یہ قبیلہ ایک طرح کی بھول بھلیاں ہے۔ اس میں گھسنا تو آسان ہے مگر باہر نکلنا بہت مشکل ہے۔"

وہ تینوں میدان سے باہر نکلے اور قبیلے کی گلیوں میں داخل ہوئے۔ دعام کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں، جب اس نے ان پہاڑوں کے اندر بنے شاہی گھروں کو دیکھا

۔ یہ قبیلہ، جسے اس نے اپنی تصوراتی دنیا میں بہت چھوٹا اور عام سا سمجھا تھا، دراصل ایک مکمل اور پوشیدہ دنیا کی مانند تھا۔ پتھریلے راستے، جو خود بھی قبیلے کی بھول بھلیاں کا حصہ تھے، ہر گھر کے سامنے سے گزرتے تھے۔

دعام نے دیکھا کہ یہاں کے بچے اور عورتیں سب اوپر کی طرف، باحفاظت جگہوں پر تھیں۔ ان کی ساری زندگی اپنے گھروں کے اندر یا پہاڑ کے اوپر بنے ایک بڑے میدان میں گزرتی تھی، جہاں بچے کھیلتے کودتے تھے اور عورتیں اپنے کاموں میں مصروف رہتی تھیں۔

انہیں نیچے میدان کی طرف آنے کی اجازت نہیں تھی۔ جیسے ان عورتوں اور بچوں کا اس چیز سے کوئی تعلق ہی نہ ہو کہ ان کے شوہر اور باپ کتنے خطرناک ڈاکو تھے۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن تھے۔

بالا نے اسے قبیلے کے پانی کے ذخائر دکھائے جو پہاڑوں کے اندر سے نکلتے قدرتی چشموں سے بھرے ہوئے تھے اور دعام کو بتایا کہ کیسے یہ لوگ اپنی تمام ضروریات خود ہی پوری کرتے ہیں۔ دعام نے سب کچھ بڑی دلچسپی سے سنا، اس کے چہرے پر اب کوئی ناراضگی نہیں تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ قبیلہ اس کے لیے ایک نئی دنیا تھی، ایک ایسی دنیا جہاں اسے بہت کچھ سیکھنا تھا۔ یہاں کے لوگ سادہ مزاج، محنتی اور اپنے سردار کے وفادار تھے۔

○○○○○○

رباب کے ہاتھ میں انگوٹھی آچکی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ چند لمحے پہلے ہی تائی امی ہاتھ میں ایک خوبصورت سی انگوٹھی تھامے اس کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کی ماں نے انتہائی احتیاط سے وہ انگوٹھی رباب کی انگلی میں ڈال دی تھی، اور لمحے میں رباب اکرم کی منگیتر بن چکی تھی۔

یہ سب اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ رباب کو اپنے ہوش و حواس پر شک ہونے لگا۔

اکرم کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی اور عزم تھا۔

ویسے سچ کہوں تو میں پہلے نکاح کرنا چاہتا تھا، "اس نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،" لیکن میں اپنی زندگی کی نئی شروعات ہر طرح کی پریشانی سے نکل کر کرنا چاہتا ہوں، اور پھر رباب کو اپنی

زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں ایک ایسا ٹھہراؤ تھا جو اس کے ارادوں کی پختگی ظاہر کر رہا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں، رباب میری زندگی کا آنے والا کل ہے، اور آنے والے کل کے ساتھ ہر قدم پر سب سے بڑا کانٹا سر دار دلدار ہے۔ میں اسے اپنی زندگی سے ہٹانا چاہتا ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں ایک شدید نفرت اور عزم تھا۔

"اسے پکڑنا صرف قانون کا مقصد نہیں بلکہ میری زندگی کا بھی مقصد ہے۔ میں اس شخص کو اس کی آخری سانس لیتے دیکھنا چاہتا ہوں، بس یہی حسرت ہے میری، اور اس کام میں میں زیادہ وقت نہیں لگاؤں گا، یہ میرا وعدہ ہے آپ لوگوں سے۔" اس کے لہجے میں انتقام کی آگ واضح تھی۔

رباب یہ سب سن کر اندر ہی اندر کچھ پریشان سی ہو گئی، مگر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا۔

رباب کے ابا نے سر ہلایا۔

"ہاں کرو بیٹا، یہ بات تو ہم سمجھتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے، تم یقیناً یہی چاہتے ہو گے کہ تم اپنا کام کرو۔" ان کے چہرے پر اطمینان تھا کہ ان کی بیٹی کا رشتہ ایک ایسے شخص سے ہو رہا ہے جو نہ صرف بااثر ہے بلکہ ان کی بدنامی کا انتقام بھی لے سکتا ہے۔

لیکن دراصل بیٹا، شادی کی ہمیں ذرا جلدی ہے، اور اس کے پیچھے کی وجہ ہماری ہوئی بدنامی ہی ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ جب سے سردار دلدار نے ہماری بیٹی دعام کو اغوا کر کے اس کے ساتھ شادی کی ہے، ہماری بہت بدنامی ہوئی ہے۔ "ان کے لہجے میں دکھ اور شرمندگی صاف جھلک رہی تھی۔

"اسی لیے ہم ذرا شادی جلدی چاہتے تھے کہ ہماری ایک بیٹی کو کہیں اچھی جگہ رخصت ہوتے دیکھ کر باقی بیٹیوں کے لیے بھی کوئی مناسب رشتہ آ سکے،" رباب کے ابا نے مزید کہا۔ "کیونکہ جو سب کچھ ہو چکا ہے، اس کے بعد کوئی بھی انسان ہمارے گھر کا رخ نہیں کر رہا۔ ہم نے اپنی سمیرا کے لیے کچھ بہتر سوچ رکھا تھا جلد ہی، لیکن وہ معاملہ بھی بیچ میں ہی لٹک گیا، اسی لیے ہم چاہتے تھے کہ اگر ایک ڈیڑھ مہینے میں شادی ہو جاتی تو..." ان کی نظروں میں ایک امید تھی۔

اکرم نے ابا کی بات کاٹ دی۔ اس کے چہرے پر کوئی جھجک نہیں تھی۔ "ضرور انکل، کیوں نہیں؟ ایک ڈیڑھ مہینے میں شادی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن میرا مقصد، میں اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔" اس کی آنکھوں میں دوبارہ وہی شدید عزم لوٹ آیا تھا۔ "ہو سکتا ہے، ایک ڈیڑھ مہینے کے اندر ہی میں سردار کو سلاخوں کے پیچھے پہنچا کر اس کی آتی جاتی سانسوں کی ڈور



کاٹ دوں۔" اس کے لفظوں میں اتنی سختی تھی کہ کمرے میں موجود ہر شخص کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ دلدار کو کسی بھی صورت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

oooooooo

اسی شام، گھر کے صحن میں نوشین سمیرا اور صفا بیٹھی تھیں۔ سمیرا کے چہرے پر واضح طور پر جلن اور حسد کے آثار تھے، جبکہ صفا خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

سمیرا، جو خود کو رباب سے کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین سمجھتی تھی اور ہمیشہ اپنے آپ کو سنوارتی رہتی تھی، اس بات پر حیران تھی کہ اکرم نے اس کی بجائے رباب کو کیوں پسند کیا۔ اس نے ایک طنزیہ ہنسی ہنسی۔

"صفا، تم نے سنی اکرم کی باتیں؟" سمیرا نے اپنے لہجے میں مکمل تمسخر بھرتے ہوئے کہا۔ "کہتے ہیں ایک ڈیڑھ مہینے میں سردار دلدار کو پکڑے گا! کیا کوئی بھولا انسان ہے یہ؟" اس نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

صفا نے سر جھکایا، اس کی آنکھوں میں کچھ مایوسی تھی۔

"سمیرا باجی، وہ پولیس والا ہے، طاقتور ہے۔"

"طاقور!" سمیرانے ایک اور قہقہہ لگایا، اس کی ہنسی میں شرارت کے ساتھ ساتھ تلخی بھی تھی۔

"یہ پولیس والے آٹھ سال سے سردار دلدار کو پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، صفا! آٹھ سال سے تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر پایا، تو اب یہ اکیلا اکرم کیا کر پائے گا ڈیڑھ مہینے میں؟" اس کی آواز میں ایک ایسی یقین دہانی تھی جیسے اسے دلدار کی ناقابل تسخیریت کا یقین ہو۔

وہ ایک لمحے کے لیے رکی، پھر اپنی ہنسی کو مزید تیز کرتے ہوئے بولی۔

مجھے تو لگتا ہے کہ ہماری یہ بیچاری کنواری ہی رہ جائے گی! اس کا ہیر وڈا کو کو پکڑتے پکڑتے خود ہی کہیں گم نہ ہو جائے،

ہا ہا ہا!" اس کے لہجے میں جلن، حسد اور مذاق اڑانے والا انداز نمایاں تھا۔ وہ رباب کی خوشی کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر پار ہی تھی۔ سمیرا کی آنکھوں میں رباب کے نصیب پر جلنے کے آثار تھے، اور وہ یہ سب کچھ صرف اس لیے کہہ رہی تھی تاکہ رباب کو کم تر ثابت کر سکے۔

تب ہی وہاں پر رباب کا ورود ہوا۔ وہ سمیرا کی باتیں سن چکی تھی، گو اسے اکرم سے کوئی خاص عشق یا محبت نہیں تھی اور نہ ہی وہ خود کو سمیرا جیسی حسین سمجھتی تھی، مگر وہ اس کی منگیتر تھی اور وہ جانتی تھی کہ اس کی بہنیں، خاص کر سمیرا، اس سے جل رہی ہیں۔ ایسے میں لڑائی تو بنتی تھی۔

رباب نے ایک لمبا سانس لیا اور سمیرا کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہو گیا سمیرا باجی؟ کیوں اتنا حسد ہے؟" رباب کی آواز میں وہ رعب اور خود اعتمادی تھی

"کسی کو اتنا اچھا رشتہ مل جائے تو انسان خوش ہوتا ہے، آپ تو الٹا جل رہی ہیں۔"

سمیرا نے اپنی آنکھیں تنگ کیں، وہ رباب کے اس بدلتے ہوئے تیور سے چونک گئی۔

"میں کیوں حسد کروں گی؟ مجھے تو بس افسوس ہو رہا ہے تمہاری قسمت پر۔" اس نے طنز کا نشتر چلایا۔

رباب نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"میری قسمت پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سمیرا باجی۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب خدا کی مرضی ہے۔ اور یہ بات یاد رکھیں، سردار دلدار کو آٹھ سال سے کوئی نہیں پکڑ پایا،" رباب نے ٹھہر کر ایک گہری سانس لی، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"لیکن یہ میرا پختہ یقین ہے کہ اب اکرم اسے ضرور پکڑے گا!" اس کے لہجے میں غصہ اور فتح مندی تھی، جو اس کے دل کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ اس نے سمیرا کے چہرے پر اپنی انگوٹھی کے ساتھ ہاتھ پھیلایا، جیسے اسے چڑھا رہی ہو۔

باقی اللہ پاک آپ کے بھی نصیب کھولے،

"تم۔۔۔!" مجھے اس انگوٹھی کا روعب دکھا رہی ہو سمیرا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، اسے رباب کی یہ بے باکی برداشت نہیں ہوئی۔ وہ اٹھ کر رباب کی طرف بڑھی، اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔

اس سے پہلے کہ سمیرا رباب پر ہاتھ اٹھاپاتی، صفاتیزی سے بچ میں آگئی۔

"باجی! نہیں!" اس نے سمیرا کا ہاتھ تھام لیا۔ صفا کا چہرہ خوف سے سفید پڑ چکا تھا، وہ جانتی تھی کہ اس طرح کی لڑائی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

رباب پیچھے نہیں ہٹی، اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

ہاں دکھا رہی ہوں روعب، کیونکہ جس کے ساتھ میری منگنی ہوئی ہے وہ فخر کرنے کے قابل ہے اور ایک بات یہ یاد رکھنا، میں رباب ہوں دعام نہیں جس کو تم لوگ دباتی تھیں۔ "اسی لیے میرے سامنے اپنا لہجہ اور ہاتھ کنٹرول میں رکھو۔

سمیرا نے غصے سے اپنا ہاتھ صفا کی گرفت سے چھڑایا۔

"اچھا! تو اپنی قسمت پر ناز کر رہی ہو؟ یہی قسمت تو تمہیں کچھ ہی دیر میں رلائے گی۔ جب تمہارا

یہ ہیرا اپنے مقصد میں ناکام ہوگا، تب دیکھو گی تمہاری یہ اکڑ کہاں جاتی ہے!" سمیرا کے لہجے

میں زہر تھا۔ ساری زندگی یہی کنواری بیٹھی رہوگی کیونکہ سردار دلدار کو پکڑنے کا خواب اس کا بھی خواب ہی رہ جائے گا اور تمہارا وہ ہیر و تمہاری بارات لائے گا یہ تمہارا خواب، خواب رہ جائے گا

ان کی آوازیں اونچی ہو چکی تھیں اور گھر کے اندر سے کچھ لوگ باہر آکر ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ تب ہی ابا کی سخت اور رعب دار آواز سنائی دی۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟ سمیرا! رباب! یہ کیا تمیز ہے؟"

ابا غصے میں لال پیلے ہوتے ان کی طرف بڑھے۔ ان کا غصہ دیکھ کر دونوں بہنیں ایک دم خاموش ہو گئیں، جیسے کسی نے ان پر پانی ڈال دیا ہو۔ ابا نے صفا کو بھی ایک جھڑکی دی، "اور تم! تم کیا کر رہی ہو یہاں کھڑی؟"

انہوں نے ایک لمحہ دونوں بہنوں کو گھورا،

پھر رباب کا بازو پکڑا۔ "اندر چلو! اور تم سمیرا! اپنی حد میں رہنا سیکھو! اگر دوبارہ اس طرح لڑتے ہوئے دیکھا تو اچھا نہیں ہو گا۔" ابا کے لہجے میں ایک ایسی سختی تھی جو ان کی بات کو وزن دے رہی تھی۔

وہ رباب کو پکڑ کر اندر لے گئے، جبکہ سمیرا غصے سے پھنکارتی رہ گئی۔ صفا بھی خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی

○○○○○○○

اب وہ قبیلے کے پچھلی طرف آئے ہوئے تھے جہاں پانی بہہ رہا تھا، اس کی مدھم آواز آس پاس کی خاموشی کو اور گہرا بنا رہی تھی۔ سورج کی کرنیں درختوں کے پتوں سے چھن کر پانی پر پڑ رہی تھیں، ایک عجیب سا سحر بکھیر رہی تھیں۔ بالا اور جمر دونوں ہی کی نگاہیں دعام پر مرکوز تھیں، ان کے چہروں پر ایک غیر معمولی مسکراہٹ تھی جو کسی راز کو چھپائے ہوئے تھی۔

"بھابھی، یہاں اگر کوئی خبری نہ ہوتا تو میں تمہیں ایک تحفہ دیتا،" بالانے سرسری سے انداز میں کہا، اس کی نظر جمر کی طرف تھی۔ دعام نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ 'خبری' کا مطلب جمر و تھا، وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ دونوں سردار سے چھپ کر کوئی انہونی حرکت کر رہے ہیں۔

اس کے دل میں ایک شرارتی سی چمک ابھری۔

"آپ خبری کے سامنے گفٹ دے دیں، خبری میرا بھائی ہے، کسی کو کچھ نہیں بتائے گا،" وہ بڑے مزے سے بولی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

جب بالانے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے ایک موٹا تازہ، رس بھرا آم نکالا۔ دعام کی تو خوشی سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، آم کی میٹھی خوشبو نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ جمرو نے بھی آگے کی طرف جھانک کر باقاعدہ 'گفٹ' کا جائزہ لیا، اس کے چہرے پر بھی وہی پراسرار مسکراہٹ تھی۔

"میں تم سے بڑا خبری نہیں ہوں سردار کا،" جمرو نے نخوت سے کہا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی پڑیا نکالی جس میں چاٹ مصالحہ تھا۔

میں بھی اب اپنی بہن کے لیے تحفہ لے کر آیا ہوں۔ اب کی دفعہ تو دعام کی آنکھوں سے خوشی کے مصنوعی آنسو جاری ہو گئے تھے۔ وہ آم اور چاٹ مصالحہ دیکھ کر دیوانی ہو چکی تھی۔

"اللہ پاک میرے بھائیوں کو زندگی دے، جگ جگ جییں میرے بھائی، آپ دونوں پر کبھی کوئی مصیبت نہ آئے،

اگر کوئی آئے تو آپ چٹان کی طرح اس کا سامنا کریں، اللہ میرے بھائیوں کو خوبصورت بیویاں دے، ایک ساتھ دو دو جڑواں بچے!"

وه خوشى سه چهك كر، آم كو اپنے هاتھوں ميں سميت كروهين آلتى پالتى مار كر بيٲھ گئي تھى۔ آم اور چاٹ مصالعه كا امتزاج اسه جنت كى سى خوشى دعه رها تها۔

بالا اور جمرو بهى اس كه ساتھ هى نيچه بيٲھ گئے اور جھيل ميں آهسته آهسته پتھر مارنے لكه، پانى ميں دائرے بنته جار هه تھے۔

آج ان دونوں نے سردار كه اصولوں كه خلاف جا كر ايك بهت بڑا كام كر ديا تها۔ اكر سردار كو كانوں كان بهنك بهى لك جاتى تها ان دونوں كى موت پكى تھى۔

مكر جانے كيوں، اس لڑكى كى خوشى ان كه ليئه اتنى زياده اهميت ركھنے لكى تھى كه حد نهين۔ دعام كه چهريه پر كھلتى مسكر اهٹ ان كى هر فكر كو مٹا ر هى تھى۔ جمرو نے بالا كو آم اتا رتے ديكه كر فوراً هى چاٹ مصالعه كى پڑيا اپنى جيب ميں ركھ لى تھى۔

كيونكه وه سمجه گيا تها كه بالا كيا كرنا چا هتا هه۔ وه جانتے تھے كه يه لمحہ عارضى تها، ليكن اس كى مٹھاس ان كى يادوں ميں هميشه كه ليئه قيد هو جائے كى۔



دعام نے مزے سے بیٹھ کر چاٹ مصالحہ کھایا تھا اور ان دونوں کو بالکل بھی آفر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جس طرح سردار چاٹ مصالحے کا بس ایک ہی نوالہ لے کر اپنے اندر "جن" انسٹال کر چکا تھا،

ان دونوں نے بھی یہی کام کرنا تھا۔ اسی لیے اب کی دفعہ اس نے بڑے مزے سے اکیلے ہی سب کچھ کھالیا تھا، بنا کسی کو کوئی آفر دیے۔ ان کے دل میں ایک میٹھی سی چوری کا احساس تھا جس کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔

○○○○○○○

باہر گلی میں گاڑی کی آواز سن کر رباب کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ اس طرف گاڑی صرف پولیس والوں کی ہی آتی تھی، اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے ذہن میں اکرم کا چہرہ گھوم گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد گاڑی کی آواز بند ہو گئی لیکن نہ جانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ اکرم باہر آیا ہو گا۔ اس نے آہستہ سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ "اماں، کنویں سے پانی بھر کر لے آؤں؟"

اس نے پوچھا تو اماں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اجازت دی تھی جیسے وہ بھی اندر کی بات سمجھ گئی ہوں کہ رباب کا دل اسے باہر کھینچ رہا ہے۔

یہ حقیقت تھی کہ اکرم کے ساتھ اس کی کوئی محبت کی داستان نہیں چلی تھی اور نہ ہی یہ شادی کوئی محبت کی پتنگیں اڑا کر کی جارہی تھی۔ حالانکہ اس کے لیے اکرم کی اہمیت اچانک ہی بڑھ گئی تھی۔ ایک تو وہ بہت قابل انسان تھا، اور دوسرا وہ اس کے نصیب میں آچکا تھا۔ جس سے سمیرا کی جلن نے اسے الگ ہی سکون دیا تھا اور پھر وہ ایک ایسا نصیب بن کر آیا تھا جو اسے بدنامی سے نکلنے کا وعدہ کر رہا تھا۔

○○○○○○○

وہ کنویں کی طرف آئی تو اکرم وہیں پر آنکھوں پر گلاسز چڑھائے ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ پولیس یونیفارم میں اس کی شخصیت بہت واضح تھی، وہ باوقار اور پر عزم نظر آ رہا تھا۔

"اگر پتہ چل گیا تھا کہ باہر گلی میں میں ہوں تو جلدی سے باہر نکل آتی نا! اتنا انتظار کروایا، اس دھوپ میں سلگ کر رہ گیا ہوں!" اسے دیکھتے ہی وہ بنا کسی طرح کا تکلف رکھے بولا، اس کی آواز

میں ایک بے ساختہ اپنائیت تھی۔ اس کی اتنی بے تکلفی پر رباب کو حیرانی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ شخص کتنا خود سر ہے۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ باہر آپ آئے ہوئے ہیں، میں تو پانی بھرنے آئی تھی،" اس نے فوراً جھوٹ بولا، اس کے چہرے پر شرمندگی کا ہلکا سا رنگ جھلکا۔ اکرم نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں گھمائی تھیں، جیسے وہ اس کا جھوٹ سمجھ گیا ہو۔

"اچھا چھوڑو فضول باتیں، نمبر دو اپنا۔ رات کو فون کروں گا تمہیں،" وہ اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر بولا، اس کی نظریں رباب کے چہرے پر تھیں۔

"اچھا تو آپ اس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی، اس کے دل میں ایک عجیب سی امید جاگی۔

"مقصد تو خیر سے میرے اور بھی بہت ہیں لیکن فی الحال تو نمبر دو، باقی باتیں رات کو سکون سے کر لیں گے،" وہ اس کی کسی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہا تھا جبکہ رباب نے خاموشی سے اپنا نمبر اسے دے دیا تھا۔ اس کے ہاتھ ہلکے سے کانپ رہے تھے۔

"یہ کیا صرف نمبر ہی لینے آئے تھے؟"

اور نمبر لے کر پلٹنے لگا تو رباب کو حیرانی ہوئی تھی۔ وہ اسے خدا حافظ تک کہے بغیر جا رہا تھا۔ اس کی بے نیازی رباب کو کچھ عجیب لگی۔

"ہاں، فی الحال نمبر لینے ہی آیا تھا، باقی باتیں رات کو ہوں گی۔" اکرم نے پلٹ کر ایک معنی خیز مسکراہٹ دی۔

"چلیں ٹھیک ہے، میں آپ کی کال کی منتظر ہوں گی، اللہ پاک آپ کو آپ کے مقصد میں کامیاب کرے۔ ڈیڑھ مہینہ کم نہیں ہے سردار کو پکڑنے کے لیے، کیونکہ آٹھ سال سے تو یہاں پر صرف سردار کی ہی حکومت ہے۔"

اگر ڈیڑھ مہینے میں نہیں ہوا تو چھ مہینوں میں ہو جائے گا، چھ مہینوں میں نہیں ہوا تو ایک سال، دو سال، دس سال میں کبھی نہ کبھی تو مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا نا؟ جس دن کامیاب ہو گیا اسی دن تمہاری ڈولی لے کر جاؤں گا، وہ بھی پورے دھوم دھام سے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا، جیسے اس پر آسمان گر چکا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی شادی پوری طرح سے سردار کی گرفتاری پر تھی۔ یہ سن کر رباب کا دل بیٹھ سا گیا۔

"کیا مطلب اگر سردار نہیں پکڑا گیا تو آپ شادی نہیں کریں گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا، اس کی آواز میں خوف تھا۔

"سردار کیوں نہیں پکڑا جائے گا میری جان؟ میں سردار کو پکڑوں گا اور اب تو ویسے بھی سردار کی سالی ہو تم، تم تو مجھے سردار کی بیوی تک بھی پہنچا سکتی ہو، اور اگر میں اس تک پہنچ گیا تو سردار کو اوپر پہنچنے میں کتنا وقت لگے؟" اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"خیر، اس کا نمبر ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں، وہ فون استعمال نہیں کرتی۔" رباب نے جواب دیا۔

"مطلب کہ تم اپنے رشتے کی خوشخبری اسے سنانے کے لیے مٹھائی دینے اس کے قبیلے میں جاؤ گی؟" اکرم کا لہجہ اچانک بدل گیا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک سازشی چمک تھی۔ رباب کو تو اس کی کوئی بات سرے سے سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"میرا کیا دماغ خراب ہے جو میں اس موت کے قبیلے میں جاؤں گی؟ میری اتنی بھی کوئی سگی سہیلی نہیں تھی دعام کہ اس کے بغیر میں کوئی خوشی نہ مناسکوں۔" اس کے لہجے میں زہر گھل گیا تھا، دعام سے نفرت اس کے اندر رچی بسی تھی۔

"ارے میری جان! میں تمہیں سگی سہیلی بنانے کے لیے کہہ بھی نہیں رہا۔ بتا تو رہا ہوں کہ سردار تک پہنچنے کے لیے مجھے اس سے رابطہ کرنا بہت ضروری ہے۔ جب تک میرا اس کے ساتھ رابطہ نہیں ہو گا تب تک میرے لیے یہ سب کچھ آسان نہیں رہے گا اور ویسے بھی میں چاہتا ہوں کہ میں نے جس طرح تمہارے گھر والوں کو ڈیڑھ مہینے کا وقت دیا ہے اسی ڈیڑھ مہینے میں تمہاری دھوم دھام سے بارات لے آؤں۔"

"میں اپنے لفظوں کا بہت پکا ہوں رباب، میں ہر گز اپنے لفظوں سے پیچھے نہیں ہٹوں گا جب تک سردار جیل کی سلاخوں کے پار نہیں ہوتا تب تک یہ شادی نہیں ہو سکتی۔" وہ جیسے اسے کلیئر کر رہا تھا، اس کی آواز میں ایک اٹل فیصلہ تھا۔ رباب خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، اس کی شادی کا خواب اب سردار دلدار کی گرفتاری سے جڑ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن اور بے بسی تھی، یہ کیسا رشتہ تھا جہاں خوشیاں کسی کی بربادی سے مشروط تھیں؟

○○○○○○

سردار قبیلے کے پیچھے جھیل کی طرف آیا تو وہ تینوں دور سے ہی اسے بیٹھے نظر آئے تھے۔ جس طریقے سے وہ بیٹھے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی میٹنگ ہو رہی ہے یا شاید دعام اتنا سب کچھ دیکھ کر اب تھک چکی تھی اس لیے آرام کر رہی تھی۔

یہ اس قبیلے میں سردار کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔ جب بھی وہ بے سکون ہوتا تھا، تب یہیں پر آتا تھا۔ اس جگہ کے آگے پیچھے بہت رنگ نسل کے پھول تھے، عجیب عجیب رنگوں میں، چھوٹے بڑے سائز میں، لیکن یہ بہت خوبصورت تھے۔ سردار نے آہستہ آہستہ قدم اوپر کی طرف بڑھاتے ہوئے ایک لمبی سی نیل نکالی اور پھر چھوٹے چھوٹے پھولوں کو اس میں جوڑتے ہوئے قدم آگے بڑھاتا چلا گیا۔ اوپر جھیل کے کنارے پہنچتے ہوئے اس کے قدم اتنے سست تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی کہ سردار پیچھے آیا ہوا ہے۔

اس نے نرمی سے ہاتھ سے بنایا وہ تاج آکر دعام کے سر پر پہنایا تو وہ حیرانی سے پیچھے مڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

جبکہ اپنے سر پر پہنے ہوئے تاج کو اتار کر دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں اتنی خوبصورت چمک آئی تھی کہ سردار مسکراتے ہوئے وہیں ان تینوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ کہاں سے آیا؟ یہ کتنا پیارا ہے! کس نے بنا کر دیا ہے آپ کو؟" وہ خوشی سے چہکتے ہوئے اسے دوبارہ اپنے سر پر پہننے لگی۔ حجاب کے اندر اس کا حسین چہرہ اس تاج کی رونق کو اور بھی زیادہ حسین لگنے لگا تھا۔

"کون بنا کر دے گا میرا گلاب سائیں؟ میں نے خود بنایا ہے اپنے پھول کے لیے۔ پھولوں کے لیے پھولوں سے بنی چیزیں پیاری لگتی ہیں نا؟" اس کی مسکراہٹ بے تحاشہ خوبصورت تھی جبکہ جمرہ اور بالا آہستہ سے وہاں سے ایسے کھسکے تھے جیسے پہلے کبھی وہاں پر موجود ہی نہ ہوں۔ انہیں پتا تھا کہ اب یہاں ان کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔

"سجن سائیں، پھر کون سا مقام پسند کیا ہے تم نے یاد گار بنانے کے لیے؟ شروعات کہاں سے کرنی ہے؟ ویسے تو میں اس قبیلے کا ایک ایک کو نایاد گار بناؤں گا لیکن شروعات کہاں سے کرنی ہے یہ بتاؤ۔ یہ جگہ میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے جب بھی بے سکون ہوتا ہوں یہیں پر آتا ہوں۔ اگر تم یہاں سے شروعات کرنا چاہو تو یہ زیادہ خوبصورت ہوگا،

"وہ ایک جھٹکے میں اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے، اسے اپنے قریب کھینچتے ہوئے بولا تو دعام کی تو جیسے سانس سینے میں ہی اٹک گئی تھی۔



سردار کی قربت نے اسے ہکا بکا کر دیا تھا۔ اچانک وہ اس کے لبوں پر جھکتا پوری شدت سے اس کے لبوں کو چومنے لگا تھا۔ کبھی اس کے نچلے لب کو اپنے لبوں میں دباتا تو کبھی ابھرے لب کو، اس کا انداز شدت لیے ہوئے تھا۔ پانی کی ہلکی لہریں، پھولوں کی مہک اور سردار کے ہونٹوں کی تپش نے اس لمحے کو ابدی بنا دیا۔

سردار کے لبوں کی حدت دعام کے لبوں پر یوں محسوس ہوئی جیسے صحرا کو سیراب کرتی بارش ہو۔ لمحہ تھم سا گیا تھا۔ دعام کی سانسیں اس کے سینے میں اٹک گئی تھیں، آنکھیں نیم وا اور دل دیوانہ وار دھڑک رہا تھا۔ وہ اس قربت میں خود کو بھول چکی تھی، صرف سردار تھا اور وہ تھی۔ سردار کی انگلیاں اس کی کمر پر سختی سے جم چکی تھیں اور اس کا بوسہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

سردار۔۔۔!! اچانک وادی میں جبرو کی ہانپتی ہوئی آواز گونجی۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا، اس کی سانس بری طرح اکھڑ رہی تھی، ان دونوں کی طرف آیا۔ اس کی آمد اتنی اچانک تھی کہ سردار اور دعام دونوں چونک گئے۔

سردار نے دعام کے لبوں سے اپنے لب الگ کیے اور ایک جھٹکے میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ دعام کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، وہ شرم سے اپنی نظریں جھکا گئی۔

جمرو بمشکل سانس لیتے ہوئے بولا،

"سردار! وہ... وہ اکرم!"

سردار نے ایک ابرو اٹھایا۔

"اکرم؟ کیا ہوا اسے؟" اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"سردار! اس نے... اس نے منگنی کر لی ہے!" جمرو نے خبر سنائی۔

سردار کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں آیا۔ اس نے ایک قہقہہ لگایا۔

یہ تو اچھی بات ہے، اسے بھی آخر کوئی مل ہی گیا۔ "اس کا لہجہ بے پرواہ تھا۔

"نہیں سردار! اچھی بات نہیں ہے!" جمرو کی آواز میں ایک دھماکہ خیز انکشاف تھا۔

"اس نے منگنی تمہاری سالی رباب سے کی ہے!"

جمرو کے الفاظ فضا میں گونج کر تھم گئے۔ یہ خبر ایک دھماکہ تھی جس نے وادی کی خاموشی کو چیر

دیا۔

دعام كو ايك زور كا جھٹكا لگا، اس كارنگ فق هو گيا۔ ايك لمحے كے ليے اس ٲر سكتے كا عالم طاري هوا، ٲھر اس كے دل ميں ايك عجب سي خوشي كي لهر دوڑ گئي۔ رباب كي منگني هو گئي تهي! يه تو اچھا هوا! ليكن سردار كار د عمل اس كي توقع سے بالكل مختلف تھا۔

سردار كا چهره ٲهله تو ٲتھرا يا، ٲھر اس كے هونٹوں ٲر ايك بے ساخته قهقهه بلند هوا جو ٲوري وادي ميں گونج كر واپس آيا۔ وه اتنے زور سے هسا كه وادي كے ٲهاڑ اس كے قهقهے كي باز گشت بن گئے۔ اس كا قهقهه عام نهیں تھا، اس ميں فتح كا غرور تھا، ايك عجب سي بے ٲروائي اور تمسخر تھا۔ دعام اسے حيرت سے ديكتي ره گئي۔ سردار كے اس بے ساخته قهقهے ميں ايك ايسار از چھٲا تھا جو صرف وهي جانتا تھا۔

○○○○○○○

صبح كي ٲهلي كر نين كنويں كے گرد ٲي ٲلكي دھند كو چاك كر رهي تھیں۔ فضا ميں ايك عجب سي سرگوشي تهي رباب، معمول كے مطابق، دوٲٹھ سنبھالتي، هاتھ ميں مٹكا تھا مے كنويں كي جانب بڑھ رهي تهي۔

ہر روز کی طرح، آج بھی وہ پانی بھرنے جا رہی تھی، جب سے دعام گئی تھی یہ مصیبت اس کے گلے پڑ چکی تھی۔

مگر آج اس کے قدموں میں کچھ اور ہی کشش تھی، سانسوں میں ایک انجانے بے چینی، اس کے دل کی دھڑکنیں، آج الگ انداز میں دھڑک رہی تھی

اور پھر، وہ سایہ جو اس کے خوابوں میں پنپ رہا تھا، اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

وہ اکرم تھا، وہی شخص جس نے اس کے دل کی ویرانی میں امید کا چراغ روشن کیا تھا۔ گھنے درختوں کے سائے میں، سفید گرتے میں ملبوس، اس کی آنکھیں صبح کی روشنی میں چمک رہی تھیں، اور ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ تھی جو صرف رباب کے لیے مخصوص تھی۔

"رباب... اس کی آواز میں نرمی تھی،

رباب ٹھٹک گئی، اس کے چہرے پر حیرت اور شرم کے رنگ یکجا ہو گئے تھے۔

اکرم "آپ؟ یہاں؟ اس وقت؟" اس کی آواز میں بمشکل سوال سمٹ پایا۔ اکرم آہستہ سے مسکرایا، دو قدم اس کی جانب بڑھا۔

بس تم سے ضروری بات کرنی تھی۔ وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

کون سی ضروری بات؟ رات کو فون پر کر لیتے۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

اگر فون پر کرنے والی بات ہوتی تو میں شاید فون پر ہی کرتا۔۔۔"

"کہیں کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ آگے پیچھے دیکھتے ہوئے بولی۔

اکرم تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا، گویا وہ اس لمحے کو وقت کی قید میں کر لینا چاہتا ہو۔ پھر آہستگی

سے بولا

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ... رباب میں چاہتا ہوں ہمارا نکاح ہو... جلد از جلد۔" رباب چونک اٹھی۔ اس نے سر اٹھا کر اکرم کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سے کہیں زیادہ ایک چھپی ہوئی خوشی تھی، جسے وہ شاید خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پارہی تھی۔

"مگر... آپ تو پہلے کہہ چکے ہیں کہ جب تک سردار نہیں پکڑا جاتا، تب تک..." اکرم نے اس کی بات کاٹ دی، اس کی آواز میں ایک عجیب سی ضد تھی۔

"ہاں! کیونکہ میں تمہیں کسی اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میرا کام ادھورا ہے... سردار کا پکڑا جانا، میرے لیے فرض ہے۔

لیکن..." وہ ایک لمحے کو رکا، پھر دھیرے سے رباب کی طرف جھکا۔

"اگر تم میرا ساتھ دو... اگر تم ایک بار قبیلے میں جا کر مجھے تھوڑی سی مدد دے دو... تو شاید یہ سفر جلدی ختم ہو جائے۔"

رباب کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے سمیرہ کی آواز اس کے دماغ میں گونجی۔  
تم ساری زندگی کنواری بیٹھی رہو وہ کبھی سردار کو نہیں پکڑ پائے گا اور تمہارے خواب، خواب ہی رہ جائیں گے۔

نہ جانے کیوں اس کا دل آج بھی اس پر یقین کرنے کو تیار تھا۔ سمیرہ کی تلخی، اس کے حسد کی کہانیاں، سب کچھ پس منظر میں چلا گیا۔ رباب کی آواز دھیمی سی نکلی،  
"آپ مجھ پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں؟" اکرم نے مسکرا کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس کی آنکھوں میں گہرا یقین تھا۔

"تم پر نہیں، رباب... میں صرف تم پر ہی یقین رکھتا ہوں۔" کیونکہ انسان صرف اپنی محبت پر ہی یقین کر سکتا ہے۔ میں اپنی پریشانی سوائے تمہارے اور کسی سے نہیں کہہ سکتا۔  
لیکن۔۔۔۔۔"

رباب لیکن ویکن کی گنجائش نہیں ہے بس تم تھوڑی سی ہمت کرو۔ تو ہم ایک بہترین زندگی کی شروعات کریں گے

رباب نے نہ تو اس کا ہاتھ تھاما اور نہ ہی انکار کیا۔ اس نے بس ہلکے سے سر کو جنبش دی۔ اور اکرم کے لیے یہ اشارہ ہی کافی تھا۔

"میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا... تم چاہو تو میں آج ہی تمہارے گھر والوں سے نکاح کی تیاری کا کہہ سکتا ہوں۔"

رباب نے تھوڑا جھجکتے ہوئے کہا،  
یہ سب... اتنی جلدی؟

اکرم نے نظریں جھکائیں، پھر سنجیدگی سے بولا، "جلدی نہیں، رباب... یہ ضرورت ہے۔ میرے دشمن ہر قدم پر ہیں، اور تم میری کمزوری بن چکی ہو۔ میں چاہتا ہوں تم میرے نام کی ہو جاؤ... اور اس سے پہلے، میں اپنا کام مکمل کر لوں۔"

رباب نے آخری بار اسے دیکھا، اس کے چہرے پر ملے جلے تاثرات تھے۔ امید، خوف،

پھر اس نے چپ چاپ مٹکا اٹھایا، کنویں سے پانی بھرا، اور اکرم کی طرف دیکھے بغیر واپس پلٹ گئی۔

لیکن... اس کے قدموں کی روانی، اس کے دل کے فیصلے کا گواہ تھی۔ وہ اب ایک ایسے راستے پر چل پڑی تھی جہاں محبت کا سراب اسے ایک خطرناک جال کی طرف لے جا رہا تھا۔

○○○○○○○

جرم اور بالا کا معمول بن گیا تھا۔ وہ ہر روز دعام کو جھیل پر لے کر جاتے اور وہاں اسے ایک کیری کھلاتے۔ وہ کھلاتے تو بس ایک ہی تھے۔ مگر دعام کے لیے یہ ایک کیری بھی بہت تھی۔ کچھ تو مل رہا تھا۔

جہاں اس کے اپنے اس سے منہ موڑ چکے تھے۔ وہیں یہ لوگ اس کی دنیا بنتے جا رہے ہیں بالا اور جرم تو سگے بھائیوں سے بڑھ کر محبت کرتے تھے اور پھر، سردار کے ساتھ بھی اسے وہاں بہت مزہ آتا تھا۔

جھیل اب صرف سردار کی ہی نہیں، بلکہ دعام کی بھی پسندیدہ جگہ بن چکی تھی، ایک ایسی جگہ جہاں اسے سکون ملتا تھا اور وہ قبیلے کی سختیوں سے کچھ دیر کے لیے آزاد ہو جاتی تھی۔



اور پھر سردار اسے ہر روز خوبصورت پھولوں کا تاج بھی تو پہناتا تھا۔

دن بھر قبیلے میں گھومتے گھومتے، جانے جمرہ اور بالا اسے کہاں کہاں لے جاتے۔

آج بھی دعام جھیل پر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ سردار صبح کمرے سے نکلتے ہوئے کہہ کر گیا تھا، "ال

جب تم کہو گی تب لے کر چلوں گا، میرا مٹھا سائیں!" بس پھر کیا تھا، اس کا فرمائش پر وگرام "آن" تھا۔

آج کل تو وہ سردار سے کچھ زیادہ ہی فرمائشیں کرنے لگی تھی، اور سردار سر جھکا کر، "ہاں، میرا سوہنا مکھڑا" کہہ کر ہر فرمائش پوری کرتا تھا۔ اسے سردار کی یہ عاجزی، یہ پیار بھرارویہ بہت اچھا لگتا تھا، خاص طور پر جب وہ اسے "ڈاکو جی" کہہ کر پکارتی تو سردار کا چہرہ دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔

اس کے منہ سے بے ساختہ "ڈاکو صدقے" پھسلتا تو وہ شرماسی جاتی

آج دعام نے سفید رنگ کی فراق پہنی تھی جو بے تحاشہ خوبصورت تھی۔ اس فراق میں وہ خود بھی کسی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی، ایک امید بھری

خوشی جو اس کے چہرے پر کھل اٹھی تھی۔ تیار ہو کر وہ نیچے کی طرف جانے لگی، اس کے قدموں میں ایک خاص تیزی تھی، جیسے وہ اپنے پسندیدہ لمحے کی طرف بڑھ رہی ہو۔

○○○○○○○

صبح کی تیش سندھ کے صحرائی گاؤں پر پھیل چکی تھی، جہاں مٹی کے کچے گھر اور سوکھے درخت دھوپ میں نہا رہے تھے۔ رباب، اپنے دن بھر کے معمولات میں مصروف تھی کہ باہر سے کچھ آہٹ سنائی دی۔ اس کے دل میں ایک ان کہی سی دھڑکن نے جنم لیا۔

وہ جانتی تھی کہ کون آیا ہو گا۔ اکرم، اپنے وعدے کا پکا، صبح کی پوری شدت میں رباب کے گھر پہنچ چکا تھا۔

آج اس نے اپنی کڑک وردی پہن رکھی تھی، جو اس کے سرکاری رتبے اور پختہ ارادوں کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

صحن میں داخل ہوتے ہی اس نے رباب کے ابا چاچا اور گھر کے دیگر افراد کو احترام سے سلام کیا۔ اس کی آواز میں وہی نرمی تھی جو ایک معزز رشتے دار کی ہوتی ہے۔

"انکل جی، میں رباب کے نکاح کی تیاری کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔" اس نے مودبانہ انداز میں کہا،

میں چاہتا ہوں کہ رباب اپنے نکاح کا جوڑا خود اپنی پسند سے خریدے، اس لیے اسے اپنے ساتھ شہر لے جانا چاہتا ہوں۔

"میرا مطلب ہے نکاح قریب ہے اور پھر میں مصروف ہو جاؤں گا تو یہ سب کرنے کا وقت نہیں ملے گا اور میں نکاح کے لیے کوئی اور فیصلہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔

رباب کے والدین ایک لمحے کو ہچکچائے۔ ماں کی آنکھوں میں فکر مندی واضح تھی۔

"بیٹا، ابھی تو صرف منگنی کی بات ہوئی ہے، اور ہماری بیٹی کو اس طرح اکیلا شہر بھیجنا...

"ابا کی آواز میں بھی پس و پیش تھی۔ یہ ان کے روایتی اور سادہ اصولوں کے خلاف تھا۔ گاؤں

کے ماحول میں لڑکیوں کا اس طرح اکیلے شہر جانا ایک بڑا قدم تھا۔

اکرم نے ان کے چہروں پر پھیلی تشویش کو بھانپ لیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور انہیں

یقین دلاتے ہوئے بولا

"انکل جی، آپ بے فکر رہیں۔ رباب اب صرف آپ کی نہیں، میری بھی عزت ہے۔ میں اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کروں گا۔ اور میں اسے صرف دو گھنٹے میں واپس یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔"

اس نے اپنی وردی کی طرف اشارہ کیا، اس کے چہرے پر ایک پختہ عزم تھا۔  
"میں صرف آپ کا نہیں، بلکہ پورے گاؤں کا محافظ ہوں۔ میری وردی پر آپ یقین کر سکتے ہیں۔"

چاچا کو اب بھی اعتراض تھا، ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔  
لیکن اکرم بیٹا... یہ گاؤں کا رواج نہیں ہے۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے، رباب کے ابا نے ان کا ہاتھ تھاما۔  
وہ اکرم کی وردی، اس کے پختہ الفاظ، اس کے لہجے میں موجود یقین، اور سب سے بڑھ کر بیٹی کے مستقبل کی فکر سے متاثر ہو چکے تھے۔ انہیں لگا کہ اکرم جیسا وردی والا رشتہ ان کی بیٹی کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ انہوں نے ایک لمحہ سوچا، پھر فیصلہ سنا دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا، تم رباب کو لے جاسکتے ہو۔ مگر احتیاط سے جانا اور وعدے کے مطابق اسے جلد از جلد واپس چھوڑ جانا۔

ان کی آواز میں اعتماد اور مجبوری دونوں جھلک رہی تھیں۔

رباب یہ سب چپ چاپ سن رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی خوشی اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ یہ صرف نکاح کے جوڑے کا بہانہ تھا، اصل مقصد اکرم کا کام تھا، مگر اس کے دل نے اکرم کی باتوں پر اعتبار کرنا چاہا۔ اس کے لیے یہ ایک امید تھی، ایک خواب کی تعبیر کہ اس کی زندگی بدلنے والی ہے۔

باپ کی اجازت ملتے ہی، رباب نے اپنے اندر کی جھجک کو دبایا اور خود کو سنبھالا۔ اس نے ایک نظر اکرم کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں میں ایک گہری، حساب لگاتی چمک تھی۔ یہ چمک رباب کی نظروں سے مکمل طور پر اوجھل رہ گئی۔ اس نے اپنا سر ہلکا سا جھکایا اور اکرم کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

شہر کی جانب نکلتے ہی، رباب نے ایک گہری سانس لی۔ یہ صرف ایک سفر نہیں تھا، یہ اس کی زندگی کا ایک نیا باب تھا، جس میں سادگی، تقدیر، اور شاید ایک پوشیدہ خطرہ بھی شامل تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس سفر کا انجام کیا ہوگا، مگر اس کے دل میں ایک ان کہی امید، اور اکرم پر ایک اٹوٹ یقین تھا۔

○○○○○○

قبیلے کے اندرونی حصے میں ہلچل ہوئی۔ ابرار، جو قبیلے کے نوجوانوں میں سے ایک تھا، چوری چھپے ایک عورت کو قبیلے کے اندر لایا تھا۔ ابرار اسے ایک بند کمرے میں لے گیا، جہاں وہ رات گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ قبیلے کی آنکھیں، جو ہر کونے میں پھیلی ہوئی تھیں، اسے دیکھ رہی ہیں۔

○○○○○○

سردار اور بالا کو اس بات کی بھنک لگ چکی تھی۔ کہنیلے میں کچھ اصولوں کے خلاف ہو رہا ہے۔ سردار، جو اپنے قبیلے کی روایات اور غیرت کا پختہ محافظ تھا، اس بات پر شدید غصے میں تھا۔ بالا، ہمیشہ کی طرح، سردار کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے تیار، اس کے ساتھ تھا۔

یہ خبر یقیناً جمروں نے دی تھی، جس کی نظریں ہمیشہ قبیلے کے ہر فرد کی حرکت پر رہتی تھیں۔

پلک جھپکتے ہی، سردار اور بالانے ابرار کے کمرے کا رخ کیا۔ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے، سردار نے دروازہ کھولا اور ابرار کو اندر سے کھینچ کر باہر نکال لیا۔

اسے کچھ پتہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ پچھلی رات یہاں اس کی قبیلے میں زنا جیسا گناہ کیا گیا تھا

○○○○○○○

ابرار، جو بوکھلایا ہوا تھا، خوفزدہ نظروں سے سردار کو دیکھنے لگا۔

"تم کل رات اس لڑکی کے ساتھ بند کمرے میں کیا کر رہے تھے؟" سردار کی آواز گرجدار تھی، اس کی آنکھوں میں خون اتر ا ہوا تھا۔

"سردار! یہ غلط کام کر رہا تھا! ہمارے قبیلے کو گندا کر رہا تھا!" جمرو کی آواز گونجی،

صبح کی روشنی پھوٹنے سے پہلے اس نے قبیلے سے اس لڑکی کو رفع دفع کروایا ہے۔ جمرو نے تفصیل بتائی تھی اس کے اپنے کمرے سے نکلتے ہی جمروں نے اسے خبردار کر دیا تھا تبھی تو سردار اس وقت یہاں اس کے سامنے کھڑا تھا

جمرو پیچھے کھڑا تھا

"میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے! یہ اس عورت کو چھپا کر لایا تھا!" قبیلے کے ایک اور لڑکے نے گواہی دی تھی۔

ابرار مکمل طور پر بوکھلا چکا تھا۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ وہ کانپتے ہوئے اپنے الفاظ تلاش کرنے لگا۔

سردار... معافی چاہتا ہوں... میں... میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا... میں بس...، وہ اپنی صفائی دینے کی کوشش کر رہا تھا، مگر سردار اور بالا اس کی ایک سننے کو تیار نہیں تھے۔ ان کے لیے یہ عمل قبیلے کی صدیوں پرانی روایت کی کھلی خلاف ورزی تھی۔

سردار نے بالا کو اشارہ کیا۔

"بالا! چابک لاؤ!" سردار کے حکم کی دیر تھی کہ

بالا نے فوراً ایک بھاری چابک لا کر سردار کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سردار نے ایک وحشیانہ مسکراہٹ کے ساتھ چابک کو ہوا میں لہرایا اور پھر بے دردی سے ابرار پر برسنا شروع کر دیا۔ چابک کی آواز صبح کی خاموشی میں وحشت ناک گونج پیدا کر رہی تھی



ابرار درد سے چیخ رہا تھا، اس کا جسم ہر چابک کے ساتھ تڑپ رہا تھا، مگر سردار کا ہاتھ رکا نہیں، اس کا انداز انتہائی وحشیانہ اور بے رحم تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی رحم نہیں تھا، صرف انتقام اور قبیلے کے اصولوں کی پاسداری کا جنون تھا۔

اسی لمحے، دعام، جو اپنی روزمرہ کی فرمائش لے کر سردار کے پاس آئی تھی، نیچے کے منظر کو دیکھ کر ساکت رہ گئی۔

وہ آج پھر سردار سے فرمائش کرنے آئی تھی کہ وہ اسے جھیل پر لے جائے۔ اس کے قدم بے اختیار نیچے کی طرف بڑھ رہے تھے، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجی تھی، جب اچانک یہ وحشیانہ منظر اس کی نظروں کے سامنے آگیا۔

ابرار کی چیخیں، چابک کی تڑتڑاہٹ، اور سردار اور بالا کے چہروں پر چھائی سفاکی... یہ سب دیکھ کر دعام بری طرح ڈر گئی۔ اس کا دل سینے میں دھک دھک کرنے لگا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہٹی، اس کے قدم پتھروں پر لڑکھڑائے اور وہ بری طرح گر گئی۔ اس کے گھٹنے پتھروں سے ٹکرا کر چھل گئے، مگر اسے درد کا احساس بھی نہ ہوا۔ اس کی آنکھوں میں صرف خوف تھا۔ وہ وہاں ایک

لمحہ بھی رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی چادر وہیں پھینک کر، وہ وحشت زدہ حالت میں واپس اپنے پتھر یلے پہاڑ والے کمرے کی طرف بھاگی، اس کی سانسیں پھول رہی تھیں اور دل ڈوب رہا تھا۔ سردار نے یہ منظر دیکھ کر چابک بالا کے حوالے کیا، اس کے چہرے پر ایک لمحے کو پریشانی کے تاثرات ابھرے۔ وہ فوراً دعام کے پیچھے، اوپر کی طرف لپکا، اس کے ذہن میں دعام کا خوفزدہ چہرہ اور چھلے ہوئے گھٹنے گھوم رہے تھے۔

○○○○○○○

سردار نے ابرار پر چابک بالا کے حوالے کیا اور بجلی کی سی تیزی سے اوپر دعام کے کمرے کی طرف لپکا۔ اس کے ذہن میں ابرار کی سزا سے زیادہ دعام کا خوفزدہ چہرہ اور اس کے چھلے ہوئے گھٹنے گھوم رہے تھے۔

اسے فکر تھی کہ اس کی معصوم سائیں "کتنی ڈر گئی ہوگی۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اس نے دعام کو بستر کے ایک کونے میں سمٹا ہوا پایا۔ وہ لرز رہی تھی، اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور آنکھوں میں دہشت کے گہرے سائے تھے۔ سفید شلواری پر خون کے سرخ دھبے صاف دکھائی دے رہے تھے، جو اس کے گھٹنوں سے رس رہا تھا۔

سردار کا دل ایک لمحے کو دہل گیا۔ وہ فوراً دعام کے پاس آیا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں اب وہ گرج نہیں تھی، بلکہ ایک بے پناہ نرمی اور فکر مندی تھی۔ "میری بہادر چوڑی... میرا سوہنا مکھڑا... کیا ہو امیری جان کے ٹوٹے؟" اس نے نرمی سے کہا،

"تم اتنی ڈر کیوں گئی ہو؟"

دعام نے سردار کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا، اس کے ہونٹوں پر کپکپی طاری تھی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکی، بس نفی میں سر ہلاتی رہی۔ اسے ابھی بھی نیچے کا وحشیانہ منظر یاد تھا، اور سردار کا وہ روپ جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سردار نے دعام کا ہاتھ تھاما،

"میرا مٹھا سائیں، وہ غلط کر رہا تھا، بہت غلط۔" اس کی آواز میں سمجھانے کا تاثر تھا، "قبیلے میں ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسے سزا ملنی ہی تھی۔ میں بس اسے سزا دے رہا تھا۔" اس نے دعام کے چہرے پر اپنی ہتھیلی پھیری، جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔ اس کی نظریں اس کے گھٹنوں پر پڑیں جہاں سے خون رس رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر فکر مندی کی لکیریں ابھر آئیں۔

"اوہ، میرے معصوم سائیں!" یہ کیا کر لیا۔

وہ بے اختیار بڑبڑایا،

درد ہو رہا ہو گا؟" اس نے فوراً اپنی قمیض کے پلو سے دعام کے گھٹنے پر بہتے خون کو صاف کیا۔ پھر اس نے اپنے جوتے کی نوک سے ایک ڈبیا نکالی، جو شاید ہمیشہ اس کی جیب میں ہوتی تھی۔ وہ ایک مرہم کی ٹیوب تھی، جو اس نے بڑی احتیاط سے دعام کے پلازوپجائے کو گھٹنے سے اوپر کرتے ہوئے چھلے ہوئے گھٹنے پر لگائی۔ اس کے مضبوط ہاتھ انتہائی نرمی سے مرہم مل رہے تھے، اس کی کل کائنات بس یہ لڑکی ہی تھی۔

مرہم لگانے کے بعد اس نے دعام کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

کیا جھیل پر جانا چاہتی ہو، میرا مٹھا سائیں؟"

دعام نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی خوف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسے سردار کا یہ روپ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس کا وحشیانہ غصہ اور پھر یہ بے پناہ نرمی۔

"ڈاکو جی... میں..." اس کی آواز گلے میں اٹک گئی۔

ڈاکو صدقے، میرا سجن سائیں۔ سردار نے اس کی حالت دیکھ کر ایک لمبی سانس لی۔ اسے احساس ہوا کہ دعام ابھی بہت خوفزدہ ہے۔

"ٹھیک ہے میرا سوہنا مکھڑا، ابھی نہیں۔" بلکہ شام کو چلتے ہیں اس نے اسے سہارا دے کر بستر پر بٹھایا۔

"تم یہیں آرام کرو۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو بھیجو اتا ہوں۔" اس نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک آخری نظر دعام پر ڈالی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے چینی تھی، جیسے وہ اپنی کل کائنات کو پریشان دیکھ کر خود بھی اذیت میں ہو۔

oooooooo

"ڈاکو جی تو ظالم ہیں... بالا بھائی ابھی کتنے ظالم ہیں... اتنے ظالم! میں بالا بھیا سے بات نہیں کروں گی!"

ڈاکو جی سے بھی بات نہیں کروں گی!" دعام بڑبڑا رہی تھی۔ وہ بستر پر سمٹی ہوئی تھی، اس کا ذہن ابھی تک اس وحشت ناک منظر میں الجھا ہوا تھا۔

کیسے مار رہے تھے اس بیچارے کو... اگر وہ مر جاتا تو کیا ہی گندا کام کیا ہو گا اس نے... کیسے مار رہے تھے اس کو!

اللہ اللہ! وہ رات کو سوئے گا کیسے اتنی زیادہ مار کھانے کے بعد!"

اس کے گھٹنوں میں درد ہو رہا تھا جہاں سردار نے مرہم لگایا تھا۔ وہ بار بار ان پر پھونکیں مارتی، درد کو کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کے ذہن میں اس انسان کا خیال بھی تھا جس نے مار کھائی تھی۔ سردار کے حوالے سے تو اسے پہلے ہی شک تھا کہ وہ ظالم ہو گا، اس کی شکل بھی ظالموں والی تھی

آنکھوں میں سختی اور چہرے پر ہر وقت ایک روب۔ لیکن بالا! اس کا بالا بھیا تو دنیا کا سب سے اچھا بھائی تھا، اسے پیار کرتا تھا، اس کا خیال رکھتا تھا۔ وہ ایسا ظالم ہو گا، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ خیال اسے اندر تک ہلا رہا تھا۔

وہ انہی گہری سوچوں میں گم تھی جب دروازہ کھلا اور بالا کھانا لے کر اندر آیا۔ بالا کو دیکھتے ہی دعام کے خوف سے اس کی سانس رکی۔ اس کا وہی وحشی روپ جو اس نے نیچے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

بالا نے کھانے کی تھالی ایک طرف رکھی اور دعام کی طرف ایک نظر ڈالی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی شرارت بھری مسکراہٹ تھی، شاید وہ دعام کو چھیڑنا چاہ رہا تھا۔

"بڑا شوق چڑھا ہے تمہیں جھیل پر جانے کا... وہ بھی سردار کے ساتھ! میں نے تمہیں کیا کہا تھا چھوٹی، تھوڑا صبر سے کام لینا... کام ختم کر کے میں تمہیں جھیل پر لے کر جاؤں گا!" وہ مزید مسکراتے ہوئے بولا،

اور ویسے بھی، میرے ساتھ جھیل پر جانے کا تو میں فائدہ بھی تو ہے!" لیکن دعام مسکرا بھی نہ سکی۔ اس کے ذہن میں تو بس بالا کا وہی روپ گھوم رہا تھا، وہی بے رحمی جس سے وہ ابرار کو مار رہے تھے۔

وہ خوفزدہ تھی اور اس کے لیے مسکرانا ناممکن تھا۔

بالا نے اس کی خاموشی اور چہرے پر پھیلے خوف کو محسوس کیا۔ اس کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے مٹ گئی۔

"چلو جلدی سے کھانا کھاؤ۔ اب جھیل پر تو صبح ہی جائیں گے کیونکہ سردار کا کہنا ہے کہ تمہاری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

اس نے کھانے کی تھالی اس کے سامنے لگاتے ہوئے پوچھا، "بولو کچھ..."

اب کیا منہ میں دہی جما کر بیٹھ گئی ہو؟" وہ اسے خاموش بیٹھے دیکھتا رہا۔ دعام نظریں زمین پر جھکائے بیٹھی تھی، ایک لفظ بھی نہیں بول رہی تھی۔ بالا کافی دیر اسے دیکھتا رہا، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنجیدگی چھا گئی۔

پھر بالانے ایک گہری سانس لی اور نرمی سے بولا،

وہ آدمی غلط کام کر رہا تھا دعام، بہت غلط۔" اس کی آواز میں اب ایک عجیب سی ٹھہراؤ تھا، "قبیلے میں بے شک بہت غلط کام ہوتے ہیں، یہاں قتل بھی ایک عام بات ہے، لیکن زنا ہم کسی کو نہیں کرنے دیتے۔ یہ ہمارے قبیلے کے اصولوں کے خلاف ہے۔"

وہ دعام کے قریب ہوا، اس کی آواز دھیمی ہو گئی "وہ آج رات میں بہت غلط کام کر رہا تھا... وہ کسی عورت کو خرید کر لایا تھا یہاں۔"

وہ! ہمارے قبیلے میں حرام گندگی پھیلا رہا تھا! یہ قبیلہ ہمارے بزرگوں کی قربانیوں کے ساتھ بنا ہے، دعام۔ ہم نے اپنی مائیں، بہنیں آگ میں جلتی ہوئی دیکھی ہیں۔ یہ ان کی قربانیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے یہ قبیلہ! ہم اس قبیلے کو گندا نہیں ہونے دے سکتے۔ بس اسی لیے ہم نے وہ کام کیا جو



ضروری تھا۔ میں جانتا ہوں تم خوفزدہ ہو گئی ہو، لیکن میری پیاری بہنا، کچھ معاملات میں دل کو ایک طرف رکھ کر سوچنا پڑتا ہے۔"

اس نے ایک لمحہ دعام کی طرف دیکھا، اسے امید تھی کہ دعام اس کی بات سمجھ جائے گی۔ "تم کھانا کھاؤ۔ ہم صبح جھیل پر چلیں گے۔" بالانے دیکھا کہ دعام اب بھی ساکت تھی اور اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا، تو وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

دعام خاموشی سے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا، اور بالا کی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ اسے قبیلے کے اصولوں کی یہ سختی اور بالا کی توجیہات سمجھ نہیں آرہی تھیں۔ اسے بس ایک بات معلوم تھی کہ وہ جس بالا کو جانتی تھی، وہ اتنا ظالم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا خوف کم نہیں ہوا تھا۔

○○○○○○○

شہر کا سفر باب کے لیے ایک عجیب تجربہ تھا۔ اکرم نے دکان پر اسے نکاح کا جوڑا پسند کرنے میں مدد کی، مگر باب کی نظریں بار بار اکرم کے چہرے پر ٹک جاتیں۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ یہ شخص ایک لمحے میں کتنا مہربان ہو جاتا تھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں ایک ایسی سختی

جھلکتی تھی جو اس کی روح تک کو سرد کر دیتی تھی۔ اس کے اندر ایک کشمکش جاری تھی؛ کیا یہ واقعی وہی محبت تھی جس کا اکرم دعویٰ کر رہا تھا، یا یہ سب کچھ اور تھا؟

جوڑے کا وعدہ پورا کرتے ہی اکرم رباب کو لے کر واپس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ مگر اس نے گاڑی گاؤں کے اندر لے جانے کی بجائے، اسے قبیلے کے قریب، ایک نسبتاً سناٹا جگہ پر روکی۔ رباب کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، اسے معلوم تھا کہ اب اصل مقصد کی بات ہوگی۔

اکرم نے گاڑی کا انجن بند کیا اور رباب کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر ایک سنجیدگی تھی جو رباب کو مزید خوفزدہ کر گئی۔ "رباب، اب تمہیں اندر جانا ہے۔" اس نے سیدھے الفاظ میں کہا۔ رباب کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔

"اندر؟ کہاں؟" اس نے بمشکل پوچھا۔

"قبیلے کے اندر!" اکرم نے وضاحت کی، "تم نے وہاں دعام کو یقین دلانا ہے۔ اسے سمجھانا ہے کہ ہم اسے وہاں سے آزاد کروا سکتے ہیں۔ ایک ڈاکو کے ساتھ اس کی زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے انسان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی جو صرف قتل و غارت اور غیرت کے نام پر خون کے سوا اور کچھ نہیں کرتا۔" اکرم کی آواز میں ایک ایسی شدت تھی۔

رباب کارنگ فق ہو گیا۔ اس کی رگوں میں خون جمنے لگا۔ قبیلے کے اندر؟ جہاں ڈاکو بستے تھے؟ جہاں سردار اور بالا جیسے وحشی لوگ تھے؟ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے وہاں جانا پڑے گا۔ خوف سے اس کی جان نکل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پسینے سے بھیگ گئے، اور سانس لینا دشکل ہو گیا۔

"میں... میں کیسے...؟"

"تمہیں کرنا ہو گا، رباب!" اکرم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، مگر اس کے انداز میں نرمی کم اور حکم زیادہ تھا۔ "تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہونا؟ یہ ہمارے مستقبل کے لیے بہت ضروری ہے۔ دعام کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ وہ ایک بے بس لڑکی ہے جو ان ظالموں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔"

اور پھر ہمارا مقصد صرف دعام کو بچانا نہیں ہے ہمارا مقصد اس پورے گاؤں سے ڈاکو کی دہشت کو ختم کرنا ہے۔ اور اگر میں یہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تم اندازہ نہیں لگا سکتی میری زندگی کس طرح سے بدلے گی اور اگر میری زندگی بدلے گی تو زندگی تو تمہاری بھی بدلے گی۔ ڈی سی پی کی بیوی کہلاؤ گی تم۔۔۔۔۔" وہ جیسے اس کا ڈر ختم کر کے اسے مستقبل کی سنہری خواب دکھا رہا تھا۔

رباب بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی، بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کے اندر کا ہر ریشہ چیخ رہا تھا کہ وہ یہ نہ کرے، مگر اکرم کی باتوں نے، اس کے بھروسے کے دعوؤں نے، اور مستقبل کی امید نے اسے مجبور کر دیا۔ وہ کچھ بھی بول نہ سکی، بس نفی میں سر ہلانے کی ہمت بھی نہ کر پائی۔ اس نے جیسے تقدیر کے سامنے ہار مان لی ہو۔ اس نے اکرم کے ہاتھ سے ایک چھوٹی سی تھیلی لی، جس میں شاید دعام کے لیے کچھ پیغام یا چیز تھی۔

○○○○○○○

گاڑی سے اترتے ہی رباب نے قدم اٹھائے، اس کے ہر قدم پر زمین کانپ رہی تھی۔ وہ قبیلے کے حدود کی طرف بڑھنے لگی۔ ابھی وہ قبیلے کے قریب ہی پہنچی تھی کہ کسی نے اسے دیکھ لیا۔ وہ جمرو تھا، جو ہمیشہ قبیلے کے اطراف میں نظر رکھے رہتا تھا۔ جمرو نے رباب کو پہچان لیا، وہ سردار کی سالی تھی!

جمرو نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور بجلی کی سی تیزی سے بھاگ کر سردار کو خبر دی۔ "سردار! سردار! رباب آئی ہے! وہ باہر قبیلے کے قریب ہے!"

سردار، جو اپنے مخصوص مقام پر دعام کی وجہ سے پریشان بیٹھا تھا، یہ خبر سن کر چونکا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی، ایک ایسی مسکراہٹ جو بظاہر تو خوشی کی تھی مگر اس کے اندر ایک گہری، پُر فریب چالاکی چھپی تھی۔ وہ اپنے منصوبے کی تکمیل کے ایک قدم اور قریب تھا۔

"سالی صاحبہ کو عزت سے قبیلے کے اندر لے کر آؤ!" سردار نے حکم دیا، اس کی آواز میں ایک انوکھی روانی تھی جو اس کی ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ رباب کا یہاں آنا کسی عام وجہ سے نہیں تھا،

○○○○○

سردار، دور شاہی پتھر پر بیٹھا، اپنی ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ رباب کو قبیلے کی حدود میں داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں ایک فاتحانہ چمک تھی، جیسے وہ کسی شطرنج کی بازی کا اگلا مہرہ چلنے والا ہو۔

جمرو، سردار کا حکم سن کر بجلی کی سی تیزی سے رباب کی طرف بھاگا۔ اس کے چہرے پر عزت اور فرمانبرداری کے تاثرات تھے۔

"سردار کی سالی صاحبہ! تشریف رکھیے!" اس نے قبیلے کے بچوں بیچ ایک صاف ستھری چارپائی بچھا کر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"آپ یہاں بیٹھیں، ہم بھابھی کو بلا کر لاتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ فوراً مڑا اور دعام کے کمرے کی طرف دوڑ پڑا۔

○○○○○○

اوپر، دعام ابھی بھی اپنے گھٹنوں کے درد اور بالا کی باتوں کے تضاد میں الجھی ہوئی تھی۔ جمرو ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ "بھابھی! نیچے... نیچے آپ کی بہن آئی ہے!" دعام کو یقین نہیں آیا۔

"میری بہن؟" وہ جھٹکے سے اٹھی۔ کئی دنوں سے وہ اپنے گھر والوں سے دور تھی، اس کی آنکھوں میں ایک امید سی چمکی۔ وہ فوراً جمرو کے ساتھ نیچے آئی، جہاں رباب چارپائی کے قریب کھڑی تھی۔

رباب نے دعام کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اپنی باہیں پھیلائیں اور دعام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ دعام بھی رباب سے مل کر بہت خوش تھی،

جرودونوں کو آپس میں لپٹے دیکھ کر مسکرایا۔

بھابھی، آپ اپنی بہن سے باتیں کریں۔ میں ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہوں۔ "یہ کہہ کر وہ فوراً وہاں سے نکل گیا۔ دعام نے ایک نظر دور پتھر پر بیٹھے سردار کو دیکھا، جو ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا، اور ہلکا سا مسکرا دی۔ پھر وہ رباب کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"دیکھو دعام بظاہر میں تمہیں اپنی منگنی کی خوشخبری دینے کے لیے آئی ہوں،" رباب نے دھیمی، سرگوشی جیسی آواز میں بات شروع کی، تاکہ کوئی اور نہ سن سکے۔ اس نے دعام کا ہاتھ تھاما۔

"لیکن درحقیقت، میں تمہیں یہ بتانے کے لیے آئی ہوں کہ تم خود کو اکیلے مت سمجھنا۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم اس ڈاکوؤں کے پورے گروہ کو جلد ہی منظر عام پر لے آئیں گے۔ یہ سب لوگ پکڑے جائیں گے۔ تمہیں آزادی ملے گی، اور... اور اس کے لیے تمہیں ہماری مدد..."

"رباب بابی!" دعام نے اسے بات کاٹنے پر مجبور کیا، اس کی آواز میں ایک عجیب سی سختی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میں تو۔۔۔"

"دعام! میری بات سنو!" رباب نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی، اس کا لہجہ اب پر عزم تھا۔  
"میں جانتی ہوں یہ لوگ تم پر یقیناً بہت ظلم کرتے ہوں گے، یہ بہت ظالم لوگ ہیں۔ قتل و غارت اور غیرت کے نام پر خون کرنا ان کے لیے بہت معمولی سی بات ہے۔ میں جانتی ہوں تمہارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ ایک ڈاکو کے ساتھ تمہاری کوئی زندگی نہیں ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں، میں تمہیں بچاؤں گی، تمہیں یہاں سے نکلواؤں گی! یہ ڈاکو تمہیں طلاق دے گا اور۔۔۔"

"چپ ہو جائیں، رباب باجی!" دعام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس نے رباب کا ہاتھ جھٹک دیا، اس کی آواز میں اب غصہ اور چڑچڑاپن تھا۔

"آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں یہاں بہت خوش ہوں! میرا شوہر بہت اچھا ہے اور مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ یہاں کے سارے لوگ میرے اپنے ہیں۔ اور میں یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتی! اور بہتر ہو گا کہ آپ بھی دوبارہ یہاں نہ آئیں۔ آپ لوگ اپنی زندگی کی خاطر مجھے چھوڑ چکے ہیں، تو اب یہ ہمدردی کے دکھاوے کرنے کیوں آئے ہیں آپ لوگ؟"



دعام غصے سے کپکپا رہی تھی۔ اس نے رباب کو دوسری دفعہ دیکھے بغیر چارپائی سے اٹھی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، اس کا دل اس دکھاوے اور جھوٹ سے پھٹنے کو تیار تھا۔

رباب حیرت زدہ رہ گئی۔ دعام کا یہ رد عمل اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ اس نے ایک سرد سی نگاہ دور پتھر پر بیٹھے سردار کی طرف ڈالی، جواب مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک گہری چالاکی اور اطمینان تھا، جیسے اس نے ایک اور بازی جیت لی ہو۔

"جمرو! سالی صاحبہ کو قبیلے کے باہر چھوڑ کے آؤ تحفظ سے۔ انسپیکٹر صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔" دلدار نے بھرپور انگڑائی لیتے ہوئے پتھر سے نیچے چھلانگ لگائی اور اطمینان سے اوپر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ رباب کی کوشش ناکام ہو چکی تھی۔

○○○○○○

دعام اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی، رباب کی تلخ باتوں اور اپنے دل میں اٹھنے والے تضادات نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ اسے ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے اپنے خاندان نے اسے کیوں چھوڑ دیا تھا، اور اب یہ دکھاوے کی ہمدردی کیوں؟ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ دروازہ کھلا اور سردار اندر آیا۔

"میرا مٹھا سائیں! میری بہادر چوڑی!" سردار کی آواز کمرے میں گونجی۔ اس کے لہجے میں وہی رعب تھا، مگر اب اس میں ایک خاص اپنائیت اور نرمی بھی تھی۔

"میرا سوہنا مکھڑا، تیار ہو جاؤ!"

دعام نے چونک کر سردار کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی بھی رباب کے الفاظ کی گونج تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہی، کچھ بھی نہ بولی۔ سردار نے اس کی خاموشی اور چہرے پر چھائی اداسی کو بھانپ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ رباب کی باتوں نے اسے تکلیف پہنچائی ہے۔ سردار مسکرایا، ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کے چہرے پر کم ہی آتی تھی۔

"آج ہم دونوں ڈنر ڈیٹ پر جائیں گے!"

دعام نے حیرت سے سردار کی طرف دیکھا۔ "ڈیٹ؟" اس نے بمشکل پوچھا۔ یہ لفظ اس نے صرف فلموں میں سنا تھا۔

"ہاں، ڈیٹ!" سردار نے سر ہلایا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"جیسے انگریز لوگ ڈیٹیں مارتے ہیں نا، اسی طرح ہم جھیل کنارے ڈنر کریں گے۔ میں نے بالا سے سارا انتظام کروایا ہے۔" اس نے دعام کے قریب آکر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ اور ہاں، لال رنگ کا لباس پہننا۔ تم اس رنگ میں بہت پیاری لگتی ہو۔"

سردار نے رباب کے بارے میں کوئی بات نہیں کی، جیسے اس کا ذکر ہی نہ ہو۔ اس نے صرف دعام کو خوش کرنے پر توجہ دی۔ دعام، جس کو رباب کی باتوں نے بہت بے سکون کر دیا تھا، اس وقت بس سکون چاہتی تھی۔ سردار کی یہ چھوٹی چھوٹی کوششیں اسے عجیب سا اطمینان دے رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور الماری سے لال رنگ کا خوبصورت لباس نکالتے ہوئے تیاری کرنے لگی۔ اسے یہ چھوٹی چھوٹی کوششیں بہت اچھی لگتی تھیں، یہ احساس کہ کوئی اسے خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے دل میں سردار کے لیے بہت خاص مقام بنا رہا تھا۔

○○○○○○○

جھیل کے کنارے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور چاند کی ہلکی روشنی پانی کی سطح پر رقص کر رہی تھی۔ یہ منظر کسی خواب سے کم نہیں تھا۔ سردار نے بالا سے خاص طور پر جھیل کنارے ڈنر کا انتظام کروایا تھا۔ ایک بڑے سے پتھر کے قریب رنگین قمقے لگائے گئے تھے جو مدھم مدھم روشنی بکھیر رہے تھے، اور درمیان میں ایک خوبصورت دسترخوان بچھا ہوا تھا۔

دستر خوان پر دعام کی پسند کی تمام چیزیں موجود تھیں۔

میٹھے پھل، مختلف قسم کی روٹیاں، تازہ سبزیاں، اور کئی طرح کے سالن۔ سردار کو اچھی طرح معلوم تھا کہ دعام گوشت نہیں کھاتی تھی، اس لیے اس بات کا خاص دھیان رکھا گیا تھا کہ دستر خوان پر گوشت سے بنی کوئی چیز نہ ہو۔ یہ چھوٹی سی بات دعام کے دل کو چھو گئی۔ اسے اچھا لگتا تھا کہ سردار اس کی پسندنا پسند کا اتنا خیال رکھتا ہے۔

دعام لال رنگ کے لباس میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی، اس کا چہرہ چاند کی روشنی میں دمک رہا تھا۔ وہ سردار کے ساتھ پتھر پر بیٹھی، جہاں سے جھیل کا دلکش منظر نظر آ رہا تھا۔ سردار نے اسے اپنے قریب بٹھایا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جو اس کے اندر کے وحشی ڈاکو سے کہیں مختلف تھی۔

"کیسا لگا میرا سر پرانز، میرا سوہنا مکھڑا؟" سردار نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

دعام نے سردار کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"ڈاکو جی، بتا کر سر پرانز نہیں ہوتا اپ نے مجھے کمرے میں بتا دیا تھا کہ یہاں کیا ہونے والا ہے اس نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کی تھی۔

او هو یہ تو میں نے تم پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ڈیٹ مارنے آیا ہوں۔ چلو اگلی دفعہ بتائیں بغیر لے کر آؤں گا، لیکن یہ تو کہ یہ سب تمہیں کیسا لگا۔

... بہت اچھا ہے۔ "اس نے شرماتے ہوئے کہا۔ اسے سردار کی یہ چھوٹی چھوٹی کوششیں بہت اچھی لگتی تھیں، یہ احساس کہ وہ اسے خوش کرنے کے لیے اتنا کچھ کرتا ہے۔ یہ سب رباب کی باتوں کے بعد اسے کچھ سکون دے رہا تھا۔

دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا، جھیل کی پر سکون فضا میں ستاروں کی چمک اور چاند کی نرم روشنی میں یہ ڈنر ایک انوکھا تجربہ تھا۔ سردار نے اسے پیار سے لقمے کھلائے، اس کی ہر ادا میں وہ اپنائیت تھی جو شاید ہی اس کے ڈاکو انہ روپ میں کوئی دیکھ پاتا۔ دعام نے محسوس کیا کہ یہ وہ لمحات تھے جب وہ اس ڈاکو سردار کے ساتھ بھی محفوظ اور خوش محسوس کرتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا ایک ایسا تضاد تھا جسے وہ خود بھی سمجھ نہیں پار ہی تھی۔

○○○○○○

دعام جھیل کے کنارے سردار کے پہلو میں بیٹھی تھی، جہاں ستاروں بھری رات اور چاند کی نرم روشنی پانی پر جھلما رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک حسرت تھی، ایک ایسی خواہش جو اس کے دل میں مدت سے پنپ رہی تھی۔

"ڈاکو جی، آپ نے غلط جگہ پر کمرہ بنوایا ہے۔" اس نے سردار کی طرف دیکھتے ہوئے، ایک پیار بھری شکایت کی،

"آپ کو یہاں اس مقام پر کمرہ بنوانا چاہیے تھا! ہم یہاں جھیل کنارے رہتے، کتنا اچھا لگتا مناسب کچھ؟"

"اس کی آواز میں معصومیت اور ایک انوکھی حسرت تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ جس شخص سے بات کر رہی تھی وہ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔

وہ جیسے سارے دن کی باتیں بھول چکی تھی۔ رباب کا آنا، اس کی تلخ باتیں، بالا کی وضاحتیں سب کچھ اس خوبصورت ماحول میں دھندلا چکا تھا۔ وہ ایک دم تروتازہ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے ایک لمبی سانس لی اور اٹھنے لگی۔ "چلیں اب اس خوبصورت جگہ کو چھوڑ کر واپس اسی پہاڑ پر چلتے ہیں، کل پھر آئیں گے یہاں۔۔۔!" اس کے لہجے میں ایک معصوم مایوسی تھی۔

سردار نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جو اس کے سخت چہرے کو نرم بنا رہی تھی۔ اس نے پیار سے دعام کا ہاتھ تھاما اور اسے دوبارہ اپنے قریب بٹھایا۔"

میرا معصوم سائیں، اگر یہاں رہنا چاہے تو کیا سردار یہ چھوٹی سی خواہش پوری نہیں کر سکتا؟" اس کی آواز میں ایسا پیار تھا جو دعام کے دل میں اتر گیا۔

دعام نے حیرت سے سردار کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہزاروں سوالات تھے۔  
رہنا؟ یہاں؟

سردار نے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے بنے ایک بڑے سے خیمے (ٹینٹ) کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ٹینٹ جھیل کے بالکل قریب نصب کیا گیا تھا، قہقروں کی مدھم روشنی میں چمک رہا تھا۔

"ڈیٹ مارنے کے بارے میں بتایا تھا نا؟ یہ تو تمہارے لیے سرپرائز ہو گا!" اس نے شرارت سے کہا۔

دعام کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی ایک ساتھ ناچنے لگی۔ وہ ایک لمحے کو ساکت ہوئی، پھر کھکھلا کر ہنسی۔ اس کی ہنسی کی آواز جھیل کے پانی میں گونجی، اور سردار کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اس کی یہ ہنسی سردار کے لیے دنیا کی سب سے خوبصورت آواز تھی۔

"اس کا مطلب ہے ہم نہیں جا رہے؟ ہم یہیں رکیں گے رات کو؟" دعام کی آواز خوشی سے چمک رہی تھی، جیسے کوئی ننھا پرندہ پہلی بار اڑا ہو۔

سردار، دعام کی اس بے ساختہ خوشی پر اپنا آپ ہار بیٹھا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا، ایک ایسی ہنسی جو اس کی روح سے نکلی تھی۔ اس نے اپنے بازو پھیلائے، اور دعام اگلے ہی لمحے چمکتے ہوئے اس کے سینے سے لگ گئی۔ سردار نے اسے اپنی باہوں میں مضبوطی سے بھر لیا، جیسے وہ اسے دنیا کی ہر آفت سے بچانا چاہتا ہو۔

دعام کا نرم و نازک وجود اس کے طاقتور بازوؤں میں محفوظ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ سردار کے سینے میں چھپایا، اور سردار نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں، ایک گہرا سکون دونوں پر چھا گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ باہر کی دنیا میں کیا چل رہا ہے، اس لمحے ان دونوں کی دنیا



صرف یہ جھیل کنارہ اور ایک دوسرے کا ساتھ تھا۔ محبت کا ایک نیارنگ ان کے رشتے میں گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

oooooooo

دلدار کے مضبوط بازوؤں میں سمٹی، دعام نے ایک ایسا سکون محسوس کیا جو اسے اس دنیا میں آنے کے بعد ہی ملا تھا۔ اس کی دھڑکنیں دلدار کے سینے سے ٹکرا رہی تھیں، ایک آرام دہ تال جو اس کے اندر کے شور کو خاموش کر رہی تھی۔ اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا، آنکھیں دلدار کی آنکھوں میں ڈوب گئیں۔ اس ہلکی روشنی میں، اس کی آنکھیں، جو عام طور پر سخت اور حکم چلانے والی ہوتی تھیں، اب پیار اور نرمی سے چمک رہی تھیں۔

"میری بہادر چوڑی،" دلدار نے نرمی سے کہا، اس کی آواز ایسی تھی جیسے ریشم پر شبنم گر رہی ہو۔ اس نے آہستہ سے دعام کے گال کو چھوا، اس کی انگلی کا لمس دعام کی رگوں میں بجلی بن کر دوڑا۔ "میرا یہ دل بس تم پر ہی ٹھہر گیا ہے، میرا سوہنا مکھڑا۔"

دعام نے اپنا نازک ہاتھ دلدار کے ہاتھ پر رکھا، اس کی انگلیوں نے اس کی سخت انگلیوں کو تھام لیا۔ یہ ایک خاموش وعدہ تھا، ایک ایسا رشتہ جو ان کے درمیان بن چکا تھا، اتنا سچا اور پیارا کہ اس

پر یقین کرنا مشکل تھا۔ وہ اب بھی اسے "ڈاکو جی" کہتی تھی، ایک شرارت بھرا نام جو اس کے سخت پن کی یاد دلاتا تھا، لیکن اس لمحے، وہ صرف دلدار تھا، وہ شخص جس نے اسے اپنی سانسوں سے زیادہ عزیز بنالیا تھا۔

دلدار آہستہ سے دعام کے قریب آیا، اس کی گرم سانسیں دعام کے ہونٹوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ دنیا خیمے کے باہر کہیں غائب ہو چکی تھی، بس وہ دونوں تھے، اس پیار بھرے لمحے میں قید۔ اس کی نظریں دعام کے ہونٹوں پر ایک لمحے کو ٹھہریں، پھر اس نے آہستہ سے اپنے ہونٹ دعام کے ہونٹوں پر رکھ دیے۔

یہ بوسہ بہت نرم تھا، جیسے کوئی پہلی بار کسی پھول کو چھو رہا ہو۔ یہ صرف ہونٹوں کا ملنا نہیں تھا، یہ روحوں کا ملاپ تھا۔ دعام کی آنکھیں آہستہ سے بند ہو گئیں، اور وہ مزید اس کے بازوؤں میں سمٹ گئی، اس کا جسم خود بخود اس کی محبت کی طرف کھینچ رہا تھا۔ جیسے جیسے یہ لمحہ گہرا ہوتا گیا، بوسہ پر جوش ہوتا گیا، یہ ان بے پناہ جذبوں کا اظہار تھا جو ان کے دلوں میں پروان چڑھ رہے تھے۔ یہ ایک ایسا بوسہ تھا جو چاہت کی کہانی کہہ رہا تھا، ایک ایسے رشتے کی جو انوکھی صورت حال میں بنا تھا، اور آنے والے لمحوں کا ایک میٹھا وعدہ تھا۔

جب ان کے ہونٹ الگ ہوئے، تو دونوں کی سانسیں تیز تھیں، ان کی پیشانیاں ایک دوسرے سے لگی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان کی فضا ان کہی باتوں اور گہری قربت سے بھری ہوئی تھی۔ دعام کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا، اس کا انگوٹھا آہستہ سے اس کی کھر دری جلد پر پھر رہا تھا۔

دلدار کی نظریں دعام کے چہرے پر گھومیں، اس کی آنکھوں میں ایک ایسا پیار تھا جو صرف اسی کا تھا۔ "آج سے یہ جھیل کنار ابس ہمارا ہے، میرا مٹھا سائیں۔ ہماری محبت کا ٹھکانہ۔" اس کے الفاظ ایک خاموش عہد تھے، اس خاص جگہ اور اس کے ساتھ اس کے رشتے کا اعلان۔

دعام مسکرائی، ایک سچی اور روشن مسکراہٹ جو اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ "ہمارا،" اس نے سرگوشی کی، یہ لفظ اس کے لیے سچائی اور اپنے پن کا احساس لیے ہوئے تھا۔ ڈاکو کے ٹھکانے کے بیچ میں، ایک پرسکون جھیل کے کنارے، ایک نازک محبت پروان چڑھ رہی تھی، جو ان کی انوکھی دنیا کو غیر متوقع قربت اور گہرے، لازوال پیار کے رنگوں سے رنگ رہی تھی۔ یہ رات ان کی تھی، ایک ایسے رشتے کا خاموش ثبوت جو دنیا کی توقعات سے کہیں بڑھ کر تھا اور سب سے غیر متوقع جگہوں پر پھل پھول رہا تھا۔

صبح کی پہلی کرنیں کمرے کے اندر جھانک رہی تھیں، جورات بھر کی قربتوں کے بعد ایک نئی کہانی کا آغاز کر رہی تھیں۔ دعام کی آنکھ کھلی تو سردار شیشے کے سامنے کھڑا تھا، اس کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی تھی۔

"جاگ گیا میرا مٹھا سائیں، نقشہ کدھر رکھا ہے تم نے؟" اس کی آواز میں وہی اپنائیت تھی، مگر سوال اہم تھا۔

دعام نے کروٹ بدلی، آنکھوں کو بند رکھتے ہوئے نیند بھرے لہجے میں بولی،  
"یہی کہیں پر پڑا ہو گا، ڈھونڈ لیں۔" وہ خوبصورت شب کے بعد گہری نیند میں تھی اور مزید سونے کو ترجیح دے رہی تھی۔

سردار اس کے قریب آیا، اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا،  
"جب کل تمہاری بہن آئی تھی تب تم وہاں باہر بیٹھی تھی نا، چادر پر۔۔۔؟" سردار نے شاید اسے نیچے سے کمرے کے باہر، اس کی پسندیدہ جگہ پر، چادر بچھا کر بیٹھے دیکھا تھا۔ جہاں وہ اکثر دل بہلانے بیٹھ جاتی تھی۔ وہیں اس نے اسے نقشہ پر جھکے دیکھا تھا۔

دعام نے سستی سے ہلکا سا جواب دیا،

"ہاں نا، وہیں پر بیٹھی تھی میں۔ وہیں پر جا کر دیکھیں۔ وہ کل رباب باجی نے اتنی الٹی سیدھی باتیں کر دیں، پھر میرے ذہن سے ہی نکل گیا، میں کمرے میں آگئی تھی!" وہ دوبارہ آنکھیں بند کر چکی تھی۔ رات جھیل کنارے کی اس خوبصورت شب نے ان دونوں کی نیند کو بری طرح سے متاثر کیا تھا۔

سردار تو صبح جاگ گیا تھا، لیکن دعام روم میں آنے کے بعد صرف نماز پڑھنے تک ہی جاگی رہی تھی۔

سردار نے دعام کی بات سنی اور کمرے سے باہر آ کر نقشہ ڈھونڈنا شروع کیا۔ اس نے ہر ممکن جگہ دیکھی لیکن نقشہ نہ مل سکا۔ پریشان ہو کر وہ دوبارہ کمرے میں آیا۔

"میرا سوہنا مکھڑا، نقشہ کہیں نہیں ہے!" اس نے دعام کو بتایا۔

دعام نے آنکھیں کھولے بغیر نرمی سے کہا،

"ڈاکو جی، مجھے تھوڑی دیر سونے دیں۔ پھر میں اٹھ کر ڈھونڈ دوں گی۔" اس کی معصومانہ نیند بھری آواز سن کر سردار کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسے اس کی معصومیت بھر آواز بہت پسند تھی۔ وہ اسے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے باہر آگیا تاکہ پھر سے نقشہ ڈھونڈ سکے۔

باہر آکر اس نے بالا کو بلایا۔

"بالا! جا کر قبیلے کا کونا کونا چھان مارو، لگتا ہے ہو اسے نقشہ کہیں اڑ گیا ہے۔ دعام یہاں باہر رکھ کر بھول گئی تھی۔"

سردار نے سر سری سے انداز میں بتایا، جیسے نقشہ گم ہونا کوئی بڑی بات نہ ہو۔

بالا نے ایک نظر سردار کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔ نقشے کا گم ہونا کوئی عام بات نہیں تھی، خاص طور پر اس قسم کے قبیلے میں جہاں ہر چیز کا حساب ہوتا تھا۔

لیکن سردار زیادہ اثر نہیں لے رہا تھا، اس لیے بالا نے بھی زیادہ سوال نہیں کیے۔ اس نے ناشتے کی ٹرے سردار کے حوالے کی اور نیچے آتے ہوئے وہ سب قبیلے والوں کو نقشہ ڈھونڈنے پر لگا دیا۔ ہر کوئی حیران تھا کہ آخر نقشہ کہاں جاسکتا ہے۔

پچھلے تین گھنٹوں سے، ہر ممکن کوشش کے باوجود بھی انہیں نقشہ نہ مل سکا۔ سورج سر پر آچکا تھا، اور تپش بڑھ رہی تھی۔ قبیلے کے لوگ مٹی کے پتھر پلے راستوں پر نقشہ تلاش کر رہے تھے،

لیکن کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ سردار کی بے فکری کے باوجود، بالا کے دل میں ایک عجیب سی کھٹک تھی۔ یہ نقشہ محض ایک کاغذ کا ٹکڑا نہیں تھا،

یہ قبیلے کے رازوں اور منصوبوں کا حامل تھا، اور اس کا گم ہونا کسی بڑے خطرے کی علامت ہو سکتا تھا۔ کہیں رباب کے آنے کا اس سے کوئی تعلق تو نہیں؟ یہ سوچ بالا کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

○○○○○○○

رباب کل سے ہی بہت پریشان تھی۔ دعام کا ردِ عمل اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ جب وہ قبیلے سے نکل کر واپس گاڑی میں آئی تو اکرم حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر سوال تھے، اور آنکھوں میں بے چینی۔ رباب نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ دعام وہاں ایڈجسٹ ہو چکی ہے۔

اس نے لرزتی آواز میں کہا، کہ دعام اپنی زندگی میں خوش ہے، اور اس لیے بہتر ہو گا کہ اسے ان سب چیزوں میں شامل کرنے کی بجائے کوئی اور راستہ نکالا جائے۔

یہ سننے کی دیر تھی کہ اکرم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"تم! تم! اتنا سا چھوٹا سا کام نہیں کر سکی؟" اس کی آواز اتنی تیز تھی کہ رباب ہکا بکا رہ گئی۔

"اس طرح تو ساری زندگی کنواری بیٹھی رہو گی! کبھی کچھ نہیں کر پائیں گے ہم!" اکرم پر نجانے کیا پاگل پن سوار تھا، وہ کسی چیز کا لحاظ نہیں کر رہا تھا۔ اس نے غصے میں کہا، "ایک بات یاد رکھو! اگر سردار نہیں پکڑا گیا تو میں شادی نہیں کروں گا!"

رباب اکرم کا یہ روپ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا سخت اور بے رحم ہو سکتا ہے۔

اس کے الفاظ تیروں کی طرح رباب کے دل میں پیوست ہو گئے تھے۔

اکرم نے اسے گھر پر چھوڑا اور غائب ہو گیا۔ پوری رات اس نے رباب کو فون نہیں کیا، جیسے اسے اس کی پرواہ ہی نہ ہو۔ ان ساری باتوں نے رباب کو بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے نیند کو سوں دور تھی اور وہ ساری رات اکرم کے رویے اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

○○○○○○○



صبح کا وقت تھا، اور قبیلے میں ہر کوئی اپنے کام میں مصروف نظر آ رہا تھا۔ ڈاکو اپنی اپنی جگہوں پر، کچھ ہتھیار صاف کر رہے تھے، کچھ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں لگے تھے، اور کچھ آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ اسی دوران، دعام کمرے سے باہر نکل کر نیچے کی طرف آئی اس کی نظریں سردار کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

جیسے ہی اس نے سردار کو پہاڑ سے نیچے اترتے دیکھا، وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئی اور اس کا بازو تھام لیا۔

"ڈاکو جی! میں آپ کو کب سے ڈھونڈ رہی تھی!" اس کے چہرے پر ایک چمک تھی، اور باتوں میں خوشی۔

سردار ہلکا سا مسکرایا۔ اس نے پیار سے دعام کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ اس کی آنکھوں میں محبت اور شرارت دونوں تھی۔

"ڈاکو جی! مجھے میرا نقشہ واپس کریں! آدھا قبیلہ یاد کر لیا تھا میں نے، آج میں اور جمر و بھیا اس سائیڈ پہ جائیں گے!" دعام نے خوشی سے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے بتایا، جیسے اس نے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

سردار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"نقشہ تو تمہارے پاس ہے! مجھے تو ملا ہی نہیں!" اس نے نرمی سے کہا،

حالانکہ اس نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اور سارا قبیلہ صبح سے نقشہ تلاش کر رہے ہیں۔

دعام نے سردار کی بات سن کر حیرانی سے سر اٹھایا۔

"میرے پاس کدھر ہے؟ میں نے صبح آپ کو بتایا تھا نا کہ کمرے کے باہر جا کر دیکھیں جہاں چادر

بچھائی ہوئی تھی میں نے، وہیں پر پڑا تھا! مجھے میرا کچھرا دھر سے ہی ملا۔

مجھے پتہ ہے آپ کے پاس ہے، جلدی سے واپس کریں!" اس کی آواز میں معصومانہ ضد تھی۔

سردار نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میرا معصوم

میرے پاس نہیں ہے۔ مجھے ملا ہی نہیں! میں تو تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا کہ کب تم جاگو گی

اور مجھے بتاؤ گی کہ نقشہ کدھر ہے!"

"مجھے تو نہیں پتا، وہیں اوپر ہو گا، میں ڈھونڈتی ہوں!" دعام یہ کہہ کر واپس اوپر جانے لگی تو سردار نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ اوپر ہر جگہ ڈھونڈ چکا تھا، یہاں تک کہ اپنے کمرے کی تلاشی بھی لے چکا تھا، نقشہ کہیں نہیں تھا۔

"وہاں تو نہیں ہے،" سردار نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا،  
"یاد کرو، ہو سکتا ہے تم نے کہیں اور رکھا ہو۔ کل تم جھیل پر گئی تھی نا، تو ہو سکتا ہے ساتھ لے کر گئی ہو؟"

"نہیں تو! وہاں تو لے کر نہیں گئی تھی! اس وقت تو مجھے نقشہ یاد ہی نہیں رہا تھا۔" دعام نے زور دے کر کہا۔

"رباب باجی کے آنے سے پہلے میرے پاس تھا۔ جب جمر و بھیا آئے تھے تب بھی میرے پاس تھا۔ میں وہی نقشہ دیکھ رہی تھی جب جمر و بھیا نے آکر مجھے رباب باجی کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے نقشہ فولڈ کر کے واپس اس کے کور میں ڈالا تھا اور پھر میں نیچے آگئی تھی۔"  
وہ ایک لمحے کور کی، پھر معصومانہ غصے سے بولی،

"اور پھر صبح آپ نے پوچھ کر اٹھالیا اور اب مجھے نہیں دے رہے تاکہ میں پورا قبیلہ نہ یاد کر سکوں!" اس کی بات میں کوئی شک نہیں تھا۔ اس کا ذہن اچھا ہونے کی وجہ سے وہ تین چار دن میں ہی آدھا قبیلہ یاد کر چکی تھی۔

سردار اس کی معصوم باتوں پر ہلکا سا مسکرایا۔ "میرا سوہنا مکھڑا، میرا سجن سائیں! میں ایسا کیوں کروں گا؟ سچ کہہ رہا ہوں، نقشہ میرے پاس نہیں ہے۔" وہ پیار سے اسے سمجھانے لگا، جب کہ دعام نفی میں گردن ہلا گئی۔

"میں جانتی ہوں آپ نہیں چاہتے کہ میں جمرو بھیا کے ساتھ پورا قبیلہ دیکھوں! آپ کو ہر جگہ میرے ساتھ جانا ہے تاکہ آپ گندی گندی حرکتیں کر سکیں اور وہ سب کچھ کر سکیں جو والاؤ نہیں ہے!" دعام کا معصومانہ غصہ بڑھ چکا تھا۔ "لیکن میں بھی آپ کو بتا رہی ہوں، بے شک اپنا نقشہ اپنے پاس سنبھال کر رکھیں، لیکن جاؤں گی تو میں ہر جگہ بالا اور جمرو بھیا کے ساتھ ہی!"

وہ منہ بسور کر کہتی، پیر پٹکتی ہوئی جمرو کی طرف چلی گئی،

جسے سردار نے نقشہ ڈھونڈنے پر لگایا ہوا تھا۔ سردار ہلکا سا مسکرایا، اسے دعام کی یہ معصوم ضد بہت اچھی لگتی تھی۔

وہ دوبارہ اپنے کام پر لگ گیا، لیکن اس کے ذہن میں نقشے کی گمشدگی اور دعام کی باتیں گونج رہی تھیں۔ اسے اب بھی یقین نہیں تھا کہ نقشہ کہاں گیا ہو گا۔

○○○○○○

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیے، رباب بیڈ پر ایک بڑا سا کاغذ کا رول پھیلانے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کے تاثرات تھے۔

وہ ہر چیز کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے اتنا تو سمجھ آ گیا تھا کہ وہ اندر کہاں سے گئی تھی۔ جمرے نے اسے نیچ میدان میں ایک چارپائی بچھا کر بٹھایا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ ہر چیز کو دیکھ رہی تھی، لیکن اس نے نوٹ کیا تھا کہ میدان بہت چھوٹی سی جگہ تھی اور قبیلہ بہت بڑا تھا۔ راستے عجیب طرح کے تھے، کچھ چیزیں سمجھ آرہی تھیں، کچھ نہیں۔

نقشہ کافی جدید زمانے کا تھا۔ ہر چیز کافی صاف اور واضح تھی۔ لیکن پھر بھی رباب اس جگہ گئی ہوئی نہیں تھی،

اس نے ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں رکھا تھا، اسی لیے سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کون سی جگہ کس طرف جاتی ہے۔ اسے صرف میدان سمجھ میں آ رہا تھا یا وہ سامنے والی پہاڑی جہاں سے اتر کر دعام اسے ملنے آئی تھی۔

"کیا بات ہے! یہ تو کافی مزیدار چیز لگ رہی ہے!" رباب زیر لب بڑبڑائی۔

وہ ہر چیز پر نظر گھماتی، دعام کی معصوم بے وقوفی پر ہلکا سا ہنسی تھی۔

اسے یاد آیا کہ جب دعام اس سے ملنے نیچے آئی تھی، تب اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی پلاسٹک کا کور پیپر ہے، لیکن دعام نے جس طرح احتیاط سے اسے اپنی سائیڈ پر رکھا تھا، رباب سمجھ گئی تھی کہ وہ کوئی عام چیز نہیں ہے۔

اور پھر، دعام کبھی اس رول کو اٹھا کر ایک طرف رکھتی، کبھی دوسری طرف رکھتی۔ اس سے بات کرتے ہوئے دعام مسلسل اس رول کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پھر اچانک اس کی بات پر دعام کو غصہ آ گیا تو وہ غصے سے وہاں سے چلی گئی تھی اور جاتے جاتے یہ کور لے جانا بھول گئی تھی۔ رباب نے بڑی احتیاط سے اپنے دوپٹے سے اس کور پر پردہ ڈالا تھا اور

پھر وہاں سے نکل آئی تھی۔ اس کا ارادہ سمجھنے کا تھا کہ وہ کیا ہے، وہ گاڑی میں ویسے بھی اکرم کو نہیں بتانے والی تھی۔ کیونکہ اسے لگا نہیں تھا کہ یہ اکرم کے کام کی کوئی چیز ہوگی۔

لیکن دعام اس چیز کو اتنا زیادہ اہمیت دے رہی تھی، اسی لیے اس نے خاموشی سے اسے چوری کر لیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اب اس چیز کے بارے میں سمجھ کر اکرم کو اطلاع دے، لیکن اکرم کا رویہ اتنا خوفناک تھا کہ وہ چاہ کر بھی اسے کچھ نہیں بتا پائی تھی۔ اور اب، بستر پر ایک بڑا سا قبیلہ پوری طرح اس کے سامنے عیاں تھا۔

"کتنی آسانی سے اکرم کہہ رہا تھا کہ اگر سردار نہیں پکڑا گیا تو شادی نہیں ہوگی!" رباب کے دماغ میں اکرم کے الفاظ گونجنے لگے۔

"کیا وہ مجھے صرف سردار کو پکڑنے کے لیے ہی محبت کا جھانسہ دے رہا تھا؟" وہ پاگل نہیں تھی کہ اکرم کی اندرونی کیفیت سمجھ نہ پاتی۔ وہ لہجے اور نظروں کو خوب سمجھتی تھی، اور اکرم کے انداز سے بھی وہ سمجھ چکی تھی کہ یہ صرف محبت کا کھیل نہیں ہے، بلکہ وہ اسے استعمال کر کے سردار تک پہنچنا چاہتا ہے۔

رباب کے دماغ میں اکرم کا وہ غضب ناک لہجہ گونج رہا تھا، اور ساتھ ہی سمیرہ کی باتیں بھی گھوم رہی تھیں کہ

"دس سال تک وہ کنواری بیٹھی رہے گی جب تک سردار نہیں پکڑا جاتا۔" سردار پکڑا جائے یا نہ پکڑا جائے، لیکن کنواری بیٹھنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

یہ سچ تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اکرم اب اس کے دل میں گھر کر چکا تھا۔

وہ اکرم کو پسند کرنے لگی تھی۔ آج تک اس نے کسی کو اپنے دل میں نہیں بسایا تھا، لیکن اکرم وہ واحد انسان تھا جو پہلی ہی دفعہ اس کے دل پر دستک دے چکا تھا۔

اب وہ جیسا بھی تھا، جو بھی تھا، وہ اسے چھوڑنے والی ہرگز نہیں تھی۔ رباب نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ کھیل شروع اکرم نے کیا تھا، لیکن ختم رباب نے کرنا تھا۔ جتنا کچا کھلاڑی اکرم رباب کو اس کھیل کا سمجھ رہا تھا، اتنی وہ تھی نہیں۔ رباب کے چہرے پر ایک نئی چمک تھی، ایک عزم جو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

○○○○○○○



دعام نے سچ میں کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ تقریباً تین گھنٹے ہو چکے تھے، وہ ہر کونے میں، ہر چیز کے نیچے نقشہ ڈھونڈ رہی تھی، لیکن وہ کہیں نہیں مل رہا تھا۔

اس کا دماغ ایسا گھوم چکا تھا کہ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس نے نقشہ رکھا کہاں ہے۔ بس اتنا ہی یاد آ رہا تھا کہ جب رباب آئی تھی تو وہ نقشے میں ہی گم تھی، پھر اس نے نقشے کو پیک کیا تھا یہ بات اس کے ذہن سے بالکل نکل چکی تھی کہ وہ اسے نیچے لے کر آئی تھی یا نہیں آئی تھی۔

اتنی اداس، اور پریشان وہ کبھی نہیں رہی تھی، لیکن رباب کی باتوں نے اس کا دماغ گھمایا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا، اسے صحیح سے یاد نہیں تھا۔ لیکن اس نے نیچے اوپر، ہر جگہ دیکھ لیا تھا، اسے نقشہ کہیں نہیں مل رہا تھا، اور اب اس کا یقین کہتا تھا کہ نقشہ سردار کے پاس ہے۔

○○○○○○○

"ڈاکو جی! دے دیں نا نقشہ! کیوں تنگ کر رہے ہیں مجھے؟" دعام سردار کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی، جہاں وہ جا رہا تھا وہ اس کے پیچھے تھی، اس کی قمیض کا دامن پکڑے ہوئے تھی۔ قبیلے میں سارے لوگ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

ان کے لیے یہ ایک تفریحی منظر تھا۔

"میرا سوہنا مکھڑا، مجھے نہیں پتا! بھول گئی ہو تم!" سردار نے پیار سے سمجھایا، اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"نہیں نہیں! آپ جھوٹ بول رہے ہیں! مجھے یقین ہے آپ کے پاس ہے! دے دیں نا! وعدہ کرتی ہوں آپ جو بولیں گے میں آپ کی بات مانوں گی!"

اچھانا آپ سے چھپ چھپ کر جو کیری کھا رہی تھی میں اب سے نہیں کھاؤں گی! دے دیں نا!" اس نے پھر سے چلنا شروع کیا تو وہ اس کی قمیض کا دامن پکڑے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی تھی۔ اس کی یہ حرکتیں بہت مزاحیہ لگ رہی تھیں۔

"میرا سوہنا سجن، میرے پاس نہیں ہے! میں کہاں سے لا کر دوں؟" سردار نے مزید پیار سے سمجھایا۔

"ہاں، آپ کے پاس نہیں ہے! آپ نے کہیں چھپا کر رکھا ہوا ہے! جہاں چھپا کر رکھا ہے وہیں سے لا کر دیں! سب سمجھ میں آتا ہے مجھے، چھوٹی بچی نہیں ہوں میں!" دعام نے غصے اور معصومیت کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، ایک دن آپ کے ساتھ جاؤں گی قبیلہ دیکھنے، ایک دن جمر و بھیا اور بالا بھیا کے ساتھ! اب تو دے دیں نا!" وہ جیسے سردار کے ساتھ ڈیل کر رہی تھی، اپنی بات منوانے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

"میرا بابو سائیں، نہیں ہے میرے پاس! کدھر سے دوں میں تمہیں؟ سچ کہہ رہا ہوں، جھوٹ نہیں بول رہا! تم نے کہیں گم کر دیا ہے۔" سردار نے اب ہنستے ہوئے کہا۔

"میرا سوہنا دلبر جانی، تم جاؤ اپنے کمرے میں دیکھو، وہیں کہیں پڑا ہو گا۔"

"ڈاکو جی! اب اگر آپ نے ایک دفعہ بھی بولنا کہ آپ کو نہیں پتا تو میں آپ سے بات چیت بند کر دوں گی!" دعام اب غصے پر اتر آئی تھی۔

سردار نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ وہ اس کی ضد اور معصومانہ غصے پر مسکرا رہا تھا۔

"جو کہوں گا کرو گی۔۔۔؟" وہ ذرا سا اپنے بالوں میں انگلیاں الجھاتا، اسے دیکھتے ہوئے اچانک اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگائے آگے کی طرف چل دیا۔

"اگر آپ کوئی گندی بات نہیں بولیں گے تو کروں گی!" سردار کی آنکھوں میں شرارت اور بے باکی ناچ رہی تھی۔ وہ فوراً بولی۔

"گندی بات کر کے کیا کروں گا؟ گندی حرکت! بلکہ وہ سب جوان پہاڑیوں میں الاؤڈ نہیں ہے۔" سردار نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"بس! دکھا دیں اپنی ٹھہر کی نیت! مجھے پہلے ہی پتہ تھا اسی لیے چھپا کر رکھا ہے آپ نے میرا نقشہ۔۔۔!" دعام منہ بسور کر کہتی سردار کا بازو چھڑوا کر آگے بڑھ گئی۔

سردار ہلکا سا مسکرایا اور دوبارہ اپنے کام پر لگ گیا۔ اس کی نظریں اب بھی دعام کے پیچھے تھیں۔ جب وہ تھوڑا آگے جا کر واپس آگئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، پہلے نقشہ دیں، باقی باتیں بعد میں!" دعام نے اپنا ہاتھ آگے کیا، اس کی آواز میں اب بھی ضد اور معصومانہ غصہ تھا۔

سردار نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے مزید قریب کھینچتا ہوا، ایک ایسے راستے پر نکل آیا جو قبیلے کے پیچھے کی طرف جارہا تھا، جہاں خاموشی اور تنہائی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک شرارتی مسکراہٹ تھی، اور آنکھوں میں ایک ایسی چمک جو دعام کو الجھا رہی تھی۔

"نقشہ بھی دے دوں گا، پہلے کوئی جگہ تو ڈھونڈنے جہاں دل کے جذبات ٹھنڈے کیے جاسکیں!"  
وہ سچ مچ میں اپنی نیت بگاڑ چکا تھا۔ اس کا ارادہ کچھ اور تھا۔

دعام کو فوراً صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"ایسی گندی حرکتیں نابند کمروں میں کی جاتی ہیں،" اس نے جلدی سے کہا۔

"اگر آپ نے یہاں وہاں کہیں پر بھی ایسی ویسی کوئی بھی گندی حرکت کی ناتو میں بتا رہی ہوں،  
میں نے۔۔۔۔۔"

"کیا کرو گی معصوم سائیں۔۔۔؟" سردار ہلکا سا مسکرا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھنے لگا، اس  
کی ہنسی میں شرارت رچی ہوئی تھی۔

"میں بہت کچھ کر سکتی ہوں! مجھے ایسا ویسا نہ سمجھیں!" دعام نے فوراً جواب دیا، اس کی آواز میں  
ایک نئی خود اعتمادی تھی۔

"کل دیکھا نہیں تھا آپ نے کیسے رباب باجی کو باتیں سنائی تھیں میں نے؟" اس نے اپنی بہادری  
ظاہر کی تو سردار تھوڑا سا متاثر ہوا۔

یہاں قبیلے میں آنے سے پہلے تو اس کی آواز نہیں نکلتی تھی، وہ ڈری سہمی رہتی تھی۔ مگر اب تو وہ سب کو باتیں بھی سناتی تھی، خاص کر سردار کو تو دھمکیاں بھی لگاتی تھی۔ ابھی ایک مہینہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا اور وہ سر سے پیر تک بدلنے لگی تھی۔ اس کا یہ بدلا ہوا روپ، اس کی بے باکی اور خود اعتمادی سردار کے دل کی دھڑکنیں ہلا کر رکھ دیتی تھی۔ اسے یہ نئی دعام بہت پسند آرہی تھی۔

"ارے واہ! میرا بہادر چوزہ تو سچ میں بڑا بہادر ہے!" سردار نے قہقہہ لگایا۔

"آؤ، زرا، اپنی بہادری دکھاؤ مجھے!"

"ٹھیک ہے، آئیے میدان میں!" دعام کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ سردار کا بازو تھام کر اپنی طرف سے ایک بڑی سی سیانی بات کر گئی۔

"میں جیت گئی تو آپ نقشہ دیں گے، اگر میں ہار گئی تو نقشہ آپ سے لے لوں گی!"

سردار نے اس کی معصوم چالاکی پر صرف مسکرا کر سر ہلایا، اور اس کی بات پر حامی بھری۔ اس کے لیے دعام کی یہ ضد اور اس کا یہ بدلتا روپ سب سے بڑا انعام تھا۔ اس نے پیار سے دعام کا ہاتھ تھاما اور اسے کسی پتھر کی طرف لے جانے لگا جہاں وہ شاید اسے گلے لگاتا یا چھیڑتا۔ مگر دعام

نے اس کا بازو تھامے رکھا، اور زبردستی اسے گھسیٹتے ہوئے واپس میدان کی طرف لے جانے لگی جہاں قبیلے کے لوگ روزانہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اسے شاید لگتا تھا کہ یہ مقابلہ وہاں ہی ہو گا۔

○○○○○○

"بالا بھیا! جمر و بھیا! جلدی آئیں! یہاں مقابلہ ہو رہا ہے آپ کی بہن کا! آئیں آئیں آپ لوگ میرے لیے لڑیں اس موٹے سردار سے! اگر آپ لوگ جیت گئے تو میں اپنے ہاتھ سے آپ لوگوں کو مزیدار کھانا بنا کر کھلاؤں گی!" دعام نے اپنی پوری طاقت سے آواز لگائی۔

"ارے باہر نکلیں! کدھر چلے گئے؟ آپ کی بہن کی عزت کا سوال ہے! باہر نکلیں۔۔۔!" دعام نے اور اونچی آواز میں کہا، اس کی آواز میں ضد اور چیلنج دونوں تھے۔

سردار کو یہ بالکل پسند نہیں آیا۔

"یہ بے ایمانی ہے! تمہارے اور میرے مقابلے کی بات ہوئی تھی! یہ بالا اور جمر و بیچ میں کہاں سے آگئے؟"

دعام نے منہ بسور کر جواب دیا۔

"اللہ اللہ! شرم کریں! کیسے سردار ہیں آپ؟ ایک عورت سے مقابلہ کریں گے، وہ بھی خود سے چار گنا چھوٹی عورت سے؟ اگر مرد ہیں تو میرے بھائیوں کا مقابلہ کریں!" اس نے بڑی مشکل سے لکڑی کی ایک میز گھسیٹتے ہوئے چارپائی کے قریب لائی۔ بالا اور جمر کو بھی اپنی بہن کی ضد اور چیلنج کے آگے ہارمانی پڑی اور وہ بھی میدان میں آگئے۔

"اب ہو گا مقابلہ! پہلے جمر و بھیا، آپ کی باری ہے! آپ تھوڑے کمزور ہو، اسی لیے فرسٹ راؤنڈ میں میں آپ کو بھیج رہی ہوں، باقی بالا بھیا پر مجھے پورا یقین ہے!" دعام نے اعلان کیا، اس کی آنکھوں میں شرارت اور جیت کا یقین تھا۔ وہ کل بالا کا خطرناک روپ دیکھ چکی تھی، اسے یقین تھا کہ بالا سردار کو ہرا دے گا، لیکن وہ سردار کو جمر کی طاقت بھی دکھانا چاہتی تھی۔

جمر نے حیرت سے دعام کو دیکھا۔

لیکن بہنا، کرنا کیا ہے؟"

سردار کی آنکھوں میں شرارت اور چیلنج صاف نظر آ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی بہن نے غلط جگہ پنگا لے لیا ہے۔



"پنجا لڑانا ہے ان سے اور ثابت کرنا ہے کہ میرے بھائی کسی سے کم نہیں!" دعام نے جمرو کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

جمرو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"پیاری بہنا جی! اور جی جی اپنی لڑائیاں خود تک ہی رکھا کرو، ہم تک نہ لایا کرو!" وہ سہمتے ہوئے بولا۔

اس کی بات پر سردار قہقہہ لگا کر ہنسا۔

چپ! خبردار جو کچھ بھی بولے! مرد بنو مرد! یہاں بیٹھو۔۔۔!" دعام نے جمرو کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی سردار کے ہاتھ میں پکڑا، اور مقابلہ شروع ہوا۔

○○○○○○

دعام نے جمرو کا ہاتھ زبردستی سردار کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا، اور مقابلہ شروع ہو چکا تھا۔ قبیلے کے لوگ بھی اب انہیں گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے تھے، اس انوکھے مقابلے کو دیکھنے کے لیے۔

جمرو، جو ویسے بھی کمزور تھا،

سردار کے مضبوط ہاتھ کے آگے ایک پل بھی نہ ٹھہر سکا۔ سردار نے ہنستے ہوئے، جیسے کوئی کھیل کھیل رہا ہو،

آہستہ آہستہ جمرو کے ہاتھ پر دباؤ بڑھایا۔ جمرو کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ اس نے اپنا پورا زور لگایا، لیکن سردار کی طاقت کے سامنے وہ بے بس تھا۔ جب اس کا بازو مڑنے لگا اور درد کی ٹیس اٹھی تو جمرو نے ہار مان لی۔

اس کا چہرہ رونے جیسا ہو گیا تھا، جیسے ابھی آنسو بہا دے گا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچا اور پیچھے ہٹ گیا۔

سردار نے جمرو کی حالت دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا۔

کوئی بات نہیں "دیکھا جمرو بھیا! میں نے کہا تھا نا! آپ کمزور ہے لیکن آپ طاقتور ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں فکر مت کریں مجھے آپ پر فخر ہے اب بالا بھیا کی باری ہے!"

○○○○○○

بالا، جو جمرہ سے کہیں زیادہ طاقتور اور مضبوط تھا، میدان میں آیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، وہ اپنی بہن کی ہار نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے سردار کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا۔ دونوں کے بازوؤں کے عضلات تناؤ میں آگئے تھے۔

کچھ دیر تک مقابلہ برابر رہا۔ بالانے اپنی پوری طاقت جھونک دی، اس کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا۔ سردار اب بھی ہنسی مذاق کے انداز میں ہی کھیل رہا تھا، لیکن بالاک کی طاقت کا احساس اسے بھی ہو رہا تھا۔ بالانے سردار کے ہاتھ کو ہلانے کی کوشش کی، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

آخر کار، سردار نے ایک اچانک جھٹکا دیا، اور بالا کا ہاتھ بھی میز پر لگ گیا۔ بالا ہانپتا ہوا پیچھے ہٹا۔

"سردار! کمال ہے!" وہ سردار کی طاقت مان گیا۔

اپنے دونوں بھائیوں کو ہارتے دیکھ کر دعام کے اندر بہن کا خون جوش مارنے لگا۔ اسے اپنی ہار گوارا نہیں تھی۔

"یہ بے ایمانی ہے! آپ نے میرے بھائیوں کو ہر ادا یا!" وہ غصے سے چلائی۔ سردار کا یہ دل۔ جلانے والے انداز نے اسے مزید غصہ دلا دیا تھا۔

اس نے فوراً آگے بڑھ کر سردار کے بازو کو خود ہی پکڑ لیا۔

"اب مجھے ہراؤ! میں ہراؤں گی اب آپ کو!" اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی، ایک انوکھی ضد۔ اس کے لیے یہ کوئی رسمی مقابلہ نہیں تھا، وہ سچ میں سردار کو ہرانا چاہتی تھی۔

دعام نے سردار کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور غصے سے باک پھو کا کر زور لگانے لگی،

"اب دیکھو! میں ہراؤں گی آپ کو!" وہ لٹے سیدھے طریقوں سے سردار کے بازو کو مروڑ رہی تھی، کبھی اپنی کہنی کا زور لگاتی، کبھی بازو کو جھٹکا دیتی۔ سردار کے لیے یہ محض ایک کھیل ہی تھا، لیکن اسے اس کی ان معصومانہ حرکتوں پر بے حد مزہ آرہا تھا۔

سردار کی آنکھوں میں ایک نئی شرارت ابھر آئی۔ دعام کی یہ میٹھی ادا، اس کی معصوم ضد اور اس کا چیلنج سردار کو بے قابو کرنے لگا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا تھا کہ اس کی "معصوم سائیں" کتنی بہادر اور دلیر بن چکی تھی۔ وہ بس اس لمحے کو جینا چاہتا تھا، جہاں اس کی دعام اتنی خوش اور آزاد تھی۔

دعام نے تو سردار کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس کا ہاتھ ٹیبل پر لگایا، اور اگلے ہی لمحے وہ خوشی سے چہک اٹھی۔

"دیکھا! ہر ادیا میں نے! یس یس! دیکھا؟" وہ خوشی سے اچھل پڑی، اس کی آواز قبیلے کے ماحول میں گونج رہی تھی۔

"ارے، میرے سامنے تو بڑے بڑے ہارے ہیں، آپ کیا چیز ہیں؟ دیکھ لی میری ہمت؟ دیکھ لی میری طاقت؟ ہر ادیا میں نے آپ کو؟ آئے بڑے ڈاکو سردار! دو منٹ نہیں ٹک پائے میرے سامنے!"

اس کی معصوم فتح پر، سب ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر اپنی مسکراہٹیں دبا رہے تھے۔

سردار کی ایک گھوری تھی اور پھر کسی کی ہمت نہیں ہوئی۔ کہ وہ ہنس دے اور دعام کی خوشی کو خراب کرے۔

جبکہ سردار ٹیبل پر ہاتھ رکھے، اپنا چہرہ اپنے ہاتھ پر جمائے بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک بے حد خوبصورت مسکراہٹ تھی، ایک ایسی مسکراہٹ جیسے یہ لمحہ اس کی ساری زندگی ہو، اس کی ساری کائنات بس یہی دعا ہو۔ اس کی آنکھوں میں محبت، حیرت، اور فخر کا ایک عجیب سا

امتزاز تھا۔ اسے اپنی خوش ساختہ ہار کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا، بلکہ دعام کی یہ بے ساختہ خوشی، اس کی معصوم فتح اس کے دل کو سکون دے رہی تھی۔

○○○○○○○

دعام نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ سردار کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس کی اندرونی جیت کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے سردار کو دیکھا جو لمحے بھر کو ہچکچایا، اس کی نظریں دعام کے چہرے پر تھیں۔ دعام کو محسوس ہوا کہ سردار کے چہرے پر ہمیشہ کی خود اعتمادی نہیں تھی، بلکہ ایک ہلکی سی پریشانی نمایاں تھی۔ یہ دیکھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"ڈاکو جی!" دعام نے شوخ لہجے میں کہا، اس کی آواز میں ایک خاص قسم کا شرارتی پن تھا۔ "میں جیت گئی! اب تو میرا نقشہ مجھے واپس دے دیں؟ میری شرط پوری ہوئی نا؟ آپ نے کہا تھا کہ اگر میں جیت گئی تو میرا نقشہ مجھے واپس مل جائے گا، اور اب دیکھ لیں میں جیت چکی ہوں۔" اس کی نظریں سردار کے چہرے پر جمی تھیں، وہ اس کے جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، جیسے اس کی ہر حرکت سے کوئی نیا جواب ڈھونڈ رہی ہو۔

سردار کا چہرہ لمحے بھر کو پریشان ہوا۔ اس نے دعام کی طرف دیکھا، پھر ایک لمبی سانس لی اور اپنے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ لے آیا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی گہرائی صاف جھلک رہی تھی۔ وہ اس کی اس جیت پر اندر سے خوش تھا، مگر اپنی چالاکی کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "میرا بیٹھا سائیں، کون سا نقشہ؟" اس نے لا پرواہی سے کہا، جیسے اسے یاد ہی نہ ہو۔ اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی اپنائیت تھی جو صرف دعام کے لیے مخصوص تھی۔ "نقشہ تو تم نے ہی کہیں رکھا ہو گا، میں کیوں واپس کروں؟" اس کے لہجے میں ایسی معصومیت تھی کہ دعام لمحے بھر کو اس کی بات پر شک کرنے لگی۔

دعام کو حیرت ہوئی۔ اس نے سردار کی آنکھوں میں جھانکا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے مکر سکتا ہے۔ "کیا مطلب؟" دعام نے اپنی آواز اونچی کی، اس کے لہجے میں ناراضگی شامل ہو گئی۔ "آپ کے پاس تھا نقشہ! اور آپ نے ہی تو کہا تھا کہ اگر میں جیت گئی تو واپس کر دیں گے! اب کیوں مکر رہے ہیں؟"

سردار اب کھل کر مسکرایا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر دعام کے بالکل قریب آ گیا۔ "ارے چھوڑو اس نقشے کو، چھوٹی سی بات ہے۔" اس نے پیار سے دعام کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، اس کی ہتھیلی پر ایک نرم دباؤ دیا۔ اس کا لمس دعام کو لمحے بھر کو اپنے اندر کھینچ گیا۔ "نقشے کا کیا

کرنا ہے؟ دیکھو، میں تمہیں گھما کر لاتا ہوں۔ کیا کرنا ہے نقشے کا؟" اس کی آواز میں ایک خاص اپنائیت، نرمی اور محبت تھی۔ "میں تمہیں پورا قبیلہ دکھا دوں گا، ہر جگہ کی سیر کروادوں گا۔ وہ جگہ جہاں کبھی میرا بچپن گزرا تھا، جہاں میں چھپتا پھرتا تھا، جہاں سے میں نے ڈاکو بننے کی ٹھانی تھی، سب کچھ دکھا دوں گا۔ تمہیں نقشے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، وعدہ کرتا ہوں۔" وہ اسے باتوں میں الجھانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

اس نے دعام کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں محبت کے ساتھ ساتھ کچھ ٹال مٹول بھی تھی۔ وہ کسی بھی صورت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا کہ نقشہ کہاں گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نقشہ دعام کی ہی لاپرواہی سے گم ہوا تھا۔ وہ بس دعام کو خوش دیکھنا چاہتا تھا اور اس موقع کو اپنی محبت کے اظہار کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ دعام اس وقت نقشے کے لیے کتنی بے چین تھی، مگر وہ اسے اپنی محبت سے بہلانا چاہتا تھا۔

"نہیں! مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا!" دعام نے معصومیت سے کہا، اس کے چہرے پر ہلکی سی ضد اور مایوسی نمایاں تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ سردار کے ہاتھ سے ہٹایا۔ "مجھے میرا نقشہ واپس کریں! میں آدھے سے زیادہ نقشہ یاد کر چکی ہوں، مجھے بھول جائے گا وہ۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ



وہ میرے لیے کتنا اہم ہے۔ میری ساری محنت ضائع ہو جائے گی اگر مجھے وہ نہیں ملا۔ "اس کی آواز میں ہلکا سا رونا شامل تھا۔

سردار نے نرمی سے اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں محبت صاف جھلک رہی تھی۔ اسے دعام کی یہ بے چینی دیکھ کر دکھ ہو رہا تھا۔ "ارے یار! نہیں بھولے گا، کہاں بھولتا ہے۔" اس نے پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا، اس کے نرم بالوں کا لمس اسے سکون دے رہا تھا۔ "میرا سوہنا مکھڑا، جب تک تم بھولتی ہو تب تک میں نقشے کا کوئی نہ کوئی انتظام کروالوں گا۔"

اس نے گہری سانس لی، اس کا لہجہ اب زیادہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ "مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا کہ نقشہ تمہارے پاس تھا، وہ کہاں گیا ہے۔ سب لوگ ڈھونڈ رہے ہیں، ہو سکتا ہے مل جائے۔ جمرہ، میرو، بالا، سب لگے ہوئے ہیں۔" سردار نے اسے یقین دلایا، اس کی آواز میں گہری محبت اور تشویش تھی۔ "لیکن اگر نہیں بھی ملا، تو بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں کہیں سے تمہارے لیے نقشہ واپس نکلوا دوں گا، چاہے کتنی ہی مشکل ہو، میرا وعدہ ہے۔"

○○○○○○○

دعام سردار سے بات ختم کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کے ذہن میں سردار کی باتیں گونج رہی تھیں۔ "نقشہ کہاں گیا؟" یہ سوال اسے مسلسل پریشان کر رہا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور کل کے سارے واقعات کو ذہن میں دہرانے لگی۔ اسے یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اس نے نقشہ کہاں رکھا تھا؟

"یہاں بیٹھی تھی جب جمرو بھیا آئے تھے۔" دعام نے خود سے کہا، اس کے ذہن میں ایک ایک لمحہ واضح ہو رہا تھا۔ وہ لمحہ جب جمرو نے اسے بتایا تھا کہ رباب باجی آئی ہیں۔ اس کی نظر سامنے پڑی تکیے پر پڑی، جہاں اس نے شاید نقشہ رکھا تھا۔ "یہاں میرے سامنے نقشہ تھا۔ جمرو بھیا نے مجھے بتایا کہ رباب باجی آئی ہیں۔" وہ اپنی یادوں میں مزید گہرائی میں جانے لگی۔ "میں نے یہاں پر نقشہ کو فولڈ کیا تھا... اسے ٹھیک سے تہہ لگایا تھا... اور شاید میں اپنے ساتھ نیچے لے گئی تھی؟" اسے ایک جھماکا سا ہوا۔ اس کے دماغ میں اچانک ایک واضح تصویر ابھری۔ "ہاں! میں نقشہ نیچے لے کر گئی تھی!" اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ کیا ہوا تھا۔ "جب میں رباب باجی سے ملی تھی، تو نقشہ میرے ہاتھ میں تھا!" اس کے دماغ میں اچانک کچھ کلک ہوا۔ اسے یاد آ گیا کہ رباب باجی سے ملنے کے بعد کیا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی

مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے یاد آگیا تھا کہ رباب باجی کی باتوں پر غصے میں آکر وہ کیسے وہاں سے اٹھی تھی۔

وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر، اپنی جگہ سے اٹھی اور بجلی کی سی تیزی سے بھاگتے ہوئے نیچے کی طرف آئی۔ اس کے قدموں میں تیزی تھی، ایک نئی امید اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اب نقشہ اسے ضرور مل جائے گا۔

○○○○○○

دعام جلدی سے نیچے آئی اور سیدھی چارپائی کی طرف بڑھی۔ اس کی نظریں چارپائی کے گردو نواح میں ہر چیز کو ٹٹول رہی تھیں۔ وہ چارپائی کے آگے پیچھے، ہر ممکن جگہ نقشہ ڈھونڈنے لگی۔ اس کی سانسیں تیز تھیں، اور دل جوش سے دھڑک رہا تھا۔ اسی لمحے بالا بھی اس کے پاس آگیا۔ اس نے دعام کی پریشانی اور جوش کو محسوس کیا۔

"بالا بھیا! مجھے یاد آگیا! نقشہ یہیں پر تھا!" دعام نے تیزی سے کہا، اس کی آواز میں ایک نئی توانائی تھی۔ "مجھے ٹھیک سے یاد ہے، جب کل رباب باجی آئی تھیں، میں نقشہ نیچے لے کر آئی تھی۔"

اس نے جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں رباب باجی بیٹھی تھیں۔ "جب میں یہاں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تب نقشہ اس طرف تھا۔ میرے بالکل پاس۔"

اس نے اپنا ہاتھ حرکت دیتے ہوئے دکھایا جیسے اس نے نقشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھا ہو۔ "پھر میں نے اس کو اٹھا کر اس طرف کیا تھا۔ مجھے ٹھیک سے یاد ہے، میں بالکل بھی نہیں بھولی ہوں۔" اس کی آواز میں ایک پختہ یقین تھا۔ "نقشہ یہیں کہیں گرا ہو گا کیونکہ رباب باجی نے وہ فضول سی بات کر دی تھی جس کی وجہ سے میں اوپر چلی گئی تھی جب میں اوپر گئی تھی تب نقشہ میرے پاس نہیں تھا۔ میں غصے میں بھول گئی تھی۔"

وہ ایسے بتا رہی تھی جیسے ہر چیز اس کی آنکھوں کے سامنے ہوئی ہو۔ سردار جو کچھ فاصلے پر کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا، اس کی بے چینی پر مسکرا رہا تھا۔ اسے دعام کی معصومیت اور ایک نقشے کے لیے اتنی ضرورت سے زیادہ جذباتی ہونا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دعام کے لیے یہ نقشہ صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا نہیں تھا بلکہ اس کی محنت تھی،

"دعام!" سردار نے نرمی سے کہا، اس کی آواز میں پیار جھلک رہا تھا۔ "میرا سوہنا مکھڑا، ہم نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ ہم ہر جگہ ڈھونڈ چکے ہیں۔ یہاں پر نقشہ کہیں نہیں ہے۔" اس نے ایک

گہری سانس لی۔ "آج صبح سے تقریباً پورا قبیلہ ہی چھان مارا ہے لیکن نقشہ کہیں نہیں ملا۔ میں نے خود ہر کونہ دیکھا ہے۔"

"ارے! اور کہیں نہیں ڈھونڈنا!" دعام نے فوراً بات کاٹی، اس کی آواز میں پھر سے ضد اور یقین تھا۔ "یہیں ڈھونڈنا ہے! مجھے یقین ہے یہیں میدان میں کہیں ہوا سے ادھر ادھر ہو گیا ہو گا! چلیں یہاں ڈھونڈتے ہیں! سب کو بلاؤ! یہیں پر ہو گا!" اس نے پر جوش انداز میں کہا، اور خود ہی جھک کر زمین پر دیکھنے لگی۔

بالانے ایک نظر بے بس سردار کی طرف دیکھا، جس نے ہاں میں سر ہلایا تھا۔ سردار دعام کو اس معاملے میں مطمئن کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس کے اشارے پر سب لوگ اسی جگہ نقشہ ڈھونڈنے لگے۔ قبیلے کے لوگ جو پہلے ہی نقشہ تلاش کر چکے تھے، اب دوبارہ اسی جگہ کی خاک چھاننے لگے۔ سردار کے حکم کی تعمیل ہو رہی تھی۔

○○○○○○

سب لوگ دعام کی بتائی ہوئی جگہ پر، یعنی چارپائی کے گرد اور قریبی میدان میں، ایک بار پھر نقشہ ڈھونڈنے میں مصروف تھے۔ قبیلے کے کچھ جوان گھاس پھونس ہٹا رہے تھے، پتھروں کو

ایک ایک کر کے الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے، جیسے کوئی خزانہ تلاش کر رہے ہوں۔ کچھ لوگ زمین پر جھک کر باریک بنی سے تلاش کر رہے تھے، ایک ایک تنکے کو اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ دعام خود بھی ہر جگہ بار بار جھک کر دیکھ رہی تھی، اس کی نظریں تیز تھیں، اسے یقین تھا کہ نقشہ یہیں کہیں گرا ہو گا۔ اس کی امید ہر پتے کے ساتھ بڑھتی اور پھر ہر خالی ہاتھ کے ساتھ ٹوٹی نظر آرہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، ہر لمحہ ایک نیا امتحان تھا۔

سردار ایک طرف کھڑا سب کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اگرچہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو دعام کی ضد اور جستجو پر تھی، مگر وہ دعام کی بے چینی اور بڑھتی ہوئی مایوسی کو محسوس کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ نقشہ وہاں نہیں ملے گا، کیونکہ وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ اس نے پہلے ہی پوری کوشش کر لی تھی، لیکن دعام کو اپنی آنکھوں سے یہ حقیقت دیکھنے دینا ضروری تھا۔ وہ بار بار دعام کی طرف دیکھتا، جو امید بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی، ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی آنکھوں کی چمک مدھم پڑتی جا رہی تھی، پھر مایوس ہو کر کسی اور جگہ جھک جاتی۔ دعام کے چہرے پر واضح طور پر تھکن اور اضطراب نظر آرہا تھا، اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں جیسے وہ اپنی پوری جان لگا کر کچھ تلاش کر رہی ہو۔ اس کے بال بکھر چکے تھے اور ماتھے پر پسینے کے قطرے نمایاں تھے۔

تلاش کا یہ سلسلہ تقریباً دو گھنٹے تک مزید جاری رہا۔ سورج سر پر آچکا تھا اور گرمی بڑھ رہی تھی۔ دھول مٹی میں لت پت سب تھک چکے تھے۔ ہر ایک نے اپنی پوری کوشش کی، مگر کسی کو بھی نقشے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ مایوسی کی گہری چادر اب پوری طرح سب پر چھا چکی تھی۔ آخر کار، میرو سردار کی طرف آیا، اس کے چہرے پر تھکن اور مایوسی کے آثار واضح تھے۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا، جیسے ہار مان چکا ہو۔

"سردار جی!" میرو نے مایوسی سے کہا، اس کی آواز میں شکست اور تھکن صاف جھلک رہی تھی۔ "یہاں تو کہیں بھی نہیں ہے نقشہ۔ ہم نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔ ہر ایک چیز کو چھان مارا، ایک تنکا بھی نہیں چھوڑا۔ نقشہ یہاں نہیں ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے زمین کھا گئی ہو یا آسمان نکل گیا۔"

دعاً نے یہ سنا تو اس کے کندھے بوجھل ہو کر جھک گئے۔ اس کی آنکھوں میں امید کی جو چمک تھی، وہ مکمل طور پر مدھم پڑ چکی تھی۔ اس کا چہرہ جو پہلے جوش سے بھرا تھا، اب تاریک اور اداس ہو چکا تھا۔ اس نے ایک آخری بار چارپائی کے نیچے جھک کر دیکھا، اس کی نظریں ہر چھوٹے بڑے سوراخ اور پتھر کو ٹٹول رہی تھیں، مگر کچھ نہ تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس کی محنت، سب کچھ ایک لمحے میں مٹی میں ملتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے چہرے پر گہری مایوسی اور بے چارگی

صاف نظر آرہی تھی۔ وہ خالی ہاتھوں سیدھی کھڑی ہو گئی، اس کی نظریں بے مقصد ادھر ادھر گھومنے لگیں۔ وہ ہارمان چکی تھی، اس کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

○○○○○○

اکرم اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا گہری سوچوں میں گم تھا۔ اس کا ذہن دعام اور نقشے سے ہٹ کر رباب پر اٹکا ہوا تھا۔ اسے کچھ دیر پہلے ہی احساس ہوا تھا کہ اس نے رباب پر بلاوجہ غصہ کیا تھا۔ "مجھے رباب پر اس طرح غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس نے خود سے کہا، اس کے لہجے میں ایک ہلکی سی ندامت تھی۔ "وہ بیچاری میرے لیے گئی تو تھی۔" اسے یاد آیا کہ کیسے رباب نے اس کے کہنے پر اتنے مشکل علاقے کا سفر کیا تھا۔ "وہ ایک عام انسان ہے، ایسے علاقے میں اتنی ہمت کر کے جانا بھی بہت بڑی بات ہے۔" اکرم کو اعتراف کرنا پڑا کہ رباب نے اس کے لیے خطرہ مول لیا تھا۔ "مجھے خود سوچ سمجھ کر اس پر چلانا چاہیے تھا۔ میں نے بے مطلب اسے اتنا ڈانٹ دیا۔" اسے اپنے جارحانہ رویے پر تھوڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

لیکن یہ ندامت پل بھر کی تھی۔ اس کے ذہن میں فوراً اپنے مقصد کا خیال آیا۔ "لیکن اس طرح تو یہ لڑکی میرے کسی کام کی ہی نہیں ہوگی۔" اس نے بے چینی سے اپنا سر ہلایا۔ "وہ اپنی بہن کو



تھوڑا سا جذباتی نہیں کر سکی۔ "اسے رباب کی ناکامی پر غصہ آرہا تھا۔ اس کا سارا منصوبہ رباب کے ذریعے دعام کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے پر مبنی تھا۔" مجھے خود ہی دعام سے ملنا ہو گا، اس سے بات کرنی ہو گی۔ رباب تو میرے کسی کام کی نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں اب سرد مہری تھی۔

اکرم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "مجھے جان چھڑانی چاہیے اس لڑکی سے۔ اس طرح سے تو میں خود ہی اپنے لیے مصیبت تیار کر رہا ہوں۔" اسے رباب کے ساتھ اپنا تعلق ایک بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ کل اس نے گاڑی میں رباب کو کتنی بری طرح ڈانٹا تھا۔ رباب اس کے رویے پر حیران رہ گئی تھی، کیونکہ اسے کیا پتہ تھا کہ اکرم اسے صرف اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ اگر وہ اس کے کسی کام کی ہی نہیں تھی تو وہ اس سے شادی کیوں کرتا؟ یہ سوال اس کے ذہن میں مسلسل گونج رہا تھا۔ اس نے رباب سے صرف اس لیے تعلق رکھا تھا تاکہ دعام تک پہنچ سکے، اور اب جب رباب اس کے کام کی نہیں رہی تھی، تو اسے یہ تعلق بیکار لگ رہا تھا۔ اسے یہی لگ رہا تھا کہ اس نے بیکار میں یہ مصیبت اپنے سر پر ڈال لی ہے۔

وہ انہی سب سوچوں میں گم تھا جب اس کا فون بجا۔ سکرین پر رباب کا نمبر جگمگاتے دیکھ کر اس نے آنکھیں گھمائیں۔ ایک لمحے کو اس نے فون اٹھانے میں ہچکچاہٹ محسوس کی۔ رباب پرسوں

سے ہی اسے مسلسل فون کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اکرم فون ہی نہیں اٹھا رہا تھا۔ اسے رباب کے ساتھ اپنا تعلق بیکار لگ رہا تھا، ایک ایسا تعلق جو اسے اب مزید بوجھ لگنے لگا تھا۔

○○○○○○○

اکرم نے رباب کے فون کو نظر انداز کر کے اپنا کام جاری رکھا۔ اسے لگتا تھا کہ رباب اب اس کے لیے بیکار ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ تعلق مزید پریشانی کا باعث بنے گا۔ رباب نے دو تین دفعہ مسلسل فون کیا، لیکن اکرم نے اسے بار بار انکوری کیا۔ وہ اپنے کمرے میں سکون سے آکر بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ پھر سے رباب کا فون آنے لگا۔ اس دفعہ بھی وہ انکوری کرتا ہوا فون کال کاٹ گیا۔ "یہ مصیبت مجھے مزید اپنی زندگی میں نہیں چاہیے تھی۔" وہ خود سے بڑبڑایا، اس کا لہجہ جھنجھلاہٹ سے بھرا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا فون ہی بند کر دیتا، اس کے فون پر کچھ تصویریں موصول ہوئیں۔ اس نے فوراً اپنے فون پر آنے والی تصویروں کو دیکھا۔ وہ تصویریں عجیب طرح کی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نقشے کا منظر ہو، مگر یہ تصویریں بہت زیادہ قریب سے لی گئی تھیں، جنہیں زیادہ سمجھنا آسان نہ تھا۔ وہ دھندلی اور ٹکڑوں میں تھیں۔

اکرم حیران رہ گیا کہ قبیلے کا نقشہ رباب کے پاس تھا کیسے؟ کیسے آیا تھا اس کے پاس؟ وہ جانتا تھا کہ ڈاکوؤں کے پاس قبیلے کا نقشہ ہے اور اس قبیلے میں ہزاروں راز چھپے ہیں، کئی خزانے، کئی خفیہ راستے۔ یہ ایک انتہائی قیمتی چیز تھی جس کی تلاش میں وہ خود بھی تھا۔ لیکن قبیلے کا نقشہ رباب کے پاس تھا؟ یہ بات اسے شدید حیرت میں ڈال گئی۔ اس کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ اس کے پاس ایسی اہم چیز کیسے آئی۔

اس نے حیرت سے فوراً رباب کو کال کرنا شروع کر دی، لیکن اب تو جیسے رباب کی باری تھی۔ اس کی بے چینی پر رباب اسے اگنور کرتی ہوئی اس کی کال نظر انداز کرنے لگی۔ جس طرح تھوڑی دیر پہلے اکرم اس کا فون کاٹ رہا تھا، اب رباب اس کی کال کاٹ رہی تھی۔ ایک عجیب سا کھیل شروع ہو چکا تھا۔

"رباب! پلیز فون اٹھاؤ!" اکرم نے ایک بے چین وائس میسج بھیجا۔ اسے لگا جیسے یہ وائس میسج رباب نے باقاعدہ سنا، اور پھر اسے اگنور کر دیا۔ اکرم ایک طرف تڑپ رہا تھا کہ کسی طرح رباب سے اس کا رابطہ ہو جائے، اسے ان تصویروں کی تفصیل مل سکے۔ اور دوسری طرف رباب اسے مکمل نظر انداز کرتی، اپنا فون ہی بند کر کے لیٹ گئی تھی۔ رباب اکرم کی بے چین فون کالز اور

میسجز سے ہی اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے پاس کسی عام چیز کا نقشہ نہیں بلکہ بہت خاص چیز کا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اب اکرم اس کے پیچھے بھاگے گا۔

پہلے اکرم اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا تھا، اب رباب کی باری تھی۔ اس نے چالاکی سے اپنی اہمیت ثابت کر دی تھی۔

○○○○○○○

"نہیں جانا! مجھے آپ کے ساتھ کہیں بھی نہیں جانا!" دعام ناراضگی سے چیخی۔ اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو جمع تھے۔ وہ جھیل کنارے بیٹھی اپنی ضد پر قائم تھی، اور اب تک تینوں باری باری اسے منانے کی کوشش کر چکے تھے۔ "مجھے نقشہ دیں! مجھے نہیں پتا جو آپ جہاں مرضی سے لا کر دیں، پر مجھے نقشہ چاہیے!"

بالا اس کے قریب آ کر بیٹھا، اس کے چہرے پر نرمی تھی۔

"تم میری چھوٹی سی بہنا ہو، یار! سمجھنے کی کوشش کرو نا! نقشہ گم ہو گیا ہے۔ اب نہیں مل رہا کہیں سے، ہم نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔"

"اس نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔" لیکن ہم ہیں نا! آؤ میں تمہیں قبیلے کے راز والے علاقے میں لے کر چلتا ہوں۔ تمہیں پتا ہے وہ راستہ ہم تینوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؟ وہ زمین کے اندر سے نکلتا ہے اور سردار کے پہاڑ کے پیچھے سے نکلتا ہو اسیدھا جھیل پر آتا ہے! بہت مزے کی جگہ ہے! اسے دیکھ کر تم نقشہ بھول جاؤ گی، میرا وعدہ ہے!"

دعام نے اپنی آنکھیں تنگ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر عدم اعتماد تھا۔ "کیا مطلب؟ ان ستائیس راستوں کے علاوہ بھی کوئی اور راستہ ہے؟" وہ تو اب تک وہ ستائیس راستے یاد کر کے بیٹھی ہوئی تھی، اسے لگا وہ اسے بے وقوف بنا رہے ہیں۔ "آپ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے! میں جانتی ہوں آپ جھوٹ بول رہے ہیں!"

بالا مسکرایا۔ "بالکل بہنا! ہاں، ایک اور راستہ بھی ہے جس کا کسی کو کچھ پتا نہیں۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "ہم نے اپنی حفاظت کے لیے اس کو رکھا ہوا ہے کیونکہ قبیلے کے لوگ ہمارے دشمن ہیں، دوست کوئی بھی نہیں۔ یہاں ہر کوئی سردار کی کرسی پر بیٹھنا چاہتا ہے، اسی لیے ہم نے ایک خاص راستہ بنوایا ہے۔" اس نے دعام کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ "اگر ہم پر کبھی کوئی حملہ ہو یا برا وقت آئے تو ہم اس راستے سے بچ کر نکل سکتے ہیں، اور یہ راستہ جھیل سے بے حد قریب ہے۔ اگر کبھی تم جھیل پر آنا چاہو لیکن لمبا راستہ ہونے

کی وجہ سے تمہیں ڈر لگے تو تم وہ والا راستہ استعمال کر سکتی ہو۔" بالا اس کے قریب بیٹھا اسے بتا رہا تھا، جبکہ سردار بھی قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھا تھا، یعنی کہ سردار کا کوئی اعتراض نہیں تھا کہ دعام کو اس خفیہ راستے کے بارے میں بتایا جائے۔

دعام نے تیزی سے سرنفی میں ہلایا۔ "مجھے پاگل مت بنائیں! ابھی آپ نے کہا وہ راستہ زمین کے نیچے سے نکلتا ہے! یہ کون سا ایسا راستہ ہے جو زمین کے نیچے سے نکل کر مجھے پہاڑ پر پہنچا دے گا؟" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے پتا ہے آپ مجھے باتوں میں پھسلانے کی کوشش کر رہے ہو۔ آپ سب جھوٹ بول رہے ہیں! میرے نقشے سے جان چھڑانا چاہتے ہیں!" بالا مسکرایا۔ "ایسے نہیں مانو گی تم! سردار کا میٹھا سائیں، اٹھو! دکھاتا ہوں تمہیں!" وہ اس کا ہاتھ زبردستی پکڑتا ہوا اسے لے کر جانے لگا۔ دعام نے ہلکی سی مزاحمت کی، مگر بالا کی گرفت مضبوط تھی۔

اسی اثنا میں، جمرو وہی سردار کے قریب آیا اور نقشے کے متعلق اپنی معلومات فراہم کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

"سردار!" جمر نے سرگوشی کی۔ "مجھے لگتا ہے بھابھی کی بہن نے نقشہ چرایا ہے۔" اس کی آواز میں یقین تھا۔

"میں نے اسے کچھ چھپا کر لے کر جاتے دیکھا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی چپ چپ تھی۔"

سردار نے بے فکری سے ہاتھ ہلایا، اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"ہاں، اسی نے چرایا ہے! میں جانتا ہوں، تم پریشان مت ہو، مل جائے گا نقشہ۔" اس نے اتنے پرسکون انداز میں کہا جیسے یہ کوئی معمولی بات ہو۔

جمر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا مطلب سردار؟ تم نے خود وہ نقشہ اپنے ہاتھ سے جانے دیا؟ کیوں سردار؟ وہ رباب، اکرم کی منگیتر ہے! اگر اکرم کے ہاتھ لگ گیا وہ نقشہ تو۔۔۔؟"

جمر کا لہجہ شدید فکر مندی سے بھرا تھا، اسے معلوم تھا کہ اکرم اس نقشے کے لیے کیا کچھ کر سکتا ہے۔

سردار نے ہنستے ہوئے جمر کے کندھے پر تھپکی دی۔

"رباب ہماری سوچ سے زیادہ چالاک لڑکی ہے، جمر و! جب تک اس کا اپنا مطلب پورا نہ ہو جائے تب تک وہ کسی دوسرے کا مطلب پورا ہونے نہیں دیتی۔" اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔

"اس لیے بے فکر رہو، اکرم تک نقشہ جانے سے پہلے ہم تک واپس آجائے گا۔"

اس نے نظر اٹھا کر دعام اور بالا کو دیکھا جواب جاچکے تھے۔

"بیچاری بچی، معشوقی کے چکر میں پڑ گئی ہے۔" سردار نے دھیمے سے کہا۔

"اور سردار عاشقوں کو بڑا پسند کرتا ہے۔ اسے عشق کی منزل نصیب ہونے دو۔" اس نے ایک

لمحہ رکا، پھر مسکرایا

۔ "ہم اپنی امانت لے آئیں گے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوتا واپس قبیلے کی طرف جانے لگا تھا کیونکہ

اسے یقین تھا آج اس کا سوہنا مکھڑا اشاکڈ میں جانے والا ہے قبیلے کے خاص خفیہ علاقوں سے گزر

کر۔

○○○○○○○



اکرم اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا، اس کا ذہن کئی الجھنوں کا شکار تھا۔ اسے اپنی ناکامی کا غصہ تھا، رباب کی سرکشی پر حیرانی تھی،

اور سب سے بڑھ کر قبیلے کے نقشے کی تصاویر نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

یہ نقشہ رباب کے پاس ہی تھا وہ سمجھ چکا تھا اب اسے رباب کو منا کر وہ نقشہ حاصل کرنا تھا، کسی بھی قیمت پر۔

وہ اسی سوچ میں گم تھا جب اس کا فون بجا۔ سکریں پر رباب کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اکرم نے ایک لمبی سانس لی اور کال اٹھالی۔

آخر اس کی اتنی ساری فون کالز کے بعد اسی ترس آہی گیا تھا اس پر، یا شاید وہ جان بوجھ کر تڑپا رہی تھی۔

اس نے دنیا جہان کی بناوٹ اپنے لہجے میں سمیٹی تھی۔ اس کی آواز میں ایک مصنوعی مٹھاس بھر گئی۔

"ہاں رباب، کیسی ہو میری جان؟" اکرم نے لہجے میں پگھلاہٹ لانے کی کوشش کی۔

فون کی دوسری جانب سے رباب کی آواز آئی، دھیمی مگر طنز سے بھری۔

اووو پلیر اکرم مزید ڈرامہ نہیں مل۔۔۔۔"

بتائیں کیا مسئلہ ہے اکرم؟ کیوں بار بار مجھے فون کر رہے ہیں؟ آپ کو تو میری ذات سے کوئی فائدہ نہیں ہے، میں بے وقوف ہوں تو پھر کیوں مجھے بار بار فون کر کے تنگ کر رہے ہیں؟ میں آپ کی کسی کام کی نہیں ہوں، جیسا کہ آپ نے مجھے بتایا تھا۔"

اکرم کے چہرے پر جھنجھلاہٹ آئی، مگر اس نے فوراً اسے دبا دیا۔

"رباب میری جان! تم نے وہ ساری باتیں دل پر لے لی ہیں؟ میں سمجھ سکتا ہوں! مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، میں واقعی شرمندہ ہوں۔" اس نے روانی سے کہا۔

اس وقت میں غصے میں تھا، مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا میں نے کیا بکواس کر دی۔ میں اپنی اس بات پر بہت پشیمان ہوں۔

میں تمہیں سوری بولنے کے لیے بار بار فون کر رہا ہوں، میری جان! پلیر میری معذرت قبول کر لو، ایک موقع دے دو مجھے۔"

رباب نے ایک معنی خیز سانس لی۔

دیکھیں اکرم! پلیز آپ یہ ڈرامے بازیاں چھوڑ دیں۔ مجھے سب سمجھ میں آگیا تھا۔ آپ کے انداز نے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ میں آپ کے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہوں۔

اس کی آواز میں اعتماد تھا۔ "اب آپ کو پتہ چل گیا ہے کہ میرے پاس قبیلے کے حوالے سے کوئی ضروری چیز ہے تو اب آپ پھر سے اپنے نارمل لہجے میں واپس آگئے ہیں۔

میرا استعمال کر رہے تھے نا آپ؟" اس نے یقین سے سوال کیا تو اکرم بوکھلا گیا۔

"نہیں رباب! یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ میں سچ میں تم سے محبت کرتا ہوں! تم میری زندگی ہو! میرا یقین کرو۔" اس نے اپنی بات کو وزن دینے کی کوشش کی، مگر رباب نے اسے کاٹ دیا۔

"لیکن! ویکن کچھ نہیں!" اس کی آواز میں فیصلہ کن مضبوطی اور ہلکا سا طنز تھا۔

اگر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو میرے گھر آکر نکاح کی ڈیٹ فائنل کریں۔" اس نے اپنی شرط واضح کر دی۔

میں جانتی ہوں آپ کو صرف اور صرف اس نقشے سے مطلب ہے۔ لیکن مجھے آپ سے مطلب ہے نکاح کے بعد میں یہ نقشہ آپ کو دے دوں گی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد میں آپ سے

کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں کوئی کھلونا نہیں ہوں کہ جب چاہیں استعمال کریں اور جب چاہیں پھینک دیں۔ اب جو بھی بات ہوگی محرم بن کر ہوگی، ورنہ نہیں۔"

اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہی فوراً کال کاٹ دی، اور اکرم کے ہاتھ میں فون ایسے رہ گیا جیسے اس میں جان ہی نہ ہو۔ اس کے چہرے پر شدید مایوسی اور بے بسی کے ساتھ ساتھ رباب کی اس اچانک چالاکی پر گہرا غصہ تھا۔

وہ جان چکا تھا کہ رباب اب اسے اپنی انگلیوں پر نچا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال گونج رہا تھا رباب کے پاس یہ نقشہ کیسے آیا؟ اور اب وہ اسے کیسے حاصل کرے گا؟

○○○○○○

اکرم کے ہاتھ میں پکڑا فون جیسے ایک زہریلا سانپ بن گیا تھا۔ رباب کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی،

اس کی شرطیں اس کی انا پر ایک تیز دھار کی طرح لگی تھیں۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، جڑے بھنچ گئے

اور ماتھے پر رگیں پھول گئیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک جنونی چمک تھی۔

"اتنی اوقات اس لڑکی کی!؟" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا، جیسے رباب اس کے سامنے کھڑی ہو۔  
"اکرم احمد اس کے نخرے اٹھائے گا؟ اتنے برے دن آگئے ہیں میرے؟" اس کی آواز میں  
ایک ایسا غصہ تھا جو کسی بھی چیز کو تباہ کر سکتا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے فون کو پوری قوت سے دیوار پر دے مارا، فون کئی ٹکڑوں میں بکھر گیا،  
مگر اکرم کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ وہ کمرے میں ٹہلنے لگا، اس کے قدموں کی چاپ کمرے میں ایک  
طوفان کا اعلان کر رہی تھی۔

"نقشہ تو میں حاصل کر کے رہوں گا!" اس نے خود سے عہد کیا، اس کی آواز میں ایک جنونی عزم  
تھا۔

اس کے لیے مجھے نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے! میں اس لڑکی کو دکھاؤں گا کہ اکرم احمد سے پنگالینا  
کیا ہوتا ہے!" اس کا غصہ اب انتقام میں بدل چکا تھا۔ وہ رباب کو اس کی چالاکی کی قیمت چکانے پر  
مجبور کر دے گا۔

oooooooo

رباب نے کال کاٹنے کے بعد فون ایک طرف رکھ دیا وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ دھیرے دھیرے مدھم پڑ گئی اور اس کی جگہ فکر مندی نے لے لی۔ اس نے اکرم کے سامنے جو شرط رکھی تھی، وہ صرف ایک چال نہیں تھی بلکہ اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔

اس نے ٹھیک کیا تھا یا نہیں، یہ سوال اس کے ذہن میں بار بار ابھر رہا تھا۔ "یہ میری ساری زندگی کا سوال ہے۔" اس نے خود سے کہا، اس کی نظریں چھت پر جمی تھیں۔ ایک لمحے کو اسے خوف محسوس ہوا۔ جس شخص نے اسے کبھی اہمیت نہیں دی تھی، جس نے اسے بے وقوف سمجھا تھا، آج وہ اسے اپنی شرائط پر پاگل کر رہی تھی۔ لیکن کیا یہ صحیح تھا؟ پھر اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا، ایک ایسا خیال جو اس کے دل کو گرما گیا۔ "انسان اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔" اس کے لہجے میں نرمی آگئی، آنکھوں میں ایک خوابیدہ چمک ابھری۔ "اور میں بھی صرف اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے ہی یہ قدم اٹھا رہی ہوں۔"

اسے احساس ہوا کہ اکرم کے لیے اس کے جذبات کتنے گہرے ہو چکے ہیں۔ پہلے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، لیکن اب اس کے دل میں اکرم گھر کر چکا تھا۔

اب وہ اکرم کو حاصل ضرور کرے گی۔ یہ اس کی انا کا بھی سوال بن چکا تھا۔ اکرم اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔

جسے اس نے صرف محبت سے نہیں جیتنا تھا، بلکہ اپنی انا کے ساتھ جیتنا تھا۔ اسے ثابت کرنا تھا کہ وہ محض کوئی کھلونا نہیں، بلکہ ایک ایسی عورت ہے جو اپنے فیصلے خود کرتی ہے اور اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔

وہ سمیرا کو دکھانا چاہتی تھی کہ وہ کیا کر سکتی ہے، کہ اس کے اندر بھی طاقت اور عزم ہے۔ سمیرا نے ہمیشہ اسے کمزور سمجھا تھا، مگر اب رباب اپنی طاقت دکھانے کے لیے تیار تھی۔

○○○○○○○

بالا، دعام کا ہاتھ تھامے اسے ایک تنگ اور چھپے ہوئے راستے سے لے کر چل رہا تھا۔

یہ راستہ بظاہر زمین کے اندر سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، مگر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بالکل مختلف مقام پر پہنچ گئے۔

دعام نے حیرت سے اپنی آنکھیں پھیلا لیں۔ وہ راستہ سیدھا پہاڑ کی چوٹی پر ختم ہو رہا تھا، بالکل اسی جگہ پر جہاں سردار کا کمرہ تھا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی۔ یہ کیسا معجزہ تھا؟ جہاں وہ سوچ رہی تھی کہ راستہ زمین کے اندر جا کر کسی اور پاتال میں کھلتا ہوگا، وہ وہیں سردار کے کمرے کے عین برابر پہنچ گئے تھے۔

"ایسا کیسے ممکن ہے؟" دعام نے ہانپتے ہوئے پوچھا، اس کی آنکھوں میں شدید حیرت تھی۔ "یہ راستہ کدھر سے نکلا اور کیسے آیا؟" اسے یاد آیا کہ وہ جھیل پر جانے کے لیے پہلے کتنا لمبا راستہ طے کرتی تھی۔ یہ تو بالکل ہی سامنے تھا "بالا مسکرایا، اس کے چہرے پر دعام کی حیرانی دیکھ کر خوشی تھی۔ وہ اس کے پاس کھڑا، پہاڑ کے شاندار منظر کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"کیسا لگایہ راز، پیاری بہنا؟" بالانے فاتحانہ انداز میں سوال کیا۔

دعام نے سر جھٹکا، اس کی آواز میں خوف اور تجسس تھا۔

بہت زور سے لگا بالا بھیا! یہ قبیلہ تو سچ مچ میں کوئی بھول بھولیاں ہے!" اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔



كون ساراسته كدھر سے نكل كر كدھر آجاتا ہے، كوئی سمجھ ہی نہیں آتا۔ مجھے تو صرف ان ستائیس راستوں كا پتا تھا، اب اٹھائیس كا پتا لك گیا!" اس كی آواز میں ہلكا سا تجسس بھی تھا كه ان راستوں كی پیچیدگی كهیں اسے كم نہ كر دے۔

بالا نے اس كے كندھے پر پیار سے تھكی دی۔ "تھوڑا صبر سے كام لوںجے، مزید ايك مہینے میں تمہیں یہاں كے اور دس بارہ راستوں كے بارے میں پتہ چل جائے گا۔"

اس كی آواز میں ايك مسرور اعتماد تھا۔ "میں نے تمہیں بتایا نا، یہ قلعہ ايك ایسا خفیہ قلعہ ہے جسے اس كے بنانے والے بھی كممل طور پر سمجھ نہیں سكے۔" بالا نے جھیل كی طرف اشارہ كیا۔  
"یہ قبیلہ جتنا زمین كے اوپر ہے اتنا ہی زمین كے نیچے بھی ہے۔" اس نے دور پہاڑوں كی طرف اشارہ كیا۔

"یہ پہاڑوں كی چوٹیوں پر تمہیں جو قبیلے كی اونچائی نظر آتی ہے، یاد ركھنا كه اتنا ہی گہرا بھی ہے۔ اس كی جڑیں اتنی ہی گہرائی میں ہیں جتنی اس كی چوٹیاں بلند ہیں۔"

بالا نے پھر دعام كی طرف ديكھا۔

"کسی دن تمہیں اس کی گہرائی میں بھی لے کر چلیں گے، جہاں شاید سورج کی روشنی بھی نہیں پہنچتی۔ لیکن فی الحال چلو، شارٹ راستے سے جھیل پر واپس چلتے ہیں۔ سردار بے چین ہو رہا ہوگا۔"

وہ اس سے واپس چلنے کے لیے کہنے لگا تو دعام فوراً ہی اسی راستے سے واپس بھاگی تھی جہاں سے بالا اسے لے کر آیا تھا۔ اس کا تجسس اور حیرت اسے کھینچ رہے تھے۔

○○○○○○○

اس راستے سے گزرتے ہوئے، جیسے ہی وہ اس کے اینڈ تک پہنچے، اسے سامنے گلی کی طرف کچھ ڈاکو نظر آئے۔ وہ پہاڑوں کی دیواروں سے ٹیک لگائے آپس میں باتیں کر رہے تھے، ان کے ساتھ ہی ان کی بندوقیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں ایک ڈاکو وہ تھوڑا تھوڑا جانتی تھی،

اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا، شاید اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔

"بالا بھیا! یہاں کیا ہو رہا ہے؟" دعام نے آہستہ سے پوچھا، اس کی نظریں ان ڈاکوؤں پر جمی تھیں۔

بالا نے ہلکے سے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں پیاری بہنا۔ یہ ان لوگوں کی جگہ ہے، یہ سارے لوگوں کے گھرا نہی پہاڑیوں کے اندر ہیں۔ اسی لیے ساتھ بیٹھے ہوں گے، اپنے کام کی باتیں کر رہے ہوں گے۔" اس نے دعام کا بازو پکڑا۔

"آؤ چلو، ہمیں یہاں نہیں رکنا چاہیے۔" اس نے انہیں ان کا کام کرنے دیا اور خود آگے بڑھ گیا تو دعام بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی آئی تھی۔ ہاں، لیکن سامنے کھلے دروازے میں اسے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ گڑبڑ ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔ اسے لگا جیسے کوئی چیز جو سامنے نظر آرہی تھی، وہ دراصل کچھ اور تھی۔

○○○○○○○

بالا نے دعام کو سردار کے پاس چھوڑ دیا۔

"یہ لو سردار، تمہاری امانت۔ دکھا آیا میں اس کو بیچ کاراز تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا،

اس کی نظروں میں ایک ہلکی سی الجھن تھی۔

سردار نے دعام کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

"اچھی بات ہے؟ نقشہ بھول گئی؟" اس نے اشارے سے پوچھا، جبکہ وہ فوراً ہی اشارہ سمجھ گئی تھی۔

دعام نے نفی میں سر ہلایا۔

جی نہیں جناب! بالکل بھی نقشہ نہیں بھولی ہوں۔ مجھے بہت اچھے سے نقشہ یاد ہے۔" اس نے سردار کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے کہا۔

اور آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ آپ مجھے نقشہ واپس لا کر دیں گے۔ مجھے اس قبیلے کا ایک ایک کونا جاننا ہے، ہر چیز پتا ہونی چاہیے مجھے۔ آخر میں اس قبیلے کی سردارنی ہوں۔" اس نے اپنے تاج کو ٹھیک سے اپنے سر پر جمایا تھا، جو وہ اس کے لیے کب سے بیٹھا بنا رہا تھا۔

"سردارنی صاحبہ! کھانا یہیں پر کھائیں گی یا پھر واپس قبیلے میں چل کر؟" جمر نے فوراً سر کو خم دیتے ہوئے سوال کیا۔

دعام نے جھیل کے کنارے پھیلی ٹھنڈی ہواؤں کو محسوس کیا۔

"واپس قبیلے میں چل کر کیا کرنا ہے؟ یہ ٹھنڈی ہوائیں، یہ جھیل کنارہ، یہیں پر کھانا کھانا ہے میں نے۔" وہ ایک سائیڈ ہو کر سردار کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں جاؤں کھانا لینے کے لیے، شارٹ راستے سے؟"

جمرو فوراً اٹھ گیا۔ "لوجی! اب کھانا لانے کے لیے بھی ہماری سردارنی جائے گی تو ہم کیا یہاں اس جھیل میں پتھر مارنے کے لیے بیٹھے ہیں؟ آپ دونوں بیٹھیں، ہم ابھی کھانا لے کر آتے ہیں۔" جبکہ سردار کی نگاہ بے ساختہ بالا کے چہرے پر پڑی تھی۔ وہ بظاہر تو مسکرا رہا تھا، لیکن کچھ تھا جو اسے الجھا رہا تھا۔ اس نے ہلکے سا آنکھ کے اشارے سے بالا سے پوچھا تھا، جس پر وہ صرف آنکھوں سے کوئی اشارہ دیتا جمرو کے ساتھ کھانا لانے چلا گیا۔

oooooooo

جمرو کھانا لانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ بالانے اسے روکا۔

"جمرو، تم کھانا لاؤ۔ مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے۔ وہ میں کر کے آتا ہوں۔" اس نے جمرو کو میدانِ راستے سے جانے کا اشارہ کیا اور خود تیزی سے واپس شارٹ راستے کی طرف مڑ گیا۔ اس کے ذہن میں وہ ڈاکو گھوم رہے تھے جنہیں اس نے اور دعام نے خفیہ راستے سے نکلنے ہوئے دیکھا

تھا۔ اس طرح ایک ساتھ ڈاکوؤں کا دن دیہاڑے ایک خفیہ جگہ پر بیٹھے رہنا اس کے لیے بھی حیران کن تھا، مگر وہ دعام کو ان سب چیزوں میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ کچھ گڑبڑ تھی۔

وہ واپس خفیہ راستے کے دہانے پر پہنچا اور اندر داخل ہوا۔ ڈاکو اب بھی وہیں پر بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

ان ڈاکو کا ایک ساتھ بیٹھنا بہت مشکوک تھا بالانے ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپتے ہوئے خود کو چھپا لیا اور وہیں آکر بیٹھ گیا،

تاکہ ان کی گفتگو سن سکے۔ اسے یقین تھا کہ ان لوگوں کا اس طرح ایک خفیہ جگہ پر بیٹھ کر باتیں کرنے کا کوئی نہ کوئی خاص مقصد تو ضرور تھا۔ وہ اپنی سانسیں روکے ان کی گفتگو پر کان لگائے بیٹھا تھا۔

حمیدے کی آواز آئی، جو قدرے پرسکون اور سمجھانے والے لہجے میں بول رہا تھا۔

ارے کیوں ڈر رہا ہے پاگل فصیل! سردار کو کیسے پتا چلے گا کہ ہم اس کے اسلحے سے مال نکال رہے ہیں؟

ہم نے ایسے ڈیلر بلائے ہیں اس اسلحے کو فروخت کرنے کے لیے کہ سردار کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی کہ یہ مال غائب کہاں ہوا ہے۔"

حمید کی آواز میں خوف واضح تھا۔

نہیں یار! اگر سردار کو پتا چل گیا تو وہ گولی چلانے میں ایک سیکنڈ نہیں لگائے گا۔" حمید سردار کی وحشت اور انصاف پسندی سے اچھے سے واقف تھا، اور اس کا دل ڈر سے کانپ رہا تھا۔

ایک تیسرا ڈاکو، رفیق، جو نسبتاً مطمئن لگ رہا تھا، بولا۔

ارے یار، کچھ نہیں ہوتا! اگر پکڑے بھی گئے تو صاف صاف بات کریں گے ان سے کہ سردار نے پچھلی گیارہ ڈکیتیوں میں اب تک صرف چلر (بہت کم رقم) دیا ہے ہم لوگوں کو۔" اس کی آواز میں شکایت تھی۔

"ہم پچھلی گیارہ ڈکیتیوں میں پوری طرح سے سردار کے ساتھ شامل تھے لیکن سردار نے ہمارا حق مارا ہے۔"

بلا کے کان کھڑے ہو گئے، یہ بات اس کے لیے حیران کن تھی۔ سردار نے تو ہمیشہ ان کا خیال رکھا تھا۔

رفیق نے مزید وضاحت کی، اس کے لہجے میں اب بھی تذبذب تھا۔

"یار، حق تو نہیں مارا سردار نے، ہمیں اچھی خاصی موٹی رقم دی ہے۔"

فیصل فوراً اس کی بات کاٹے ہوئے بھڑک اٹھا۔ "اور رہنے دے رفیقے! کروڑوں کا مال ہاتھ لگا ہے

ان پچھلی گیارہ ڈکیتیوں میں۔ سردار نے مشکل سے دو لاکھ روپیہ مجھے دیا ہے اور اس حمیدے کو تو

سردار نے اسی ہزار میں ٹرکا یا ہے!" اس کی آواز میں شدید ناراضگی اور بغاوت تھی۔ "اگر ہم

سردار کے ساتھ تھوڑا بہت دھوکہ کر رہے ہیں تو سردار بھی ہمارے ساتھ انصاف نہیں کر رہا،

ہمارا حق مار رہا ہے۔"

رفیق نے پھر مداخلت کی۔

سردار حق نہیں مار رہا، سردار معصوم بچوں کا علاج کروا رہا ہے۔ سردار ہر مہینے سو بچوں کا علاج

کرواتا ہے۔ یہ تو تم جانتے ہو۔" اس کی آواز میں ایک طرح کی حمایت تھی۔

"او بس کر دینا رفیقے! ہم نے بچوں کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا!" حمید نے جھنجھلا کر کہا، اس کے لہجے

میں بیزاری تھی۔"



ارے جن سے کوئی مرنجین نہیں، جن کے نام تک ہمیں پتا نہیں، ان کا ٹھیکہ لے رکھا ہے سردار نے؟ اور ہر مہینے اتنے بچے آتے کہاں سے ہیں بیماری سے لپٹے ہوئے؟" اس کی آواز میں شک تھا۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ سردار ہمارے ساتھ بے ایمانی کرتا ہے! ایسی بھی کون سی بیماری ہے جس میں ہر مہینے اتنے سارے بچے نکل آتے ہیں؟ مجھے یقین ہے سردار صرف ہمارا پیسہ کھانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے!"

فصیل نے مزید زہرا گلتے ہوئے کہا۔

اب سردار کے سامنے تو ہم آواز اٹھا نہیں سکتے لیکن یہ اسلحہ جو اتنے سالوں سے یہاں بے کار پڑا ہے اسے بیچ کر ہم بھی اچھا خاصا مال کما سکتے ہیں۔ "وہ تینوں آپس میں بیٹھے بات کر رہے تھے، اور بالا کو یقین ہو گیا کہ ان کو بھڑکانے والا یقیناً فصیل ہی تھا۔

بالا پوری بات سننے کے بعد، خاموشی سے وہاں سے نکل گیا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش اور غصہ نمایاں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ معاملہ صرف اسلحے کی چوری کا نہیں، بلکہ سردار کی عزت اور قبیلے کی اندرونی بغاوت کا تھا۔

○○○○○○○○

دعام جھیل کنارے بیٹھی تھی، جب سردار اس کے مزید قریب سرک آیا۔ بالا اور جمر و کھانا لینے گئے تھے۔ سردار نے اس کے خوبصورت چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی، اور دل میں محبت کی ایک لہر اٹھی۔

"کیا سوچ رہی ہو، میرا سوہنا مکھڑا؟" سردار نے دھیمی، گہری آواز میں پوچھا، اس کا ہاتھ دعام کے بالوں میں چلا گیا۔

دعام نے ایک گہری سانس لی۔

"کچھ نہیں، بس یہ جگہ خوبصورت ہے۔" اور میں قبیلے کی ساری خوبصورت جگہ کو دیکھنا چاہتی ہوں لیکن آپ کی وجہ سے نقشہ گم ہو گیا۔

میری وجہ سے۔۔۔" سردار نے حیرت سے دیکھا۔

ہاں نا آپ کہ ہر وقت مجھ پر نظر ہوتی ہے مجال ہے جو آپ مجھے دیکھتے رہتے اور نقشہ گم نہ ہوتا۔

مجھے میرے سوہنے مکھڑے کو دیکھنا ہوتا ہے نقشے کو نہیں، نقشہ تمہاری چیز تھی تو میں اس کا خیال رکھنا تھا۔

هاں ناوہ میری چیز تھی اور گم ہو گئی نا۔۔۔" بالا بھیا نے نا مجھے کچھ دن پہلے ایک غار دکھائی تھی اب وہ بھی گم ہو گئی ہے۔

کیا کرتی تم اس غار میں جا کر وہ نرمی سے اس کے بالوں کو پیچھے کی طرف اڑسا پوچھنے لگا۔  
کرنا تو کچھ نہیں تھا بس ایسے ہی بول رہی ہوں نا وہ بڑی ہوشیاری سے جواب دے رہی تھی۔  
ویسے جب میں تمہارے ہونٹوں کو چومتا ہوں۔ کیڑیوں کی خوشبو آتی ہے۔ وہ شرارت سے مسکرایا۔

ہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔۔۔ میں تو۔۔۔ نہیں۔۔۔ کھاتی۔۔۔" وہ اپنے لبوں کو رگڑتی بولی تو سردار قہقہہ لگا کر ہنسا۔

سردار نے اس کے گال کو اپنے ہاتھ کی پشت سے چھوا۔

"یہاں کی ہر چیز خوبصورت ہے، لیکن تم جیسی خوبصورتی کہیں نہیں۔ جب تم یہاں ہوتی ہو، لگتا ہے جیسے چاند خود پانی میں اتر آیا ہو اور اس جھیل کو بھی تمہاری خوبصورتی سے رشک آ رہا ہو۔"

دعام کے گالوں پر لالی پھیل گئی، مگر اس نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ سردار نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ان کی نظریں ملیں۔ سردار کی آنکھوں میں گہرا عشق اور بے پناہ طلب تھی۔

"جھیل پر تو کھانا بعد میں کھائیں گے،" سردار نے سرگوشی کی۔ اس کا چہرہ دعام کے چہرے کے قریب ہو رہا تھا۔ "پہلے تو میرا دل کچھ اور کھانا چاہتا ہے، ایک ایسا میٹھا جو دنیا کے کسی خانے میں نہیں ملتا۔"

دعام کی سانسیں تیز ہو گئیں، دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔ سردار نے اپنا ہاتھ اس کی گردن کے پیچھے لے جا کر اسے اور قریب کیا، کوئی فاصلہ باقی نہ رہا۔ اس نے اپنے لب دھیرے سے دعام کے نرم گال پر رکھے، ایک پیار بھرا بوسہ دیا، پھر اس کے ماتھے کو چھوا۔

"تمہیں نہیں معلوم،" سردار کی آواز مزید مدھر ہو گئی۔ "تمہاری موجودگی، تمہاری سانسوں کی خوشبو، میرے لیے دنیا کی سب سے میٹھی چیز ہے۔ ہر سانس میں تم ہو، ہر دھڑکن میں تمہارا نام۔" اس کی سانسیں دعام کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اس نے اپنے لبوں سے دعام کی گردن کو چھوا۔ دعام نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

سردار کی گرفت مزید مضبوط ہوئی۔ "تم میری ہو، میرا میٹھا سائیں۔" اس نے دعام کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں سمیٹ لیا۔ یہ ایک لمبا، گہرا بوسہ تھا۔ وقت تھم سا گیا تھا۔

سردار نے دھیرے سے اپنے لبوں کو علیحدہ کیا، اس کی پیشانی دعام کی پیشانی سے مس ہو رہی تھی۔ "یہاں کی ہوائیں بھی ہمارے عشق کی گواہ ہیں،" اس نے سرگوشی کی۔ "میں تمہیں کسی کو نہیں دوں گا، نہ وقت کو، نہ قسمت کو۔ تم میری ہو، صرف میری، اور میں تمہیں کبھی خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔" اس کی آواز میں ملکیت اور پر جوش دیوانگی تھی۔

دعام کی آنکھیں اب تک بند تھیں، دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اس لمحے کو اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتی تھی۔

○○○○○○○

دعام نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے سردار کو اس کی دیوانگی بڑھتی دیکھ کر سمجھایا۔ "ڈاکو جی، بالا بھیا اور جمر و بھیا آنے والے ہوں گے!" اس کی آواز میں ہلکا سا خوف تھا۔ مگر سردار اس کی گردن سے لب ہٹانے کو تیار ہی نہیں تھا، وہ دیوانگی سے اسے چومتے ہوئے، اسے پوری طرح سے اپنے بازوؤں میں قید کر چکا تھا، جیسے دنیا کی ہر چیز سے بے خبر ہو۔

ان کی رومانویت ابھی اپنی انتہا پر تھی جب جمر و کھانا لے کر واپس آتا نظر آیا۔ وہ ہانپتا ہوا تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سردار نے جمر کو دیکھا تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "بہت غلط ٹائمنگ ہے اس آدمی کی!" اس نے دھیمی، غصے بھری سرگوشی میں کہا، اس کی گرفت دعام پر ابھی بھی مضبوط تھی۔ "یہ جلدی میرے ہاتھوں اپنی ٹانگیں تلوائے گا جن پر ہر وقت اچھلتا کودتا رہتا ہے۔" وہ اسے بھاگتے بھاگتے آتے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

جبکہ بالا اس کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ دوسرے راستے سے واپس آیا تھا اور اب ان کے قریب آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر معمول سے زیادہ سنجیدگی تھی۔

دعام نے جیسے ہی بالا کو دیکھا، وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "بالا بھیا شارٹ راستے سے گئے تھے!" اس نے جوش سے کہا، سردار کی بانہوں سے خود کو آزاد کرواتے ہوئے۔ "آپ کو پتا ہے اس شارٹ راستے کے بارے میں کسی کو بھی نہیں پتا! پورے قبیلے میں بھی کوئی نہیں جانتا، صرف چار لوگ جانتے ہیں۔ آپ، میں، بالا بھیا اور جمر و بھیا!" اس کی آواز میں حیرت تھی۔ "لیکن وہاں پرنا، شاید دوسرے راستے سے کچھ ڈاکو لوگ بیٹھے ہوئے تھے! مجھے نام یاد نہیں، ان میں سے شاید ایک وہ حمید بھیا تھے جو اس دن آپ سے کچھ کہہ رہے تھے۔"

اس نے ایک لمحہ سوچا، پھر شکوہ کیا۔ "ایک تو مجھے ان سب کے نام نہیں آتے! پتا نہیں کتنے عرصے میں سب کے نام یاد ہوں گے!"

سردار نے دعام کے گال کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ "میرا معصوم سجن، کیوں یاد کرنے ہیں سب کے نام؟ تم صرف سردار کو یاد کر لو، اتنا ہی کافی ہے۔ باقی سب کو بھول جاؤ۔"

دعام نے خفگی سے ہونٹ چڑھائے۔ "اوہو ڈاکو جی! آپ بھی نا! کیوں یاد نہیں کرنے ہوں گے؟ یہ سارا قبیلہ ہماری فیملی ہے، اپنے گھر والے لوگ ہیں۔ تو گھر والوں کے نام تو پتا ہونے چاہیے نا؟" اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ "میں تو اس پہاڑی کے اوپر بھی جاؤں گی، جب پچھلی دفعہ گئی تھی نا، بالا بھیا نے مجھے مائی سے ملایا تھا، مائی خوبصورتی سے سوئی سے کڑھائی کر رہی تھی۔ میں بھی کروں گی!" اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ "وہ سارے لوگ ہماری فیملی ہیں، ہمیں ان کے ساتھ رہنا ہے نا! میں بھی جایا کروں گی وہاں۔" وہ سردار کو اپنا فیوچر پلان بتا رہی تھی، جیسے یہ سب بہت سادہ اور خوبصورت ہو۔

جب کہ سردار بالا کے آنے پر سامنے بچھی چادر پر اس کی مدد کرنے لگا تھا، کھانا لگانے میں۔ بالا بھی اس کے پاس ہی آکر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر تھوڑی مایوسی تھی اور آنکھوں میں گہری سوچ۔ سردار سمجھ گیا تھا کہ کوئی بڑی بات ہے۔

لیکن فی الحال کچھ بھی بولے بغیر، سردار نے دعام کو کھانا کھانے کا اشارہ کر دیا تاکہ وہ بات کو ٹال سکے۔

دعام نے پھر سے بالا کی طرف دیکھا۔ "بالا بھیا! آپ مجھے یہاں رہنے والے سارے لوگوں سے بھی ملو ایئے! میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہاں کون کون ہے، اور وہاں وہ پہاڑی کے پیچھے کون کون بیٹھا ہوا تھا؟ مجھے بس ایک ہی نام پتا ہے: حمید۔" اس نے معصومیت سے کہا۔ "میں ڈاکو جی سے بھی یہی کہہ رہی تھی کہ وہ سب ہماری فیملی ہیں، ہمیں مل جل کر رہنا چاہیے، کم سے کم ہمیں ایک دوسرے کے نام تو پتا ہونے چاہیے۔"

بالا نے اچانک سر اٹھا کر دعام کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی آواز میں پہلے کی نرمی غائب ہو چکی تھی اور اس کی جگہ تلخی نے لے لی تھی۔ "کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کا نام جاننے کی۔ یہاں کوئی فیملی نہیں ہے، کوئی خاندان نہیں ہے۔" اس کی آواز میں ایک کرختگی تھی۔ "یہاں ہر کوئی اپنے



مطلب کے لیے جیتا ہے۔ کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ لمحہ لگتا ہے یہاں اعتبار ختم ہونے میں۔ "اس نے دعام کی معصومیت پر نظر ڈالی۔ "تمہارا تو دل بھی چھوٹا سا ہے، کسی ایک کی بات کو دل پر لگا کر بیٹھ جاؤ گی! یہاں صرف منہ پر اچھے ہیں سب لوگ۔ اندر سے یہ سب صرف اپنی غرض کے لیے جیتے ہیں۔"

دعام اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بالا ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ "ایسا نہیں ہے بالا بھیا! یہ سب لوگ ہماری فیملی ہیں!" دعام نے ضد سے کہا۔ "جیسے بہن بھائی ہوتے ہیں، بہن بھائیوں میں چھوٹے موٹے جھگڑے تو چلتے رہتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ۔۔۔"

بالا نے اسے بچ میں ہی روک دیا۔ اس کی آواز اب مزید سخت ہو چکی تھی، جیسے وہ دعام کو ایک تلخ حقیقت کا سامنا کروا رہا ہو۔ "صحیح کہا تم نے، بہن بھائیوں میں چھوٹے موٹے جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا ہے؟ دو تین دن تک ناراضگی رہتی ہے، تیسرے دن پھر واپس ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوتا!"

بالا نے گہری سانس لی، اس کی آنکھوں میں ایک دکھ تھا۔ "یہاں پر اگر کسی کو کوئی بات بری لگ جائے تو وہ بات بدلے کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ وہ دھوکہ کھلاتی ہے، اور پھر وہ دھوکہ بعد میں کسی کی سانسیں چھین کر بدلہ پورا کرتا ہے۔" اس کی نظریں سردار پر تھیں، جس کے چہرے پر بھی سنجیدگی چھا چکی تھی۔ "بہتر ہو گا کہ یہاں کے لوگوں سے دور رہو۔ کسی کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں، نہ کسی سے زیادہ امید رکھنے کی۔ یہاں کے لوگ اپنی مرضی سے زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں اپنے ساتھ رکھنا ہماری مجبوری ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یہ ہمارا خاندان نہیں ہے، یہ ہمارے لوگ نہیں ہیں۔ یہ سانپ ہیں جو اندر ہی اندر ہماری ہی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔"

"والا! بس کر!" سردار کی کرخت آواز میں اسے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ "فضول میں میرے معصوم سجن کو ڈرا رہے ہو! کھانا کھاؤ!"

سردار کی آواز نے بالا کو توچپ کر دیا تھا، جبکہ دعام کے لیے بالا کے الفاظ حیران کن نہیں تھے، بلکہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک عجیب سی الجھن پیدا ہو چکی تھی۔

○○○○○○

صبح کی اداسی کو چیرتی ہوئی ابا کے فون کی گھنٹی نے گھر بھر میں ایک ارتعاش پیدا کر دیا۔ دوسری جانب سے اکرم کی آواز جیسے کسی جھٹکے کی صورت گری۔

انگل میں آج ہی نکاح کے لیے آرہا ہوں۔" یہ خبر ان کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔

ابا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، یہ کسی ان دیکھے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔

اکرم نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ اس کا تبادلہ ہو رہا ہے اور ممکن ہے اس کی واپسی جلد اس علاقے میں نہ ہو سکے۔

ایسے میں وہ کسی کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتا تھا، اور ویسے بھی ان لوگوں کو نکاح کی جلدی تھی۔ اکرم نے تو بظاہر ان کے لیے ایک مناسب حل نکال لیا تھا،

لیکن پھر بھی نکاح کی اتنی اچانک اور غیر متوقع خبر نے انہیں حیران ضرور کر دیا تھا۔ اتنی کم مدت میں نکاح کی تیاری کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن لگ رہا تھا،

مگر خاندان کی عزت اور بیٹی کے مستقبل کے پیش نظر، وہ لوگ شام پانچ بجے تک نکاح کی تمام تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ گھر کو سادگی سے سجایا گیا تھا، اور محلے کے چند قریبی افراد کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ فضا میں ایک عجیب سی گھبراہٹ اور خوشی کا امتزاج تھا۔

میرا بھولا سائیں تمہارا نقشہ مل گیا۔ کمرے کا دروازہ کھلتے ہی وہ بولا تو دعام خوشی سے چہک اٹھی تھی،

اس کی آنکھوں میں انوکھی چمک تھی، جو سردار نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"ڈاکو جی! کیا سچ میں نقشے کا پتہ چل گیا؟ دیجیے نا میرا نقشہ! آدھے سے زیادہ نقشہ تو مجھے یاد ہو چکا تھا، اور میں اتنی پریشانی ہو رہی تھی کہ کہیں میں اسے بھول نہ جاؤں۔"

اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، جیسے اسے محض ایک کاغذ کا ٹکڑا نہیں، بلکہ کوئے نور کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔

سردار نے اس کی بے پناہ خوشی کو اپنی آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کھینچا،

"ہمیں نقشہ لینے خود چلنا ہو گا۔ آج تمہاری بہن کا نکاح ہے، وہ اور انسپیکٹر اکرم آج نکاح کے بندھن میں بندھنے والے ہیں،

شام پانچ بجے تک۔ ہم تقریباً سو پانچ بجے تک اپنا نقشہ واپس لینے پہنچ جائیں گے۔"

سردار نے ایک خاص انداز میں اسے دیکھا، اس کی بات میں ایک گہرا، پوشیدہ معنی تھا۔ دعام حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی، اس کی آنکھوں میں سوال تیر رہے تھے۔

"کیا مطلب؟ نقشہ وہاں کیسے چلا گیا؟" دعام نے گہری حیرت سے پوچھا۔

"میرا بھولا سائیں! تمہاری بہن چوری کر کے لے گئی تھی،" سردار نے نرمی سے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"ہائے اللہ جی! رباب باجی چورنی کہیں کی! میرا نقشہ چوری کر کے لے گئی! میں بھی کہوں میں نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تو نقشہ گیا کدھر؟"

رباب باجی ویسے بھی چورنی سی ہے، درزی کے گھر جاتی ہے ان کے بچوں کی چیزیں چوری کر کے لے آتی ہے

اللہ پاک جب جہنم میں ہاتھ کاٹے گا نائب احساس ہو گا چوری کتنا بڑا گناہ ہے۔ دعام اپنی ہی دھن میں بولتے بولتے اچانک اپنی زبان دانتوں تلے دبائی، اور ایک چور سی نظر سردار پر ڈالی۔ وہ بھی تو چور ہی تھا، ڈاکو تھا، ڈکیت تھا۔

"ڈاکو جی! میں آپ کے لیے نہیں بول رہی، رباب باجی کے لیے بول رہی ہوں،

میرا نقشہ تو انہوں نے چوری کیا نا!" دعام معصومیت سے بولی، اور سردار ایک گہرا قہقہہ لگا کر ہنسا۔

اور پھر اس کے لبوں پر جھکا اور ایک شدت سے بھرپور لمس اس کے ہونٹوں پر بکھیرنے کے بعد اپنی دیوانگی اس کی گردن پر لٹانے لگا تھا۔

میرا معصوم سائیں تم حق رکھتی ہو مجھے کچھ بھی کہنے کا وضاحتیں نہ دیا کرو

کمرے کا ماحول رومانی ہونے لگا تھا کہ اچانک باہر سے جمرہ نے آواز لگائی۔ سردار جمرہ کی ٹائمنگ پر سچ میں حیران تھا۔ وہ جب بھی اس کے قریب آتا تھا، جمرہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاتا تھا۔ سردار نے دل ہی دل میں سوچا، کسی دن وہ اپنی ٹانگیں تڑوانے والا تھا اس کے ہاتھوں۔

"سردار! بچوں کے علاج کے لیے رقم دینے جانا ہے! ہسپتال۔۔۔" میں تیار ہوں! جلدی آؤ!" جمرہ خوشی سے بول رہا تھا، جبکہ سردار کے چہرے پر بھی ایک سکون کا تاثر آیا کہ چلو ایک نیک کام ہو رہا ہے۔

"ہاں آتا ہوں!" دعام کو خود سے الگ کرتا سردار الماری کی طرف بڑھا اور نوٹوں کی موٹی موٹی گڈیاں نکالنے لگا۔

میر اسوہنا مکھڑا میں ایک ضروری کام کے لیے جا رہا ہوں، شام سے پہلے آ جاؤں گا۔ تم بھی اپنی تیاری مکمل کرو۔"

"ہاں ٹھیک ہے، میں تیاری کر لیتی ہوں رباب باجی سے نقشہ واپس لینے کی، اور ہاں! رات کا کھانا ہم جھیل پر کھائیں گے نا؟" آپ نے صبح کہا تھا۔

دعام کو کچھ یاد آیا تو وہ فوراً ہی سردار کے پاس آئی اور اس کی قمیض کا کالر ٹھیک کرنے لگی۔ انداز ایسا تھا جیسے اسے منار ہی ہو۔ سردار روز روز اس کے جھیل پر جانے پر سچ میں پریشان ہو گیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ جھیل پر ہی اپنا گھر بنا لیتی۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم اپنی تیاری مکمل کر لینا، نقشہ لانے کے بعد جھیل پر چلیں گے۔" وہ نرمی سے اس کے لبوں کو چومتے ہوئے باہر نکل گیا، جبکہ نقشہ ملنے کی خوشی میں دعام تو جیسے جھوم اٹھی تھی، اسے یقین تھا کہ اب اس کی زندگی میں کوئی کمی نہیں رہی۔

○○○○○○○○

اکرم کا استقبال بہت اچھے سے کیا گیا تھا۔ رباب کے چہرے پر بے شک بہت خوشی اور ایک فاتحانہ چمک نمایاں تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے بلیک میل کر کے ہی اکرم کو خود سے شادی کرنے پر مجبور کیا ہے،

لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اپنی محبت اور چاہت سے اکرم کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی۔ وہ اتنی بھی گئی گزری نہیں تھی کہ ایک شخص کو خود سے محبت کرنے پر مجبور نہ کر سکے،

خاص طور پر جب وہ اس کا شوہر بننے جا رہا ہو۔ اکرم کا استقبال تمام رسم و رواج کے مطابق کیا گیا، مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

سمیرا کو یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا، اس کے دل میں شکوک و شبہات ابھر رہے تھے۔ پہلے وہ رشتے کے لیے آیا تو اس کا انداز انتہائی سرد اور بیزار سا تھا، جیسے کوئی مجبوری کا سودا ہو

۔ پھر دوسری دفعہ آیا تو اس نے نکاح سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے وہ ڈاکو کو پکڑے گا۔ اور اب اچانک تباد لے کا شوشہ چھوڑ دیا تھا، حالانکہ اس علاقے میں تمام افسروں کے تباد لے پانچ سال کے بعد ہوتے تھے اور اسے یہاں آئے ابھی صرف تین سال گزرے تھے۔ لیکن سمیرا



نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا، وہ جانتی تھی کہ فضول میں بات بڑھ جائے گی اور اس وقت گھر میں خوشی کا ماحول تھا۔ اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

oooooooo

نکاح کا وقت آن پہنچا۔ قاضی صاحب نے ایجاب و قبول کی کارروائی شروع کی۔ اکرم ایک سنجیدہ، تقریباً بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا، اس کے گواہ کے طور پر تین چار پولیس اہلکار سادہ لباس میں موجود تھے۔ دوسری طرف رباب، اس کے والدین، اور چند محلے کے لوگ گواہ تھے۔

"رباب بنت دین محمد کا نکاح اکرم احمد بن احمد رضا سے مہر پانچ لاکھ کے عوض، طے پایا ہے کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

اکرم نے گہری سانس لی، اور ایک مضبوط لیکن اندرونی طور پر بھاری آواز میں کہا

"مجھے قبول ہے۔"

یہی سوال رباب سے پوچھا گیا، اور اس نے مسکراتے ہوئے، ایک واضح اور پر اعتماد آواز میں کہا

"مجھے قبول ہے۔"

تین بار ایجاب و قبول دہرایا گیا، اور پھر قاضی صاحب نے نکاح کا باقاعدہ اعلان کیا۔ مبارکبادوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور مٹھائی تقسیم کی گئی۔ پورے گھر میں ایک عجیب سی خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی، خاص طور پر رباب کے چہرے پر اطمینان تھا، جیسے اس نے اپنی منزل پالی ہو۔

○○○○○○○

نکاح کے فوراً بعد، اکرم رباب سے ملنے کے بہانے کمرے میں آیا تو آتے ہی اس نے بغیر کسی تمہید کے دو ٹوک بات کی

"اب نقشہ دو مجھے! جو تم نے کہا وہ میں نے کر دیا۔ نکاح ہو گیا، ایک ہفتے میں رخصتی لے لوں گا۔ اس کی آواز میں کوئی جذبات نہیں تھے، صرف ایک معاہدے کی تکمیل کا تقاضا۔

"اللہ اللہ! یہ نکاح تو آپ نے اس نقشے کے لیے ہی کیا ہے، شوہر صاحب! دیتی ہوں آپ کو نقشہ، اب تو یہ آپ کی امانت ہے، آپ کے پاس ہی جائے گا،" رباب ہلکی سی مسکرائی، اس کی مسکراہٹ میں فتح مندی کا تاثر لیے وہ الماری کے قریب آئی۔ اس نے الماری کا دراز کھولا اور ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالنے لگی۔

اسی لمحے دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں، جو آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔  
زمین جیسے وحشت سے لرزاٹھی تھی، اور پورا گاؤں لمحوں میں ایک پراسرار خاموشی میں سمٹ گیا۔

باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی خوفناک آوازیں تیز ہوتی سنائی دیں، جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ ماحول میں ایک پراسرار تناؤ پھیل گیا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک قوی ہیکل سایہ، جس کے چہرے پر عزم تھا، دروازے سے اندر داخل ہوا۔

وہ سردار، ڈاکوؤں کا سردار تھا! اس کی غیر متوقع آمد نے سب کو لرزادیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چند ساتھی بھی تھے،

جن کی آنکھوں میں چمک اور چہروں پر ایک عجیب سی بے پروائی کے ساتھ نقاب تھا۔ پورے گھر میں ایک سہم کا عالم چھا گیا، سب لوگ خوف زدہ ہو کر دیواروں سے لگ گئے، کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ نکاح کے اس پُرسرت ماحول میں یہ کیا طوفان آن گرا ہے۔

سردار، نے چہرے پر نقاب کیے ایک لمحے کے لیے رک کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اس کی نظریں کسی خاص شخص کو تلاش کر رہی تھیں۔ پھر وہ اپنے گھوڑے سے اتر اور پیچھے بیٹھی دعام کو انتہائی احتیاط سے نیچے اتارا،

جیسے وہ کوئی قیمتی شے ہو۔ اسے اپنے بازو میں تھامے، وہ اندر کی طرف بڑھا، اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

میر امیٹھاسائیں اپنا نقشہ لے آؤ، تمہاری رباب باجی کے پاس ہے، "اس نے دعام کے کان میں سرگوشی کی۔

دعام کا اس وقت وہاں موجود ہونا سب کے لیے ہی بہت حیرت انگیز تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے، پریشان سے اندر چلتا ہوا آیا جب کہ دعام فوراً ہی رباب کے کمرے کی طرف بڑھتی دروازہ کھول چکی تھی۔ سامنے ہی رباب اپنے ہاتھ میں وہی نقشہ پکڑے اکرم کے حوالے کر رہی تھی!

دعام کے چہرے پر غصہ اور حیرانی ایک ساتھ ابھری۔

"رباب باجی! چورنی کہیں کی! آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرا نقشہ چوری کرنے کی؟" اس کی آواز میں ایک ایسا تیکھا پن تھا جو پہلے کبھی کسی نے نہیں سنا تھا۔

"مجھے اب تک یقین نہیں آیا تھا کہ آپ ایسا کر سکتی ہیں لیکن آپ سچ میں ایسا کر سکتی ہیں!" وہ غصے سے آگے بڑھی اور رباب کے ہاتھ سے اپنا نقشہ ایسے کھینچ چکی تھی جیسے خدا نخواستہ وہ نقشہ نہیں، اس کا اپنا بچہ ہو۔

"دعام! میری بات سنو!" اکرم نے دعام کو تیزی سے باہر نکلتے دیکھ کر اس کی طرف لپکنے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پہلے ہی وہ سردار تک پہنچتی اس کے پیچھے چھپ گئی تھی جیسے کوئی معصوم سا بچہ شرارت کر کے اپنے بڑے کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔

اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی، لیکن ساتھ ہی ایک چھپی ہوئی معصومیت بھی۔ سردار نے دعام کی طرف پیار سے دیکھا، اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کے نقشے کو پیار سے تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی، جو شرارت اور طنز کا امتزاج تھا۔ اس نے ایک نگاہ اکرم پر ڈالی، جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"لے آئی اپنی امانت میرا سوہنا مکھڑا،" سردار نے دعام سے مخاطب ہو کر کہا، پھر اس کی نظریں اکرم پر جم گئیں، ایک سرد مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی۔

"نکاح مبارک ہوا اکرم صاحب! بہت خوشی ہوئی آپ کے نکاح کا سن کر۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا، "لیکن وہ کیا ہے ناکہ آپ کی ہونے والی بیگم ہمارا نقشہ چوری کر کے لے آئی تھی۔ اچھی جوڑی ہے، پولیس اور چورنی کی۔ لیکن وہ کیا ہے ناڈکیتوں کے گھر میں ڈکیتی نہیں کی جاتی! اسی لیے یہ نقشہ تو ہم لے کر جا رہے ہیں، باقی آپ لوگ اپنے معلومات حل کر لیجیے گا۔ میری طرف سے نکاح پھر سے مبارک ہو!"

اس کے لہجے میں ایک گہرا طنز تھا، جو اکرم کے زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا۔ سردار نے ایک قدم آگے بڑھ کر اکرم کے قریب ہوتے ہوئے مزید کہا،  
ویسے اس نکاح کے پیچھے آپ کا ایک خاص مقصد چھپا ہے نا؟ اگر وہ مقصد پورا نہیں ہوا تو یقیناً آپ..... خیر، آپ کی زندگی کے فیصلے آپ ہی کر لیں۔ ہم تو اپنی امانت لینے آئے تھے، لے کر جا رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اکرم کی آنکھوں میں دیکھا، ایک لمحے کے لیے جیسے کوئی گہرا راز بانٹ رہا ہو۔

سردار نقاب لے اندر ہلکا سا مسکرایا، دعام کو اپنے ساتھ لگائے وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ اس کی واپسی ایسی تھی جیسے وہ سب کے سروں پر حیرت کے پہاڑ توڑ گیا ہو۔

رباب سے ایک قدم بھی باہر کی طرف نہ اٹھایا گیا، اس کی قسمت کتنی جلدی پلٹ گئی تھی، کتنی جلدی کھیل اسی پر الٹ گیا تھا۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی، اس کی آنکھوں میں شکست کا اندھیرا تھا۔ جبکہ اکرم اپنے مقصد کے اتنے قریب آ کر بھی، اپنے مقصد تک نہ پہنچ سکا، اس کے چہرے پر گہری مایوسی اور بے بسی نمایاں تھی۔

○○○○○○○

وہی پراسرار وقت تھا جب ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور فضا میں کسی خفیہ سرگرمی کی گواہی دے رہی تھیں۔ یہ وہ لمحہ تھا جب سردار کا وفادار ساتھی بالا اس علاقے سے نکلتا تھا۔ اس علاقے کی اہمیت یہ تھی کہ یہاں عام ڈاکوؤں کا گزر بہت کم ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پورا قبیلہ بخوبی جانتا تھا کہ یہ علاقہ حمید، فیصل اور رفیق کا اپنا ہے۔

یہاں سے صرف اور صرف ایک خفیہ راستہ نکلتا تھا جو جھیل کی طرف جاتا تھا اور اس راستے کے بارے میں سوائے جمرو سردار اور بالا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا یہ تینوں بھی نہیں

انہی گہرے پہاڑوں کے بیچ میں، جہاں سے باہر نکلنے کا ایک خفیہ راستہ کھلتا تھا، ان تینوں کے گھر بھی بنے ہوئے تھے۔ یہ پہاڑ کے پیچھے کی ایک ایسی خفیہ سرنگ تھی جسے ان تینوں نے کئی سالوں

کی محنت سے تیار کیا تھا، خاص طور پر اسلحہ چوری کے لیے۔ یہ ان کا ذاتی اور مکمل طور پر پوشیدہ ٹھکانہ تھا۔

حمید، فیصل اور رفیق ایک بڑے، چپے پتھر کے پاس بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے تازہ بارود کے کچھ تھیلے اور چمکتے ہوئے ہتھیار پڑے تھے۔ ابھی ابھی انہوں نے اپنی تازہ ترین ڈیل کی تفصیلات مکمل کی تھیں۔ اسلحے کا ایک بڑا ذخیرہ کامیابی سے چوری ہو چکا تھا اور اب وہ اسے ٹھکانے لگانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ ان کے چہروں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک گہری سوچ بھی۔ سردار کے ساتھ ان کا سودا ہو چکا تھا اور تمام معاملات طے پا گئے تھے۔ وہ سردار کا ساتھ اس لیے نہیں چھوڑ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سردار کی وجہ سے ہی وہ اس علاقے میں محفوظ تھے۔ کوئی دوسرا ڈاکو گروہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ اس پورے علاقے میں ان کے سوا کوئی اور بڑا ڈاکو یا گروہ نہیں تھا، اور پورا علاقہ سردار کے نام سے کانپتا تھا۔ اس کا رعب اور دبدبہ ایسا تھا کہ کوئی اس کے راستے میں نہیں آتا تھا۔ وہ لوگ سردار کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے دلوں میں ایک نیا، کہیں زیادہ خطرناک منصوبہ پروان چڑھ رہا تھا: سردار کی جگہ خود حکومت کرنا، اس کے تخت پر براجمان ہونا، اور اپنی مرضی سے فیصلے کرنا۔



انہیں اس بات پر شدید اعتراض تھا کہ سردار جو پیسہ ان کی کمائی سے معصوم بچوں کے علاج پر لگاتا تھا، اس سے انہیں لگتا تھا کہ انہیں ان کا کم حصہ ملتا ہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ سب ان کی محنت کی کمائی ہے، اور سردار اسے "بے کار" کاموں پر صرف کرتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ انہیں ان کا پورا حصہ ادا کیا جاتا تھا، اور سردار بچوں کی مدد اپنی ذاتی آمدنی سے کرتا تھا۔ مگر ان کی ہوس اور لالچ انہیں یہ حقیقت دیکھنے نہیں دے رہی تھی۔

اپنی سازشوں میں مگن اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے، اچانک فیصل کی نظر زمین پر پڑی۔ اس نے ایک چمکتی ہوئی، چھوٹی سی چیز اٹھائی۔ جیسے ہی اس نے اسے ہاتھ میں لیا، اس کی فاتحانہ مسکراہٹ ایک جھٹکے میں غائب ہو گئی۔ اس کے چہرے پر گہرا خوف اور شدید حیرت کے ملے جلے تاثرات ابھر آئے۔ اس کے ہاتھ میں بالا کی انگوٹھی کانگ تھا! حمید اور رفیق نے جب اس نگ کو دیکھا تو ان کے چہرے بھی پل بھر میں سفید پڑ گئے، گویا ان پر بجلی گر گئی ہو۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ یہاں کیسے آیا؟ اس علاقے میں تو کوئی بھی آتا جاتا نہیں تھا، کیونکہ یہ ان تینوں کا اپنا خفیہ علاقہ تھا، ان کی ذاتی سرنگ کا دہانہ تھا۔ وہ نگ اس جگہ کے بے حد قریب پڑا تھا جہاں وہ سب بیٹھے اپنی ڈیل اور اپنے مستقبل کے ناپاک منصوبوں پر بات چیت کر رہے تھے۔

"بالا... یہاں؟" حمید نے لرزتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی، اس کی آواز میں خوف واضح تھا۔

فیصل نے نگ کو اپنی مٹھی میں اتنی سختی سے بھینچ لیا کہ اس کی پوری سفید پڑ گئیں۔ "اس کا مطلب ہے کہ بالا کو کچھ نہ کچھ خبر تھی! وہ ہمارے قریب ہی تھا جب ہم یہ سب بات کر رہے تھے!"

"اگر بالانے سردار کو بتا دیا تو کیا ہو گا؟" یہ خیال ایک زہریلے سانپ کی طرح ان کے ذہنوں میں رینگ گیا اور ان کی روحیں کانپ اٹھیں۔ وہ اس سے آگے کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے، ان کے ذہنوں پر ایک اندھا، جان لیوا خوف طاری ہو گیا تھا۔ موت کا ڈر ان سب کو بری طرح جکڑ چکا تھا، کیونکہ وہ بالا کی وفاداری اور سردار کے غضب سے بخوبی واقف تھے۔

کچھ دیر کی مکمل خاموشی کے بعد، جو ان کے خوف کی گواہ تھی، حمید نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالتے ہوئے کہا، "ہمیں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے ہمیں اس بات کی تصدیق کرنی ہوگی کہ سردار کو اس بارے میں کچھ پتہ ہے یا نہیں۔"

رفیق نے سر ہلاتے ہوئے اس کی تائید کی، "ہاں، جلد بازی میں کوئی بھی قدم ہمارا کھیل بگاڑ سکتا ہے۔"

فیصل نے اپنی مٹھی کھولی اور نگ کو دیکھا، پھر ایک سر د نظر سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔  
"اور اگر سردار کو کچھ نہیں پتہ چلا تو... تو ہمارے پاس ایک اور راستہ ہے۔ ہم بالا کو اپنے ساتھ  
ملانے کی کوشش کریں گے۔"

مگر اس کے اپنے ہی الفاظ میں ایک تلخ حقیقت چھپی تھی۔ وہ سب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے  
کہ بالا ایک بہت وفادار ساتھی ہے۔ اسے دولت کا لالچ بھی نہیں دیا جاسکتا تھا، اور اسے بہکانایا  
سردار کے خلاف کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ ان کے ساتھ ملنے کے اس کے امکانات بہت کم تھے،  
شاید نہ ہونے کے برابر۔

حمید نے ایک گہری، مایوس کن سانس لی۔ "اور اگر وہ کسی بھی طریقے سے ہمارے ساتھ نبھانے  
کو تیار نہ ہوا... اگر وہ ہمارے منصوبوں میں رکاوٹ بنا... تو پھر ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ  
ہوگا۔"

سب جانتے تھے کہ حمید کس راستے کی بات کر رہا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ صرف  
خطرہ نہیں ہوگا بلکہ اگر وہ اس میں ناکامیاب ہو گئے تو ایسی ملے گی کہ روح بھی کانپتی کانپ اٹھے گی

رباب کی نگاہ سے واپس آکر وہ اسے قبیلے میں چھوڑ کر اپنے کسی ضروری کام کے لیے چلا گیا تھا اب اس کی واپسی ہوئی تو وہ تیار تھی یقیناً اپنا نقشہ وہ سنبھال چکی تھی

ڈاکو جی، میں تیار ہوں! میں نے کہا تھا نا ہم رات کا کھانا جھیل پر کھائیں گے۔ دیکھیے میں نے اپنی تیاری مکمل کر لی ہے،

وہ ایک ہاتھ میں ٹینٹ اٹھائے ہوئے تھی جبکہ دوسرے ہاتھ میں ایک چادر تھی، "بس چلتے ہیں۔"

سردار اسے صبح بڑی مشکل سے جھیل سے واپس لایا تھا۔ وہ تو وہاں سے آنے کو تیار ہی نہیں تھی، اس کا کہنا تھا کہ آج بھی ہم وہیں سوئیں گے۔ لیکن سردار کو بہت سارا کام تھا اور وہ اسے اکیلے جھیل پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اسی لیے زبردستی سے اس وعدے کے ساتھ واپس لے آیا تھا کہ ہم رات کو آکر وہیں سوئیں گے۔ یہاں تک کہ کھانا بھی جھیل پر ہی کھائیں گے۔

"ارے میری سجن سائیں! تھوڑا صبر تو کرو، ابھی تمہارے سردار کا کام ختم نہیں ہوا۔ بالائیک چھوٹی سی میٹنگ کرنے والا ہے، وہ مجھے کوئی ضروری بات بتانے والا ہے۔ میں ایک ضروری کام

کے لیے نکل گیا تھا اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ پہلے مجھے اس کی بات تو سن لینے دو پھر چلتے ہیں جھیل پر۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا! میں شارٹ راستے سے جاتی ہوں، آپ تب تک آجائیے گا میرے پیچھے پیچھے،" اس نے ایک آسان حل نکالا تھا۔ وہ اس جھیل کی دیوانی ہو چکی تھی اور وہ جھیل تھی بھی اتنی حسین کہ کوئی بھی اس کا دیوانہ ہو جاتا۔ وہ یوں ہی تو نہیں سردار کی بھی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔

"میرا سوہنا سائیں، میری سوہنا! اتنی دیر اکیلی وہاں اندھیرے میں کیا کرو گی؟ ڈر لگے گا نا میرے حسین مکھڑے کو،" وہ پیار سے اس کے قریب آیا، اس کے لبوں کو چومتے ہوئے سمجھانے لگا تھا۔

"اوہیلو! میں بہت بہادر ہوں، سردار دلدار کی بیوی ہوں میں، کسی سے نہیں ڈرتی۔ دیکھا نہیں آج کیسے میں نقشہ چھین کر لائی میں وہاں جا کر ٹینٹ لگاتی ہوں نا، آپ تب تک آجائیے گا! چلیں نہ چلتے ہیں، وہاں اتنے مزے کی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوں گی اور مجھے تو بھوک بھی لگی ہے! لیکن وہ صاف کہہ چکی تھی کہ وہ کھانا وہیں جھیل پر کھائے گی۔"

اس سے پہلے کہ سردار کہتا کہ "تم کھانا کھاؤ، تب تک میں اپنا کام مکمل کر کے آجاؤں گا پھر اکٹھے چلیں گے"، وہ اپنے الفاظ میں اپنی ضد کا اظہار کر چکی تھی کہ کھانا وہ جھیل پر ہی کھائے گی۔ اس کی ضد کے سامنے سردار ہمیشہ کی طرح ہار گیا۔

"ٹھیک ہے، تم اس چھوٹے راستے سے جھیل پر پہنچو، تب تک میں جمرو کو بھیج رہا ہوں،" وہ شدت سے اس کے پورے چہرے پر اپنے لبوں کا لمس بکھیرتا، اسے کمر سے تھامے اپنے ساتھ لگائے ہوئے بولا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، اب جمرو بھیا کو بھیج دیجیے تب تک میں وہاں جا رہی ہوں،" وہ اس کی باہوں میں شرمائی شرمائی سی کھڑی، دھیمی آواز میں بولی تھی۔

ان دو مہینوں میں وہ سردار کے ساتھ بہت زیادہ کفر ٹیل ہو گئی تھی۔ ان دو مہینوں میں اس کی کل کائنات جیسے سردار ہی بن گیا تھا۔ وہ سر سے پیر تک بدل چکی تھی، سب کچھ جیسے کہ ایک نئی زندگی مل گئی ہو۔ وہ اس کی آنکھ کے اشارے تک سمجھنے لگی تھی، اور اب تو اسے اپنے اشاروں پر نچانے لگی تھی۔ پورا قبیلہ جانتا تھا کہ سردار اگر کسی کی سنتا ہے تو صرف اور صرف اپنے سوہنے

سجن کی۔ یہی توجہ تھی کہ آج کل باقی ڈاکو بھی اس سے سفارشیں کروانے لگے تھے۔ وہ بھی مزے سے سب کی سفارش کر دیتی تھی، آخر وہ اچھی سردارنی تھی، سب کے کام آتی تھی۔ سردار نے اس چھوٹے راستے سے پتھر ہٹایا اور اسے جانے کا اشارہ کر چکا تھا جب کہ وہ اگلے ہی لمحے وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ سردار نے ذرا سی نظر ہٹا کر جمرہ کو دوسرے راستے سے جانے کا اشارہ کیا تو اس کا اشارہ پاتے ہی جمرہ فوراً دوسرے راستے سے پیچھے کی طرف بھاگ گیا تھا جب کہ سردار خود نیچے بالا کی طرف آنے لگا تھا۔

○○○○○○

راستے میں مکمل اندھیرا تھا۔ اسے تو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اس راستے میں اتنا گھنا اندھیرا ہو گا۔ اب تک تو یقیناً سردار دروازہ بند کر چکا ہو گا اور یقیناً جمرہ کو بھی جھیل پر بھیج چکا ہو گا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے ایک جگہ ہلکی سی روشنی محسوس ہوئی۔

وہی تین ڈاکو حمید، فیصل اور رفیق اب بھی وہیں بیٹھے تھے، جہاں وہ کل تھے۔ "کل بھی یہ لوگ یہیں بیٹھے تھے، اس وقت بھی یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔" بالا بھیا نے تو بتایا تھا کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ یہاں سے کوئی راستہ گزرتا ہے۔ وہ اس خفیہ راستے کے بارے میں کچھ بھی نہیں

جانتے تھے۔ یہ سن کر اسے رُامزا آیا تھا کہ اپنے ہی گھر کے قریب سے نکلنے والے راستے سے وہ بے خبر تھے۔

سامنے دو بڑے بڑے راستے تھے۔ ان میں سے ایک جھیل کا راستہ تھا، لیکن وہ دونوں بالکل ایک جیسے لگ رہے تھے۔ دن میں وہ کوئی اور منظر پیش کر رہے تھے اور اس وقت کوئی اور۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ کسی غلط راستے پر نہ چلی جائے۔ اسی لیے اس نے سوچا کہ وہ انہی تینوں میں سے کسی سے پوچھ لے کہ کس طرف جانا ہے، جھیل کس طرف ہے؟

لیکن وہ جیسے ہی ان کے قریب پہنچی، ان کی اونچی اونچی آوازیں اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں

○○○○○○○

"بالا کا قتل؟ تم بالا کا قتل کرنا چاہتے ہو؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے! سردار کو پتہ چل گیا تو جان سے مار ڈالے گا ہمیں! ارے! زندہ سانس نہیں لینے دے گا ہمیں!" رفیق نے گہراے ہوئے لہجے میں کہا۔



"سردار کو کیسے پتہ چلے گا؟ کون بتائے گا سردار کو؟ جس طرح بالا سردار کے قریب اتنے سال رہا، اس کا وفادار بن کر رہا، ہم بھی بن جائیں گے۔ ہم بالا کی جگہ لے لیں گے، وہ بھی جلدی، اور اس کے بعد سردار کی جگہ پر حملہ کریں گے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

"سردار آج کسی ضروری کام کے لیے قبیلے سے باہر گیا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اب تک اس کی واپسی ہوئی ہے۔ اس کے واپس آنے سے پہلے ہمیں بالا کا کام تمام کرنا ہو گا۔" فیصل نے اپنی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بالا دوپہر سے ہی مجھے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ میں جب قبیلے کی طرف گیا تھا تو اس کی آنکھوں میں اپنے لیے بے تحاشہ غصہ دیکھا تھا۔ اس کے غصے کی وجہ مجھے سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اب یہ انگوٹھی کانگ دیکھ کر مجھے اس کے غصے کی وجہ سمجھ آگئی ہے۔ یقیناً وہ ہمیں یہ سارا کام کرتے دیکھ چکا ہے۔" حمید نے تشویش سے کہا۔

"تو پھر ہمیں وقت برباد نہیں کرنا چاہیے! اس سے پہلے کہ بالا سردار کو کچھ بتائے، ہمیں بالا کو ہی دنیا سے ہٹا دینا چاہیے۔" فیصل نے سختی سے کہا۔

○○○○○○○

وہ تینوں کھڑے پلاننگ کر رہے تھے جب کہ دعام ان کی بات سنتی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے پیروں سے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی تو ان تینوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ جب کہ دعام نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تیزی سے ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک طرف دوڑ لگا دی تھی۔ وہ تینوں سمجھ چکے تھے کہ کوئی تو یہاں موجود تھا جو ان کی بات سن چکا ہے۔ اپنی اپنی بندوقیں نکالتے ہوئے وہ تیزی سے اس کی طرف بھاگے تھے۔

"جو بھی ہے، موت کے گھاٹ اتار دو! بچنا نہیں چاہیے! سردار تک پہنچنے سے پہلے موت مل جائے اسے!" فیصل نے پیچھے سے فائرنگ کی تھی لیکن نشانہ چوک گیا۔

جبکہ جمر و بھاگتے ہوئے جھیل کی طرف آ رہا تھا۔ ڈاکوؤں کو تیزی سے بھاگتے دیکھ کر وہ ان تینوں کے راستے میں آگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ لوگ کچھ سمجھ پاتے، گولی جمر و کے ران (thigh) کو چیرتے ہوئے باہر نکلی تھی۔ وہ اچانک درد سے چیخ اٹھا تھا، اور چیخ اتنی خطرناک تھی جو پورے قبیلے میں گونج جائے۔ رات کا وقت تو دور دور تک آواز پھیلا دیتا تھا۔

اس کی آواز کے ساتھ ہی بندوقوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پورا ڈکیت قبیلہ بھاگتے ہوئے جھیل کی طرف جا رہا تھا۔ جب کہ دعام جو آگے کی طرف بھاگ رہی تھی، جمر و کی چیخ سن

کرتیزی سے اس کی طرف بھاگی تھی۔ جبکہ وہ تینوں سمجھ چکے تھے کہ ڈکیت قبیلہ کسی بھی وقت ان تک پہنچ سکتا ہے، اور اگر کسی کو یہ پتہ چل گیا کہ جہر و پر گولی چلانے والے وہ تھے تو ان کو دوسری سانس سردار لینے نہیں دے گا۔ اس وقت فلحال کسی اور سازش کی طرف جانے کے بجائے اپنی جان بچانا ضروری تھا اسی لیے وہ قبیلے سے باہر کی طرف بھاگ نکلے

○○○○○○○

اکرم جاچکا تھا۔ اس کے جانے سے رباب کے لیے ایک گہرا سناٹا رہ گیا۔ وہ نقشہ جو اکرم حاصل کرنا چاہتا تھا، سردار چھین کر لے گیا تھا۔ اب جب اکرم کا مقصد پورا نہیں ہوا تھا، رباب کو اپنا مستقبل اندھیرا لگنے لگا۔ اس کے چہرے پر جو خوشی تھی وہ اب ناامیدی میں بدل چکی تھی۔ اس نے جس چالاکی سے اکرم کو نکاح کے لیے مجبور کیا تھا، وہی چالاکی اب اس کے لیے مشکل بن گئی تھی۔

اسے ڈر تھا کہ اکرم یہ نکاح رکھے گا یا نہیں۔ اسے اکرم کے الفاظ یاد تھے: "اب نقشہ دو مجھے! جو تم نے کہا وہ میں نے کر دیا۔ نکاح ہو گیا، ایک ہفتے میں رخصتی لے لوں گا۔" ان الفاظ میں کوئی محبت نہیں تھی، صرف ایک سودے کی تکمیل کا مطالبہ تھا، جواب ادھورا رہ گیا تھا۔

رباب کو یاد آیا کہ اکرم کا تبادلہ ہونے والا تھا۔ کیا وہ اسے چھوڑ جائے گا؟ کیا وہ ادھوری شادی والی دلہن بن کر رہ جائے گی؟ اسے سمیرا کی باتیں بھی یاد آئیں جو اسے ہمیشہ کمزور سمجھتی تھی۔ یہ رباب کی عزت کا بھی سوال تھا، اور اب اسے اپنی شکست محسوس ہو رہی تھی۔ اسے خود کو اس مشکل سے نکالنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جس محبت کو اس نے چالاکی سے پانے کی کوشش کی تھی، وہ اب ریت کی دیوار کی طرح گرتی نظر آرہی تھی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا، کیا اس کی ساری محنت بیکار جائے گی؟ اس نے اس نکاح کے لیے اپنے خاندان کی عزت داؤ پر لگائی تھی، اور اب وہ خود ایک بت کی طرح زمین پر بیٹھی رہ گئی۔ اس کی دنیا تاریک ہو رہی تھی۔

○○○○○○○

اکرم اپنے سرکاری کوارٹر میں واپس آچکا تھا۔ اس کا دماغ بری طرح خراب ہو گیا تھا۔ سفید لباس پہنے، اس کا غصہ بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اس نے نکاح کر لیا تھا لیکن اسے کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ ڈاکو آیا، اپنی چیز لے کر چلا گیا جیسے وہ چیز ان کی امانت ہو۔ اس نے رباب کے میسجز میں سے نقشے کی تصویریں نکالیں، لیکن وہ اتنی زوم تھیں کہ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اسے رباب کی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا۔

رباب نے اپنے فائدے کے چکر میں اس کا بہت بڑا نقصان کروا دیا تھا۔ اتنی آسانی سے وہ ڈاکو اس کی آنکھوں کے سامنے ایک چال چل گیا اور وہ کچھ نہیں کر سکا۔ اسے اپنی وردی پر کبھی فخر ہوتا تھا لیکن جب سے سردار نے اس کی وردی اتروائی تھی، اس کا سارا فخر ختم ہو چکا تھا۔ اسے خود سے نفرت ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی پوسٹ پر ہونے کے باوجود وہ ان ڈاکوؤں کا کچھ بگاڑ کیوں نہیں پارہا تھا؟ اس کا غصہ بے حد بڑھ رہا تھا۔ وہ کمرے میں ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا، مٹھیاں بند تھیں اور جبرے بھنچے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اس صورتحال کو سنبھالنے میں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا جب اس کا فون بجا۔ یہ اس کے سپاہی انور کی کال تھی۔

"ہاں، انور بولو۔" اکرم نے بے چینی سے کہا۔

"سر! ڈاکوؤں کے قبیلے میں فائرنگ ہوئی ہے،" انور کی آواز میں پریشانی تھی۔ "فائرنگ بہت زور کی ہوئی ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ کوئی جشن منا رہے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے کسی اور ہی چیز کی گڑبڑ ہے۔"

اکرم نے بیزاری سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی: سردار کی جیت۔ "ایسا کچھ نہیں ہے، انور۔ ڈاکوؤں کے قبیلے میں جشن ہی منایا جا رہا ہو گا۔" اس نے یقین سے کہا۔ ہاں، سردار اسے ایک بار پھر ہرا گیا تھا تو یقیناً وہ جشن ہی منا رہا ہو گا۔ لیکن کیا اس کی ہار اکرم کے لیے کوئی اہمیت رکھتی تھی؟ ایک لمحے کے لیے اکرم نے سوچا، نہیں! اس ڈاکو کے لیے یہ صرف ایک اور چھوٹی سی جیت تھی، جب کہ اکرم کے لیے یہ ذلت کا ایک نیا باب تھا۔ اس کے اندر ایک کڑوی سی لہر دوڑ گئی۔

"جو بھی ہے،" اکرم نے اپنی آواز کو معمول پر لانے کی کوشش کی، "تم نظر رکھو۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو مجھے بتانا۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے اسے ایک طرف رکھ دیا اور وہیں بیڈ پر لیٹ گیا۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے دماغ میں طوفان برپا تھا۔ آج رات پھر سے اسے اپنی ہار کا دکھ کرنا تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر کڑھ رہا تھا۔ ایک ڈاکو، جو اس کی ناک کے نیچے سے آکر اس کا سب کچھ لے گیا، اور وہ، ایک انسپکٹر، کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس کی آنکھوں میں دوبارہ وہی بے بسی اور شرمندگی چھا گئی جو سردار نے اسے پہلی بار دی تھی۔

ہر طرف سے گولیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ فضا میں موت کی خاموش دھمکی تھی۔ جمرو زخم کی وجہ سے بری طرح چیخ رہا تھا، اس کی ران سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا جو زمین کو سرخ کر رہا تھا۔ ہر لمحہ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی جان نکل رہی ہے۔

دعام، جو ڈاکوؤں کی باتوں سے ڈری ہوئی تھی، جمرو کی چیخ سن کر ایک لمحے کو بھی نہ رکی۔ اپنی جان بچانے کے بجائے وہ فوراً مڑی اور زخمی جمرو کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ جمرو کا خون دیکھتے ہی اس کا چہرہ سفید پڑ گیا، جیسے ساری رونق چھن گئی ہو۔ خوف اور پریشانی اس کی آنکھوں میں صاف جھلک رہی تھی۔

"جمرو بھیا! گھبرا ئے مت، آپ کو کچھ نہیں ہو گا!" دعام کی آواز خوف اور پریشانی سے کانپ رہی تھی۔ "میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گی! بس ہمت رکھیے!" وہ ہانپتے ہوئے اس کے بہتے خون کو روکنے کی بیکار کوشش کر رہی تھی، اس کے معصوم ہاتھ بار بار زخم پر جا رہے تھے مگر خون رک نہیں رہا تھا۔ اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے جمرو کا چہرہ تھما، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ جمرو کا درد اسے اپنے جسم میں محسوس ہو رہا تھا۔

اسی دوران، دور سے مزید ڈاکوؤں کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں جو فائرنگ کی جگہ سے سردار کے ساتھ آرہے تھے۔ وہ تینوں ڈاکو (فیصل، حمید، رفیق) جو غداری کر کے بھاگے تھے، گولیاں چلاتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو چکے تھے، اور ان کے پیچھے سردار کے وفادار ڈاکو انہیں پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سردار کے باقی ساتھیوں میں سے کچھ، جو جمرہ کی چیخ کی سمت سے قریب آئے تھے، انہوں نے دعام اور زخمی جمرہ کو دیکھا۔ ان میں سے دو تین طاقتور ڈاکو تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ "جمرہ بھیا کو ہسپتال لے کر چلیں!" دعام نے پوری طاقت سے چیخا۔ اس کی آواز میں درخواست اور بے بسی تھی۔ "ان کا بہت سارا خون بہہ رہا ہے! جلدی کریں!"

دو تین ڈاکو فوراً جمرہ کے پاس پہنچے اور احتیاط سے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا، مگر انہیں اٹھانے دیا۔ ڈاکو تیزی سے اسے اٹھائے قبیلے میں بنی عارضی کلینک کی طرف بھاگے تاکہ اسے فوری مدد مل سکے۔ دعام بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہوئی قبیلے میں واپس آئی۔ اس کی نظریں جمرہ کے زخم پر جمی تھیں اور اس کے دل میں خوف کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ جمرہ کی



کراہیں اور اس کے زخم سے بہتا خون، قبیلے میں افراتفری پھیلا چکا تھا۔ ہر کوئی پریشان نظر آ رہا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پر بے چینی سے حرکت میں آچکا تھا۔

○○○○○○○

"آپ لوگ انہیں یہاں کیوں لے کر آئے ہیں؟ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے!" دعام چیخی۔ سامنے دو تین ڈاکو تیزی سے جمرو کی ران سے گولی نکالنے کے لیے اوزار نکالنے لگے تھے۔ یہ سب دیکھ کر تو وہ پاگل ہی ہو گئی تھی۔ یہ جگہ ایسی تھی جہاں یقیناً ان ڈاکوؤں کا علاج کیا جاتا ہوگا، لیکن جمرو کو عام بیماری نہیں تھی، اسے گولی لگی تھی، تکلیف سے اس کی جان نکل رہی تھی اور یہ لوگ خود ہی علاج کرنے بیٹھ گئے تھے۔

ایک ڈاکو نے جمرو کی حالت دیکھ کر دعام کو کہا، "سردارنی! گولی نکالنی پڑے گی، ورنہ ٹانگ کاٹنی پڑ سکتی ہے۔ حالت دیکھیں اس کی، وہ درد سے بری طرح تڑپ رہا ہے۔ جب تک اس کی گولی نہیں نکلے گی تب تک..."

"خدا کے لیے آپ لوگ ڈاکٹر نہیں ہیں، ڈاکو ہیں! آپ لوگوں کا دماغ خراب ہے؟" دعام نے اس کی بات کاٹی، اس کی آواز میں خوف اور غصہ بھرا تھا۔ "یہ کام کسی ماہر ڈاکٹر کا ہے۔ آپ

لوگ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر ان سب کے چکر میں انہیں کوئی نقصان ہو گیا تو؟ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ اس طرح کی بے وقوفی میں آپ لوگوں کو نہیں کرنے دوں گی۔ انہیں ہسپتال لے کر چلیں!"

ایک عمر رسیدہ ڈاکو نے نرمی سے دعام کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "سردارنی، بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم ڈاکو ہیں، ہم ہسپتالوں کے چکر نہیں کاٹتے۔ ہمارا علاج یہی قبیلے کے اندر ہی ہوتا ہے۔"

"نہیں! میں جمرو بھیا کی جان پر کوئی خطرہ نہیں لوں گی!" دعام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ "آپ لوگ دور ہٹیں ان سے! خبردار جو کسی نے میرے بھائی کو ہاتھ لگایا! میں انہیں ہسپتال لے کر جاؤں گی! آپ لوگ جائیں یا نہ جائیں، لیکن میں لے کر جاؤں گی۔"

وہ سردار کو وہاں نہ پا کر مزید پریشان ہو گئی۔ "کہاں ہے سردار؟ آپ لوگ انہیں بلا لیں!" وہ جمرو کی تکلیف دیکھ کر اپنے آنسو روک نہیں پار ہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود چیخے چلائے، لیکن اسے جمرو کو بچانا تھا۔ وہ ہر گز جمرو پر اس طرح کا کوئی تجربہ نہیں کرنے دے سکتی تھی، جو

بھی تھا جمر و کو گولی لگی تھی اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ان ڈاکوؤں کے لیے اس طرح کا علاج عام ہو سکتا تھا، لیکن وہ اپنے بھائی پر کوئی خطرہ نہیں لے سکتی تھی، اسے کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ضروری تھا۔

ایک اور ڈاکو نے، جو جمر و کی ٹانگ کو سختی سے باندھنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ خون کو روکا جاسکے، کہا: "سردار نی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ سردار اور بالا کے ساتھ باقی سارے ڈاکو اس وقت حملہ آوروں کو پکڑنے کی کوشش میں ہیں۔ وہ تب تک واپس نہیں آئیں گے جب تک جمر و پر ہوئے حملے کا حساب نہ لے لیا جائے۔ تب تک تو اس کی جان نکل جائے گی۔ سب کا علاج یہیں پر ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہو گا سب کا علاج، لیکن جمر و بھیا کا یہاں علاج نہیں ہو گا!" دعام نے غصے سے کہا۔ "اگر سردار قبیلے میں نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، میں شیر دل کو لے کر آتی ہوں۔ وہ میرے ساتھ جمر و بھیا کو ہسپتال لے کر جائے گا۔ آپ لوگوں کے تجربات کے لیے میرا بھائی نہیں بنا!" وہ غصے سے کہتی ہوئی باہر بھاگی اور استبل کی طرف چلی گئی، جبکہ ڈاکو جمر و کی ٹانگ کو سختی سے باندھ رہے تھے تاکہ اس کا خون روکا جاسکے۔

ان ڈاکوؤں کو سرداری کی بات ٹھیک لگ رہی تھی، بے شک جمر کو ہسپتال لے کر جانا بہت ضروری تھا لیکن اسے یہ بات بھی تو سمجھنی تھی کہ وہ ڈاکو ہیں، کوئی عام لوگ نہیں، ان کے لیے شہر میں جا کر علاج کرانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ مگر اس وقت ان کے سامنے جمر کی جان بچانے کا مسئلہ تھا اور انہیں معلوم تھا کہ دعام کی ضد کے سامنے سردار بھی نہیں ٹھہرتا تھا۔

○○○○○○○

دعام غصے اور بے چینی میں استبل کی طرف بھاگی۔ "شیر دل! شیر دل! چلو جلدی سے!" اس نے اپنے پسندیدہ گھوڑے، شیر دل کی باگیں پکڑ لیں۔ "ہمیں ہسپتال جانا ہے! جمر و بھیا کو گولی لگی ہے اور یہ نقلی ڈاکٹر اپنے تجربے جمر و بھیا پر آزمایا ہے ہیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو...!" وہ رکی، شیر دل کے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ "تم چلو میرے ساتھ، ہم انہیں کچھ نہیں ہونے دیں گے!" وہ پریشانی میں اس سے مخاطب تھی، جیسے گھوڑا اس کی بات سمجھ رہا ہو۔ وہ تیزی سے شیر دل کو اصطبل سے نکالتی ہوئی قبیلے کے اندرونی حصے کی طرف لے کر چلی، جہاں جمر و کور کھا گیا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی ڈاکوؤں نے فوراً اپنے اپنے نقاب پہنے تھے۔ جمر و کا چہرہ بھی چھپاتے ہوئے وہ اسے گھوڑے پر سوار کرنے لگے تھے۔ وہ اتنا تو سمجھ چکے تھے کہ جس لڑکی کی ضد کے سامنے ان

کاسر دار بے بس ہے، وہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دعام کی آواز میں اتنی شدت اور جنون تھا کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ وہ کسی صورت پیچھے ہٹنے والی نہیں تھی۔ جمر و کو خون بہہ رہا تھا اور اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

"شیر دل پر لادیں انہیں!" دعام نے حکم دیا۔ اس کی آواز میں فیصلہ کن عزم تھا۔ "اب ہسپتال میں جا کر دنگا کرنا پڑے یا تباہی مچانی پڑے، جمر و کا علاج ہسپتال میں ہی ہونا ہے۔ کوئی اور بات نہیں!"

ڈاکوؤں نے بغیر کسی بحث کے جمر و کو احتیاط سے شیر دل کی پیٹھ پر لادا۔ جمر و درد سے کراہ رہا تھا مگر کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ اس کی بے ہوشی کی سی کیفیت ہو رہی تھی۔ ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سردار نی نے فیصلہ کر لیا تھا، اور اب انہیں اس پر عمل کرنا تھا۔ جمر و کی جان خطرے میں تھی، اور ان کے لیے اپنی انا سے زیادہ اپنے ساتھی کی زندگی عزیز تھی۔ یہ سب کچھ دعام کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر سردار نی نہ ہوتی تو وہ کبھی کسی ڈاکو کو ہسپتال کی طرف لے کر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، یہ ان کے اصولوں کے خلاف تھا۔ لیکن دعام کے لیے جمر و محض ایک ڈاکو نہیں تھا، وہ اس کا بھائی تھا، اور وہ اسے یوں مرنے نہیں دے سکتی تھی۔

رات گہری ہو چکی تھی، اور گھر پر ایک اداس خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نکاح کی خوشیاں چند لمحوں کی مہمان ثابت ہوئی تھیں، اور اب ان کی جگہ ایک ان دیکھے خوف نے لے لی تھی۔ رباب اپنی ماں کے پاس بیٹھی تھی، آنکھوں میں آنسو اور دل میں شرمندگی لیے۔ وہ سب سے چھپا سکتی تھی لیکن اپنی ماں سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتی تھی۔ ویسے بھی سچائی کبھی نہ کبھی سامنے آہی جاتی تھی، خاص طور پر آج شام جو کچھ یہاں ہوا تھا وہ کسی بڑے تماشے سے کم نہ تھا۔ دعام کا اس طرح سے گھر واپس آنا اور پھر سردار کی پر اسرار شخصیت، وہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا تھا۔

"امی،" رباب نے ہچکچاتے ہوئے ساری بات کہہ ڈالی۔ اس نے اکرم کو بلیک میل کرنے، نقشے کی خاطر نکاح کرنے اور پھر سردار کے اچانک آکر نقشہ لے جانے تک کا ہر واقعہ بتا دیا۔

یہ جان کر اس کی ماں جس صدمے میں تھی، اسے بیان کرنا مشکل تھا۔ ان کی بیٹی نے اتنی بڑی سازش کی تھی، ایک پولیس افسر کو اپنے آگے بے بس کر کے خود سے نکاح کرنے پر مجبور کر دیا

تھا! یہ بات وہ گھر میں کسی کو بتا نہیں سکتی تھیں، اسے چھپانا پڑتا، لیکن اندر ہی اندر ان کا دل کٹ رہا تھا۔

"اب کیا ہو گا، رباب؟" ماں کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔ "مجھے تو نہیں لگتا کہ اگر یہ شادی رکھے گا۔ اگر کل اس نے طلاق کے کاغذات بھجوا دیے تو ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہیں گے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ان کا دل ہی نہیں، پورا وجود کانپ اٹھا تھا۔ یہ صرف رباب کا مستقبل نہیں تھا، پورے خاندان کی عزت داؤ پر لگی تھی۔

رباب نے ماں کے ہاتھ تھامے، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر آواز میں ایک عجیب سی ضد تھی۔ "امی! وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا، میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ میں اپنی محبت سے اسے جیت لوں گی۔ مجھے یقین ہے! وہ کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو لیکن میں اسے حاصل کر کے رہوں گی!" اس کے لہجے میں اپنی ہار کو قبول نہ کرنے کا عزم تھا، لیکن اگلے ہی لمحے اس کی آواز میں خوف اور ندامت شامل ہو گئی۔ "لیکن مجھے اس وقت بہت ڈر لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔ وہ نقشہ جس کے چکر میں اس نے مجھ سے نکاح کیا تھا، وہ نقشہ وہ دعام کی بچی آکر لے گئی اور میں کچھ نہیں کر سکی۔ میں نے بہت بڑی غلطی کی اس دن نقشے کی تصویریں بھیجتے ہوئے۔ میں نے صرف

یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ میرے پاس نقشہ ہے... کاش! میں اس دن پورے نقشے کی تصویر لے لیتی۔"

"میں نے کتنی بڑی بے وقوفی کر دی!" وہ بے حد پریشان تھی، اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے تھامے تھی۔

رات کے تقریباً تین بجے کا وقت تھا۔ آج کوئی نہیں سویا تھا۔ کہنے کو کوئی بہت بڑا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، لیکن عجیب سی بے چینی نے ہر کسی کو گھیر رکھا تھا۔ اکرم کا اس طرح غصے سے چلے جانے کا کیا مطلب تھا؟ کیا وہ صرف سردار کی آمد پر غصہ ہوا تھا یا بیچ میں کوئی اور وجہ بھی تھی؟ یہ بات کوئی سمجھ نہیں سکا تھا۔ سب کے دلوں میں ایک سوال گونج رہا تھا: کیا یہ نکاح چلے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ اور اگر ٹوٹا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

○○○○○○○

وہ لوگ جبر و کوا سٹرپچر پر لٹا کر بجلی کی سی تیزی سے ہسپتال کے اندر داخل ہوئے۔ رات کا وقت تھا، ہسپتال کا راہدار یوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تیزی سے کچھ نرسیں اور ایک ڈاکٹر ایمر جنسی وارڈ سے باہر آئے، لیکن ڈاکوؤں کو دیکھتے ہی ان کے قدم وہیں جم گئے۔ ان کے ہاتھوں میں بڑی بڑی



رائفلیں تھیں جن کا رخ سیدھا عملے کی طرف تھا۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کے چہرے خوف سے سفید پڑ گئے۔

"اے ڈاکٹر! جلدی سے اس کا علاج کر! اسے گولی لگی ہے!" ایک تنومند ڈاکو نے دھاڑتے ہوئے کہا، اور اپنی بھاری بندوق براہ راست وہاں کھڑے واحد ڈاکٹر کے سر پر تان دی۔ ڈاکٹر خوف سے تھر تھر کانپنے لگا، اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔

"سر... یہ... یہ تو پولیس کیس ہے!" ڈاکٹر نے لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل کہا۔ اس کی نظریں جمر کے خون سے لت پت جسم پر پڑیں تو مزید خوفزدہ ہو گیا۔

"بھاڑ میں گئی تیری پولیس اور تیرا کیس!" وہی بزرگ ڈاکو، جس کے رعب سے دعام بھی کچھ لمحے پہلے گھبرا گئی تھی، غضب ناک لہجے میں بولا۔ اس کی آواز میں ایسی شدت تھی کہ پوری راہداری گونج اٹھی۔ "چل جلدی سے اس کا علاج کر! گولی لگی ہے اسے! خون دیکھ نہیں رہا کیسے بہہ رہا ہے؟ اس وقت اگر کسی قانون کی بات کی تو تیری ہڈیاں بھی نہیں ملیں گی!" جمر وہاں نیم بے ہوش ہو چکا تھا، اور خون اب بھی بلبل کرتا بہہ رہا تھا۔ اس کی تکلیف دیکھ کر دعام کا دل کٹ رہا تھا۔

"ڈاکٹر! پلیز! میرے بھیا کو بچا لیجیے!" دعام نے فوراً ڈاکٹر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں شدید التجا۔ "انہیں گولی لگی ہے، بہت زیادہ خون ضائع ہو رہا ہے! وہ مر جائیں گے!"

ڈاکٹر نے التجا بھری نظروں سے دعام کو دیکھا۔ "یہ پوپولیس کیس ہے میم، ہم اس میں ہاتھ نہیں ڈال سکتے... یہ ہماری نوکری اور زندگی کا مسئلہ ہے!"

"کیا کہا تو نے؟" ایک اور ڈاکو نے غصے سے دانت پیستے ہوئے رائفل کی نال ڈاکٹر کی کنپٹی سے لگا دی۔ "تیری تو پوپولیس کی ایسی کی تیسی! علاج کرتا ہے یا سارے مغز میں گولیاں بھر دوں؟ اور ہاں! صرف تیرا مغز نہیں، تیرے ساتھ کھڑے ان سب ڈاکٹروں کی بھی بولیاں گن کر بھیجیں گے!"

ایک ڈاکو نے بے اختیار اپنی بندوق کی نالی اٹھائی اور سامنے کی دیوار پر ایک ہی دھن میں تین چار گولیاں چلائیں۔ فائرنگ کی گونج سے پورا ہسپتال لرز اٹھا۔ پلاسٹر کا چورا اور دھواں فضا میں پھیل گیا، اور گولیوں کے نشان دیوار پر چنچ رہے تھے۔

"اكر نهى چاهته كه به كولىاں تمهارے بدن كو چير ديں، تو علاج شروع كر! ابهى! فوراً!" ڈاكوؤں كى آواز ميں اب كوئى لك نهى تهى۔ "ورنه هم نهى ديكيهیں كے كه تجھے مار كر هم پر كتنے پوليس كيس هوتے هيں! تيرى نوكرى تو آج ويے بهى كئى سمجھے؟"

ان كا لهجہ ايسا تھا كه وهاں موجود سارے هي ڈاكٲر اور نچلا عملہ خوف كے مارے اپنے هوش كهو بيٲھا۔ ڈاكٲر كے چهرے پر موت كا سايہ تھا۔ وه سمجھ كيا كه اب ان كے پاس كوئى چاره نهى۔ اس نے فوراً سر هلایا اور نرسوں كو اشارہ كيا كه جمرو كو آپريشن تهيٲر ميں داخل كيا جائے۔ بغير كسى دير كے، جمرو كو ايك اور اسٲريچر پر منتقل كيا كيا اور تيزى سے آپريشن تهيٲر كى طرف دكھيل ديا كيا۔ ڈاكوؤں نے ان كا تعاقب كيا، ان كى آنكھوں ميں اب بهى وهى غضب اور چهروں پر نقاب تھے۔

○○○○○○○

"سر، ميں نے آپ سے كها تھانا! به كو كولىاں چلى هيں به معمولى نهى چلى۔" انور كى آواز فون پر سنائے كو چيرتى هوئى آئى۔ "ابهى تك وهاں قبيلے ميں كولىوں كى آواز آر هي هے جبكه كچھ ڈاكواپنے ايك آدمى كو لے كر هسٲتال كى طرف نكلے هيں۔ ان كے ساتھ وه لٲر كى بهى هے جس كا نكاح سردار كے ساتھ هوا تھا۔"

اکرم، جو بستر پر چت لیٹا اپنی ہار کا غم منارہا تھا، یہ سنتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھوں میں دوبارہ چمک آگئی تھی۔ "کیا سردار بھی ان کے ساتھ ہے؟" اس کی آواز میں پریشانی تھی۔

"نہیں جناب، سردار ساتھ نہیں ہے! یہی تو پریشانی والی بات ہے! نہ سردار ساتھ ہے اور نہ ہی اس کا وہ خاص آدمی بالا۔" انور نے مزید تفصیل بتائی، اس کی آواز میں بھی حیرت تھی۔ "اور اب بھی قبیلے سے مسلسل فائرنگ کی آواز آرہی ہے، لگتا ہے کوئی بڑا معاملہ ہوا ہے۔" اکرم کا دماغ تیزی سے چلنے لگا۔ یہ محض جشن نہیں تھا، یہ تو کوئی اندرونی جھگڑا تھا! سردار اور بالا کی غیر موجودگی میں اتنی فائرنگ؟ اس کا مطلب تھا کہ کوئی بہت بڑی گڑبڑ تھی۔

"میں اب قبیلے سے نکل کر ہسپتال کی طرف جا رہا ہوں ان ڈاکوؤں کے پیچھے۔ وہ سب لوگ گھوڑے پر ہیں اور میں اپنی موٹر سائیکل پر۔ شاید وہ اب تک ہسپتال پہنچ چکے ہوں گے، ان کا آدمی ضرورت سے زیادہ ہی زخمی ہے،" انور نے رپورٹ مکمل کی۔

"تم ان کے پیچھے پیچھے جاؤ، انور!" اکرم نے سختی سے حکم دیا۔ اس کی آواز میں اب فیصلہ کن عزم تھا۔ "میں بھی وہیں پہنچتا ہوں۔ ایک لمحے کی بھی معلومات ضائع مت کرنا، انور! یہ معاملہ کوئی چھوٹا سا معاملہ نہیں ہے۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے اسے بیڈ پر پھینکا۔ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس نے فوراً اپنی شرٹ پہنی، پیروں میں جوتے چڑھا کر کمرے سے نکلا۔ اس کے قدموں میں تیزی تھی، جیسے اسے اچانک کوئی نئی امید مل گئی ہو۔ یہ ڈاکوؤں کا آپسی تنازع اسے ایک نئی راہ دکھا رہا تھا، شاید یہی وہ موقع تھا جس کا اسے انتظار تھا۔

○○○○○○○

قبیلے کی سنسان پہاڑیوں میں، جہاں چند لمحے پہلے گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجی تھی، اب ایک خوفناک خاموشی چھا چکی تھی۔ وہ تینوں غدار—فیصل، حمید، اور رفیق—پکڑے جا چکے تھے۔ گولیاں بہت چلائی گئی تھیں، مگر سردار کا حکم تھا کہ انہیں گولی نہیں لگنی چاہیے، وہ زندہ چاہیے تھے۔ لیکن اس تمام بھاگ دوڑ میں، پھر بھی رفیق کے کندھے سے ایک گولی گزر چکی تھی، جو اب خون رستا ہوا ایک گہرا نشان چھوڑ گئی تھی۔ اس وقت وہ تینوں زمین پر، سردار کے قدموں

کے قریب لیٹے ہوئے تھے، ان کی سانسیں حلق میں اٹکی ہوئی تھیں اور وہ لرزتی ہوئی آوازوں میں معافیاں مانگ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر موت کا خوف اور ندامت صاف نظر آرہی تھی۔

سردار خاموشی سے ایک اونچے پتھر پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں ایک ایسی وحشت تھی جو رات کے اندھیرے میں بھی قید غداروں کی روحیں منجمد کر رہی تھی۔ وہ انہیں یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ محض کیڑے مکوڑے ہوں۔ اپنی ان لوگوں کی غداری پر اسے افسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ پہلے سے ہی جانتا تھا کہ یہاں کیا چل رہا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ کب سے اس کا اسلحہ بیچ رہے تھے، اس کے نظام کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ لیکن پھر بھی ان کے خاندان اور بیوی بچوں کے لیے وہ خاموش تھا۔ اس نے انہیں کبھی محسوس نہیں ہونے دیا تھا کہ اس کا اسلحہ چوری ہو رہا ہے۔ اس نے کبھی ذکر تک نہیں کیا تھا، صرف اس لیے کیونکہ وہ بیوی بچوں والے تھے، اور قبیلے میں ان کا ہونا ضروری تھا۔

لیکن وہ سازشیں کریں گے اور اس کے آدمیوں کو جان سے مارنے کی کوشش کریں گے؟ بالا جیسے اس کے خاص آدمی پر حملہ آور ہوں گے؟ یہ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ ان کی خبریں تو بہت عرصے سے آرہی تھیں۔ بالا اسے بہت پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اسے ان پر شک ہے، اور پھر کل

کی ساری باتیں بھی اس نے بتادی تھیں۔ سردار صبح رباب کے نکاح پر جانے سے پہلے ہی بالاک کی ساری پریشانیوں کو سمجھ چکا تھا، اور اسے ان کی حرکتوں کی پوری خبر تھی۔

اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا اگر وہ زیادہ پیسوں کے لیے اس کی چیزیں بیچ رہے تھے تو بھی اس نے اس بات کا کوئی بڑا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ یہ معمولی خیانت تھی، جسے وہ نظر انداز کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اس کے خاص لوگوں کو مار کر یہاں سرداری قائم کرنا چاہتے تھے؟ اس کے تخت پر بیٹھنے کا خواب دیکھ رہے تھے؟ یہ بات تو سردار کے لیے برداشت سے باہر تھی۔ وہ رفیق اور حمید کی آنکھوں میں غداری کب سے دیکھ چکا تھا اور اب فیصل کے لہجے سے بھی شک محسوس ہوتا تھا، لیکن پھر بھی وہ خاموش تھا، صرف اور صرف ان کے بیوی بچوں کے لیے۔ اور وہ اسی رحم کو برباد کرنے چلے تھے!

سردار نے اپنی آنکھوں میں وحشت لیے ان لوگوں کو دیکھا۔ اس کی خاموشی چیخوں سے زیادہ خوفناک تھی۔ وہ کوئی لفظ نہیں کہہ رہا تھا، بس انہیں گھور رہا تھا۔ اس کی ہر نظر ان کی روحوں پر ایک جلتا ہوا انگارہ بن کر گر رہی تھی۔ اس کا چہرہ، نقاب کے پیچھے، ایک ایسے جلتے ہوئے جہنم کی طرح تھا جو ہر لمحہ انہیں نکلنے کو تیار بیٹھا تھا۔ یہ خوف کا وہ مقام تھا جہاں خوف خود ہی پناہ مانگتا ہے۔ اس نے ہلکا سا سانس لیا، ایک ایسی خاموش دھاڑ جو سنائی تو نہیں دی مگر اس کی شدت سے

فضا کانپ اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں بدلے کی آگ بھڑک رہی تھی، وہ آگ جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دینے پر تلی تھی۔ غداروں کو معلوم تھا کہ ان کی موت اس وقت ان کے سامنے بیٹھی ہے اور انہیں نکلنے کے لیے تیار ہے۔

○○○○○○○

سردار نے اپنی آنکھوں میں وحشت لیے غداروں کو دیکھا۔ اس کی خاموشی چیخوں سے زیادہ خوفناک تھی۔ وہ انہیں گھور رہا تھا، اور اس کی ہر نظر ان کی روحوں پر جلتے انگارے کی طرح گر رہی تھی۔ نقاب کے پیچھے اس کا چہرہ کسی جلتے جہنم کی طرح تھا۔ یہ خوف کا وہ مقام تھا جہاں خوف خود پناہ مانگتا ہے۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد، سردار نے گرجتے ہوئے کہا

"تم لوگوں نے میرے اعتماد کو توڑا! میرے قبیلے کی روح کو زخمی کیا! تمہیں پتہ ہے اس کی کیا سزا ہے؟ موت!"

اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ غداروں کے دل برف ہو گئے۔ فیصل ریگتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا، اس کے چہرے پر آنسو تھے۔



سردار! ہمیں معاف کر دیں! ہمارے بچے ہیں، ہم... ہم کچھ نہیں کریں گے اب!  
سردار کی آنکھیں تڑپتے ہوئے غداروں پر گڑی تھیں، اس نے اپنی آواز کی گہرائی میں ایک  
دھار لاتے ہوئے کہا

"تمہارے بچے... صرف انہی بچوں کی وجہ سے آج تم زندہ ہو۔ ورنہ تمہاری لاشیں جنگل میں  
بکھری ملتیں۔ میں بے سہارا بچوں کو پسند نہیں کرتا۔"

پھر اس نے اپنے وفادار ڈاکوؤں کی طرف اشارہ کیا اور مزید سختی سے بولا  
"لیکن تم زندہ رہو گے تو ایک عبرت بن کر۔ میں تمہیں جسمانی طور پر ختم نہیں کروں گا، لیکن  
تمہیں ذہنی طور پر مار دوں گا! تم اتنے بے بس ہو جاؤ گے کہ اپنی بیوی بچوں کے سامنے بھی سر  
اٹھا کر کھڑے نہیں ہو سکو گے

ایک ڈاکو نے درد سے کراہتے ہوئے رفیق کو اٹھایا۔ سردار کا حکم واضح تھا، اس کی نظروں میں  
ایک انوکھی چمک تھی۔ اس نے رفیق کو دیکھا اور پھر بولا

"اس کو اٹھاؤ۔ اس کی ٹانگیں توڑ دو، اور بازو ایسے کر دو کہ زندگی بھر یہ کسی کام کا نہ رہے۔ چل  
پھر سکے گا، لیکن دو قدم بھی کسی سہارے کے بغیر نہیں چل پائے گا۔"

یہ حکم سنتے ہی غداروں کی چیخیں نکل گئیں، وہ تڑپنے لگے۔ سردار کا غضب ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اس نے باقی دو غداروں کی طرف دیکھا، اس کی آواز میں وہی بے رحم شدت تھی

"حمید، فیصل! تم دونوں کا بھی یہی حال ہو گا۔ تمہاری روحیں زندہ رہیں گی، لیکن جسم مردہ ہو جائیں گے۔ تم قبیلے میں رہو گے، اپنے بچوں کے ساتھ، مگر ہر روز اپنی بے بسی پر کڑھو گے۔" اس کی آواز جیسے پتھروں سے ٹکرا کر واپس آرہی تھی۔ پھر اس نے اپنے باقی ڈاکوؤں کی طرف دیکھا جو خاموشی سے اس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

"اب جاؤ! ان کا یہ حال کرو کہ یہ آئندہ کسی کے لیے مثال بن جائیں۔ انہیں ایسی زندگی دو کہ موت ان کے لیے سکون بن جائے۔"

سردار نے اپنی بات ختم کی۔ اس نے خاموشی سے اپنا نقاب ٹھیک کیا اور ایک ڈاکو کے ساتھ دور ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ پیچھے سے غداروں کی چیخیں گونجنے لگیں، قبیلے کی رات مزید وحشت ناک ہو چکی تھی۔ ان چیخوں میں سردار کے غضب اور اس کے فیصلوں کی گونج تھی۔ قبیلے میں سب جانتے تھے کہ سردار انتقام لینے میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتا، لیکن اس بار اس نے موت نہیں، بلکہ ایک ایسی زندگی دی تھی جو موت سے بھی بدتر تھی۔

غداروں کو ان کا انجام دکھانے کے بعد، سردار نے بالا اور اپنے باقی وفادار ڈاکوؤں کے ساتھ قبیلے کی اندرونی حدود کی طرف قدم بڑھائے۔ ابھی تک ان کے ذہنوں میں غداروں کی چیخیں اور رفیق کے کندھے سے بہتے خون کا منظر تازہ تھا۔ فضا میں بارود کی بواب بھی تھی، مگر اب ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سردار کو یہ خاموشی کھٹکی۔ عام طور پر قبیلے میں رات کے وقت بھی کچھ نہ کچھ شور رہتا تھا، لیکن اب گہری خاموشی تھی، جو کسی بڑے طوفان کے بعد کے سکون جیسی تھی۔

سردار کے قدم تیزی سے بڑھے، اس کا دماغ سوالات سے بھرا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جمرہ کو گولی لگی تھی اور اس کا علاج قبیلے میں ہی ہونا تھا۔ اس نے فوراً اس عارضی کلینک کی طرف رخ کیا جہاں زخمیوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ بالا بھی اس کے ساتھ تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا، اس کے چہرے پر بھی فکر کے سائے تھے۔ جیسے ہی وہ کلینک کے قریب پہنچے، وہ حیران رہ گئے۔ وہاں کوئی نہیں تھا! اوزار بکھرے پڑے تھے، اور خون کے چند قطرے زمین پر گرے تھے، مگر جمرہ اور وہ ڈاکو جو اس کے علاج میں مصروف تھے، وہاں سے غائب تھے۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

بالا نے حیرت سے سردار کی طرف دیکھا۔ "جمرو اور باقی لوگ کہاں ہیں؟"

اسی لمحے، ایک ڈاکو ہانپتا کانپتا اندھیرے سے باہر نکلا، اس کے چہرے پر خوف اور پریشانی تھی۔

اس نے سردار کو دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف دوڑ لگائی۔

سردار! سردار! دعام... دعام سرکار! وہ جمرو کو لے گئی ہیں!"

ڈاکو نے بمشکل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اس نے کسی کی بات نہیں سنی۔ ہم نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ جمرو کا علاج یہیں قبیلے میں ہی ہونا چاہیے، لیکن وہ بہت ضدی ہو گئی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے، وہ کسی نقلی ڈاکٹر پہ یقین نہیں کرے گی۔"

ڈاکو مزید بتاتا چلا گیا

"اس نے کہا، چاہے ہسپتال میں دنگا کرنا پڑے یا تباہی مچانی پڑے، جمرو کا علاج وہیں ہسپتال میں ہی ہونا ہے! اس نے شیر دل پر جمرو کو لاد ا اور بنا کسی کی پرواہ کیے اسے لے کر چلی گئی، سرکار! ہم

نے اسے بہت روکا لیکن وہ ایک نہیں سنی۔ باقی سارے ڈاکو بھی ان کے ساتھ گئے ہیں، اسے اکیلا کیسے جانے دیتے۔"

یہ ساری بات سن کر سردار کے چہرے پر غصے کے بجائے، ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ مسکراہٹ ایسی تھی جیسے اسے دعام کی اس حرکت پر غصہ نہیں، بلکہ حیرت کے ساتھ ایک طرح کی نرمی اور فخر محسوس ہوا ہو۔

"میرا بھولا سائیں بہت ضدی ہو گیا ہے،" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

بالا، جو یہ ساری صورت حال دیکھ رہا تھا، اس کو دعام کا یہ قدم سراسر بیوقوفی لگی تھی۔ وہ بھی تو ایک ڈاکو تھا، ہسپتال جا کر ڈاکو کا علاج کرانا ان کے اصولوں کے خلاف تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سردار نے ہمیشہ کی طرح ایک گہری سانس لی اور صرف مسکرا دیا۔ اس مسکراہٹ کا مطلب صاف تھا کہ سردار اس معاملے میں دعام کو کسی کو کچھ بھی کہنے کا حق نہیں دیتا تھا، اس کی ضد کے سامنے وہ خود بھی بے بس تھا۔

"ٹھیک ہے، ہسپتال چلو!"

"میرا سوہنا مکھڑا اکیلا ہو گا،" سردار نے اچانک پر سکون لہجے میں کہا، اور باہر کا راستہ لیا۔ اس کی آواز میں اب کوئی جھنجھلاہٹ نہیں تھی، بلکہ ایک فیصلہ کن عزم تھا۔ بالا اور باقی ڈاکو بھی بغیر کسی سوال کے اس کے پیچھے ہو لیے۔ بالا کے ذہن میں ابھی یہ خیال چکر لگا رہا تھا کہ ڈاکوؤں کا ہسپتال جانا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے، مگر سردار کے چہرے پر پھیلی اس پر اسرار مسکراہٹ نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

○○○○○○

رات اپنے سیاہ پر پھیلا چکی تھی جب انسپیکٹر اکرم کی موٹر سائیکل ہسپتال کے پر سکون ماحول کو چیرتی ہوئی اس کے مرکزی دروازے کے سامنے جا رکی۔ اس کے اندر ایک عجیب سی بے چینی تھی، ایک ایسی امید جس کی وہ خود بھی وضاحت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل کو ایک اندھیری جگہ پر پارک کیا اور نہایت احتیاط سے ہسپتال کے اندر داخل ہوا۔

ہسپتال کا ایمر جنسی وارڈ اب میدان جنگ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ڈاکو اپنی بھاری بھر کم بندوقیں لیے ادھر ادھر گھوم رہے تھے، ان کی موجودگی ہر کسی پر دہشت طاری کر رہی تھی۔ نرسیں اور

ڈاکٹر خوف سے سہمے ہوئے تھے، اور عام مریضوں کو ایک طرف کر دیا گیا تھا۔ اس سارے ہنگامے کے بیچ، اکرم کی نظر فوراً اس کونے میں بیٹھی لڑکی پر پڑی۔ یہ دعام تھی!

دعام ایک کرسی پر بیٹھی تھی، اس کا چہرہ پریشانی اور آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں جبر و کی فکر واضح جھلک رہی تھی۔ اس کے گرد کوئی ڈاکو موجود نہیں تھا، وہ نسبتاً اکیلی لگ رہی تھی، اور یہی وہ موقع تھا جس کا اکرم کو انتظار تھا۔ اکرم نے فوراً خود کو ایک بڑے ستون کے پیچھے چھپالیا، جہاں سے وہ سارا منظر دیکھ سکتا تھا لیکن خود کسی کی نظر میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ اس کا مقصد صرف اور صرف دعام سے ملنا تھا، کسی اور سے نہیں۔ اسے اس ہنگامے میں شامل ہونے یا ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس کی نظریں ڈاکوؤں کی نقل و حرکت پر تھیں تاکہ صحیح وقت پر دعام تک پہنچ سکے۔ ڈاکو واقعی اپنی دہشت پھیلانے ہوئے تھے، ان کی موجودگی سے ہر کوئی خوفزدہ تھا۔ اکرم نے سوچا کہ یہ لوگ ہسپتال میں بھی یہ سب کر سکتے ہیں تو باہر تو ان کو کوئی روک ہی نہیں سکتا۔

اکرم کے ذہن میں ایک نیا خیال ابھر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جو کام رباب نہیں کر پائی تھی، وہ کام دعام کر سکتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ دعام کے پاس بھی نقشے سے متعلق معلومات ہیں، شاید کچھ

ایسی تفصیلات جو رباب نہیں دے سکی تھی۔ رباب کی بے وقوفی کی وجہ سے وہ نقشہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، لیکن دعام... دعام مختلف تھی۔ اس کی معصومیت اور سردار سے اس کا تعلق اکرم کے لیے ایک نئی امید کی کرن تھا۔

اسی لیے وہ دعام کے اکیلے ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی نظریں سب پر تھیں، ڈاکوؤں پر، نرسوں پر، ڈاکٹروں پر، اور ہر اس شخص پر جو ایمر جنسی وارڈ میں موجود تھا، لیکن اسے مطلب صرف دعام سے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس اب ایک آخری موقع ہے، اور اسے کسی بھی قیمت پر ضائع نہیں کرنا تھا۔ اس نے خود کو مکمل طور پر پوشیدہ رکھا، ایک شکارچی کی طرح اپنے شکار کا انتظار کر رہا تھا، اس امید کے ساتھ کہ جلد ہی اسے دعام سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، یہ جیت اس کے لیے بہت ضروری تھی۔

○○○○○

ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں ڈاکوؤں کی دہشت اور ڈاکٹروں کی خوفزدہ خاموشی کے درمیان، اچانک ایک ڈاکو کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے جلدی سے اپنا نقاب تھوڑا سا سر کا یا اور فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے سردار کی گرج دار آواز سنائی دی۔



"جمرو کی کیا حالت ہے؟" سردار نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

ڈاکو نے صورتحال بتائی، اس کی آواز میں احترام اور تشویش دونوں شامل تھیں۔

"سرکار! جمرو کی حالت ابھی نازک ہے، خون بہت بہہ چکا ہے۔ ڈاکٹر گولی نکالنے کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"میں دس منٹ میں ہسپتال پہنچ رہا ہوں۔" سردار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا، اور فون بند کر دیا۔

ڈاکو نے فون بند کیا اور فوراً دعام کی طرف بڑھا جو کرسی پر بیٹھی جمرو کے آپریشن تھیٹر کے دروازے کو بے چینی سے گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور خوف تھا۔

"سردار نی!"

"ڈاکو نے دعام کے قریب آکر کہا۔" سردار کا فون آیا تھا، وہ دس منٹ میں ہسپتال پہنچ رہے

ہیں۔"

یہ خبر سنتے ہی دعام کے چہرے پر امید کی ایک کرن سی لہرائی۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، حالانکہ خوف کی گہری پرچھائیاں ابھی بھی موجود تھیں۔ وہ بے چین ہو کر بار بار آپریشن

تھیٹر کے دروازے اور پھر باہر ہسپتال کے داخلی دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"ابھی تک ڈاکٹروں نے کچھ بتایا نہیں؟

"دعام نے بے صبری سے پوچھا۔

"نہیں سردارنی، وہ خود بھی ڈرے ہوئے ہیں،" ڈاکو نے جواب دیا، وہ جانتا تھا کہ ہسپتال کا عملہ کتنا خوفزدہ ہے۔

جمرو کی تکلیف اور ڈاکٹروں کی ہچکچاہٹ نے دعام کو بہت زیادہ سہایا ہوا تھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر سردار جلدی نہ پہنچا تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ سردار کے آنے سے ہی سارا معاملہ حل ہو گا۔ سردار کے آنے سے اسے یہ یقین تھا کہ جمرو کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

اسی دوران، ڈاکٹر جو وقتاً فوقتاً آپریشن تھیٹر سے باہر نکل کر آتے تھے، کوئی مناسب جواب نہیں دے رہے تھے۔ ان کے چہروں پر شدید خوف اور بے بسی تھی۔ جب بھی دعام ان سے جمرو کی حالت کے بارے میں پوچھتی، وہ صرف سر جھکا دیتے یا مبہم الفاظ میں بات کرتے۔ یہ چیز دعام

کے خوف کو مزید بڑھا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اندر کچھ برا ہو رہا ہے، اور ڈاکٹر اسے بتا نہیں رہے۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا، سردار کی آمد اب اس کے لیے واحد امید کی کرن تھی۔

○○○○○○

ہسپتال کے راہداریوں میں تناؤ اور خوف کا عالم چھایا ہوا تھا۔ آپریشن تھیٹر کے دروازے پر نگاہیں جمائے دعام کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ سردار دس منٹ میں پہنچ جائے گا، مگر ہر گزرتا لمحہ اسے صدیوں کے برابر لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار ہسپتال کے داخلی دروازے کی طرف اٹھ جاتیں، جیسے وہ سردار کو وہاں دیکھنے کی امید کر رہی ہو۔ وہ اپنی جگہ پر ٹک نہیں پار رہی تھی، کبھی کھڑی ہو جاتی تو کبھی کرسی پر بیٹھ جاتی، اس کے دل میں جبر و کی حالت اور سردار کی غیر موجودگی کا خوف گونج رہا تھا۔

"سردار نی! آپ کا بار بار باہر جانا خطرناک ہو سکتا ہے،" ایک بزرگ ڈاکو نے نرمی سے اسے خبردار کیا۔ "ہو سکتا ہے پولیس کی ہم پر نظر ہو۔"

دعام نے ایک گہری سانس لی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ ڈاکو صحیح کہہ رہا ہے، لیکن اس کی بے چینی اسے اندر ٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

"مجھے بے چینی ہو رہی ہے،" وہ جزبہ ہو کر بولی۔ ڈاکو اس کی حالت کو سمجھ گیا اور خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔ دعام آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہسپتال کے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کی نظریں باہر سڑک پر جمی تھیں، جہاں وہ سردار کا انتظار کر رہی تھی۔

سردار کی اب تک آمد نہ ہوئی تھی۔ ہر طرف سناٹا تھا، صرف دور کہیں سے شہر کا شور سنائی دے رہا تھا۔ دعام کے اندر ایک مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔

○○○○○○

وہ واپس اندر جانے لگی،

اس کے قدم بو جھل ہو چکے تھے کہ اچانک ایک آدمی اس کے سامنے آ گیا۔

دعام نے چونک کر اوپر دیکھا۔ وہ اسے فوراً پہچان چکی تھی، یہ اکرم تھا، رباب کا شوہر، وہ پولیس والا! وہی شخص جس نے نکاح سے پہلے انہیں امید دلائی تھی کہ اس کا نکاح کسی ڈاکو سے نہیں ہوگا، اور اسے ڈاکوؤں سے بچالے گا۔ اس وقت وہ اسے ایک محافظ کی صورت میں دکھائی دے رہا تھا، لیکن آج اس کی موجودگی ایک خطرہ تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے،" اکرم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا، اس کی نظریں دعام کے چہرے پر جمی تھیں۔

دعام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس لمحے اس کے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ اکرم ایک پولیس والا تھا جو اس کے شوہر کو کسی بھی طرح سے نقصان پہنچانا چاہتا تھا! وہ یہاں اسی غرض سے آیا تھا، اور اس کا یہاں موجود ہونا سردار کے لیے خطرے کی گھنٹی تھا۔ اسے اس سے بات کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی! راستہ چھوڑیں میرا!" وہ غصے سے بولی۔ اس نے اکرم کو ایک طرف ہٹانے کی کوشش کی تاکہ اندر جاسکے، لیکن اکرم اپنی جگہ پر اٹل کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو دعام کو مزید بے چین کر رہی تھی۔

"دعام سنو! میں تمہارا برابر نہیں چاہتا اور نہ ہی میں تمہارا دشمن ہوں،" اکرم نے اپنی آواز کو نرم کرنے کی کوشش کی، مگر اس کے لہجے میں ایک چھپی ہوئی چالاکی تھی۔ "تم جانتی ہو سردار ایک ڈاکو ہے، ایک خوفناک درندہ جس کے لیے کسی کی جان لینا مشکل نہیں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو

قتل کر چکا ہے، نہ جانے کہاں کہاں ڈکیتی کر چکا ہے۔ میں جانتا ہوں تم اس کی حقیقت سے بے خبر نہیں ہو، سب کچھ جانتی ہو اس کے بارے میں۔ لیکن کیا تم یہ جانتی ہو کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟"

اکرم کے الفاظ دعام کے دل پر نشتر کی طرح چبھ رہے تھے، لیکن اس کے چہرے پر غصہ ابھر رہا تھا۔ اسے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی کہ کوئی سردار کے بارے میں ایسی بات کرے۔

"دیکھو دعام، تمہارا شوہر جو گناہ کر چکا ہے اس کی کوئی معافی نہیں ہے۔ ہم اسے پکڑنا چاہتے ہیں،" اکرم نے اپنی بات جاری رکھی۔ "نہ اسے پولیس کا خوف ہے، نہ قانون کا ڈر ہے، وہ دنیا کی کسی چیز سے ڈرتا نہیں۔ اس نے خود اپنے قانون بنا کر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر میں چاہتا تو اس وقت ہسپتال میں پولیس کی ایک بڑی نفری لے کر بھی آسکتا تھا، لیکن مجھے فائدہ نہیں، کیونکہ یہ ڈاکو اتنے خطرناک ہیں کہ لمحے میں کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے لیے کسی کی زندگی، کسی کی موت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

اکرم ایک لمحے کے لیے رکا، دعام کے چہرے پر بدلتے تاثرات کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے مزید زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے کہا

"اس سے پہلے بھی پولیس کے بہت سارے حملے ہو چکے ہیں۔ زیادہ نقصان پولیس کا ہی ہوتا ہے۔ وہ پولیس افسر جو اپنی وردی کے ساتھ وفاداری کر رہے ہوتے ہیں، ان ڈاکوؤں کی بند و قوں کے آگے ہار مان جاتے ہیں۔ میں جانتا ہوں یہاں ایک ڈاکو زخمی ہے جس پر یہ سارے ٹرپ کر یہاں ہیں، لیکن ان کا کیا جو اتنے سالوں سے زخمی ہیں اور ان کو زخم دینے والا کوئی اور نہیں، تمہارا شوہر ہے!"

اکرم کی باتوں نے دعام کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں، جسم میں جیسے آگ سی بھر گئی۔ اسے برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ کوئی سردار کے خلاف اس طرح کی بات کرے۔

"بس کرو! میں کچھ نہیں سننا چاہتی! آپ میرے شوہر اور اپنے معاملات کو خود تک رکھیں! میرا ان سب چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے!" دعام نے غصے سے اس کی بات کاٹی، اس کی آواز میں چیخ کا سا انداز تھا۔ "راستہ چھوڑیں میرا!"

لیکن اکرم باز نہیں آیا۔ اس نے دعام کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے مزید اکسایا۔  
"تمہارا شوہر قاتل ہے اور تم قاتل کے ساتھ زندگی گزار رہی ہو! تمہاری خوبصورتی سے متاثر ہو کر اس نے تمہیں اپنے نکاح میں لے لیا، لیکن تم جیسی کتنی اور عورتوں کے ساتھ..."

اکرم ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ دعام کا زوردار تھپڑ اس کی آواز بند کر گیا! یہ تھپڑ اتنی شدت سے پڑا تھا کہ اکرم کا سر ایک طرف جھک گیا اور ایک لمحے کے لیے ہسپتال کا دالان سنائے میں ڈوب گیا۔ دعام کا ہاتھ تھپڑ کے بعد بھی کانپ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں شدید غصہ اور نفرت تھی، اکرم اپنے گال پر ہاتھ رکھے دعام کو حیرت اور غصے سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس رد عمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

"خبردار! خبردار جو میرے شوہر کے کردار پر انگلی اٹھائی!" دعام نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں ایسی شدت تھی کہ اکرم بھی ایک لمحے کے لیے دنگ رہ گیا۔ "وہ قاتل ہوگا، درندہ ہوگا، لیکن کمزور کردار کا مالک نہیں ہے وہ!"



دعام کا انداز اتنا جارحانہ اور پر اعتماد تھا کہ اکرم بھی ایک لمحے کے لیے لرز اٹھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ دعام اپنے شوہر کے کردار کی اتنی مضبوط گواہ بن جائے گی۔ دعام کو سردار پر صرف یقین ہی نہیں تھا، بلکہ اس کی نظر میں سردار کا کردار ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا۔

"آپ کا کام ان کی ڈکیتیاں گننا ہے! ان کی چوریاں گننا ہے! ان کے گناہ گننا ہے! ان کے قتل گننا ہے! نہ کہ ان کے کردار پر انگلی اٹھانا!" دعام نے غصے سے اپنی انگلی اٹھا کر اکرم کی طرف اشارہ کیا، اس کی آواز میں دھمکی تھی۔ "اگر میرے شوہر کے کردار پر انگلی اٹھائی تو انگلی توڑ کے رکھ دوں گی! کمزور مت سمجھنا مجھے! سردار دلدار کی بیوی ہوں میں!"

اس کے الفاظ میں اتنی طاقت تھی کہ اکرم بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اس کے سامنے کوئی معصوم لڑکی نہیں، بلکہ خود سردار دلدار کھڑا ہو۔

"دعام میں بس... "اکرم نے بات سنبھالنے کی کوشش کی، اس کے گال پر ابھی بھی تھپڑ کا نشان نمایاں تھا۔

"بس!" دعام نے اسے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھایا اور اونچی آواز میں دھاڑی، "بس ہی کر دیں تو آپ کے لیے بہتر ہو گا! کیونکہ آپ کو جو اپنی یونیفارم پر ستارے چاہیے، وہ کم سے کم سردار

دلدار یلغار نہیں لگنے دے گا۔ "اس کے لہجے میں ایک طنز تھا، جو اکرم کے مقصد کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"اور ایک اور بات،" دعام نے اپنی بات جاری رکھی، اس کی آواز میں اب مزید کاٹ آچکی تھی۔ "دوسروں کے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے، پہلے اپنا کردار تو دیکھ لیجیے! اپنے مطلب کے لیے کسی معصوم کے جذبات کا استعمال کر کے اس سے نکاح کر لینا آپ کے کردار کو مضبوط نہیں، کمزور بناتا ہے!" وہ غصے سے کہتی ہوئی وہاں سے جانے لگی تھی، اس کے قدم تیزی سے اندر کی طرف بڑھ رہے تھے، جب اچانک ہی اکرم کی باتوں نے اس کے قدم رکنے پر مجبور کر دیے۔ "ٹھیک ہے دعام، میں تمہاری بات کو سمجھ رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں شاید تم اپنے شوہر سے محبت کر بیٹھی ہو، اور محبت کرنی بھی چاہیے،" اکرم کے لہجے میں اب نرمی تھی، ایک ایسی نرمی جو زہر سے بھری تھی۔ "تمہاری محبت اس کے ساتھ جائز ہے، تمہارا تعلق اس کے ساتھ بہت پاک ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں تم اس کی حقیقت کو قبول کر کے اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے ہو۔ اس کا قاتل ہونا، ڈکیت ہونا تمہارے لیے اہمیت نہیں رکھتا۔"

اکرم نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، دعام کا چہرہ بے حسی کا شکار ہو چکا تھا۔ پھر اس نے اپنے الفاظ میں مزید شدت لاتے ہوئے کہا، جو دعام کے دل پر پگھلتے ہوئے سیسے کی طرح گرے۔

"لیکن کیا اپنے والدین کے قاتلوں کو تم اس طرح معاف کر کے ان کے ساتھ ایک ہنسی خوشی زندگی گزار سکتی ہو؟"

اکرم کے چہرے پر ایک چالاک مسکراہٹ ابھری تھی، وہ جانتا تھا کہ دعام کی کمزوری کہاں ہے۔ اس نے آخری وار کیا، ایک ایسا وار جو دعام کی روح کو چیر کر رکھ دینے والا تھا۔

اس کے الفاظ تھے یا پگھلتا ہو اسیسہ جو دعام کے کانوں میں اتر گیا۔ اس کے جسم میں جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ دعام سے مزید ایک قدم نہ اٹھایا گیا، اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا، اور آنکھیں خوف اور بے یقینی سے پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس کے اندر کی دنیا جیسے دھماکے سے ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔

○○○○○○○

رات کا سناٹا سردار کے قدموں کی دھمک سے ٹوٹا جو برق رفتاری سے ہسپتال کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کی آمد سے فضا میں مزید تناؤ چھا گیا۔ ہسپتال کا عملہ، جو پہلے ہی ڈاکوؤں

کی موجودگی سے سہمے ہوئے تھے، اب سردار کی وحشت بھری شخصیت دیکھ کر مزید خوفزدہ ہو گئے۔ راہداریوں میں مکمل خاموشی چھا گئی، ہر کوئی اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔

سردار کی تیز نگاہیں ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں بھٹکنے لگیں اور پلک جھپکتے ہی اس کی نظر دعام پر پڑی جو ایک کرسی پر خاموش اور سہمے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے گہرے سائے تھے۔ سردار نے ایک پل بھی توقف نہ کیا اور برق رفتاری سے دعام کی طرف بڑھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ سمجھ پاتا، سردار نے دعام کو اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹا اور اسے اپنے چوڑے سینے میں چھپا لیا۔ دعام، جو سردار کی غیر موجودگی میں ٹوٹ سی گئی تھی، اچانک اس کے لمس سے حیران سی ہو گئی۔ اس نے سردار کے بازوؤں میں پناہ لی، اس کے چہرے پر چھایا خوف کچھ کم ہوا۔ سردار کی گرفت میں ایک عجیب سی ملکیت تھی، جیسے وہ اسے دنیا کی ہر آفت سے بچا لینا چاہتا ہو۔

سردار نے دعام کو خود سے دور کیے بغیر اپنے ساتھ موجود ڈاکوؤں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ ایک ڈاکو آگے بڑھا اور دبے لہجے میں جمرہ کی حالت بتانے لگا۔ "سرکار، جمرہ کی حالت ابھی بھی نازک ہے، خون بہت بہہ چکا ہے۔ ڈاکٹر گولی نکال رہے ہیں۔" اس کی

آواز میں احترام کے ساتھ تشویش بھی شامل تھی۔ سردار نے محض سر ہلایا، اس کی نگاہیں ابھی بھی دعام پر جمی تھیں۔ جس کے سینے سے لگی بالکل خاموش تھی

○○○○○○○

جمروکا آپریشن ہو رہا تھا۔ ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں غیر معمولی خاموشی چھا گئی۔ سردار، دعام کو لیے ایک بیچ پر بیٹھ چکا تھا۔ دعام ابھی بھی اس کے سینے سے لگی تھی، آنکھیں کھلی تھیں مگر بے چمک۔ اکرم کے الفاظ: "کیا اپنے والدین کے قاتلوں کو تم اس طرح معاف کر کے ان کے ساتھ ایک ہنسی خوشی زندگی گزار سکتی ہو؟" اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، وہ سہم سی گئی تھی۔ سردار نے دعام کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، اس کی خاموشی اور جسم میں ہلکی کپکپی محسوس کی۔ اس نے دعام کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔

"کیا ہو امیرے سوہنے مکھڑے کو؟ اتنی خاموش کیوں ہو؟"

سردار کی آواز میں بے پناہ نرمی تھی۔

دعام نے سردار کی آنکھوں میں دیکھا، آنسو تیر رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے، الفاظ اٹک گئے۔ اس نے چہرہ دوبارہ سردار کے سینے میں چھپا لیا۔

"مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ تمہارا ڈاکو جی تمہارے پاس ہے۔ کسی بات کی فکر مت کرو۔"

سردار نے دعام کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

دعام نے سر اٹھایا، آنکھیں سرخ تھیں۔

"ڈاکو جی... میں... میں نہیں جانتی..."

اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

سردار نے دعام کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا، اس کی آنکھوں میں تشویش تھی۔ اس کا شک اپنے لوگوں پر جا چکا تھا۔ ممکن تھا ان لوگوں نے اس سے کچھ کہہ دیا ہو جس سے وہ خوفزدہ ہو گئی ہو

"کیا کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے؟ کس نے تمہیں ڈرایا ہے؟ مجھے نام بتاؤ، میں اسے زندہ نہیں

چھوڑوں گا!"

سردار کا لہجہ سخت ہو گیا۔

دعام نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں... نہیں ڈاکو جی... کوئی نہیں..."

وہ جھوٹ بول رہی تھی، اور سردار یہ جانتا تھا۔

"جھوٹ مت بولو میرے سوہنے مکھڑے سے، میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے۔ کسی نے کچھ کہا ہے تم سے جس نے بھی تمہیں پریشان کیا ہو گا، اسے ایسی سزا دوں گا کہ وہ اپنی موت کی دعا کرے گا!"

دعام ڈر گئی، وہ جانتی تھی سردار جو کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس نے نظریں نیچے کر لیں۔

"میں... میں ٹھیک ہوں ڈاکو جی..."

اس نے مدھم آواز میں کہا، مگر ایک آنسو ٹپک کر سردار کے ہاتھ پر گرا۔

سردار نے دعام کو پھر سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دعام ابھی بات کرنے کو تیار نہیں، لیکن اس کی خاموشی اسے بے چین کر رہی تھی۔

"تم بس میرا ہاتھ تھامے رکھنا، کسی بات کا ڈر نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کسی کی ہمت نہیں کہ میرے سوہنے مکھڑے کو پریشان کرے، اور اگر کسی نے ایسا کیا، تو اس کا انجام اتنا برا ہو گا کہ تاریخ یاد رکھے گی!"

سردار کے الفاظ میں محبت اور دھمکی دونوں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دعام کو کس بات نے پریشان کیا ہے۔

○○○○○○

انسپیکٹر اکرم آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی، اس کی آنکھوں میں چمک۔ اسے یقین تھا کہ اس بار اس نے جو تیر چلایا ہے، وہ صحیح جگہ پر لگا ہے۔ اس نے فائل دیکھی جس میں سردار دلدار کی معلومات تھیں۔

"ہاں... بالکل صحیح جگہ لگی ہے،"

اکرم نے خود کلامی کی، دبی ہوئی ہنسی کے ساتھ۔

"اسے یہ برداشت نہیں ہوا کہ کوئی اس کے قاتل شوہر کے کردار پر انگلی اٹھائے۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ اس کا قاتل شوہر ہی اس کے والدین کا قاتل ہے، تو پھر کیا ہوا؟"

اس نے گال کو چھوا جہاں دعام نے تھپڑ مارا تھا۔ اسے دعام کا سفید چہرہ اور پھٹی آنکھیں یاد تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے دعام کی سب سے کمزور رگ چھیڑی ہے۔



"اب وہ سردار کو کبھی ویسے نہیں دیکھ پائے گی،"

اکرم نے ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔

"اس کے دل میں شک کا بیج بو دیا ہے میں نے، اور یہ بیج اب ایک ایسا زہریلا درخت بنے گا جو

اس کے رشتے کو کھوکھلا کر دے گا۔"

اسے یقین تھا کہ دعام کی معصومیت اور سردار پر یقین اس کی کمزوری ہے۔ دعام اب سردار سے

سوال کرے گی، اور یہ سوالات ہی سردار کی موت کا پروانہ بنیں گے۔

"وہ اکیلی ہی اس کی تباہی کا سبب بنے گی، مجھے پولیس کی پوری ٹیم لے کر جانے کی ضرورت نہیں

پڑے گی۔ بس تھوڑا انتظار، اور وہ خود اسے میری گود میں لا کر دے دے گی۔"

اکرم نے اطمینان سے کہا۔

اسے دعام کو اپنے کنٹرول میں لانا تھا، اسے یہ باور کرانا تھا کہ وہ صرف اس کا ہمدرد ہے۔

"مجھے دعام پر نظر رکھنی ہوگی، اور اسے یہ احساس دلانا ہوگا کہ میں ہی اس کا سچا خیر خواہ ہوں۔

جیسے ہی وہ سردار سے دور ہوگی، میرا کام آسان ہو جائے گا۔"

اکرم کے چہرے پر سازش کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے اپنی ذہانت اور وار پر پورا بھروسہ تھا۔ اس کے سامنے اب ایک نئی امید تھی، سردار کو ختم کرنے کی، اور اس امید کی چابی دعام تھی۔ اس نے فائل کی طرف دیکھا، اس کے ہونٹوں پر چالاک مسکراہٹ برقرار رہی۔

○○○○○○

کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں اب بھی سردار اور اس کے ڈاکو موجود تھے، لیکن کشیدگی کم تھی۔ سردار دعام کے ساتھ بیٹھا تھا، دعام اب تھوڑی پر سکون تھی۔ ڈاکو بھی تھوڑے پر سکون ہو چکے تھے، مگر چونکا تھا۔

اچانک، آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ایک سینئر ڈاکٹر باہر آیا۔ اس کے چہرے پر راحت تھی۔ اس نے سردار کی طرف دیکھا۔

"سرکار... جمر... جمر و خطرے سے باہر ہے!"

یہ سنتے ہی ڈاکوؤں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"گولی نکال لی گئی ہے، آپریشن کامیاب رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے کہا۔

"مریض کو ہوش میں آنے میں تقریباً پانچ سے چھ گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ اس کی حالت اب مستحکم ہے۔"

ڈاکٹر کے الفاظ سب کے لیے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھے۔ ڈاکوؤں میں خوشی کی ہلچل تھی۔ سردار نے ڈاکٹر کی بات توجہ سے سنی۔ اس کے چہرے پر اطمینان کی ایک ہلکی سی تبدیلی آئی۔

"بہت اچھے۔"

سردار نے صرف اتنا کہا، اس کے لہجے میں اطمینان تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو اشارے سے جانے کو کہا۔

سردار نے دعام کی طرف دیکھا، جو یہ خبر سن کر کچھ پر سکون ہوئی تھی، لیکن اس کے چہرے پر ابھی بھی گہری سوچ تھی۔ جمر کے خطرے سے باہر ہونے کی خبر نے اسے راحت تو دی تھی، لیکن اکرم کے الفاظ ابھی بھی اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی، اس نے اپنا سر اٹھا کر سردار کے سینے پر رکھ دیا ہو۔

سردار نے دعام کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، اس کے چہرے پر ملائم مسکراہٹ تھی۔

"دیکھا؟ تمہارے ڈاکو جی نے کہا تھا نا کہ جمر وٹھیک ہو جائے گا۔"

دعام نے سردار کی بات پر ہلکا سا سر ہلایا، اس کے ہونٹوں پر دھندلی سی مسکراہٹ آئی، لیکن وہ پوری طرح مسکرا نہ سکی۔ اس کے دل میں جمر کی صحت یابی کی خوشی تھی، لیکن اس خوشی پر اکرم کی باتیں بادل بن کر چھا گئی تھیں۔ سردار دعام کی اس کیفیت کو محسوس کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کچھ ہے جو دعام کو اندر ہی اندر پریشان کر رہا ہے،

ڈاکو ایک دوسرے سے جمر کی حالت کے بارے میں بات کر رہے تھے، ہسپتال کا ماحول اب پہلے سے کہیں زیادہ پرسکون ہو چکا تھا۔ سردار نے دعام کو مضبوطی سے اپنے پاس رکھا۔ اسے معلوم تھا کہ ابھی بہت سے سوالات کے جواب ملنے باقی ہیں، لیکن اس لمحے اس کی ساری توجہ دعام پر تھی۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دعام کو کسی بھی قیمت پر اکیلا نہیں چھوڑے گا، اور جس نے بھی اسے پریشان کرنے کی ہمت کی ہے، اسے اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔ سردار کے چہرے پر ایک ٹھہرا ہوا عزم تھا، ایک ایسا عزم جو آنے والے وقت میں بہت سے طوفانوں کی پیش گوئی کر رہا تھا۔

○○○○○○○

رباب اپنے گھر میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شدید پریشانی اور خوف کے سائے صاف جھلک رہے تھے۔ اس نے بار بار اپنے موبائل فون کی طرف دیکھا، اسکرین پر اکرم کا نام چمک رہا تھا، لیکن اس کی کال کا کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پچھلے کئی گھنٹوں میں اسے درجنوں بار فون کیا تھا، لیکن ہر بار وہی مایوس کن نتیجہ، "نمبر مصروف ہے" یا "کال نہیں اٹھائی جا رہی"۔

"اکرم... رباب نے خود سے بڑبڑایا، اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔ وہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک ٹہل رہی تھی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، جیسے اس کے دماغ میں طوفان آیا ہو، اسے معلوم تھا کہ اکرم نے نقشے کے لالچ میں اس سے نکاح کیا تھا، تاکہ اس کے ذریعے اسے اپنے مقاصد حاصل ہو سکیں۔ لیکن اب جب وہ نقشہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور سردار کے پاس پہنچ گیا تھا، تو اس کے پاس اکرم کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں بچی تھی۔ اسے یہی خوف تھا کہ اب اکرم اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دے گا، کیونکہ اس کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

اسے اکرم کی طرف سے کوئی خبر نہیں مل رہی تھی اور نہ ہی کوئی وضاحت۔ اکرم نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر رکھا تھا۔ رباب کا دل شک میں گھرا ہوا تھا، اسے یہ احساس شدید ہو رہا تھا کہ اکرم نے اسے محض اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے اور اب جب نقشہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، تو وہ اسے لاوارث چھوڑنے والا ہے۔

"جواب کیوں نہیں دے رہے اکرم؟"

اس نے بلند آواز میں کہا، جیسے اکرم کو آواز دے رہی ہو۔

رباب کو اکرم کے رویے میں ایک مکمل سر دمہری نظر آرہی تھی۔ نکاح کے بعد اس نے رباب سے مکمل قطع تعلق کر لیا تھا، جیسے اس کا کام پورا ہو چکا ہو۔ وہ اس کے فون کالز کا جواب نہیں دیتا تھا اور اس سے ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رباب کا دل شک میں گھرا ہوا تھا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اکرم نے اسے استعمال کیا ہے اور اب وہ اسے لاوارث چھوڑنے والا ہے۔

"کیا آپ نے مجھے نظر انداز کرنا شروع کر دیا ہے؟ آپ مجھے چھوڑ دیں گے اکرم۔ مجھے کیوں

نہیں بتا رہے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

کیا میری زندگی کی خوشیاں شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی کیا میں نے خود اپنا سب کچھ اپنے ہاتھوں سے برباد کر لیا

رباب کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ اس کی ساری فکر اپنے مستقبل کے بارے میں تھی، کہ اب اس کے ساتھ کیا ہو گا۔ اس نے خود کو اکیلا اور بے سہارا محسوس کیا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں، جیسے کسی برے خیال کو جھٹکنا چاہتی ہو۔ اس نے دوبارہ فون اٹھایا اور ایک پیغام ٹائپ کیا۔

"اکرم! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ فوری طور پر۔ یہ بہت ضروری ہے۔ میں بہت پریشان ہوں!"

اس نے پیغام بھیجا اور فون کو اپنے سینے سے لگا کر بیٹھ گئی، آنکھیں دروازے پر جمی تھیں، جیسے کسی معجزے کا انتظار کر رہی ہو۔ اسے بخوبی احساس ہو رہا تھا کہ اکرم نے اب اسے مکمل طور پر بے اہمیت کر دیا تھا، اور رباب کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، اس کی رات کا سکون چھن چکا تھا۔

○○○○○○

ہسپتال کی راہداری میں، جہاں ابھی بھی سردار کے ڈاکوؤں کا کڑا پہرہ تھا اور ہوا میں ادویات کی ہلکی سی بورچی ہوئی تھی،

آج لڑائی کے دوران ایک زوردار دھکے سے بالا اپنے بھاری بھر کم جسم کے ساتھ زمین پر آگرا۔  
لوہے کا ایک تیز درد اس کے کاندھے میں چھ رہا تھا جہاں سے خون کا سرخ دھارا تیزی سے بہہ  
رہا تھا، اس کے خاک آلود لباس پر پھیل کر ایک گہرا داغ بنا رہا تھا۔ درد کی ایک لہر اس کے وجود  
میں دوڑ گئی، اس نے دانت پیستے ہوئے آنکھیں موندیں، مگر ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ اپنے زخم کو  
تھامے، گھٹنے کے بل بیٹھ گیا۔

اسی لمحے، ایک نازک سی ڈاکٹر، جس کے چہرے پر پیشہ ورانہ اطمینان کے ساتھ ساتھ انسانی  
ہمدردی بھی تھی، تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ اس کی آنکھوں میں فکر مندی صاف جھلک رہی  
تھی جب اس نے بالا کے بہتے ہوئے خون کو دیکھا۔ وہ بنا کسی جھجک کے بالا کے قریب بیٹھی، اس  
کے زخم کا جائزہ لینے لگی۔

"آپ کو بہت گہری چوٹ لگی ہے،"



ڈاکٹر نے نرمی اور تشویش سے کہا، اس کی آواز میں ایک میٹھاپن تھا جو بالا کے کانوں میں رس گھول گیا۔ اس کے نازک ہاتھ بالا کے کاندھے پر پھیلے خون کو دیکھتے ہی تھوڑے سے لرزے۔

"لایئے میں آپ کی مرہم پٹی کر دیتی ہوں، ورنہ خون زیادہ بہہ جائے گا اور انفیکشن کا خطرہ ہے۔"

بالا نے اپنی تمام تر تکلیف کو بھلا کر اس دوشیزہ کو اتنے قریب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک دم سے ایسی چمک پیدا ہوئی جیسے دنیا میں اب درد نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ وہ پتھر کی مورتی کی طرح ساکت ہو گیا، اس کی آنکھیں اس لڑکی کے معصوم اور خوبصورت چہرے سے ایسے لپٹ چکی تھیں جیسے اس نے کوئی انمول، گمنام خزانہ پالیا ہو۔ اس کی دھاڑنے والی آنکھیں جو ہمیشہ رعب اور غصہ لیے ہوتی تھیں، اس لمحے معصومیت اور حیرت سے بھر گئی تھیں۔ وہ اپنا زخم، ارد گرد کا سارا ماحول، اور اپنے ڈاکو ہونے کی حقیقت سب کچھ بھول کر بس اسے ہی دیکھے جا رہا تھا، ایک غیر معمولی، انوکھی کشش نے اسے اپنی فولادی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی، بے خودی سی مسکراہٹ پھیل گئی، جو تکلیف کے باوجود اس کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک پیدا کر رہی تھی۔

"آپ... آپ ٹھیک تو ہیں؟"

ڈاکٹر نے دوبارہ پوچھا، بالا کی بے ہوشی جیسی، مبہوت کیفیت دیکھ کر وہ کچھ پریشان ہوئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کی موجودگی کا بالا پر کیا اثر ہو رہا تھا۔

بالا نے بمشکل سر ہلایا، اس کی نظریں ڈاکٹر کے چہرے پر مستقل جمی تھیں۔ اس کے دل میں ایک انوکھا، پر سرار احساس جاگا تھا جسے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ احساس اس کی تمام تر سختی اور بے پرواہی کو پگھلا رہا تھا۔

نہیں میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ وہ بمشکل بولا۔

نہیں آپ ٹھیک نہیں ہیں آپ کا کافی زیادہ خون بہہ رہا ہے اگر آپ کو اندر چلنے میں پر اہلم ہے تو میں یہیں پر آپ کو پٹی کر دیتی ہوں۔ وہ فکر مندی سے بولی تو بالا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے کندھے اچکا دیے تھے کندھے اچکاتے ہوئے ہلکی سی درد کی لہر اٹھی تھی لیکن نگاہیں اس لڑکی کے چہرے سے ہٹنے سے انکاری تھی

○○○○○○○

وارڈ کے ایک کونے میں، جہاں بیچ پر سردار دعام کو اپنے قریب کیے اس کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا، اس کی نگاہیں بے ساختہ راہداری میں لڑکھڑاتے بالا کی طرف گئیں۔ اس نے دیکھا کہ کس طرح ڈاکٹر بالا کے زخم کی دیکھ بھال کر رہی تھی اور بالا اسے کس نظر سے دیکھ رہا تھا۔ سردار کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرانی کے گہرے تاثرات ابھرے، اس کی بھاری بھر کم بھنویں اوپر اٹھ گئیں۔ اس لڑکی کو جس طرح بالا دیکھ رہا تھا، وہ سردار کے لیے کافی حیران کن تھا۔ آج تک سردار نے کبھی بالا کو کسی لڑکی کی طرف اس نظر سے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، بالا ہمیشہ اپنے کام، اپنے قبیلے اور اپنے سردار کے لیے وقف رہا تھا۔ وہ ایک بے پرواہ، سخت جان، اور عورتوں سے دور رہنے والا جنگجو تھا۔ لیکن یہاں تو جیسے بالا ہوش و حواس سے ہی بیگانہ ہو چکا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو پہلے کبھی کسی کے لیے نظر نہیں آئی تھی۔ یہ ایسی چمک تھی جو کسی کی موجودگی میں کھو جانے کا پتا دیتی تھی۔

سردار کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز، ہلکی سی مسکراہٹ لائی، ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کے چہرے پر شاذ و نادر ہی آتی تھی۔ یہ ایک سردار کی مسکراہٹ تھی جو اپنے ساتھی کی بدلتی ہوئی تقدیر کو محسوس کر رہا ہو۔ وہ اپنے سب سے وفادار ساتھی میں ایک نئی اور انوکھی تبدیلی محسوس کر رہا تھا، ایک ایسی تبدیلی جس کا اسے گمان بھی نہ تھا۔ اس نے سر ہلایا اور دوبارہ دعام کے ہاتھ پر

اپنا ہاتھ رکھ دیا، مگر اس کا دھیان ابھی بھی بالائی طرف تھا، وہ اس نئے منظر کو اپنے ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔

○○○○○○

رات کی خاموشی چھائی ہوئی تھی جس میں صرف سڑک سے آتی گاڑیوں کی مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ انسپیکٹر اکرم اپنے کمرے میں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر ایک چالاک اور فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جو اس کی اندرونی کامیابی کی عکاسی کر رہی تھی۔ اس کا موبائل فون اس کے سامنے پڑا تھا اور مسلسل رباب کی کالز سے چمک رہا تھا۔ اسکرین پر رباب کا نام بار بار ابھرتا اور غائب ہوتا رہا، فون کی رنگ ٹون کمرے میں گونجتی رہی، لیکن اس نے ایک بھی کال نہیں اٹھائی۔ اس کے ماتھے پر کوئی پریشانی کی لکیر نہیں تھی، بلکہ ایک اطمینان کا تاثر تھا جیسے وہ کسی کو اپنی مرضی پر نچتا دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔

کچھ دیر بعد رباب کا ایک لمبا پیغام آیا، جس میں پریشانی، الجھن، التجائیں اور اضطراب صاف جھلک رہا تھا۔ اکرم نے پیغام پڑھا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی جیسے اسے رباب کی یہ حالت دیکھ کر مزہ آرہا ہو۔ اس نے طنزیہ انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔

اس نے حقارت سے فون ایک طرف پھینکا، جیسے کوئی بے کار، استعمال شدہ چیز ہو۔ وہ اٹھا اور بستر پر لیٹتے ہوئے ایک لمبی، مطمئن سانس لی۔ اس اچھے خاصے پرسکون اور فاتحانہ ماحول کو وہ ہرگز بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ دعام کو اپنی باتوں میں الجھا کر اور سردار کے خلاف شک کا بیج بو کر وہ آج بے حد سکون محسوس کر رہا تھا، اسے اپنی چال کی کامیابی پر بے پناہ فخر تھا۔ بے شک اس کا گال اب بھی دعام کے تھپڑ سے جل رہا تھا، لیکن یہ درد اس کی جیت کی نشانی تھا، ایک یاد دہانی کہ اس نے اپنے شکار پر کتنا گہرا اور کیا تھا۔ فی الحال وہ اپنی اس فاتحانہ خوشی سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا اور رباب سے بات کرنے کی تو کوئی تک ہی نہیں بنتی تھی، اب اس کا کام ہو چکا تھا اور رباب کے پاس اسے دینے کے لیے کوئی فائدہ نہیں بچا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں، اپنے اگلے وار کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک شیطانی اور مکارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ شطرنج کی بازی جیت رہا ہو۔

○○○○○○

ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں کچھ دیر مزید خاموشی اور بے چینی چھائی رہی۔ ہر کوئی بے صبری سے آپریشن کے مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر اچانک، لمبی انتظار کے بعد آپریشن تھپڑ کا دروازہ کھلا اور ایک سینئر ڈاکٹر باہر آیا۔ اس کے چہرے پر تھوڑی راحت اور مسرت کے آثار

تھے۔ اس نے سردار کی طرف دیکھا، جو فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ڈاکٹر نے سر جھکا کر سردار کو تعظیم سے سلام کیا۔

"سرکار..."

ڈاکٹر نے کہنا شروع کیا، اس کی آواز میں احترام تھا۔

"جمرو... جمرو خطرے سے باہر ہے! آپریشن کامیاب رہا، گولی نکال لی گئی ہے!"

یہ سنتے ہی ہسپتال کے وارڈ میں موجود تمام ڈاکٹروں کے چہروں پر ایک دم خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کی آنکھوں میں ایک چمک سی آگئی، جیسے وہ کسی معجزے کے گواہ بنے ہوں۔ کچھ نے فوراً ایک دوسرے کو دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کا تبادلہ کیا، ان کے چہروں پر چھائی پریشانی اب اطمینان میں بدل چکی تھی۔ یہ ان کے لیے بہت بڑی خبر تھی۔

"مریض کو ہوش میں آنے میں تقریباً پانچ سے چھ گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ ہم نے اسے مکمل طور پر محفوظ کر لیا ہے، اور اس کی حالت اب مستحکم ہے۔"

ڈاکٹر کے الفاظ جیسے سب کے لیے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھے۔ ڈاکٹروں میں ہلچل پیدا ہوئی، ان کی آپس میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں، خوشی کے اظہار کا ایک نیما حول بن گیا۔ سردار کے چہرے

پر بھی ایک ہلکی سی تبدیلی آئی، جو صرف بہت گہری نظروں سے ہی دیکھی جاسکتی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے کونے ہلکے سے اوپر کی طرف مڑے، جو اس کے اندرونی اطمینان کی گہری نشانی تھی۔

"بہت اچھے۔"

سردار نے صرف اتنا کہا، لیکن اس کے لہجے میں ایک ایسا گہرا اطمینان تھا جو اس کی کامیابی اور اپنے ساتھی کی زندگی بچ جانے پر شکر گزاری کو ظاہر کر رہا تھا۔

○○○○○○○○

تقریباً ساڑھے چار گھنٹے میں ہی جمرو کو ہوش آگیا تھا اور یہ بات سب کے لیے ہی بہت خوشی کا سبب بنی تھی

وہ سب لوگ تیزی سے جمرو سے ملنے کے لیے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

جمرو نے کمزوری سے آنکھیں کھولیں، اس کا چہرہ پیلا تھا مگر اس پر ایک اطمینان اور اپنے لوگوں کو دیکھنے کی خوشی تھی۔

"سردار... جمرو نے دھیرے سے کہا، اس کی آواز کی رکی تھی، ابھی بھی نقاہت تھی۔

سردار اس کے بیڈ کے قریب آیا، اس کی آنکھوں میں اپنے وفادار ساتھی اور چھوٹے بھائی کے لیے گہری محبت اور فخر جھلک رہا تھا۔ اس نے جھک کر جمرو کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، جیسے اسے یہ یقین دلایا ہو کہ وہ اب محفوظ ہے۔

"آؤ میرے شیر! تم نے ثابت کر دیا کہ تم صرف میرا بازو نہیں، تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو۔ تم میرا بیٹا ہے۔"

سردار کے لہجے میں ایسی گہرائی اور جذباتی رقت تھی کہ کمرے میں موجود سب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ جمرو کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اس کا دل سردار کے ان الفاظ پر بھر آیا تھا۔

"سردار ٹھیک کہہ رہا ہے!" بالا آگے بڑھا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"اٹھ یار جمرو! تجھے اس بستر پر دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ ہمارا شیر ایسے کمزور نہیں پڑتا۔

جلدی سے ٹھیک ہو کر ہمارے ساتھ کھڑا ہو، تجھے ابھی بہت سارے طوفانوں کا سامنا کرنا ہے۔"

بالا کے الفاظ میں جوش، اپنائیت اور حقیقی بھائی چارہ تھا، اس نے جمرو کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔



جمر نے مشکل سے مسکرانے کی کوشش کی، اس کی آنکھوں سے تشکر اور محبت کے آنسو بہہ رہے تھے۔

سردار میں نے۔۔۔ ساتھ ہونے۔۔۔ کا حق ادا۔۔۔ کیا کہ نہیں۔۔۔ اس کے لب کپکپا رہے تھے

"تو صرف میرا ساتھی نہیں، میرا بھائی نہیں، جمر۔۔۔" تو میرا بیٹا ہے۔ میری جان ہے۔ میں نے تمہیں بڑے ہوتے دیکھا ہے۔

تو میرا فخر ہے۔ اور میرا فخر کبھی ہار نہیں مانتا۔"

جمر نے مشکل سے اپنا ہاتھ اٹھایا اور سردار کے مضبوط ہاتھ کو تھام لیا، جیسے ان الفاظ کو اپنی روح میں اتار رہا ہو۔ اس نے سردار کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں اپنے لیے بے پناہ محبت محسوس کی۔

دعایاں جواب تک خاموشی سے جمر کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے، اس کے چہرے پر گہری فکر مندی تھی۔ اس نے بھی جمر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، اس کی موجودگی ہی جمر کے لیے حوصلے کا باعث تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ سردار اور اس کے ڈاکوؤں کے درمیان یہ رشتہ کتنا گہرا اور مضبوط ہے۔

ابھی سردار، بالا اور دعام سمیت باقی ڈاکو جمرے کے کمرے میں موجود تھے اور اس کی خیریت پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور وہی جوان ڈاکٹر کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک میڈیکل چارٹ تھا اور وہ جمرے کی حالت دیکھنے آئی تھی۔ اس کے داخل ہوتے ہی کمرے میں موجود بالا کے اندر ایک عجیب سی ہلچل ہوئی۔ بالا کی نگاہیں ایک دفعہ پھر سے اس پر جم گئیں، اس کی آنکھوں میں وہی پرانی کشش اور حیرت لوٹ آئی تھی۔ وہ اس کی طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی نئی دنیا ہو، یا کوئی ایسا منظر جو اس نے پہلے کبھی اپنی زندگی میں نہ دیکھا ہو۔ اس کے سخت چہرے پر ایک عجیب سی معصومیت اور بے خودی چھا گئی تھی۔

ڈاکٹر بھی بالا کی ان شدید اور گہری نگاہوں کو خود پر محسوس کر کے ذرا سی حیران ہوئی، اس کے گالوں پر ایک ہلکی سی سرخی دوڑ گئی، لیکن اس نے خود کو فوراً سنبھالا اور پیشہ ورانہ انداز میں جمرے کے بیڈ کی طرف بڑھی۔ اس نے اپنے دھیان کو جمرے کے چارٹ پر مرکوز کیا۔ یقیناً اسے اس ڈاکو کا یہ براہ راست اور بے باک انداز پسند نہیں آیا ہو گا، وہ ایک سادہ سی لڑکی تھی، لیکن بالا کی نظروں میں چھپی شدت اور کشش اسے محسوس ہو رہی تھی۔

بالا تو جیسے اسے دیکھے بغیر رہ ہی نہیں پارہا تھا، وہ خود کو روکنے میں مکمل طور پر ناکام تھا۔ اس کی نظریں ڈاکٹر کے ہر حرکت کا پیچھا کر رہی تھیں، اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر تھا جسے صرف وہی سمجھ سکتا تھا، ایک خاموش اعتراف جسے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے اپنے زخمی کاندھے پر ہاتھ رکھا، جیسے درد اسے اس نئے احساس سے جوڑ رہا ہو۔

بالا کے چہرے پر چھائی بے خودی اور اس کی ڈاکٹر پر جمی نگاہوں کو دیکھتے ہوئے، سردار کے چہرے پر ایک ہلکی، پر اسرار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بالا کس عالم میں ہے، اور اسے اپنے ساتھی کا یہ نیاروپ کافی دلچسپ لگا تھا۔ وہ خاموشی سے، کسی شکاری کی مانند، بالا کے پیچھے آیا۔

اچانک ہی، سردار نے اپنا بھاری ہاتھ بالا کے زخمی کاندھے پر رکھا اور اسے اتنے زور سے دبایا کہ بالا کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید تکلیف کے ساتھ ایک لمحے کو غصہ بھی آیا، لیکن جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سردار کے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ اور اس کی گہری، معنی خیز نگاہوں کو پا کر وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سردار کی شرارت تھی۔

"کیا ہوا بالا؟"

سردار نے ایک معصومانہ انداز میں پوچھا، اس کے لہجے میں فکر سے زیادہ طنز تھا۔

"تو ٹھیک تو ہے؟ درد ہو رہا ہے کیا؟"

بالا نے کراہتے ہوئے سردار کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں شکایت کر رہی تھیں۔ سردار نے اس کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے، اس کی طرف سے رخ موڑ کر ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

"ڈاکٹر پلیز!"

"میرے دوست کو چیک کریں، اس کے کندھے پر گہری چوٹ لگی ہے۔ اسے تکلیف ہو رہی ہے۔"

سردار نے جان بوجھ کر ڈاکٹر کا دھیان پھر سے بالا کی طرف کر دیا تھا، اس کی نگاہوں میں شرارت اور ایک عجیب سی چمک تھی۔

ڈاکٹر، جو پہلے سے ہی سردار کی موجودگی سے مرعوب تھی اور اس کے رعب میں تھی، ایک نظر اپنے سینئر ڈاکٹر کو دیکھا جو کچھ فاصلے پر کھڑا ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا، اور پھر ہاں میں سر ہلاتی ہوئی واپس بالا کے پاس آئی۔ اس کی نظریں بالا کے کندھے پر پڑیں جہاں سردار کے دباؤ سے

اس کے زخم سے ایک بار پھر تازہ خون رسنے لگا تھا۔ ڈاکٹر نے بنا کوئی لفظ کہے، خاموشی سے اپنا سامان اٹھایا اور پھر سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی مرہم پٹی کرنے لگی۔

جبکہ بالا، اس درد اور سردار کی شرارت کو بھول کر، ایک دفعہ پھر سے انہی عجیب اور بے خود نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی حیرت، کشش اور ایک نامعلوم خواہش جھلک رہی تھی جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے لیے وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔

○○○○○○○

ہسپتال کے راہداریوں میں جمرو کی حالت بہتر ہونے کے بعد اب کچھ سکون تھا۔ سردار ہوشیار تھا، اسے اپنے آدمیوں کی لا پرواہی کبھی پسند نہیں تھی۔

اس نے اپنے ڈاکوؤں کو دیکھا، پھر اس کی نظر بالا پر پڑی جو جمرو کے کمرے سے باہر آیا تھا وہ بار بار اس جو نیئر ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو نیئر ڈاکٹر کچھ فاصلے پر اپنے کام میں مصروف تھی۔ بالا کے چہرے پر ایک عجیب سی کشش اور تجسس تھا۔

سردار آہستہ سے اٹھا اور خاموشی سے بالا کی طرف بڑھا۔ بالا اپنی دھن میں تھا، اسے سردار کی آمد کا پتہ نہ چلا۔ سردار نے بالا کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر پلٹا۔

اس کے چہرے پر فوراً گہراہٹ اور شرمندگی چھا گئی۔

"یہ کیا چل رہا ہے بالا؟" نگاہیں نہیں ہٹ رہی اس سے۔۔۔ "سردار نے دھیمے مگر گہرے لہجے میں پوچھا، اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ سردار کی نگاہیں بھی اس جو نیئر ڈاکٹر کی طرف گئیں۔ بالا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"نہیں... نہیں سردار... ایسا... ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے..." بالانے ہکلاتے ہوئے کہا، اس کی نظریں سردار کے چہرے سے ہٹ کر زمین پر جم گئیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ سردار نے بالا کی حالت بھانپ لی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، لیکن آنکھوں میں گہرائی تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہے تو پھر اس ڈاکٹر سے نگاہیں ہٹ کیوں نہیں رہی تیری؟"

سردار نے بالا کے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

"میں نے سب کچھ نوٹ کر لیا ہے۔ اس کی ہر حرکت، ہر بات تیری نظر میں ہے۔ کیا بات ہے اس میں جو تجھے اتنا متاثر کر رہی ہے؟" سردار جیسے معاملے کی گہرائی تک پہنچ چکا تھا۔

بالا کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

"سردار... میں... میں بس ایسے ہی... دیکھ رہا تھا..." بالانے گھبرا کر جواب دیا، اس میں سردار سے جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور ویسے بھی وہ اس کی ہر بات بن کہے سمجھ جاتا تھا۔

سردار ایک لمحے کے لیے خاموش رہا، پھر آہستہ سے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو بالا کو بے چین کر رہی تھی۔

"دیکھ بالا، سردار نے لہجے میں سختی لائی۔

"وہ لڑکی گھبرا رہی ہے، اسے اس طرح مت دیکھ۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو ہم بعد میں اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔ تو فکر مت کر، میں ہوں نا۔" وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

تو بالانے فوراً سر جھکا دیا۔

"سردار! آئندہ ایسا نہیں ہوگا،" بس نگاہیں بار بار بھٹک کر اس کی طرف جا رہی تھی لیکن اب نہیں ہوگا ایسا۔۔۔۔۔" اس نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کی۔

سردار نے بالا کے کندھے سے ہاتھ ہٹایا۔ وہ جانتا تھا کہ بالا اس کی بات سمجھ گیا ہے۔ سردار نے ایک بار پھر جو نیئر ڈاکٹر کی طرف دیکھا، پھر بالا کی طرف۔ بالا بھی اب سردار کے ساتھ کھڑا ہو کر اپنی نظریں ہسپتال کے داخلی دروازے پر جما چکا تھا، جیسے اپنی توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔

oooooooo

جمرو کا کمرہ پر سکون تھا، دعام اس کے بستر کے پاس بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر جمرو کے ٹھیک ہونے کی خوشی اور اطمینان تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی، اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔ وہ اب کافی پر سکون محسوس کر رہی تھی۔

جمرو کے چہرے پر کمزوری کے آثار تھے۔ اس نے دعام کو اپنے قریب بیٹھا دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ ٹھیک ہیں نا جمرو بھیا؟"

دعام نے نرمی سے پوچھا، اس کی آواز میں اپنائیت تھی۔ جمرو نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"ہاں بہنا... اب کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں..." اس کی آواز مدہم تھی، لیکن اس میں طاقت تھی۔



دعام نے ایک گھر اسانس لیا۔ اس نے جمرو کا ہاتھ ہلکے سے پکڑا۔

"آپ کو پتا ہے جمرو بھیا؟ یہ سارے ڈاکو خود ہی ڈاکٹر بن گئے تھے،" دعام نے منہ بسورتے ہوئے بتایا جیسے اب بھی اس بات کا غصہ ہو۔

"اتنی مشکل سے میں آپ کو ان 'نقلی' ڈاکٹروں سے نکال کر یہاں اصلی ہسپتال لے کر آئی ہوں۔"

جمرو دعام کی بات سن کر مسکرا دیا۔  
"ہاں، مجھے بالانے بتایا... تم بہت بہادر ہو،"

جمرو نے احترام سے دعام کی طرف دیکھا۔

دعام کے چہرے پر فخر آیا۔

"اللہ اگر شیر دل نہ ہوتا تو میں تو گھوڑے سے ہی گر جاتی! مجھے تو گھڑ سواری بھی نہیں آتی، لیکن اس نے سب کچھ سنبھال لیا۔" دعام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ آپ کو اپنی گردن پر اٹھا کر لایا ہے، میں اس کی پیٹھ پر سوار تھی اور آپ اس کی گردن پر۔ وہ بہت بہادر ہے۔ اور میں بھی، میں نے کسی کو آپ کے پاس بھٹکنے بھی نہیں دیا جب وہ اتنے بڑے بڑے اوزار نکال رہے تھے آپ کی گولی نکالنے کے لیے۔ میں خوب لڑی کسی کی نہیں سنی وہی کیا جو ٹھیک تھا، اگر وہ لوگ آپ کا آپریشن کرتے کوئی غلطی ہو جاتی تو اتنے سیریس آپریشن میں تو ڈاکٹر گھبرا گئے تھے وہ اسے تفصیل بتا رہی تھی۔

جمر نے چونک کر دعام کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"تم سچ میں بہت بہادر ہو دعام،" جمر نے آہستہ سے دہرایا۔ دعام نے سر ہلایا۔

"ہاں! اور شیر دل بھی بہت اچھا ہے نا؟" دعام کے چہرے پر معصومیت اور خوشی تھی۔

جمر نے دعام کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"ہاں وہ سردار کا گھوڑا ہے، وہ اچھا کیوں نہیں ہو گا! لیکن میں اپنی بہن کی تعریف کروں گا۔"

"میری بہنا بہت بہادر ہے،"

جمر نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں دعام کے لیے سچی محبت تھی۔

ہاں بہادر تو میں بہت ہوں وہ اتر کر بولی

"اور بہت ضدی بھی... ہے نا؟" جمرو شرا ت سے بولا۔ دعام کھکھلائی۔

"ہاں! جو میرا دل چاہے وہ کر کے رہتی ہوں! آپ کو ٹھیک کروانا تھا تو ہسپتال لے آئی! بھلا اس میں کیا بری بات تھی؟"

دعام نے معصومیت سے سوال کیا، جیسے اسے واقعی سمجھ نہ آ رہا ہو کہ ڈاکوؤں کے ہسپتال آنے میں کیا غلط تھا۔ جمرو نے دعام کی معصومیت کو دیکھا اور اس کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوا۔ دعام کے اندر اب بھی اکرم کی باتوں کا اثر تھا، لیکن جمرو کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے وہ ان خیالات سے تھوڑی دیر کے لیے آزاد ہو رہی تھی۔

oooooooo

جمرو کے کمرے میں دعام کی ہنسی گونج رہی تھی جب سردار اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا، جمرو کی حالت بہتر ہونے کی خبر نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ اس کی نظریں سب سے پہلے دعام پر پڑیں مجو جمرو سے بات کر کے ہنس رہی تھی۔ سردار کو یہی لگا تھا کہ دعام جمرو کی

پریشانی کی وجہ سے خاموش تھی، اور اب جب جمر وٹھیک ہو گیا ہے تو اس کا سوہنا مکھڑا بھی خوش ہو گیا ہے۔

سردار دھیرے سے جمر وٹھیک کے بستر کے قریب آیا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جمر وٹھیک کی طرف دیکھا۔

"کیسا ہے اب تو؟" سردار نے جمر وٹھیک سے پوچھا، اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

جمر وٹھیک نے سردار کو دیکھ کر مسکراتے کی کوشش کی۔

"بہتر ہوں سردار....." جمر وٹھیک نے بمشکل کہا۔

"درد تو نہیں ہو رہا؟" سردار نے جمر وٹھیک کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔

"اس درد سے نہیں مرتا میں سردار، ٹھیک ہوں میں۔" اس کے الفاظ میں وفاداری تھی۔

سردار نے پھر دعام کی طرف دیکھا، جواب مسکراتے ہی تھی اور اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

اسے دعام کا یہ پرسکون چہرہ دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔ اس نے دعام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور

اسے ہلکا سا دبایا۔

"میرا سوہنا مکھڑا بھی خوش ہو گیا ہے اب،"

سردار نے دعام کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

ہاں جمر و بھیا ٹھیک ہیں تو میں خوش ہوں، پر سکون سی بولی تو سردار دل سے مسکرایا تھا

"میں نے کہا تھا نا جمر و ٹھیک ہو جائے گا۔" جب تک سردار زندہ ہے جمر و بالا اور میرے سوہنے

مکھڑے پر کوئی انچ نہیں آسکتی۔ اب اس سوہنے مکھڑے پر پریشانی نہ دیکھوں میں وہ نرمی سے

اس کا گال کھینچتے ہوئے بولا

دعام نے سردار کی بات پر ہلکا سا سر ہلایا، اس کے ہونٹوں پر ایک دھندلی سی مسکراہٹ تھی، جو

اس کی اندرونی الجھن کو چھپا رہی تھی۔ وہ سردار کو اپنی اصل پریشانی بتانا نہیں چاہتی تھی۔ اس

نے سردار کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ اس کی موجودگی اسے سکون دے رہی تھی۔

جبکہ سردار نے جمر و سے کچھ اور باتیں شروع کر دیں۔

○○○○○○○○

کچھ دیر جمر و کے پاس گزارنے کے بعد، سردار نے فیصلہ کیا کہ انہیں زیادہ دیر ہسپتال میں رکنا

نہیں چاہیے۔ انہیں یہاں خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ بالا

اور چند دوسرے ڈاکو بھی تھے۔ سردار کی نظریں ہسپتال کے ماحول پر تھیں، اسے یہاں کی ہر چیز ناپسند تھی۔

سردار سیدھا ڈاکٹروں کے خاص کمرے کی طرف بڑھا جہاں سینئر ڈاکٹر اور چند دوسرے ڈاکٹر موجود تھے۔ ان سب کے چہروں پر ابھی بھی سردار کا خوف نمایاں تھا۔ سردار کی آمد پر وہ سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔

"جمرو کو ڈسچارج کرنا ہے،" سردار نے بغیر کسی تمہید کے براہ راست بات کی۔ اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا، لیکن اتنا فیصلہ کن تھا کہ کوئی اسے رد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

سینئر ڈاکٹر کا چہرہ پریشانی سے سفید پڑ گیا۔

"سردار... لیکن... لیکن یہ ممکن نہیں!" ڈاکٹر نے ہکلاتے ہوئے کہا، اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔

"اس کا زخم بہت تازہ ہے، گولی لگی ہے، اور ابھی ابھی آپریشن ہوا ہے۔ اسے مزید نگرانی کی ضرورت ہے۔ اسے ہسپتال سے چھٹی نہیں مل سکتی۔ یہ اس کی جان کے لیے خطرہ ہو سکتا ہے۔"

سردار کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا۔ اس نے ڈاکٹر کی بات پوری توجہ سے سنی، لیکن اس کے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا، جس سے ڈاکٹر مزید پریشان ہو گئے۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ خطرناک ہے،"

سردار کی آواز دھیمی ہوئی، لیکن اس میں سختی بڑھ گئی۔

"لیکن یہاں رہنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ہم یہاں ہسپتال میں مزید نہیں رک سکتے۔ یہاں ہر طرف آنکھیں ہیں، اور ہمیں خطرہ ہے۔" مجھے اس ہسپتال سے خطرے کی بو آرہی ہے میں تم لوگوں پر بھی یقین نہیں کر سکتا

ڈاکٹروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہیں سردار کا خوف محسوس ہو رہا تھا، لیکن وہ اپنے مریض کی جان کے لیے بھی فکر مند تھے۔

"سردار... ہم مریض کی صحت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے،" ایک اور ڈاکٹر نے ہمت کر کے کہا۔

"اگر اسے کوئی انفیکشن ہو گیا یا زخم خراب ہو گیا، تو اس کی جان جاسکتی ہے۔"

سردار نے ایک لمحے کے لیے اپنی گہری نظروں سے ڈاکٹروں کو گھورا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو اس کے غصے کی نشانی تھی۔

"دیکھو،" سردار نے اپنی آواز کو مزید سخت کر لیا۔

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں، لیکن میں اپنے اصول جانتا ہوں۔ میرے لیے میرے آدمی کی جان سب سے اہم ہے۔ اور اس کی جان کو یہاں سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ تمہیں اسے ڈسچارج کرنا ہو گا۔ تمہیں وہ سب کچھ کرنا ہو گا جو اسے محفوظ طریقے سے یہاں سے لے جانے کے لیے ضروری ہے۔"

سردار کا لہجہ اب دھمکی آمیز ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے ایک ڈاکو کو اشارہ کیا، جس نے فوراً اپنی بندوق ڈاکٹروں کی طرف کر لی۔ ڈاکٹروں کے چہرے خوف سے زرد پڑ گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ سردار اب کسی کی بات سننے والا نہیں ہے۔ ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ سردار کا حکم مانیں۔

"سردار... ٹھیک ہے... ہم تیاریاں کرتے ہیں،"

سینئر ڈاکٹر نے سر جھکاتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں بے بسی تھی۔



"لیکن آپ کو احتیاط کرنی ہوگی۔"

سردار نے ایک طنزیہ مسکراہٹ دی، اس کے ہونٹوں کے کونے ہلکے سے اوپر مڑے۔

"احتیاط کرنا ہم جانتے ہیں۔ تم بس اپنا کام کرو۔"

ڈاکٹروں نے سر ہلایا اور جمرو کو ڈسچارج کرنے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ سردار نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ اطمینان تھا۔

○○○○○○○○

جمرو کے ساتھ کافی دیر ہنسی مذاق اور باتیں کرنے کے بعد، بالا آخر کار جمرو کے کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر جمرو کی صحت یابی کی خوشی تھی، لیکن جیسے ہی اس نے راہداری میں قدم رکھا، اس کی نظریں بے اختیار ایک دفعہ پھر سے اسی جونیئر ڈاکٹر پر جا پڑیں۔ وہ جونیئر ڈاکٹر اب بھی ہسپتال کے کاؤنٹر کے قریب کھڑی کچھ فائلیں دیکھ رہی تھی۔

بالا کی نگاہیں ایک دفعہ پھر سے جیسے اس کے چہرے سے بندھ گئیں۔ وہ اسے دیکھتے ہی رہ گیا۔ اس لڑکی میں کچھ عجیب سی کشش تھی، کچھ ایسا جو بالانے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کے

قد و قامت، اس کے کام کرنے کا انداز، یہ سب کچھ بالا کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا، اس کے ذہن میں صرف اسی کا خیال تھا۔

وہ کچھ دیروہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا، اس کے دل میں ایک عجیب سی ہلچل ہو رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ایک طرف اس کے دل میں اس جو نیئر ڈاکٹر کو مزید دیکھنے کی خواہش تھی، تو دوسری طرف اسے سردار کے الفاظ یاد آ گئے تھے۔ "تم اسے خوفزدہ کر رہے ہو، وہ ڈر رہی ہے۔" وہ اسے خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا نہ ہی اسے ڈرانا چاہتا تھا۔

بالا نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی نظریں ہٹانے کی کوشش کی، لیکن وہ کر نہیں پایا۔ اس کی آنکھیں بار بار اسی جو نیئر ڈاکٹر کی طرف جا رہی تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے مجھے؟" بالا نے دھیمے سے خود کلامی کی، اس کے چہرے پر حیرانی تھی۔ اسے اپنی اس حالت پر خود غصہ آ رہا تھا۔ وہ کیوں اس لڑکی کے بارے میں اتنا سوچ رہا تھا؟

بالا نے اپنا سر ہلایا، جیسے اپنے خیالات کو جھٹکنا چاہتا ہو۔ یہ کشش اب اسے غصہ چڑھا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی عام ہسپتال کی لڑکی کے لیے اتنا بے چین ہو۔ اس نے اپنے آپ کو قابو

کرنے کی کوشش کی، اس نے اپنے ہاتھ مٹھیوں میں بھینچ لیے۔ اس کے اندر ایک کشمکش جاری تھی

ایک ڈاکو کا سخت مزاج اور ایک نئی، نامعلوم کشش، وہ چاہنے کے باوجود بھی اس سے نظریں ہٹا نہیں پارہا تھا۔

وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا، اس کی نظریں اب سامنے کی دیوار پر جمی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ خیال اس کے ذہن سے نکل جائے، لیکن اس جو نیئر ڈاکٹر کا چہرہ، اس کی آواز، اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ محض ایک نظر کا معاملہ نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی کشش تھی جو اس کی سوچوں پر غالب آرہی تھی۔ بالا کے لیے یہ ایک غیر متوقع اور پریشان کن تجربہ تھا، جو اسے اپنی روزمرہ کی زندگی سے بالکل مختلف محسوس ہو رہا تھا۔

oooooooo

رات گہری ہو چکی تھی، اور گاؤں کی خاموشی رباب کی بے چین روح پر مزید بھاری پڑ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی، ہاتھ میں موبائل فون تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، اسے اکرم سے بات کرنی تھی۔ مسلسل اکرم کی طرف سے نظر انداز کیے جانے کے بعد اس کی

پریشانی بڑھ چکی تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور ایک بار پھر اکرم کو کال ملائی۔ اس بار فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو... اکرم؟"

رباب کی آواز میں امید اور بے چینی دونوں تھیں۔

دوسری طرف سے اکرم کی آواز سنائی دی، جو حد سے زیادہ خشک اور سرسری تھی۔

"ہاں، بولو رباب۔ کیا بات ہے؟"

اکرم کا لہجہ سن کر رباب کا دل ڈوب سا گیا۔ اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"اکرم... آپ نے میرا فون کیوں نہیں اٹھایا؟ میں کتنی پریشان تھی... مجھے آپ کی بہت فکر ہو رہی تھی۔"

رباب نے اپنی آواز میں محبت اور دکھ لانے کی کوشش کی۔

"مجھے کام تھا رباب،"

اکرم نے فوراً بات کاٹی، اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"مجھے کام سے فرصت نہیں ملی۔"

رباب کو اکرم کے رویے سے شدید دکھ ہوا۔ اسے لگا وہ اس کے جذبات کی کوئی پرواہ نہیں کر رہا۔ اور وہ اس کے جذبات کی پرواہ کیوں کرتا کون سا ان دونوں کی لومیرج تھی۔ ایک زبردستی کا سودا ہی تو تھا۔ اس نے ہمت کر کے اپنی بات کہی۔

"اکرم... میں... میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ آپ ہی میری زندگی ہیں۔"

رباب نے اپنی آواز میں لرزش لاتے ہوئے کہا، جیسے اسے یقین ہو کہ اس کے یہ الفاظ اکرم کو پگھلا دیں گے۔

لیکن اکرم پر اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے لہجے میں مزید سرد مہری آگئی۔

"رباب، میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

اکرم نے سیدھے اور دو ٹوک انداز میں کہا۔

رباب کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اکرم اس کے محبت بھرے الفاظ کو ایسے رد کر دے گا۔

"لیکن اکرم... میں تو..."

رباب ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی۔

"دیکھو رباب، میری بات سنو۔ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ میں ایک سرکاری بندہ ہوں، میرے کام میں کسی طرح کی غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ تم بار بار فون کر کے صرف میرا اور اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔ میں امید کرتا ہوں تم دوبارہ مجھے فون نہیں کرو گی۔"

بس اتنا ہی کہہ کر اکرم نے اس کا فون کاٹ دیا۔

فون کی گھنٹی بند ہونے کی آواز رباب کے کانوں میں گونج گئی۔ اس کا دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ وہ فون کو بے جان ہاتھوں میں پکڑے، ساکت بیٹھی رہی۔ اس کے آنسو گالوں پر بہنے لگے، اسے لگا جیسے دنیا میں کوئی اس کا درد سمجھنے والا نہیں ہے۔ اکرم کی بے رخی نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس شخص سے وہ اتنی محبت کرتی ہے، وہ اسے اس قدر سرسری انداز میں ٹال دے۔ رباب مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی، اس کی محبت کا اظہار رد کر دیا گیا تھا۔

oooooooo

رباب فون کٹنے کے بعد ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی، پھر اس کا غصہ آسمان پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے موبائل فون کو زور سے دیوار پر دے مارا۔ فون ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے بستر سے اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، اور آنکھوں میں سرد پن چھایا ہوا تھا۔ اسے اکرم کا رویہ قبول نہیں ہو رہا تھا۔

اسی لمحے سمیرا، جو غالباً رباب کی سسکیوں کی آواز سن کر آئی تھی، دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ اس کے چہرے پر فکر مندی تھی۔

"رباب! کیا ہوا تمہیں؟"

سمیرا نے قریب آتے ہوئے پوچھا، اس کی آواز میں تشویش تھی۔

رباب نے سمیرا کو دیکھا تو اس کا غصہ مزید بھڑک اٹھا۔ اسے لگا جیسے سمیرا اس کا مذاق اڑانے آئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے لیکن لہجے میں آگ۔

"میرا مذاق اڑانے آئی ہونا؟"

رباب نے چیختے ہوئے کہا۔

"بہی سوچ رہی ہوگی کہ تمہاری بات سچ ہوگی! کہ اکرم مجھے چھوڑ دے گا! ایسا نہیں ہو گا سمیرا!  
میں اسے حاصل کر کے رہوں گی! وہ میرا ہے، صرف میرا!"

رباب کا جنون بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے بال نوچنے لگی، اس کی سانسیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔  
سمیرا اس کی حالت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسے اس پر ترس آرہا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ رباب  
کس حال سے گزر رہی ہے۔ سمیرا نے آہستہ سے رباب کے پاس آکر اس کے کندھے پر ہاتھ  
رکھنا چاہا، لیکن رباب نے اسے جھٹک دیا۔

"مت چھو مجھے! تم سب یہی چاہتے ہو کہ میں برباد ہو جاؤں!"

رباب نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر کہا، اس کا چہرہ آنسوؤں اور غصے سے لال ہو چکا تھا۔

"لیکن میں تمہیں یہ نہیں کرنے دوں گی! اکرم کو کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا!" خود اکرم بھی  
نہیں۔

سمیرا کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اس نے دیکھا کہ رباب کس حد تک پاگل ہو رہی تھی۔ اسے رباب  
کی حالت پر واقعی ترس آرہا تھا، خاص کر یہ دیکھ کر کہ وہ اپنی محبت میں اس قدر جنونی ہو چکی تھی  
کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔



اکرم نے رباب کے ساتھ اچھا نہیں کیا، جس طرح وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا، اس کا رباب پر بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔ سمیرا اب بھی خاموشی سے رباب کو دیکھتی رہی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے سنبھالے۔ رباب کے پاگل پن میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

oooooooo

ہسپتال سے ڈسچارج کروا کر وہ لوگ واپس اپنے قبیلے کی طرف جا رہے تھے۔ جمرو کو ایک آرام دہ گاڑی میں لٹا دیا گیا تھا، اور دعام بھی اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سردار اور بالا ایک اور گاڑی میں ساتھ بیٹھے تھے۔ سردار کے چہرے پر اطمینان تھا، کیونکہ وہ جمرو کو بحفاظت نکال لایا تھا۔ ماحول قدرے پرسکون ہو چکا تھا۔

سردار نے ایک نظر بالا پر ڈالی، جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، لیکن اس کے چہرے پر ابھی بھی کچھ سوچوں کے سائے تھے۔ سردار نے محسوس کیا کہ بالا کی نظریں کہیں اور تھیں، اور وہ جانتا تھا کہ بالا کس کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ سردار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ بالا کے کندھے پر رکھا۔

"جا کر بھابھی کا نام تو پوچھ کر آ جاتا؟"

سردار نے شرارت سے کہا، اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی ہنسی تھی۔

بالا چونک کر سردار کی طرف پلٹا۔ اس کا چہرہ فوراً سرخ ہو گیا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سردار نے اس کی سوچوں کو بھانپ لیا ہے۔ وہ ہکلا یا۔

"سردار... میں... میں...۔۔۔ کس بھابھی کی بات کر رہا ہے تو؟" بالانے شرمندگی چھپانے کی کوشش کی۔ جبکہ سردار نے بالا کی حالت کا مزہ لیا۔

"اب کیا میں اسے ڈاکٹر بھابھی کہہ کر تیرے چہرے پر سرخیاں دیکھوں گا؟" سردار نے آنکھ دباتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں وہی شرارت تھی۔

تو تو دن رات عورتوں پر نظر رکھتا ہے تجھے تو پتہ ہے ہی نہیں ہو گا کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہا ہوں چل کوئی نہ تجھے تفصیل سے بتاتا ہوں "وہ جو ہسپتال میں تھی، جو انٹرن تھی۔ جس کے بیچ پر ڈاکٹر ملک لکھا تھا جس سے تو نگاہیں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔"

بالا کا چہرہ مزید لال ہو گیا۔ اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں، اسے سردار کے سامنے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ وہ شرم مانے والا ہرگز نہیں تھا

"سردار... ایسا... ایسا کچھ بھی نہیں ہے،"

بالا نے دبی آواز میں کہا۔ سردار نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھنے میں کیا حرج ہے میرے بالا؟" اب ڈاکٹر بھابھی یا ملک بھابھی کہتے ہوئے مجھے مزہ نہیں ائے گا

سردار نے شرارتی انداز میں کہا، اس کی ہنسی گاڑی میں گونج رہی تھی۔

"لیکن ذرا احتیاط سے... یہ شہر کی لڑکیاں ہوتی ہی تیز ہیں... سیدھا دل میں گھر کر جاتی ہیں اور پھر پوچھتی بھی نہیں۔ اب دیکھنا اس لڑکی سے تیری نظریں ہی ہٹ نہیں رہی تھیں اور وہ کتنے نخرے دکھا رہی ہے۔"

بالا نے سردار کی بات پر کوئی جواب نہیں دیا۔

یار اب ڈاکٹر ملک ڈاکٹر ملک کہتے ہوئے تو مجھے بھی مزہ نہیں ائے گا جانو کے پیچھے کچھ تو لگنا چاہیے نا میں نام پوچھ کے آتا وہ اچانک سے کہتا گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا جس پر سرکار کا بے باک قہقہہ بلند ہوا

oooooooo

جمرو کو بحفاظت لے کر قبیلے کی طرف واپسی کا سفر جاری تھا، اور سب لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو رہے تھے۔ دعام جو جمرو کے ساتھ والی گاڑی میں بیٹھی تھی، اس نے دیکھا کہ بالا بھیا گاڑی سے اتر کر دوبارہ ہسپتال کی طرف جا رہے ہیں۔ اسے عجیب لگا کہ عین وقت پر بالا واپس کیوں گیا۔

دعام نے گاڑی کے اندر سے سردار کو آواز دی۔ جو خود بھی گاڑی سے باہر نکل کر اب اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"یہ کیا چکر ہے ڈاکو جی؟" کچھ اندر بھول کر آگئے ہیں کیا۔ دعام نے حیرانی سے پوچھا۔

"بالا بھیا واپس اندر کیوں گئے؟ ہم تو سب لوگ واپس قبیلے میں جا رہے تھے۔"

سردار، دعام کے قریب آتا، دعام کی بات سن کر ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے چہرے پر ایک شرارت تھی۔

"تمہاری دیورانی کا نام پتہ معلوم کرنے گیا ہے وہ۔" سردار نے ہلکا سا مسکرا کر آنکھ دباتے ہوئے شرارت سے کہا، اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

دعام کا تو منہ ہی کھل گیا۔ وہ حیرت سے سردار کو گھورنے لگی۔

# اردو ناولز کلیکشن

Website

<https://urdunovelscollection.com/>

Whatsapp Channel

<https://www.whatsapp.com/channel/0029VaEcPFVChq6Ho15o1EQQ>

Youtube Channel

<https://www.youtube.com/@urdunovelscollection1>

Facebook Page

<https://www.facebook.com/profile.php?id=61565379262101>

Tiktok

<https://www.tiktok.com/@urdu.novels1>

اس جیسے اور اچھے ناولز پڑھنے کے لئے سامنے  
دیے گئے لنکس پے کلک کر کے ہماری ویب سائٹ  
یا واٹس ایپ چینل جوائن کر لیں

ناولز کے شارٹس ویڈیو سٹیٹس آپ ہمارے

**Youtube , Facebook , Tiktok**

پروفائلز سے حاصل کر سکتے ہیں

"دیورانی؟" دعام نے بمشکل اپنے الفاظ نکالے، اس کی آواز میں مکمل حیرت تھی۔

"کون سی دیورانی؟ سردار نے دعام کی معصومیت پر دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

"ارے میرا بھولا سائیں!"

سردار نے دعام کے گال پر پیار سے تھپکی دی۔

"وہی جو ہسپتال میں جو نیئر ڈاکٹر تھی، جسے بالاکل رات بھر گھورتا رہا ہے۔ اب اسی کا نام پتہ لینے گیا ہے۔"

دعام کی آنکھوں میں ایک شرارت سی آگئی۔ اسے یاد آیا کہ کیسے بالا ہسپتال میں ایک ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔ اسے سردار کی باتوں پر ہنسی بھی آئی۔ جب کہ جس طرح وہ اس کے گالوں پر اپنی انگلیوں کا لمس بھی کھیل رہا تھا وہ خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہو گئی

"ڈاکو جی! آپ بھی نا!" دعام نے ہلکے سے گال پر ہاتھ پھیرا، اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

سردار نے دعام کو قریب کیا۔

"کیا ہو امیرے سوہنے مکھڑے کو؟ کیوں شرمائی؟ یہ تو اچھی بات ہے، بالا بھی خوش رہے گا۔" اسے بھی کوئی پیار کرنے والی مل جائے گی میری طرح۔ پھر وہ بھی سارا سارا دن کمرے سے نہیں نکلا کرے گا میری طرح، اب کی دفعہ اس نے آنکھ دبائی

دعام نے سردار کو گھورا، پھر مسکرا دی۔

جس پر اگلے ہی لمحے سردار بے قابو ہوتا اس کے سرخ گال پر اپنے نقاب سے ڈھکے لب رکھ گیا، اسے سردار کا یہ شوخ انداز بہت پسند تھا۔

اس نے پیچھے جبرو کی طرف اشارہ کیا۔ سردار نے ہلکا سا اس کی طرف دیکھا۔

"میں سو رہا ہوں، میرے کان بند ہیں۔"

اسٹرپیچر پر لیٹے جبرو نے اونچی آواز میں کہا تھا۔ جس پر سردار ہلکا سا قہقہہ لگاتا اپنی گاڑی کی طرف

چلا گیا جبکہ دعام بھی شرمندہ ہو گئی۔ سردار کے دل میں اگرچہ ابھی بھی دعام کی خاموشی کی

اصل وجہ کا ایک نامعلوم خدشہ تھا، لیکن اس وقت وہ دعام کو خوش دیکھ کر مطمئن تھا۔ اس کی

"دیورانی" والی بات نے ماحول کو کچھ دیر کے لیے ہلکا پھلکا بنا دیا تھا۔

oooooooo

جونیر ڈاکٹر اس وقت ہسپتال کے ایک خالی راہداری میں بالکل تنہا تھی، اس کے ہاتھ میں فائلز تھیں۔ وہ رات بھر کی ڈاکوؤں کی دہشت گردی اور ہسپتال کے ماحول سے بہت اکتا چکی تھی۔ اس کا موڈ پہلے ہی خراب تھا۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہ رہی تھی کہ اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہی ڈاکو اس کے سامنے کھڑا تھا۔

چہرہ ڈھکا ہوا تھا اور بالا کی آنکھوں میں وہی کشش تھی، وہی تجسس جو اس نے پہلے محسوس کیا تھا۔ وہ سیدھا اس کی طرف بڑھا، اس کی آنکھوں میں ایک واضح چاہت تھی۔

اس کا غصہ آسمان پر پہنچ گیا۔ اسے بالا کا پیچھا کرنا اور گھورنا بالکل برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کے ملے جلے تاثرات تھے، وہ اپنی چھوٹی سی ناک پھلاتی، غصے سے بالا کو گھورنے لگی۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟"

اس نے تیز اور بلند آواز میں کہا، اس کی آنکھوں میں آگ تھی۔



"میں جہاں جاتی ہوں آپ پیچھے پیچھے آ جاتے ہیں! مجھے گھورے جارہے ہیں! دیکھیں آپ ہوں گے ڈاکو شاکو، لیکن ماں بہنیں تو آپ کی بھی ہوں گی نا! اس طرح سے کیسے گھور رہے ہیں مجھے؟" بلا ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا، اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنا تیز رد عمل دے گی۔ اس کے کپڑے میں چھپے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی، وہ فوراً غائب ہو گئی۔ وہ مزید بولتی چلی گئی۔

"مجھے مزید برداشت نہیں ہو رہی آپ کی بے باکیاں! کیا بد تمیزی ہے یہ!" وہ غصے سے بولی، اس کی آواز میں لرزش تھی۔

بلا اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ اسے اس کا یہ بے باک انداز بھی اچھا لگ رہا تھا، اس کا غصہ بھی اسے دلکش لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی سوال تھا کہ آخر اس لڑکی میں ایسا کیا ہے جو اسے اتنا متاثر کر رہا ہے۔ اس کی خوبصورتی اس وقت بھی اپنی پوری آب و تاب پر تھی۔ اس کا صاف رنگ، ذہانت سے بھری چمکدار آنکھیں، اور پر اعتماد انداز بلا کے دل میں ایک خاص جگہ بنا رہا تھا۔ اس کے لمبے، کالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، اور اس کے چہرے پر غصے کے باوجود ایک ایسی کشش تھی جو بلا کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ بلا بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا، اسے محسوس

ہوا کہ وہ یوں ہی اس پر فدا نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے یہ ایک ایسا نیا تجربہ تھا جو اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اہم لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر بیلا ملک آپ کو اندر سر بلار ہے ہیں پیچھے سے اچانک کسی نے کہا تھا جب کہ اس کے قریب ڈاکو کو کھڑے دیکھ وہ فوراً ڈر کر غائب ہو گیا جبکہ وہ ایک نظر اسے دیکھتی تیزی سے اس طرف چلی گئی تھی جہاں کوئی اسے بلار ہا تھا

ڈاکٹر بیلا ملک۔۔۔۔۔ "بالا نے اس کا نام دہرایا تھا۔

نہیں بلکہ، بیلا بالا اور۔۔۔۔۔ "ارے واہ نام بھی ملتا جلتا ہے۔ لگتا ہے زندگی بھی ملتے جلتے کٹ ہی جائے گی وہ ایک انگریز لیتا واپس باہر کی طرف نکل گیا تھا۔

oooooooo

سردار اور بالا، قبیلے کی طرف واپسی کے سفر پر اپنی گاڑی میں سوار تھے، ہسپتال کا قصہ تمام ہو چکا تھا۔

اور جمرہ کی صحت کی فکر سے ان کے سینے قدرے ہلکے ہوئے تھے۔

باہر ویران پہاڑی راستے تیزی سے گزر رہے تھے، شام کی سرخی افق پر پھیل رہی تھی۔

بالا کھڑکی سے باہر تک رہا تھا، اس کی نگاہوں میں ایک نئی، عجیب سی چمک تھی۔

ایک انوکھا تجسس جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کے چہرے پر چھائی انہماک کی کیفیت سردار کی تیز نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی، وہ جانتا تھا کہ بالا کس کے خیالوں میں گم ہے۔

اچانک ہی بالانے سردار کی طرف پلٹ کر دیکھنے لگا، اس کے انداز میں ایک عجیب سی ملکیت اور فخر جھلک رہا تھا، جیسے اس نے کوئی بہت اہم معلومات حاصل کر لی ہو۔

سردار خاموشی سے اسے نوٹ کر رہا تھا گاڑی میں آتے ہی وہ گاڑی میں بیٹھتا سر سیٹ کے ساتھ ٹکا کر آنکھیں موند گیا تھا سردار نے دو تین دفعہ اسے دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔ اس کی حالت اسے لطف اندوز کر رہی تھی۔

"سردار، اس نے آنکھیں بند کرتے اسے پکارا تو

سردار نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، ہاں، شروع ہو جا۔ میں سن رہا ہوں، سردار نے پرسکون انداز میں کہا

"بیلانا م ہے اس کا۔ بیلانے عمر بائیس سال ہے۔ اور ابھی ہوم جاب شروع ہوئی ہے اس کی۔"

سردار نے اپنا ایک ابرو اٹھایا۔

"بیلا؟ بیلا بھابی؟" اس کی آواز میں شرارت چھپی تھی۔

"ویسے سردار میں کیا سوچ رہا تھا کہ یہ بہت اچھا موقع ہے۔ ہمارے قبیلے میں کوئی اصلی ڈاکٹر تو ہے ہی نہیں۔ کب تک ہم ان جڑی بوٹیوں اور ڈگری کے بغیر ڈاکٹروں کے سہارے بیٹھے رہیں گے؟، ہماری مائیں، بہنیں، بچے، ساتھی بیمار ہوتے ہیں تو کتنا مشکل ہوتا ہے انہیں علاج کے لیے باہر لے جانا۔ یہ ایک اصلی ڈاکٹر ہے، قبیلے کے لیے کتنی فائدے مند ہوگی۔ کیا کہتے ہو؟" بالانے اپنی دلیل کو بھرپور انداز میں پیش کیا۔

سردار نے ایک دلچسپ، مسکراتی نگاہ بالا پر ڈالی، اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں چھیڑنے والی چمک تھی۔

"ارے واہ واہ! کای بات ہے بالا، آج تو تجھے قبیلے والوں کی صحت کا بڑا ہی احساس ہو رہا ہے۔ یہ جو اچانک پیارا مڈ آیا ہے قبیلے کے لیے، یہ کوئی عام بات تو نہیں ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تیرے اس 'احساس' کی کوئی اور ہی کہانی ہے۔ کیا نام لیا تھا تو نے؟ بیلا؟"

معذرت۔۔۔۔۔ "بیلا بھابی؟ سردار نے اس کے نام پر زور دیتے ہوئے کہا۔

ہاں ویسے سچ میں اصلی ڈاکٹر کی کمی تو مجھے بھی محسوس ہوتی ہے۔ قبیلے میں سچ مچ میں کوئی ایسی ڈاکٹر نہیں ہے۔

بہن بنا کر لے آتے ہیں اسے۔ وہ شرارت سے بھرپور لہجے میں بولا تو بالابے اختیار زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا،

تمہاری تو بہن ہی بنا کر لاؤں گا۔۔۔۔۔" ویسے صرف قبیلے والوں کا احساس نہیں ہے مجھے دعام کا بھی احساس ہے یا اسے بھی ایک دیورانی چاہیے نا۔ اب دیر نہیں کرنی چاہیے کیا خیال ہے پھر۔۔۔۔۔"

ہاں خیال تو بڑے نیک ہیں تیرے، بس نیت ٹھیک نہیں لگ رہی۔

سردار قسم لے لو مجھے بڑا ہے احساس ہے صرف اپنا نہیں سوچ رہا میں یا اب کیا کروں سردار؟ "میرے اپنے لوگ ہیں یہ! اگر میں ہی ان کا خیال نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا؟ اور پھر میری ایک ہی تو ایک بہن ہے اس کا خیال بھی مجھے ہی کرنا ہے۔"

میرا کیا ہے اج نہیں توکل تو میری شادی ہو ہی جائے گی کسی نہ کسی کے ساتھ تو تم مجھے باندھ ہی دو گے۔ لیکن قبیلے والوں کا کیا ان کا بھی تو کچھ نہ کچھ احساس کرنا ہے نا آخر میرا فرض ہے تمہارے نکلے ہونے کے بعد اس قبیلے کی سرداری مجھے سنبھالنی ہے،

اور جب مجھے سرداری ملے گی تو دشمن بھی بہت ہوں گے دشمن بہت ہوں گے تو حملے بھی بہت ہوں گے اور پھر حملے بہت ہوں گے تو زخم بھی بہت ہوں گے اور زخم بہت ہوں گے تو پھر مرہم لگانے والی کوئی تو ہونی چاہیے نا

"بس، سردار، فائنل ہو گیا یہ ڈاکٹر۔ یہ تو اب اپنے قبیلے میں ہی آئے گی۔ میں نے سوچ لیا ہے، یہ میرا فیصلہ ہے اور میں اسے بدلنے والا نہیں۔ اب تم بس یہ بتاؤ کہ اسے قبیلے تک لانا کیسے ہے؟ بس تمہارا حکم چاہیے سردار!"

بالا نے پختہ لہجے میں کہا، اس کی نگاہوں میں ایک پختہ ارادہ تھا۔ سردار نے اس کی بات سن کر ایک لمبا قہقہہ لگایا،

جس پر بالا نے بھی تھوڑا کھجل ہو کر خوب ساتھ دیا تھا

پوری ڈاکٹر تو بن لینے دے پھر قبیلے والوں کا علاج کرے گی نا۔ تھوڑا صبر کر اہستہ اہستہ بات اگے بڑھائیں گے وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تو بالانے ذرا سا اسے گھورا تھا پھر مسکرا کر سیٹ کی پشت سے سرواپس ٹکا گیا

oooooooo

قبیلے میں جمرو کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جمرو کو گاڑی سے اتار کر قبیلے کے بچوں بچ لایا گیا، جہاں قبیلے کے تمام ڈاکو جوش و خروش سے جمع تھے، ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

وہ جمرو کو سلامت اور زندہ دیکھ کر خوش ہو گئے، اور خوشی میں ایک ساتھ کلاشنکوفوں سے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ کلاشنکوفوں سے نکلتی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے پوری فضا گونج اٹھی،

ہر طرف ایک گونج تھی، جیسے جشن کا سماں ہو، اور پہاڑیاں بھی اس شور سے لرزاٹھیں۔ دھواں اور بارود کی تیز بو پورے ماحول میں پھیل گئی، اور ہر طرف ایک دھند سی چھا گئی۔ دعام، جو سردار کے بالکل قریب کھڑی تھی، ان گولیوں کی اچانک اور خوفناک آواز سے بری طرح چونک گئی۔

اس کے نازک چہرے پر خوف کی ایک واضح لہر دوڑ گئی، اور وہ بے اختیار سردار کے مضبوط بازو سے چپک گئی، اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ اس کے ہاتھوں میں ایک لرزش تھی۔  
دعام کا معصوم چہرہ خوفزدہ دیکھ کر سردار کے اندر غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔

یہ ایک ایسا غصہ تھا جو اس نے شاید ہی کبھی اپنے آدمیوں پر نکالا ہو۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، رگیں تن گئیں۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا طاقتور ہاتھ فضا میں بلند کیا، اس کی انگلی کا اشارہ ہی کافی تھا۔ اس کی آواز بادل کی طرح گونجی، جس میں غصے اور وارننگ کا واضح امتزاج تھا۔  
"بس کرو یہ فضول فائرنگ! یہ کوئی کھیل ہے کیا جو یہاں بے مقصد گولیوں کی بوچھاڑ کر رہے ہو؟  
تم لوگوں کی عقل گھاس چرنے گئی ہے کیا؟"

اس کی گرجدار آواز میں اتنی طاقت تھی کہ سارے ڈاکو ساکت ہو گئے،  
گولیوں کی آواز ایک دم بند ہو گئی اور ہر طرف مکمل، خوفناک خاموشی چھا گئی۔ کسی کو سمجھ نہیں آیا کہ سردار اس قدر غصے میں کیوں ہے،



سردار نے دعام کو اپنے بازو میں لیا، اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ پھیرا، اسے اپنے قریب کر کے تسلی دی۔ اس کی نگاہیں ایک ایک ڈاکو پر جمیں، اس کی آنکھوں میں سختی اور ایک غیر معمولی چمک تھی جو اس کے غصے کی عکاسی کر رہی تھی۔

"آج کے بعد اگر کسی نے میری دعام کو ذرا بھی پریشان کیا، یا اس کی آنکھ میں ایک بھی آنسو دیکھا، تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کان کھول کر سن لو سب!"

اس کی آواز میں دعام کے لیے ایک گہری، جذباتی ملکیت اور لازوال محبت کا اظہار تھا۔

"تم سب ڈاکو ہو، یہ میرا حکم ہے اور یہ آخری حکم ہے! میرے لیے اس دنیا میں اس لڑکی سے زیادہ قیمتی کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ میرے قبیلے کے لوگوں کی حفاظت میرا فرض ہے، میں ان کے لیے لڑتا ہوں، لیکن اس کی ایک بھی پریشانی میری برداشت سے باہر ہے۔ یہ میری جان ہے، میرا سکون ہے، اور میں اپنی جان کو کبھی پریشان نہیں دیکھ سکتا۔"

سردار کے الفاظ نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ سب کو فوراً احساس ہو گیا کہ سردار کے لیے دعام کی اہمیت کیا ہے، وہ اس لڑکی کے لیے کس حد تک جاسکتا ہے۔

اس کی محبت، اس کا تحفظ، اس کی آنکھوں میں صاف نظر آ رہا تھا۔ تمام ڈاکوؤں نے سر جھکا لیا، انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا، اور وہ سمجھ گئے کہ سردار کا غصہ اس بار کتنا شدید تھا اور اس کی دھمکی کتنی حقیقی تھی۔ جرم بھی لیٹے لیٹے یہ سب دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا کہ اس کی بہن کو سردار کتنا چاہتا ہے۔

oooooooo

گھر میں، رباب اپنے کمرے میں بستر پر اوندھی پڑی تھی، اس کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں اور چہرہ پیلا پڑ چکا تھا۔ اس نے کئی گھنٹوں سے کچھ کھایا پیانہ نہیں تھا۔ اس کی ماں، بے چینی سے اس کے قریب بیٹھی تھی، ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا گلاس لیے اسے زبردستی کھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید پریشانی اور بے بسی تھی۔

"میری بیٹی، میری لاڈو! یہ تو خود کو ختم کر دے گی اس طرح۔" ماں نے روتے ہوئے کہا، اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"کچھ تو کھالے میری جان، کب سے بھوکی ہے؟ دیکھ تیری حالت کیا ہو گئی ہے؟ یہ تو مر جائے گی اس طرح!"

رباب نے ایک جھٹکے سے ماں کا ہاتھ ہٹایا، اس کی آنکھوں میں ضد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا! کوئی کچھ نہیں کھلائے گا مجھے! جب تک وہ خود، میرے پاس نہیں آئیں گے، میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔"

اس نے اپنی خشک آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔ "میں اسے لے کر رہوں گی ماں! وہ میرا ہے! صرف میرا! وہ کسی اور کا ہو ہی نہیں سکتا! میرا حق ہے اس پر!" کالی نظر لگی ہے مجھے اور کچھ نہیں اسے دروازے کے باہر کھڑی سمیرا کو دیکھ کر غصے سے کہا تھا

"کیا پاگل ہو گئی ہے رباب؟" ماں نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی، اس کے کندھے پکڑ کر ہلایا۔

"یہ کیا ضد ہے؟ اگر م جیسے سنگدل شخص کے پیچھے خود کو ختم کر دے گی؟ اس نے تو صاف انکار کر دیا ہے، میری بیٹی! اس نے تجھے دھتکار دیا ہے ایسے شخص کے لیے اپنی جان کیوں دے رہی ہے؟ جو تجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، تیری محبت کی قدر نہیں کرتا؟"

ماں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی

آج بابا نے نہ جانے کیا سوچ کر اکرم کو فون کیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے جس پر اکرم نے کہہ دیا کہ فی الحال وہ رخصتی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا اسے بہت کام ہے۔ ایک ہفتے کے بعد ہونے والی رخصتی کو وہ انے والے وقت پر ٹال چکا تھا جبکہ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کبھی رخصتی لے گا ہی نہیں

"اس نے انکار نہیں کیا! وہ میرا ہے! وہ میرا ہو کر رہے گا! میں اسے حاصل کر کے رہوں گی! دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس سے دور نہیں کر سکتی!"

بابا نے چیختے ہوئے کہا، اس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"میں یہیں رہوں گی، بھو کی پیاسی، جب تک وہ خود میرے پاس نہیں آئے گا۔ میں اسے ثابت کر کے رہوں گی کہ میری محبت کتنی سچی ہے! اور اسے بھی احساس ہو گا کہ میں اس کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہوں!"

پھر وہ بستر پر کروٹ لے کر دوسری طرف منہ کر لیا، اپنی چادر کھینچ کر سر تک ڈھانپ لی، جیسے مزید کوئی بات سننا نہ چاہتی ہو۔ اس کی ضد اور پاگل پن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اماں بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اپنی بیٹی کو اس ذہنی افیت اور محبت

کے پاگل پن سے کیسے نکالے۔ رباب کا یہ حال دیکھ کر اسے اکرم پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ اس نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی برباد کر دی۔

oooooooo

قبیلے میں جمرو کا بہت زیادہ خیال رکھا جا رہا تھا۔ وہ سردار کا ایک اہم اور وفادار آدمی تھا، اس لیے اس کی صحت قبیلے کے لیے بہت اہم تھی۔

اس کے زخم ابھی تازہ تھے، اس لیے اس کے بستر کے گرد ہمیشہ کوئی نہ کوئی ڈاکو موجود ہوتا تھا جو اس کی دیکھ بھال کرتا، اسے پانی پلاتا، اور اس کے احکامات بجالاتا۔ اس کے زخموں پر دن رات بہترین جڑی بوٹیاں اور قبیلے کا ہر ممکن علاج فراہم کیا جا رہا تھا،

جسے سردار نے خاص طور پر ذاتی نگرانی میں رکھا تھا۔ سردار نے تاکید کر رکھی تھی کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی قسم کی کمی نہ آئے۔ ہر ڈاکو جمرو کی خدمت کے لیے تیار رہتا، بلکہ اپنی جان بھی دینے کو تیار رہا۔

دوسری طرف، وہ تینوں غدار جنہوں نے جمرو کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی اور قبیلے کی روایات توڑی تھیں، اب اپنے اپنے پہاڑی گھروں میں قید ہو چکے تھے۔ سردار نے ان کو ان کے

کیے کی سخت اور عبرت ناک سزا دی تھی جو قبیلے کے سخت اصولوں کے عین مطابق تھی۔۔۔  
سردار نے اپنے سخت فیصلوں سے ثابت کر دیا تھا کہ غداری کی کوئی معافی نہیں، اور قبیلے کے  
خلاف کسی بھی سازش کا انجام یہی ہو گا۔ یہ سزا قبیلے میں سب کے لیے ایک عبرت تھی، تاکہ  
کوئی بھی سردار کی وفاداری اور نظم و ضبط کے خلاف جانے کی جرات نہ کرے۔ قبیلہ ایک بار پھر  
سردار کے مضبوط کنٹرول میں آچکا تھا۔

○○○○○○○○

دعام کی سوچیں بے چین ہو چکی تھیں اور اس کے دل میں ایک طوفان برپا تھا۔ یہ کمرہ ہر  
آسائش سے سجا تھا، نفیس ریشمی پردے، نرم قالین، قیمتی فرنیچر اور ایک آرام دہ بستر، لیکن دعام  
کا دماغ کہیں اور تھا۔ اسے اکرم کی وہ باتیں یاد آرہی تھیں جو اس نے اس قبیلے کے بارے میں  
بتائی تھیں،

ہر لفظ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا، ایک زہر کی طرح اس کے اندر پھیل رہا تھا۔

"یہ قبیلے کے لوگ برے ہیں، دعام، یہ صرف قتل و غارت کرتے ہیں، معصوموں کا خون بہاتے  
ہیں۔ ان کا وجود انسانیت کے لیے خطرہ ہے۔ تم کہاں پھنس گئی ہو دعام!" اکرم نے یہ بھی بتایا تھا

کہ یہاں سالوں سے یہی سب کچھ چل رہا ہے، 40 سال سے یہ لوگ انسانیت کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

مگر اس کے بعد اکرم کے الفاظ بدل گئے تھے، اس نے ایک امید کی کرن دکھائی تھی۔ اس نے کہا تھا: "لیکن انسانیت کا دشمن سردار نہیں ہے، بلکہ اسے بنایا گیا ہے۔ یہ پرانے بزرگوں نے، اپنی حکومت کے لیے، نئی نسل کو تباہ کیا ہے،

انہیں اس دلدل میں دھکیل دیا ہے، اور اب یہ لوگ ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ وہ معصوم ہیں۔" اکرم نے اسے یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اس کی مدد کرے تو وہ نئی نسل کو اس دلدل سے بچا سکتی ہے۔

"تم سردار پر اثر انداز ہو سکتی ہو، دعام، وہ تم سے محبت کرتا ہے، وہ تمہاری بات مانے گا۔ تم یہ سب روک سکتی ہو۔"

دعام اپنی ہی سوچوں میں گم تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ سردار کی محبت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی، وہ اس کے ساتھ محفوظ محسوس کرتی تھی، اس کے ساتھ رہنے میں اسے سکون ملتا تھا، مگر اکرم کی باتیں اسے اندر سے کھوکھلا کر رہی تھیں،

اس پر شک کا بیج بور ہی تھیں۔ کیا وہ واقعی اتنے سالوں سے ایک غلط راستے پر ہے؟ کیا یہ قبیلہ واقعی اتنا برا ہے جیسا اکرم نے بتایا؟ اس کے دل میں سوالات کا ہجوم تھا جو اسے بے چین کیے ہوئے تھا۔ وہ اسی کشمکش میں تھی، جب دروازہ کھلا اور سردار کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی موجودگی نے دعام کو اپنی سوچوں سے باہر نکال دیا۔

oooooooo

سردار کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نگاہیں سیدھی دعام پر پڑیں۔ وہ اسے اپنی سوچوں میں گم پایا، اس کے خوبصورت چہرے پر اضطراب کے بادل چھائے ہوئے تھے، اور اس کی آنکھوں میں ایک ان کہی پریشانی تھی۔ سردار کا وجود ہی کمرے میں ایک خاص توازن لے آیا، جیسے اس کی موجودگی سے ہر چیز پر سکون ہو جائے۔

اس نے دھیرے سے دروازہ بند کیا، اور اس کے مضبوط قدموں کی چاپ دعام کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کرتی ہوئی اس کے قریب پہنچی۔ دعام نے اس کی موجودگی محسوس کی تو چونک کر سر اٹھایا۔



اس کی گہری، محبت بھری نگاہیں سردار سے ملیں تو وہ شرم و حیا سے سمٹ سمٹ کر رہ گئی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا، اور اس کے نازک گال سرخ ہو گئے۔

سردار نے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں گہرائی سے دیکھا، اس کی نگاہوں میں محبت، تحفظ اور ایک گہری خواہش تھی۔ اس نے دعام کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور نرمی سے اس کا نازک رخسار تھاما۔ سردار کے لمس سے دعام کے پورے وجود میں ایک سنسناہٹ دوڑ گئی، اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اور ایک عجیب سا سکون اس کے رگ و پے میں پھیل گیا۔ وہ اس کی قربت میں مکمل طور پر کھو گئی، دنیا و مافیاء سے بے خبر۔ سردار دھیرے سے اس کے قریب جھکا، اس کی سانسیں دعام کے چہرے پر محسوس ہوئیں، اس کی خوشبو دعام کی سانسوں میں بس گئی، اور پھر اس کے لبوں کا گرم لمس دعام کے گلابی لبوں سے ملا۔ یہ لمحہ وقت کو تھما گیا تھا، جہاں دنیا کے تمام دکھ اور الجھنیں، اکرم کی باتیں، سب کچھ پس پشت چلی گئی تھیں۔ سردار کی محبت اس کے ہر انداز سے عیاں تھی، اس کی آنکھوں کی چمک، اس کے ہونٹوں کی نرمی، اس کے مضبوط بازوؤں کی قربت، سب کچھ دعام کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ دعام اس محبت میں پوری طرح ڈوب چکی تھی،

دلدار نے بے اختیار دعام کو اپنے مضبوط حصار میں کھینچ لیا، جیسے یہ لمحہ کبھی ختم نہ ہو، اور وہ ہمیشہ اس کی پناہ میں رہے۔ اس کے کانوں میں سردار کی تیز دھڑکن سنائی دے رہی تھی، اور وہ اس کے بازوؤں میں محفوظ اور پرسکون محسوس کر رہی تھی، جہاں دنیا کی کوئی فکر اسے چھو نہیں سکتی تھی۔ یہ

oooooooo

کچھ دیر اسی طرح محبت اور قربت میں گزرنے کے بعد، جب دونوں ایک دوسرے کی قربت میں پرسکون ہو چکے تھے، سردار نے دعام کو اپنے سینے پر لٹایا ہوا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ دعام کے کالے، لمبے بالوں میں تھا اور وہ انہیں پیار سے سہلا رہا تھا۔

دعام اب بھی کچھ سوچوں میں گم تھی، اس کی خاموشی سردار کو محسوس ہو رہی تھی۔ سردار کو اس کی بے چینی کا اندازہ ہو رہا تھا، حالانکہ وہ کچھ کہہ نہیں رہی تھی۔

"میرا سوہنا مکھڑا، تم اتنی خاموش خاموش کیوں ہو؟" اب تو تمہارا جمر و بھیا بھی واپس آگیا

سردار نے دھیمے اور محبت بھرے لہجے میں پوچھا، اس کی آواز میں دعام کے لیے گہری فکر مندی تھی۔

"جب سے ہسپتال سے واپس آئے ہیں، تمہارے چہرے پر ایک اداسی چھائی ہوئی ہے۔ کیا بات ہے؟ کچھ پریشان ہو؟ مجھے بتاؤ نا، میرا دل پریشان ہو رہا ہے تمہیں اس طرح دیکھ کر۔"

دعام نے سردار کے سینے سے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں ہلکا سا اضطراب تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور سردار کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کچھ نہیں ڈاکو جی۔ بس جمر و بھیا کی پریشانی تھی، اسی وجہ سے تھوڑی دیر چپ ہو گئی تھی۔ ان کی چوٹ دیکھ کر مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ اب تو وہ ٹھیک ہیں نا؟ انہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

اس نے فوراً اکرم کی باتوں کا ذکر نہیں کیا، وہ ابھی اس پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کا دماغ ان سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ کیا اسے اکرم کی بات مان لینی چاہیے، کیا وہ واقعی اس قبیلے کے لیے کچھ کر سکتی ہے، یا یہ سب اکرم کا ایک اور فریب ہے؟

اکرم اعتبار کے لائق نہیں تھا اگر وہ اس کی بہن کے ساتھ نکاح کر کے اسے اس طرح چھوڑ سکتا تھا تو وہ اس پر اعتبار کیسے کرتی۔

سردار کے اتنے قریب ہونے اور اس کی بے پناہ محبت کے باوجود اس کے اندر ایک عجیب سی کشمکش جاری تھی، ایک ایسا راز جو وہ فی الحال سردار سے چھپانا چاہتی تھی۔ سردار نے اس کی بات پر سر ہلایا، اس کے بالوں پر پیار کیا۔

"ہاں، ہاں، وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ تم فکر مت کرو۔"

لیکن اس کی گہری آنکھوں میں سوال ابھی بھی باقی تھے۔ اسے دعام کی بات پر مکمل یقین نہیں آیا تھا، لیکن اس نے مزید اصرار نہیں کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وقت آنے پر دعام خود ہی اسے سب بتا دے گی۔

oooooooo

کچھ دیر بعد، جب سردار کو اپنے کچھ ضروری کام یاد آئے تو وہ دعام کو آرام کرنے کا کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ دعام بھی بعد میں وہاں سے نیچے آئی۔ اس نے سوچا کہ وہ جمرو کے پاس جائے گی اور اس کی خیریت دریافت کرے گی، لیکن اسے یاد آیا کہ جمرو اور باقی ڈاکو ایک ہی بڑے کمرے میں رہتے ہیں، جو ڈاکوؤں کا مشترکہ رہنے کا ٹھکانہ تھا۔ یہ ہال نما کمرہ ہمیشہ ڈاکوؤں کے شور، قہقہوں اور بات چیت سے بھرا رہتا تھا۔

نہ جانے کیوں بالا اور جمر و دونوں ہی اس سے اس کمرے میں نہیں جانے دیتے تھے۔

اس طرح بناتائے دعام کا دل وہاں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا، اس وقت بھی اس کمرے سے شور کی آواز آرہی تھی یقیناً وہاں بہت سارے لوگ موجود تھے اور اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ شور میں بیٹھ سکے۔ اس کے ذہن میں اکرم کی باتیں گردش کر رہی تھیں، ایک بوجھ کی طرح اس کے دل پر بیٹھی تھیں۔ اس نے اس ہال کی طرف جانے کے بجائے قبیلے کے اندر ہی بے مقصد گھومنا شروع کر دیا، اس کی نگاہیں قبیلے کے ہر گوشے کو عجیب سی، پرکھنے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

اس کے ذہن میں پھر وہی سوالات اٹھنے لگے جو اکرم نے اس کے دماغ میں گہرے بٹھا دیے تھے۔ "کون سے راز چھپے ہیں یہاں اس پرانے قبیلے میں؟ یہ لوگ اپنی حقیقت کیوں نہیں بتاتے؟" وہ اپنے دل میں سرگوشی کر رہی تھی۔

کون سے راز ہیں اس قبیلے میں جن کی بات اکرم کر رہا تھا، وہ کیا ہیں؟ آخر ایسا کیا ہے اس قبیلے میں جو اسے 'انسانیت کا دشمن' بناتا ہے؟ کیا یہاں واقعی انسانوں کے ساتھ ظلم ہوتا ہے، جیسا کہ اکرم نے بتایا تھا؟ "اس کی نظریں قبیلے کے پرانے، پتھروں سے بنی دیواروں، خاموش راستوں اور

پراسرار کونوں پر گھوم رہی تھیں۔ "کیا یہ بات سچ تھی کہ اس کے والدین کی موت کے پیچھے کہیں نہ کہیں ان ڈاکوؤں کا ہاتھ تھا؟، کیا وہ بھی اس برائی کا حصہ ہے؟"

دعام اپنی سوچوں میں گم، انہی سوالات کے بھنور میں پھنسی، آگے کی طرف نکل آئی۔ وہ قبیلے کے اندر ہی کسی پرسکون اور تنہا جگہ کی تلاش میں تھی جہاں وہ اپنی الجھی ہوئی سوچوں کو سلجھا سکے، جہاں اسے اپنے سوالوں کے جواب مل سکیں۔ اس کا دل اضطراب کا شکار تھا، اور اسے سردار کی بے پناہ محبت کے باوجود ایک عجیب سا خوف اور بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس قبیلے کے اندر گہرے، تاریک راز دفن ہیں جن سے وہ اب تک ناواقف تھی۔

oooooooo

سردار نے اپنے کچھ ضروری کام مکمل کیے اسے یقین تھا دعام اپنے کمرے میں ہر گز نہیں ہوگی بلکہ وہ جمرہ سے ملنے کے لیے جمرہ کے کمرے میں آگئی ہوگی۔

جمرہ اور بالا اسے اس کمرے میں نہیں آنے دیتے تھے کیونکہ اکثر ہی وہاں کے ڈاکو نے اندر گند مچایا ہوتا تھا تو اپنی رپٹیشن دعام کے سامنے خراب نہیں کرنا چاہتے تھے

لیکن اب حالات کچھ اور تھے وہ ویسے بھی بات کر رہی تھی کہ اسے جمرو کے پاس جانا ہے وہ فوراً جمرو کے کمرے میں آیا۔ لیکن تو دعام کو یہاں نہ پا کر اس کے چہرے پر ہلکی سی فکر مندی اور اضطراب تھا۔

"دعام کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں آئی یہاں؟

اس نے تیز اور پریشان لہجے میں بالا اور جمرو سے پوچھا، اس کے دل میں دعام کی پریشانی کا خدشہ جاگ چکا تھا۔ اسے دعام کا چپ چاپ رہنا بھی پریشان کر رہا تھا، پچھلے دو مہینوں سے جس لڑکی کو وہ جانتا تھا وہ تو ہر وقت ہستی کھیلتی شرارتیں کرتی تھی لیکن اچانک سے وہ خاموش ہو گئی تھی، "وہ تو یہاں آئی ہی نہیں سردار۔ میں تو کب سے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔" جمرو نے کہا،

بالا نے بھی سر ہلایا۔ "میں نے بھی اسے نہیں دیکھا سردار، جب سے تمہارے کے ساتھ اوپر گئی تھی، اس کے بعد وہ ادھر نہیں آئی۔ میں نے تو سوچا وہ تمہارے پاس ہی ہے۔" میں اسے دیکھ کر اتا ہوں وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

سب سے پہلے وہ اوپر کمرے میں آیا تو وہاں پر بھی وہ نہیں تھی کمرہ بالکل خالی تھا

وہ کسی مزید بات کا انتظار کیے بغیر، پریشانی اور غصے سے تیزی سے واپس قبیلے کی طرف نکل گیا۔ اس نے قبیلے میں ہر اس جگہ اسے ڈھونڈنا شروع کیا جہاں دعام کو پسندیدہ جگہ سمجھی جاتی تھی۔ چشمے کے پاس، اس بڑے برگد کے درخت کے نیچے جہاں وہ اکثر بیٹھتی تھی، قبیلے کے پرانے گودام کے قریب جہاں وہ کبھی کبھی خاموشی سے چپ کر آم کھاتی تھی، اور اونچے پہاڑی راستوں پر۔ اس نے قبیلے کا ایک ایک گوشہ چھان مارا، ایک ایک پتھر پر نظر ڈالی، لیکن وہ کہیں نہیں ملی۔ سردار کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، اسے دعام کی حفاظت کی شدید فکر لاحق ہو گئی تھی، کیونکہ یہ قبیلہ اس کے لیے ابھی پرانی جگہ نہیں تھی۔ اور وہ خود بھی تو کہتی تھی کہ وہ اکیلی کہیں نکلے گی تو ہو جائے گی اس کے چہرے پر اضطراب اور غصہ صاف نظر آرہا تھا،

oooooooo

سردار آخر کار بے پناہ پریشانی کے عالم میں مزید اونچائی کی طرف بڑھا، قبیلے سے ذرا دور، پہاڑی کے اوپر کے دشوار گزار راستوں پر۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، ہر قدم کے ساتھ اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ جب اس کی نگاہ ایک دور کے پتھر یلے کنارے پر پڑی تو اس کے دل



کو سکون ملا۔ دعام وہاں بیٹھی نظر آئی، خاموشی سے سورج کو ڈھلتے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر شام کی سرخی اور ایک گہری اداسی چھائی تھی۔ سردار نے ایک گہرا سانس لیا، اس کے اندر ایک لمحے کو غصے اور راحت کا ملا جلا احساس ابھرا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا، اس کے قدموں میں پھولوں کی نرمی نہیں، بلکہ پہاڑوں کی سختی تھی۔ اس کا کالا لباس پسینے سے بھگا ہوا تھا، جو اس کی بے تاب تلاش کی شدت اور بھاگ دوڑ بتا رہا تھا، اور اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سختی تھی، جو اس کی فکر مندی اور اس بات کا اظہار تھی کہ دعام نے اسے کتنا پریشان کیا تھا۔ وہ دعام کے بالکل قریب آکر رکھا، اس کے قدموں کی چاپ سن کر دعام چونک کر پیچھے مڑی۔ اس نے سردار کو دیکھا جو ہانپ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں شدید پریشانی تھی۔

"میرا سوہنا مکھڑا! یہ کیا کر رہی ہو تم یہاں؟ تمہیں پورے قبیلے میں ڈھونڈ کر آ رہا ہوں میں۔ میں کتنا پریشان ہو گیا تھا، تمہیں پتا بھی ہے؟"

سردار نے اسے دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا، لیکن اس میں تشویش، شکوہ اور بے چینی کی ایک گہری لہر تھی۔ اس کی آواز میں ایک ایسا درد تھا جو دعام نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

عجیب بے وقوف ہو تم سجن سائیں کم سے کم بتا کر تو اتی مجھے لگا کہیں... کہیں کچھ ہو تو نہیں گیا تمہیں؟ میرا تو دم نکل رہا تھا۔"

دعام نے حیرانگی سے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ سوال تھا۔ اسے سردار کی ایسی حالت کی توقع نہیں تھی۔

ڈاکو جی "آپ مجھ پر غصہ ہو رہے ہیں؟ میں تو بس یہاں آگئی تھی، ڈوبتے سورج کو دیکھنے کے لیے..."

اس کی آواز میں ہلکا سا خوف تھا، اور اس نے سردار کے غصے والی آنکھوں کو دیکھا، جو ابھی بھی ہلکی سی سرخ تھیں۔

جب کہ وہ اگلے ہی لمحے اس کے قریب جھکا اور دعام کو تھام کر اپنے مضبوط سینے میں چھپا لے گا۔ سردار نے دعام کو مضبوطی سے اپنے حصار میں لے لیا، جیسے اسے دنیا کی ہر آفت سے، ہر پریشانی سے بچانا چاہتا ہو۔ اس کی سانسیں تیز تھیں، اس کے دل کی دھڑکن دعام کو صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس نے دعام کے سر کو اپنے سینے پر دبایا، اس کے بالوں کو چوما۔

"غصہ نہیں ہوں، میرا جھلا سائیں

سردار کی آواز میں گہرا پیار اور راحت تھی، اس کے سارے غصے کے بادل چھٹ چکے تھے۔  
"میں غصہ کیسے ہو سکتا ہوں تم پر؟ میں تو تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ تمہیں پتا ہے  
جب میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا اور تم کہیں نہیں ملی، تو مجھے لگامیری جان نکل گئی۔ مجھے لگا کہ میں  
سب کچھ کھودوں گا۔"

اس نے دعام کے ماتھے پر بوسہ دیا،

اللہ آپ کے تو سارے کپڑے پسینے سے بھیگ گئے ہیں۔۔۔" وہ پریشانی سے اس کی حالت دیکھتے  
ہوئے بولی وہ سچ میں کوئی مجنوں ہی لگ رہا تھا۔

تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو رہا تھا یہ حال تو ہو گا ہی نا۔ چلو اب واپس چلتے ہیں۔ اور اسندہ بنا  
بتائے تو کہیں نہیں جاؤ گی۔ اس طرف کیسے آگئی تھی تم، بالا اور جبرو تو تمہیں اس طرف کبھی  
نہیں لائے وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ پھیلائے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے واپس جانے لگا تھا۔  
بس ڈوبتے سورج کو دیکھ کر آگئی، یہ پہاڑیاں زیادہ خاموش اور زیادہ پر سرار ہیں۔

ہاں کیونکہ یہاں قبرستان ہے سردار نے سرسری سے انداز میں بتایا تو وہ ایک لمحے کے لیے  
خوفزدہ ہوتی اس کے سینے سے لگی تھی وہ تو تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے سے یہاں بیٹھ کے ڈوبتے سورج

کو دیکھ رہی تھی اگر اسے اندازہ ہوتا کہ یہاں پر کوئی قبرستان ہے تو یقیناً اس طرف آنے کی غلطی وہ کبھی نہ کرتی اور نہ ہی جمرہ اور بالا کبھی اس طرف اس سے لائے تھے لیکن پھر بھی یہ جگہ بہت الگ تھی پورے قبیلے سے الگ۔۔۔۔۔"

oooooooo

"ڈاکو جی، وہاں کیا سچ مچ میں کوئی قبرستان ہے؟"

دعام نے سردار کو دیکھتے ہوئے ایک بے یقینی کی کیفیت میں پوچھا،

اس کی آواز میں ایک مدھم سی لرزش اور خوف تھا۔

سردار نے دعام کے چہرے پر چھائی حیرت اور خوف کو دیکھا، اور اس کے نازک ہاتھ کو پیار سے تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہری، اداس چمک آئی۔

"میرا بھولا سائیں، میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟ تمہارا دلدار بھلا کبھی جھوٹ بولتا ہے تم سے؟" سردار نے دھیمے، مگر گہرے لہجے میں کہا، اس کی آواز میں ایک گہرا راز اور درد چھپا تھا۔

"ہاں، سچ مچ میں وہاں قبرستان ہے، میرا سوہنا مکھڑا۔ بہت پرانا، چالیس سال پرانا قبرستان ہے۔ ہمارے سارے بڑے، ہمارے بزرگ، ہمارے رشتوں کے سارے ستون، ہمارے آباؤ اجداد وہیں پر دفن ہیں۔"

سردار کی آواز دھیمی ہو گئی، اس کی آنکھوں میں ایک پرانی یاد کی جھلک تھی۔

"میرے اماں ابا کی بھی وہیں قبر ہے۔ اسی لیے تو ہم یہ جگہ کبھی چھوڑتے نہیں، میرا سجن سائیں یہ صرف زمین نہیں، یہ ہمارے بزرگوں کی امانت ہے۔ ہماری بنیادیں اس زمین میں گڑی ہوئی ہیں۔ ہماری رو حیں اس مٹی سے جڑی ہیں۔ ہم کیسے چھوڑ دیں اسے؟"

اس نے جیسے ہی قبیلے کے نہ چھوڑنے کی اصل وجہ بتائی، دعام کے چہرے پر ایک لمحے کو حیرت اور پھر ایک عجیب سی سمجھداری کے تاثرات آئے، جیسے اس نے قبیلے کے ایک گھرے، لیکن مختلف، راز کو سمجھ لیا ہو،

جس کی بات اکرم نے کی تھی، مگر اس کا مطلب کچھ اور بتایا تھا۔

اکرم نے تو کہا تھا اس جگہ پر 40 سالوں سے قبضے کی وجہ اس جگہ کا محفوظ ہونا تھا یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس نے دعام کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اسے سردار کے الفاظ میں سچائی نظر آئی، جو اکرم کے جھوٹ کو بے نقاب کر رہی تھی۔ اس نے سردار کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

آپ سے ایک بات پوچھوں تھوڑی عجیب سی ہے۔ وہ اس کے ساتھ کمرے میں آتے ہوئے اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھی تو اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتی وہ اسے اپنے ساتھ جوڑ گیا تھا۔

تم ٹھیک غلط عجیب غریب ہر طرح کی بات مجھ سے پوچھ سکتی ہو تمہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں وہ اس کے چہرے پر نرمی سے پھونک مارتے ہوئے بولا تو اس کا دوپٹہ بالوں سے پھسل کر کندھے پر گرا تھا۔

یہ جگہ آپ کی اپنی ہے کیا آپ نے قبضہ جمایا ہوا ہے میرا مطلب ہے یہاں آپ کے اباؤ جائیداد کی قبریں ہیں تو کیا یہ زمین آپ کی اپنی ہے۔

بالکل یہ زمین ہماری اپنی ہے کہتے ہیں میرے پرداد نے جنگ کے وقت اس میں کو تقریباً 400 روپے میں لیا تھا۔ اس زمین پر میرا حق ہے۔ اس زمین کا ذرہ ذرہ میرے پرداد کی کمائی کا ہے

۔ جس پر بعد میں میرے دادا میرے باپ نے حکومت کی اور اب میری حکومت ہے اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔

ٹھیک ہے اچھی بات ہے اب مجھے نماز پڑھنی ہے وہ اسے خمار الود نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جب وہ اچانک ہی اس کی نگاہوں سے گھبرا کر اپنے واحد بہانے کی پناہ میں چلی گئی تھی سردار نے بے باک قہقہہ لگاتے ہوئے واش روم کا رخ کیا

oooooooo

"ڈاکو جی، آپ نا اوپر کی طرف مت کریے گا مونچھیں۔ بلکہ رکیں میں آپ کی مونچھوں کا ہیئر سٹائل بناؤں گی" دعام کی شرارتی اور میٹھی آواز کمرے میں گونجی، جس میں ایک نئی معصومیت تھی۔

سردار ابھی نہا کر نکلا تھا اور اپنے پر تعیش کمرے کے ایک کونے میں لگے بڑے سے آئینے کے سامنے آرکا تھا۔

اس کے بال ابھی بھی گیلے تھے اور جسم سے تازہ شاور کی خوشبو آرہی تھی، جو پورے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ دعام ایک جانب جائے نماز پر ابھی ابھی نماز ادا کر چکی تھی، اس کی نظر سردار پر پڑی تو اس کے ہونٹوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی۔

فٹافٹ اپنی نماز ختم کرتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ سردار نے اسے اپنی عجیب و غریب بات کرتے سنا تو حیرت سے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

"مونچھوں کا بھی ہیئر اسٹائل بنتا ہے کیا بھلا؟"

سردار نے دعام کی بات سن کر قہقہہ لگایا، اس کی آنکھوں میں شرارت اور ہنسی کی چمک تھی۔  
"میں نے تو کبھی سنا نہیں کہ مونچھیں بھی سجائی جاتی ہیں۔ یہ تو خود ہی سرداروں والی شان رکھتی ہیں، انہیں کسی ہیئر اسٹائل کی کیا ضرورت؟"

"پتا نہیں بنتا ہے یا نہیں، لیکن میں تو بناؤں گی، میرا سردار میری مرضی، اور آپ دیکھیں گے کہ کتنا پیارا بنے گا!"

دعام نے ہنستے ہوئے جواب دیا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے قریب آرہی تھی۔



"ایسے اوپر کی طرف مونچھیں چڑھا کر پھر آپ کو چوکیدار بننے کی ضرورت نہیں ہے، ڈاکو جی۔  
آپ تو سردار لگتے ہی نہیں اس طرح۔ یہ تو ایک عام آدمی والی مونچھیں لگتی ہیں۔ میں آپ کو ایسا  
انداز دوں گی کہ آپ اصلی سردار لگیں گے۔ ہمارے قبیلے کا سردار! کوئی مائی کا لعل آپ کی  
طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔"

وہ بالکل اس کے قریب آ کر بولی تو سردار نے فوراً ہی اس کی نازک کمر میں اپنا طاقتور ہاتھ ڈالتے  
ہوئے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنے ساتھ جوڑ لیا، اس کے ہاتھ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ  
دعام اس میں سمٹ کر رہ گئی۔ سردار کے دل کی دھڑکن دعام کو صاف سنائی دے رہی تھی۔  
"میری جان ٹوٹا، میرا سوہنا مکھڑا، جو مرضی کرو میری مونچھوں کے ساتھ، تمہاری ہر بات، تمہارا  
ہر حکم مجھے منظور ہے۔"

سردار نے اس کے سر کو اپنی گردن پر رکھتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں گہرا پیار اور ایک قسم کا  
سرور تھا۔

"پورا کا پورا سردار دلدار یلغار تمہارا ہے۔ میری ہر چیز، میری سانسیں، میرا وجود، سب کچھ تمہارا  
ہے۔ میں تمہاری امانت ہوں۔"

وہ اس کی گردن پر جھکا، اس کی گرم سانسیں دعام کی نازک جلد کو چھونے لگیں، ایک سنسناہٹ دعام کے پورے وجود میں پھیل گئی۔ دعام کی آنکھوں میں شرم اور شرارت کا حسین امتزاج تھا۔ پھر وہ اچانک اپنے دانتوں کا ہلکا سا نشان بناتا اسے سسکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ دعام کی سانسیں رک گئیں، اور ایک میٹھی آہ اس کے لبوں سے نکلی۔ اس نے سردار کے مضبوط بازوؤں میں خود کو مزید سمیٹ لیا، اپنا چہرہ اس کے کندھے میں چھپا لیا۔ سردار کے ہونٹوں نے اس کی گردن پر پیار کی گہری مہریں ثبت کر دیں۔ وہ دعام کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

"تمہارے جسم کی خوشبو مجھے پاگل کر دیتی ہے، میری سبجی۔ تم میری روح میں بس گئی ہو۔" سردار نے سرگوشی کی۔ دعام نے شرما کر اپنا سر مزید اس کے کندھے میں چھپا لیا۔

آپ جو مرضی کر لیں میں آپ کے رومانس سے گھبرا کر ہر گز آپ کک مونچھوں کی جان نہیں چھوڑوں گی اور اس کے سینے میں چھپی چھپی بولی تو سردار کا قہقہہ پھر سے کمرے میں گونجتا تھا۔

جو مرضی کر لوں اس بات کی اجازت ہے اس کی آنکھوں میں تو ابھری تھی۔ اور ساتھ ہی وہ اس کی گردن پر اپنے لبوں کو حرکت دینے لگا تھا۔

پہلے میرا مونچھوں کا ہیئر سٹائل۔۔۔۔۔" وہ جیسے اجازت دینے کے لیے شرط رکھ رہی تھی  
سردار نے کندھے اچکا کر خود کو پوری طرح اس کے حوالے کر دیا تھا اور یقیناً اس کا معاوضہ بہت  
اچھے سے لینے والا تھا۔

oooooooo

سردار کے کمرے سے جانے کے بعد دعام کافی زیادہ خوش تھی۔ اس کے چہرے پر ایک اطمینان  
اور مسکراہٹ تھی جو کئی دنوں بعد اس کے لبوں پر آئی تھی۔

وہ واپس سے اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے، اپنے ڈوپٹے کو سلیقتے سے سمیٹ کر، اس نے اپنے زیر تکیہ  
چھپا کر رکھا ہوا بڑا سامیپ نکالا۔ اس کا ارادہ آج پھر اس قبیلے کو گہرائی سے سمجھنے کا تھا،

اس کے چھپے رازوں کو جاننے کا۔ اس نے آج پختہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اکرم کی کسی بات پر یقین  
نہیں کرے گی۔ اب اسے سردار کے الفاظ زیادہ سچے لگ رہے تھے۔

"وہ آدمی اپنے فائدے کے بارے میں سوچتا تھا، یقیناً اسے صرف اور صرف اپنی یونیفارم پر  
ستارے لگانے تھے، اپنی ترقی چاہیے تھی۔"

وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی، اس کی آواز میں اکرم کے لیے ایک نفرت تھی۔

"اسے نہ رباب کی پرواہ تھی، نہ اس کے جذبات کی۔ ورنہ وہ ایک معصوم لڑکی کی زندگی سے اس طرح نہ کھیلتا۔"

سردار نے اسے بتایا تھا کہ کس طرح اکرم نے رباب سے صرف ایک نقشے کی وجہ سے نکاح کر کے اسے بے رحمی سے چھوڑ دیا تھا۔ یہ سن کر تو اسے اکرم سے اور بھی زیادہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔

وہ اتنا خود غرض اور بے حس انسان کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا ضمیر اسے گالیاں دے رہا تھا کہ اس نے اکرم جیسے شخص پر بھروسہ کیسے کیا!

"میں نے اکرم کو تھپڑ مارنے والا بہادری کا واقعہ تو اپنے ڈاکو جی کو سنایا ہی نہیں!"

اچانک اسے یاد آیا، اور اس کے چہرے پر ایک شرارتی مسکراہٹ آگئی۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس پر اسے بہت فخر تھا، اس کی اپنی بہادری کی نشانی تھی۔ اس نے فوراً اپنا بڑا میپ سمیٹ کر احتیاط سے ایک خفیہ جگہ پر اندر رکھا۔

آج کل وہ میپ کو بہت احتیاط سے رکھ رہی تھی، ایک دفعہ جو وہ چوری ہو چکا تھا، اس لیے اب وہ اسے کسی بھی حال میں دوبارہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

پھر اس نے جلدی سے اپنے بال سنوارے اور نیچے جانے کے بارے میں سوچنے لگی تاکہ یہ دلچسپ قصہ اپنے ڈاکو جی کو سنا سکے اور اسے اپنی بہادری پر فخر محسوس کروا سکے۔ اس کے قدموں میں ایک نئی تیزی آگئی تھی۔

oooooooo

"ڈاکو جی! ڈاکو جی!..."

دعالم کی معصومانہ اور پیاری آواز قبیلے کے بڑے ہال میں گونجی، جہاں جمرو اور بالا سمیت کئی ڈاکو موجود تھے۔

وہ نیچے آتی بالا اور جمرو کے کمرے کے باہر سے ہی اسے آواز دینے لگی تھی، اس کا انداز اتنا معصومانہ اور پیارا تھا کہ باقی سارے ڈاکو ایک نظر اسے دیکھ کے اپنی ہنسی دبانے لگے،

وہ سب جانتے تھے۔ کہ وہ سردار کی دلہن ہے اور سردار اس پر کتنا جان چھڑکتا ہے۔ آج کل تو سردار کے غصے سے بچنے کے لیے وہ سب سفارشی بھی کرواتے ہیں۔ اب قبیلے میں اس کا ایک خاص مقام بن چکا تھا سب لوگ اسے سردار کی کہہ کر پکارتے تھے۔

جب کہ اس کا یہ انداز سردار کے تودل پر جیسے بجلیاں گرا گیا تھا، اس کے چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

تم لوگ جمر و کا خیال رکھو میں آتا ہوں، کہہ کر وہ فوراً کمرے سے باہر نکلا، اس کی آنکھوں میں دعام کے لیے بے پناہ محبت تھی۔

ڈاکو جی۔۔۔۔۔ "وہ باہر کھڑے پھر سے آواز دینے لگی جب وہ فوراً نکل آیا تھا۔

"اوائے ڈاکو صدقے اپنے سوہنے مکھڑے کے! کیا ہو امیری جان؟ اتنی آوازیں کیوں دے رہی ہو؟ میں تو یہیں ہوں، ادھر آؤ میرے پاس۔"

سردار نے اسے دیکھتے ہی کہا، اس کی آنکھوں میں گہری محبت تھی۔ وہ فوراً اس کی کمر میں اپنا ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے وہیں سے واپس پلٹا اور قبیلے کے بیچ میدان کی طرف لے آیا، جہاں کھلی فضا تھی اور وہ لوگ آرام سے اور سکون سے بات کر سکتے تھے۔

"ڈاکو جی، میں نے آپ کو اپنی بہادری کا قصہ نہیں سنایا؟ یہ ایک بہت اہم واقعہ ہے!"

دعام نے جوش سے کہا، اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک تھی۔

"جب آپ کو پتا چلے گا نا کہ میرا یہ ہاتھ کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے کر آیا ہے، تو آپ خوش ہو جائیں گے! آپ کو مجھ پر بہت فخر ہو گا!"

وہ اپنا نازک سا ہاتھ اسے دکھا رہی تھی جسے سردار نے فوراً ہی تھام کر اپنے لبوں سے لگایا تھا، اور اس پر پیار کی مہر ثبت کر دی۔

پھر اس نے ہسپتال والا واقعہ سنا شروع کیا۔ اس نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح اکرم ہسپتال میں بکواس کر رہا تھا اور کیا زوردار تماچہ دعام نے اس کے منہ پر مارا تھا کہ اس کا گال لال ہو گیا تھا۔

"اس نے آپ پر ذاتی حملے کیے ڈاکو جی، اور آپ کے بارے میں بھی غلط باتیں کہہ رہا تھا۔" دعام نے غصے سے کہا۔

"لیکن اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ دعام اپنے شوہر کے کردار پر انگلی برداشت نہیں کر سکتی۔"

اس نے فخر سے سردار کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں نے اس سے کہا کہ وہ ڈاکو ہو یا جو بھی ہو، وہ میرا شوہر ہے، اور میں اپنے شوہر کے بارے میں ایک لفظ بھی غلط نہیں سن سکتی! میں نے اسے بتایا کہ میں آپ پر مکمل بھروسہ کرتی ہوں۔"

اس نے سردار کو یہ نہیں بتایا کہ اکرم اصل میں کیا بکواس کر رہا تھا  
اس نے بات کو صرف سردار کے کردار کی بے عزتی تک محدود رکھا، تاکہ سردار کو مزید پریشان  
نہ کرے۔

کیونکہ اسے یقین تھا کہ اکرم جھوٹ بول رہا تھا وہ سردار کو یہ سب بتا کر دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی  
کہ اکرم نے اس سے یہ بکواس کی ہے کہ وہ اس کے والدین کے موت کی وجہ ہے  
سردار اس کی باتوں کو غور سے سن رہا تھا، اس کے چہرے پر کبھی حیرت آتی تو کبھی فخر، اور کبھی  
اس کی آنکھوں میں غصہ جھلکتا۔ اس نے دعام کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور اس کی ہر بات  
کو دل سے سن رہا تھا، جیسے دعام کوئی بہت بڑی جنگ جیت کر آئی ہو۔

کیا بات ہے میرا سوہنا مکھڑا تو سچ میں بہت بہادر ہے بہت اچھا کام کیا اب اگلی دفعہ نظر آئے تو  
اسے چھو کر اپنا ہاتھ گندھامت کرنا اس کا استعمال کرنا اس لیے اپنی جیب سے ریوالتور نکالتے  
ہوئے اسے دکھائی تو دعام کی سانسیں سینے میں ہی اٹک گئی تھی وہ حیرت سے سردار کو دیکھنے لگی جو  
اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر ایک دفعہ پھر سے قہقہہ لگا اٹھا



کیا ہوا میرا حسین سجن ڈر گیا، میری بہادر جی سردار دلدار یا لگار کی بیوی ہو تم بندوق چلائی تو انی  
ہی چاہیے وہ انکھ دبا کر بولا۔

میں نے آپ کے اصولوں والی کتاب نہیں پڑھی کہ آپ کی بیوی ہونے کے ناطے مجھے کیا کیا آنا  
چاہیے اور کیا کیا نہیں میں جا رہی ہوں ندی پر آپ اپنا کام ختم کر کے ایسے گاتب تک بالا بھیا کانیج  
دیکھیے وہ اس کی مزید کوئی بھی بات سنیں بغیر ندی کی طرف جانے لگی تو سردار ہلکا سا مسکرایا تھا

oooooooo

دعام کے جانے کے بعد، سردار اس کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ دعام کے چپ چاپ اور خاموشی  
والے انداز سے وہ پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ کچھ تو بات ہوئی ہے، کچھ ایسا ہے جو دعام کو اندر ہی  
اندر کھا رہا ہے۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ دعام کچھ دن سے پریشان ہے۔ لیکن اسے ہر گز اندازہ نہیں تھا کہ اکرم  
نے اس کی بیوی سے ہسپتال میں ملنے کی جرات کی ہے،

اور اسے ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ سردار کو یہ سن کر سخت غصہ آیا۔ اس کی آنکھوں میں  
شعلے بھڑک اٹھے۔

وہ تو جانتا بھی نہیں تھا کہ ہسپتال میں اکرم آیا ہے، اور اس نے دعام کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اکرم نے خاموشی سے دعام کو اپنی طرف لگانے کی کوشش کی تھی، اسے ورغلانے کی کوشش کی تھی، یہ سوچ کر کہ وہ ایک معصوم اور سادہ لوح لڑکی ہے اور اس کی باتوں میں آجائے گی۔ سردار کی آنکھوں میں ایک لمحے کو انتقام کی آگ بھڑکی، اکرم کا یہ فعل اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس نے اپنے جبرٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔

مگر اس غصے کے ساتھ ہی اسے اس بات کی بے پناہ خوشی بھی تھی کہ دعام نے اکرم کی باتوں پر یقین نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے اور اپنے رشتے کے لیے کھڑی ہوئی، اور اسے ایک زوردار تھپڑ بھی مارا۔

اکرم اب سرچڑھتا جا رہا تھا لیکن ایسے لوگوں کو سر سے اتارنا اسے بہت اچھے سے آتا تھا، اور وہ اکرم کو اس کی اس گستاخی کی ایسی سزا دے گا جو وہ کبھی نہیں بھولے گا۔"

○○○○○○○

"میری بچی! میری لاڈلو کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی!"

ماں چیخ رہی تھی، اس کارور و کر بر ا حال تھا۔ رباب کی حالت نازک ہو چکی تھی، کئی دنوں سے بھوکے پیاسے رہنے کی وجہ سے اس کا جسم نڈھال ہو چکا تھا اور وہ اب بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔

ماں نے بیٹی کا سر اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا، اس کی نبض بمشکل چل رہی تھی۔ گاؤں کے قریبی ڈاکٹر کو گھر پر بلایا گیا تھا، جو اسے ابتدائی طبی امداد دے رہا تھا۔

اس کے بازو میں ایک ڈرپ لگی ہوئی تھی، جس کے قطرے دھیرے دھیرے اس کے جسم میں زندگی بھر رہے تھے۔ ماں کارور و کر بر ا حال تھا، اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

باپ اور باقی سب لوگ بھی پریشان کھڑے تھے، ان کے چہروں پر فکر اور بے بسی کے سائے تھے۔ یہ منظر پورے گھر کے لیے دلخراش تھا۔

"دیکھیے باجی، ہم نے اسے ڈرپ لگا دی ہے، اب اسے طاقت ملے گی۔ لیکن اسے ہوش میں آتے ہی کچھ نہ کچھ کھلانا پلانا بہت ضروری ہے۔ یہ ذہنی دباؤ اور بھوک پیاس کی وجہ سے ہے۔" ڈاکٹر نے اماں کو تسلی دی،

"یہ بس اکرم، اکرم کرتی رہتی ہے۔ اس نے ہماری بیٹی کا حال کیا کر دیا ہے۔" اماں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا

باپ نے خاموشی سے سر جھکا لیا، اسے اپنی بے بسی پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ ہر کوئی رباب کی اس حالت کی وجہ جانتا تھا، مگر کوئی کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔

oooooooo

"میں دعام سے کس طرح رابطہ کروں؟"

اکرم اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا، اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ "اس کے پاس اپنا فون نہیں ہے، میں اس سے بات کیسے کروں گا؟ اور اس قبیلے میں جانا، وہ بھی اکیلے، میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ وہ سردار تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

وہ عجیب سی کشمکش کا شکار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی مٹھی بھینج لی۔ ایک طرف سردار کا خوف، دوسری طرف دعام سے ملنے کی شدید خواہش۔ اس کا پورا دماغ جھنجھلایا ہوا تھا۔ اسے بس کسی بھی طرح سے قبیلے میں جانا تھا، بس اس سے ملنا تھا، اسے اپنی باتوں پر یقین دلانا تھا، اسے قبیلے اور سردار کے خلاف بھڑکانا تھا۔

اس بات پر تو اس کو پختہ یقین تھا کہ دعام اس کی بات پر یقین کر لے گی۔

کیونکہ اس نے ہسپتال میں بالکل صحیح جگہ نشانہ لگایا تھا، اس نے دعام کے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا۔

وہ جانتا تھا اپنے ماں باپ سے زیادہ وہ کسی سے محبت نہیں کرتی، اس لیے اس نے اس کے ماں باپ کا ذکر کیا تھا وہ جانتا تھا کہ دعام سردار پر یقین کرنے سے پہلے کئی بار سوچے گی، اور یہ شک اسے اس کے مقصد کے قریب لے جائے گا۔ وہ ہسپتال میں دعام سے ملا تھا، اور اسے لگا تھا کہ دعام اس کی باتوں سے متاثر ہوئی ہے۔

اب اسے بس کسی طرح سے دعام تک پہنچنا تھا تا کہ وہ اپنے منصوبے کو مکمل کر سکے اور دعام کو سردار کے خلاف استعمال کر سکے۔ اس نے میز پر پڑی کتاب کو غصے سے پرے دھکیلا، اس کا ذہن مسلسل دعام تک پہنچنے کے طریقے سوچ رہا تھا، لیکن کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

oooooooo

"بیلڈا کٹر بیلا ملک! نام تو اچھا ہے، لیکن اسے آپ سے پیار کیسے ہو گا بالابھیا؟" دعام نے ہنستے ہوئے کہا، اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"اور پھر ہم اس کی شادی آپ کے ساتھ کیسے کروائیں گے؟"

وہ دونوں ایک ہی چادر پر بیٹھے ہوئے تھے، شام کا وقت تھا، اور سورج کی نارنجی روشنی قبیلے پر پھیل رہی تھی۔ پاس گہری ندی بہہ رہی تھی،

دعام پلیٹ میں چھوٹے چھوٹے آموں کو کاٹتے ہوئے اس پر مصالحہ لگا رہی تھی، اور ساتھ ساتھ بالاسے باتیں کر رہی تھی۔

اس نے بیلا ڈاکٹر کے بارے میں ساری انفارمیشن دعام کو سنادی تھی، اور اپنے دل کا حال بھی اسے سنا چکا تھا کہ وہ اس ڈاکٹر کو کتنا پسند کرتا ہے،

اور اسے قبیلے میں لانا چاہتا ہے۔ دعام اس کی باتیں سن کر کافی زیادہ خوش ہو رہی تھی، اسے بالاک کی محبت کا اظہار اچھا لگ رہا تھا، لیکن ایک ڈاکو کا رشتہ ایک ڈاکٹر کے لیے تھوڑا مشکل تو تھا، اسے یہ احساس ہو رہا تھا۔

مجھے نہیں پتا۔۔۔۔۔ "وہ کندھے اچکا گیا

ارے ایسے کیسے نہیں پتہ پتہ تو کرنا ہو گا "اب اتنا نیک کام تو آپ کرتے نہیں کہ بس ہم اس کے گھر والوں سے اس کا رشتہ مانگیں گے اور وہ خوشی خوشی آپ کو لڑکی دے دیں گے۔"

دعام نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"آپ تو ہیں ڈاکو، ان کے لیے تو آپ مجرم ہیں۔"

دعام نے آم کا ایک ٹکڑا منہ کی طرف بڑھایا۔

مجھے کچھ نہیں پتا "یہ سب سردار کرے گا، دعام۔ مجھے پرواہ نہیں کہ وہ کیسے کرے گا۔ وہ سب سنبھال لے گا، مجھے سردار پر بھروسہ ہے۔ بس وہ مجھے لا کر دے دے۔"

ہم۔۔۔!! دعام نے آم کا ٹکڑا لیا اور مزے سے کھایا۔ دعام نے آم کھانے کے بعد اب وہ ہڈی پر مصالحہ لگانے ہی لگی تھی کہ بالانے گھور کر اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ سے ہڈی چھین کر قریبی ندی کی لہر میں پھینک دی۔

"ہائے! یہ کیا کیا آپ نے بالانے؟" دعام غصے سے چلائی۔

اللہ کرے آپ کے بچے کالے پیدا ہوں! منہ بسور کر بولی تو بالانے تو منہ ہی کھل گیا۔

"استغفر اللہ! لڑکی، کتنی کوئی مطلبی ہو تم! جب میں تمہیں یہ کچے آم لا کر دیتا ہوں، اور تم مزے سے کھاتی ہو، تب تمہاری زبان دعائیں دیتے نہیں تھکتی۔ اور ایک ہڈی اٹھا کر پھینک کیا دی، تم تو زبان سے زہر اگلنے لگی ہو؟" بالانے مصنوعی غصے سے کہا، اس کے چہرے پر ہنسی چھپی ہوئی تھی۔

"اس ایک ہڈی کی وجہ سے اتنی بڑی بد دعا؟ بہنا یہ انصاف نہیں ہے۔"

دعام ہنستی رہی،

یہ انصاف نہیں "یہ سزا ہے آپ کے گندے کام کی۔" میرا سارا مزہ کرا کر ادیا کس نے بولا تھا پھینکنے کے لیے۔

ہاں میں نہیں پھینکتا تمہیں ندیوں والے کام کرتے دیکھتا رہتا۔ اب اتنے برے دن اگئے ہیں کہ سردار کی بیوی گٹھلی چاٹے گی۔

مزہ آتا ہے نا وہ منہ بنا کر بولی۔

تمہیں ہر اس کام میں مزہ آتا ہے جو سردار کی مرضی کے خلاف کیا جائے۔ میری سفارش کی تم نے کہ وہ رات کے کھانے میں ایک دو کھانے چھوڑ کر بنایا کرے گا۔

وہ میرا اور میرے ڈاکو جی کا مسئلہ ہے اپنیچ میں نہ بولیں۔ میں جس کی چاہوں سفارش کروں اور اپ تو مجھ سے بولیں بھی مت آپ نے میری گٹھلی پھینکی ہے میری آپ سے کٹی، اس کے اپنے ہی انداز تھے۔

بہت اچھے شکر ہے آج میں تمہیں بڑی پہاڑی پر لے کر جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا اب رہو یہی اسی ندی کو گھورتی رہو وہ اٹھنے لگا تھا۔



تھوڑی دیر کے لیے راضی ہوں میں، وہ اس کے ساتھ ہی اٹھی تھی کتنے دنوں سے وہ اس سے بڑی پہاڑی کی طرف لے جانے کی بات کر رہی تھی۔

لیکن اب میری طرف سے کٹی نا۔۔۔ "بالا مزے سے کہتا آگے آگے جا رہا تھا جب کہ وہ اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اس کے بڑے بڑے قدموں کا مقابلہ کر رہی تھی

oooooooo

رباب، اکرم کے لیے واقعی ایک مصیبت بن گئی تھی۔ صبح و شام اس کے فون کا لڑا اور اس کے گھر والوں کی منت سماجت نے اکرم کو تنگ کر رکھا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتا، رباب کے پیغامات یا اس کے گھر والوں کے فون آ جاتے، یہاں تک کہ اکرم نے تنگ آ کر ان کے سارے نمبر بلاک کر دیے تھے، لیکن وہ پھر بھی الگ الگ نمبروں سے اسے فون کر رہے تھے۔

اکرم کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کی نظر میں رباب کی یہ ضد پاگل پن کے سوا کچھ نہ تھی۔ آج تو انتہا ہی ہو گئی تھی، رباب کا باپ، دین محمد، اکرم سے ملنے کے لیے سیدھا تھانے آ گیا تھا۔

وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتا، نظریں جھکائے اکرم کی میز کے سامنے کھڑا تھا۔

"دیکھو بیٹا، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، اللہ کے لیے ہم غریبوں کے ساتھ ایسا مت کرو۔"

ابانے کانپتی آواز میں کہا، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہاتھ بے بسی سے جڑے ہوئے تھے۔  
"ہماری بچی کی زندگی کا سوال ہے۔ تم اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، میری بیٹی مر جائے گی! وہ کچھ کھاپی نہیں رہی، اس کی جان نکل رہی ہے تمہارے لیے۔ اس کی حالت بہت نازک ہو چکی ہے، بیٹا، اسے بچالو۔"

وہ اکرم کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے، لرزتے ہونٹوں سے منتیں کر رہے تھے، اس کا سارا وجود التجا بنا ہوا تھا۔ اکرم کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، وہ اس بات کو تھانے کے اندر پھیلانا نہیں چاہتا تھا کہ سردار دلدار کی سالی کے ساتھ اس نے نکاح کر رکھا ہے، اور اب وہ اس کے پیچھے پڑی ہے۔  
اسے ڈر تھا کہ اس کی یہ بات اس کے کیریئر پر برا اثر ڈال سکتی ہے۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ اور غصہ صاف نظر آ رہا تھا۔

اکرم نے لمبا سانس لیا، اس کے چہرے پر اکتاہٹ تھی۔ وہ بے چین ہو رہا تھا کہ کیسے اس بوڑھے آدمی کو یہاں سے ہٹائے۔

"اچھا ٹھیک ہے، مہربانی کریں، اس وقت یہاں سے جائیں۔"

اکرم نے دھیمے مگر سختی سے کہا، اس کی نظریں اپنے آس پاس کے پولیس والوں پر تھیں۔ "میں آ جاؤں گا اس سے ملنے کے لیے، شام تک۔ آپ بس فکر مت کریں۔"

وہ جھوٹ بول رہا تھا، اور اس کے لہجے میں کوئی نرمی نہیں تھی۔ وہ تنگ آ کر بولا تھا جبکہ اس سے پہلے ابا مزید کچھ کہہ پاتے یا مزید منت سماجت کرتے، اکرم نے اپنے قریب کھڑے حوالدار کو اشارہ کیا۔ حوالدار نے فوراً ابا کو وہاں سے ہٹایا اور انہیں باہر کا راستہ دکھایا۔ ابا ایک بے بس نظر اکرم پر ڈال کر سر جھکا کر وہاں سے چلے گئے اکرم نے اطمینان کا سانس لیا اور خود اندر اپنے آفس میں چلا گیا، اس کے چہرے پر وہی بے حسی اور خود غرضی چھائی ہوئی تھی جو اس کے دل میں تھی۔

oooooooo

"دیکھا کتنی پیاری لگ رہی تھی سارا دن آپ کی مونچھیں!"

دعام نے سردار کے قریب آتے ہی شرارت سے کہا، اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ سردار ابھی اپنے دن بھر کے کام نمٹا کر کمرے میں آیا تھا، اور دعام اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی

تھی۔ "ایک دم ہیر و لگ رہے ہیں آپ، ڈاکو جی۔ اور یہ آپ نے ہلائی تو نہیں نا؟ جیسے میں نے سیٹ کی تھی، بالکل ویسے ہی تھی نا؟"

وہ اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور اس کے چہرے کا بہت غور سے نقشیش کرنے لگی، جیسے وہ کوئی ماہر بیوٹیشن ہو جو اپنا کام چیک کر رہی ہو۔ اس کی انگلیاں سردار کی مونچھوں کے قریب گھوم رہی تھیں۔

سردار نے ہنستے ہوئے دعام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور اسے اپنے قریب کھینچ لیا۔ "میری مجال جو میں اپنے سوئے مکھڑے کی بات کی نفی کروں! میری جان تم نے جو کہہ دیا، وہ پتھر پر لکیر ہے۔"

سردار نے محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا، اس کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔ جیسے تم نے کیا تھا، بالکل ویسا ہی ہے۔ میں نے تو بالکل چھو ا بھی نہیں تمہاری مونچھوں والی ہیر سٹائل کو۔ سارا دن ایسے ہی پھرتا رہا، بس تمہاری بات یاد تھی۔ "وہ آنکھ دبا کر بولا، اس کی شرارت دعام کی ہنسی کا باعث بنی۔ دعام کی ہنسی کمرے میں شہد کی مٹھاس گھول رہی تھی۔ "ویری گڈ! بہت اچھے بچے ہیں آپ!"

دعام نے خوشی سے کہا، اور اس نے سردار کے گال پر پیار سے تھپتھپایا۔

"کل میں آپ کے بالوں کی پونی بناؤں گی۔ آج تو بس مونچھیں ہی تھیں، کل اصلی فنکاری دکھاؤں گی!"

وہ سردار کے کالے گھنے بالوں میں اپنی انگلیاں چلاتے ہوئے شرارت سے بولی، اس کی انگلیوں کا لمس سردار کو ایک عجیب سکون دے رہا تھا۔ لیکن پونی کی بات سن کر اس دفعہ سردار نے اسے پیار سے گھورا، اس کی نظروں میں ایک لمحے کو حیرت اور پھر ہنسی جھلک گئی۔

دعام نے سردار کے چہرے پر یہ گھور نادیکھا تو ہونٹ باہر کو لٹکاتے ہوئے بولی، اس کی آواز میں ایک مصنوعی ناراضگی اور معصومیت تھی جو سردار کا دل موم کر گئی۔

"آپ مجھے غصے سے گھور رہے ہیں؟ میں جانتی ہوں آپ کو پونی بنانا پسند نہیں ہے، لیکن آپ کو بنانی پڑے گی، میں نے سوچ لیا ہے۔"

سردار نے اپنا سر جھکا کر اس کے ماتھے پر پیار کیا، اس کا دل ایک دفعہ پھر دعام کی معصومیت اور شرارت پر ہار گیا۔

"سردار کے غصے کی مجال جو وہ سردار کے سوہنے مکھڑے کی طرف آئے! میری جان تم تو میری زندگی ہو، میرا سکون ہو۔"

سردار نے پیار سے کہا، اس کے لہجے میں محبت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"جو دل میں آئے وہ کرنا، میرا سوہنا مکھڑا۔ تم جو چاہو کر سکتی ہو، تمہاری ہر خواہش میرے لیے حکم ہے۔"

اس نے دعام کا سراپے سینے پر رکھا،

'جو دل میں آئے وہ کرنا، میری جان۔ میں تو ویسے بھی سر پر کپڑا باندھ کر رکھتا ہوں، کوئی دیکھ نہیں پائے گا۔ بس میری دعام خوش ہونی چاہیے۔' اس نے دل میں سوچا اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ آگئی، تاکہ دعام اس کی سوچ سن نہ سکے، اور وہ اپنی بادشاہت کا لطف اٹھاتی رہے۔

oooooooo

پولیس اسٹیشن کا وہ چھوٹا سا کمرہ گرمی اور پرانے کاغذات کی عجیب سی بو سے بھرا ہوا تھا۔ باہر کی تپش کھڑکی سے اندر آنے والی ہوا کو بھی گرم کر رہی تھی۔ انسپیکٹر اکرم اپنی لکڑی کی کرسی پر

بیٹھا تھا، جس کی پیٹھ لگی ہوئی تھی۔ اس کے ماتھے پر غصے کی لکیریں صاف ابھر آئی تھیں اور اس کی آنکھوں میں شدید چڑچڑاہٹ تھی۔ سارا دن کی تھکن اور اب یہ ایک اور سر درد، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا سر پھٹ جائے گا۔

اس کے ٹھیک سامنے ایک بوڑھا شخص کھڑا تھا، جس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھوں کی رگیں نمایاں تھیں۔ اس کے ہاتھ جڑے ہوئے تھے اور اس کی بھورے رنگ کی آنکھوں میں بے بسی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ابا کے چہرے پر پھیلی پریشانی ہر دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

"آپ روز روز صرف مجھے تنگ کرنے کے لیے آرہے ہیں، انکل!" اکرم نے اپنی آواز میں شدید غصہ بھر کر کہا، اس کی آواز کمرے کی خاموشی کو توڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "پلیز، سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ایک سرکاری آدمی ہوں۔ آپ اس طرح پولیس اسٹیشن میں نہیں آسکتے۔ یہ کوئی آپ کا گھر نہیں ہے! میری ذاتی زندگی کے بارے میں یہاں کوئی نہیں جانتا۔ میں یہاں اپنی نوکری کرتا ہوں، ذاتی مسائل حل نہیں کرتا۔" اس کے الفاظ کسی تیز دھار خنجر کی طرح تھے۔

بوڑھے شخص نے ایک قدم آگے بڑھایا، اس کا چہرہ مزید گہرا ہوا۔ "بیٹا! میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ میری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے۔ اس کے ساتھ یوں مت کرو۔" اس کی آواز رندھ گئی، جیسے گلے میں الفاظ اٹک رہے ہوں۔ "تم نے نکاح کیا ہے اس کے ساتھ۔ میں جانتا ہوں وہ اپنے بچپن میں تمہارے ساتھ زندگی کی بازی لگا چکی ہے لیکن اب نکاح ہو چکا ہے۔ تم میری بیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ ظلم ہے۔" وہ سسکیاں بھرنے لگے۔

اکرم کے ہونٹوں پر ایک سرد، بے رحم مسکراہٹ ابھری۔ اس کی آنکھوں میں ایک عیاری سی چمک آئی۔ "نکاح ہو چکا ہے کا کیا مطلب ہے انکل؟" اس نے سوال کو ہی لہجے کی تلوار بنا دیا۔ "آپ کی بیٹی نے مجھے دھوکہ دیا ہے! اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اس سے نکاح کروں گا تو وہ مجھے ڈاکو قبیلے کا نقشہ دے گی! پھر جو ہوا، سب آپ کے سامنے ہوا۔"

اکرم نے کرسی کی پشت پر ہاتھ مارا۔

"اب آپ بتائیں کیا کرنا چاہیے۔" اس نے بات کو جان بوجھ کر لمبا کیا، جیسے ابا کی بے بسی سے لطف اٹھا رہا ہو۔ "ویسے اگر نکاح ہو چکا ہے، رشتہ بن چکا ہے، تو رشتہ ٹوٹنے میں کتنا ہی وقت لگے گا؟" اس کے آخری جملے نے ابا پر بجلی گرا دی۔ اس کے چہرے پر زلزلے جیسے آثار نمایاں ہو



گئے، جیسے اس کے نیچے سے زمین کھینچ لی گئی ہو۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اور ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کے اندر کی دنیا جیسے لمحے بھر میں بکھر گئی۔

ابا۔ نے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر الفاظ حلق میں ہی گھٹ گئے۔ وہ بے بسی کے عالم میں ہاتھ جوڑ کر دوبارہ منتیں کرنے لگا، اس کے کندھے لرز رہے تھے۔ اکرم کو اس کی حالت سے ذرا بھی فرق نہ پڑا۔ اس نے وہیں، کونے میں خاموشی سے کھڑے ایک لمبے قد کے ہولدار کو آنکھ کے اشارے سے کہا کہ اسے باہر نکالے۔ ہولدار نے سر ہلا دیا اور آہستہ سے ابا کی طرف بڑھا۔ اکرم کو اب مزید ایک لمحہ بھی اس منظر کو برداشت نہیں کرنا تھا۔ وہ اپنی کرسی سے غصے سے اٹھا اور ایک ہی جھٹکے میں کمرے کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا، جیسے کسی چیز سے پیچھا چھڑا رہا ہو۔ ابا وہیں ساکت کھڑے رہ گئے، اس کی نظریں دروازے پر جمی تھیں جہاں سے اکرم غائب ہوا تھا۔ ہولدار نے اب اس کا بازو تھاما اور اسے کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

○○○○○○○

ڈاکوؤں کے قبیلے کی کچی مٹی کی ایک راہداری کے قریب، دھوپ اپنے پورے جو بن پر تھی۔ سردار دلدار ایک پتھر پر چو کڑی مارے بیٹھا تھا، اس کا چہرہ کچھ سوچوں میں گم تھا۔ پاس ہی بالا،

كھڑا تھا جو سردار كے چهرے كا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ بالا كی نظریں سردار كے چهرے پر گڑی تھیں، اسے كچھ الگ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"آج تیرے چهرے پر كچھ الگ سا محسوس ہو رہا ہے سردار۔" بالانے سر جھكا كر كہا، اس كی آواز میں تجسس تھا۔ "ایسا لگ رہا ہے كوئی بدلاؤ آیا ہے۔ كچھ كیا ہے كیا تو نے اپنے چهرے كے ساتھ؟" بالا كی آنكھوں میں شرارت تھی۔ وہ كب سے سردار كے چهرے كو غور سے ديكھ رہا تھا۔

سردار دلدار كے ہونٹوں پر ايك ہلكی سی مسكراہٹ آئی۔ اس كا ہاتھ بے ساختہ اپنی گھنی مونچھوں كی طرف گیا اور اس نے انہیں ہلكے سے چھوا۔ اگر اس نے اپنے سوہنے مكھڑے سے وعدہ نہ كیا ہوتا، تو وہ اپنی مونچھوں كو پہلے كی طرح اكڑا كر اوپر كی طرف كر دیتا۔ مونچھیں ویسے تو اب بھی اوپر كی طرف ہی تھیں، لیكن پہلے سے ذرا كم اكڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ايك گہری سانس لی۔

"نہیں، كچھ نہیں كیا۔" سردار دلدار نے اپنے ہاتھ كو واپس لاتے ہوئے جواب دیا۔ اس كے لہجے میں سكون تھا۔

پھر اس نے اچانك بالا كی طرف ديكھا اور لہجے میں شرارت بھرتے ہوئے پوچھا۔

"تو بتا، اپنے ڈاکٹرانی سے ملنے گیا یا نہیں؟"

بالا کا چہرہ فوراً مایوسی سے بھر گیا۔ اس نے اپنے کندھے اچکائے۔ "کیسے جاؤں گا سردار؟ تمہاری اجازت درکار ہے، اور پھر جانے کے لیے کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے نا؟" وہ بے بسی سے بولا، اس کی نظریں زمین پر جم گئیں۔

سردار دلدار کے چہرے پر ایک چالاک مسکراہٹ پھیلی۔ اس نے اچانک اپنے پاس پڑا ایک جلتا ہوا جاگو (لکڑی کا چھوٹا ٹکڑا یا لکڑی میں آگ) اٹھایا اور اگلے ہی لمحے تیزی سے اسے بالا کے ہاتھ پر لگا دیا۔ انداز ایسا تھا جیسے اس پر حملہ کرنے لگا ہو۔ آگ کی تپش نے بالا کو چونکا دیا، اور وہ زور سے چیخ اٹھا! اس نے فوراً ہاتھ جھٹکا۔

"جاد فغ ہو جا! وجہ مل گئی نا! پیٹی بند ہوا کے لا۔" سردار دلدار نے اسے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا، اس کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ بالا حیران و پریشان کھڑا رہ گیا، اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ وہ شاید توقع نہیں کر رہا تھا کہ سردار اسے اس طرح بھجوائے گا۔ وہ اپنا ہاتھ سہلاتا ہوا قبیلے سے باہر کی طرف چلا گیا، اس کے ذہن میں سردار کی یہ انوکھی اجازت گھوم رہی تھی۔

قبیلے کا رسوئی خانہ (باورچی خانہ) اس وقت جہنم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ گرمی اتنی شدید تھی کہ ہوا میں بھی تپش محسوس ہو رہی تھی۔ لکڑی کے چولہے پر آگ بھڑک رہی تھی اور اس کی لپٹیں پورے کمرے کو مزید گرم کر رہی تھیں۔ اس شدید گرمی کے باوجود، دعام چولہے کے پاس کھڑی، ایک بڑے برتن میں چمچہ چلا رہی تھی۔ پسینے کے قطرے اس کے ماتھے سے بہہ کر آنکھوں میں جا رہے تھے، اور اس کی چادر پوری طرح بھیگ چکی تھی، جو اس کے جسم سے چپک رہی تھی۔

میرو، پریشانی کے عالم میں اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آواز میں خوف اور التجا تھی۔ "خدا کے لیے مت کریں! دعام، گرمی بہت ہے۔ آپ رسوئی خانے سے نکل جائیں! آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" اس نے سر اٹھا کر دعام کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں بے پناہ فکر تھی۔ "کیوں ہمیں سردار سے قتل کروانا چاہتی ہیں؟ وہ آپ کو یہاں دیکھ لیں گے تو ہمیں نہیں بخشیں گے!"

دعام نے ایک لمحے کے لیے بھی میرو کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کی تمام توجہ برتن میں پکتی ہوئی یخنی پر تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے باوجود ایک پختہ ارادہ تھا، ایک یقین۔ "میرو بھیا، کچھ نہیں ہوتا مجھے۔ کرنے دیجیے۔" اس کی آواز میں نرمی تھی مگر فیصلہ اٹل تھا۔ "میرا بھائی بیمار ہے، اگر میں نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟" اس نے چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور ویسے بھی، میرے ہاتھ کی یخنی بہت مزے کی ہوتی ہے۔ وہ فوراً سے کھالیں گے۔" اس کے چہرے پر اپنے ہاتھوں کے ذائقے پر پورا یقین تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر میں کوئی نہ کوئی ڈاکو اس باورچی خانے میں آجاتا۔ کوئی اسے روکنے کی کوشش کرتا، کوئی گرمی کی شکایت کرتا، مگر دعام کسی کی نہیں سن رہی تھی۔ دو جوان ڈاکو تو اس کے پیچھے کھڑے ہاتھوں میں پنکھیاں لیے اسے مسلسل پنکھا کر رہے تھے، تاکہ اسے گرمی نہ لگے۔ ان کے چہروں پر بھی پریشانی اور فکر مندی نمایاں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ سردار دلدار کو دعام کا یوں گرمی میں کام کرنا بالکل پسند نہیں آئے گا۔

میرو نے ایک گہری سانس لی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ سب اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ کسی کی سن نہیں رہی تھی۔ اب کی دفعہ، میرو کو لگا کہ سردار دلدار کو بتانے میں ہی بہتری ہے۔ اگر دعام کو کچھ ہو گیا تو سردار انہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ "ورنہ اس لڑکی نے

خود تو مرنا ہی تھا، انہیں بھی مروانا تھا، "میر و نے دل میں سوچا اور پھر تیزی سے سردار دلدار کو خبر کرنے کے لیے باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

oooooooo

میر و کی اطلاع ملتے ہی، سردار دلدار بجلی کی تیزی سے رسوائی خانے کی طرف لپکا۔ اس کے چہرے پر غصہ اور فکر مندی ایک ساتھ نمایاں تھی۔ جب وہ باورچی خانے کے دہانے پر پہنچا تو اندر کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دعام، پسینے میں شرابور، چولہے کے پاس کھڑی تھی اور باقی ڈاکو اس کے گرد فکر مند کھڑے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" سردار دلدار کی آواز گرجی، جیسے بادل گرے ہوں۔ "اور تم یہاں کیا کر رہی ہو میرا سوہنا مکھڑا؟" اس کے لہجے میں فکر شامل تھی۔ "اتنی گرمی ہے، جل جاؤ گی ہاں!" وہ بغیر کسی توقف کے ایک ہی جھٹکے میں دعام کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے کچن سے باہر نکالنے لگا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط تھی، وہ اسے ایک سیکنڈ بھی مزید وہاں رہنے دینا نہیں چاہتا تھا۔

دعام نے سختی سے اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی، مگر سردار کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی۔

"ارے مجھے کچھ نہیں ہوتا! آپ چھوڑیں میرا ہاتھ!" اس کی آواز میں ایک عجیب سی ضد تھی۔

"مجھے اپنے جمر و بھیا کے لیے یخنی بنانی ہے۔" اس نے غصے سے سردار کی طرف دیکھا۔ "آپ بتا نہیں انہیں کیا کیا کھلا رہے ہیں! اس سے تو ان کا زخم جلدی ٹھیک ہی نہیں ہوگا! ان کے کھانے میں بھی پرہیزی کھانا شامل کرنا ہوگا! آپ لوگوں کو کچھ نہیں پتہ! پیچھے ہٹیں! میں خود اپنے جمر و بھیا کو ٹھیک کر لوں گی۔" اس کے لہجے میں اپنے بھائی کے لیے گہری محبت اور فکر مندی تھی۔

"تم باہر نکلو یہاں سے!" سردار دلدار کی آواز میں اب مزید سختی آگئی تھی۔ اس نے اس بار دعام کو پوری طرح سے پکڑ کر باہر نکالنا چاہا، جیسے وہ اب کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔

لیکن دعام بھی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ "نہیں نکلوں گی میں باہر! آپ پیچھے ہٹیں!" اس نے سردار کے بازو پر اپنی انگلی چبھوئی۔ "مجھے میری مرضی کیوں نہیں کرنے دیتے؟ جائیں یہاں سے باہر ہوں! سردار! آپ اس قبیلے کے سردار ہوں گے، مجھ پر سرداری جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے!" اس نے سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، اور انگلی اٹھا کر بولی، "میں نہیں ڈرتی آپ سے!"

اس كے جملة سن كر سردار دلدار جهاں كھڑا تھا وہیں كا وہیں ره گیا۔ اس كا ہاتھ دعام كے بازو پر ساكت هو گیا، اور اس كی آنكھوں میں حیرت تیر گئی۔ اس نے شاید كبھی سوچا بھی نہیں تھا كه كوئی اسے اس طرح سے جواب دے گا۔ ان كے آس پاس جو ڈاكو كھڑے تھے، ان سب كے منہ تو حیرت سے كھلے كے كھلے ره گئے تھے۔ انہوں نے كبھی كسی كو سردار دلدار سے یوں بات كرتے نہیں ديكھا تھا۔ فضا میں لمحے بھر كے لیے كممل خاموشی چھا گئی۔

سردار دلدار نے ايك گهر اسانس لیا۔ اس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں كی مگر دعام سے مزید بحث بھی نہیں كی۔ اس كی نظریں پیچھے كھڑے اس لڑكے پر پڑیں جو دعام كو پنكھا كر رہا تھا۔ "پنكھا كر!" پنكھا ركننا نہیں چاہیے! گرمی نہ لگے سردارنی كو!" اس نے روعب سے لڑكے كو كہا۔ لڑكے نے جو كب سے اسے پنكھا كرتے دعام كو گرمی سے بچانے كی كوشش كر رہا تھا، فوراً اپنے ہاتھ اور تیزی سے چلانے شروع كر دیے تاكه دعام كو ذرا بھی گرمی محسوس نہ هو۔ یہ اب ظاہری سی بات تھی كه سردار كارعب سردارنی پر تو چلا نہیں تھا، اب ان پر ہی چلنا تھا۔

○○○○○○○



اس چھوٹے سے مکان کے اندر، نیم تاریک کمرے میں رباب ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی حالت بہت نازک تھی۔ اس کے بازو میں اب بھی ڈرپ لگی ہوئی تھی، اور ڈرپ کی بوتل ایک لکڑی کے کھونٹے سے لٹک رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور آنکھیں اندر کودھنسی ہوئی تھیں۔ اس کے سر پر ایک عجیب سا جنون سوار تھا، ایک ایسی لگن جو اسے بے چین کیے ہوئے تھی۔ اس کے دماغ میں کوئی بات مسلسل گھوم رہی تھی، جسے وہ ہر قیمت پر پورا کرنا چاہتی تھی۔

باہر صحن میں، لکڑی کی ایک پرانی چارپائی پر رباب کے ابا آکر بیٹھ گئے تھے۔ دن بھر کی تھکن ان کے کندھوں پر بوجھ بنی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے پر گہری پریشانی کے سائے منڈلا رہے تھے، اور ان کی نظریں ادھر ادھر بے مقصد گھوم رہی تھیں۔ وہ ابھی ابھی انسپیکٹر اکرم کے پاس سے واپس آئے تھے۔

اکرم، جو اپنی ضد کا بہت پکا تھا، انہیں کسی طرح کی نرمی کی کوئی امید نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا اور اس نے ابا کو صاف لفظوں میں اپنی مرضی بتادی تھی۔ پہلے تو اکرم نے انہیں غصے میں اپنے دفتر سے بے رخی سے نکال دیا تھا، ان کی عمر اور التجاؤں کا ذرا بھی خیال نہ کرتے ہوئے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد، اکرم نے انہیں دوبارہ اپنے دفتر بلا کر ایک ایسی بات کہی تھی، جو ابا کو گہرا سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔

یہ کوئی عام بات نہیں تھی، بلکہ ایک کڑی شرط تھی، ایک ایسا مطالبہ جس پر عمل کرنا ابا کے لیے بے حد مشکل تھا۔ یہ شرط ان کی بیٹی کی زندگی سے جڑی تھی، یا شاید اس کے مستقبل سے۔ وہ چارپائی پر بے جان سے بیٹھے تھے، ان کے ذہن میں اکرم کے الفاظ گونج رہے تھے۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس مشکل صورتحال سے کیسے نکلیں۔ ان کا دل اپنی بیٹی کی حالت اور اکرم کی شرط کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

○○○○○○○

قبیلے کے رسوائی خانے میں اب بھی گرمی اپنے پورے جو بن پر تھی۔ چولہے کی آگ کی تپش نے اندر کا ماحول بھی جیسا بنارکھا تھا۔ دعام، جس کا چہرہ پسینے سے بھیگا تھا، چولہے پر پکتی ہوئی یخنی کو ایک بڑے چمچے سے ہلارہی تھی۔ یخنی کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ وہ اب ایک بڑے ڈونگے میں یخنی کو نکالنے ہی لگی تھی کہ پیچھے سے میرو، جو اس کی حفاظت پر مامور تھا، تیزی سے اس کے پاس آیا اور اسے ٹوک دیا۔

"سرداری، میں ڈال دیتا ہوں اس کو ڈش میں۔" میرو نے دعام کے ہاتھ سے ڈونگا لیتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں گہرا احترام اور فکر مندی تھی۔ "آپ مزید کام نہ کریں! سردار کا حکم ہے کہ آپ کو آرام کرنا ہے۔" اس نے دعام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ دعام نے ایک لمحے کے لیے میرو کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک چھوٹی سی شرارت تھی۔

میں کر دوں گی، میرو بھیا!" اس کے لہجے میں اب بھی اپنی بات منوانے کی ضد تھی۔ پھر اس کے چہرے پر ایک نرمی آئی، اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "اچھا چلو، آپ ہی کرو۔" اس نے ڈونگا میرو کے ہاتھ میں مکمل طور پر تھما دیا۔ "بس خیال رہے کہ اس کو لے کر سیدھا باہر آجانا۔ جبر و بھیا انتظار کر رہے ہوں گے" وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور اپنی بھیگی ہوئی چادر کو درست کرنے لگی۔ "تب تک میں فریش ہونے جا رہی ہوں، ٹھیک ہے؟"

یہ کہہ کر دعام رسوئی خانے کی تپش سے باہر نکل آئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور سیدھی اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ آج اسے زندگی میں پہلی دفعہ واقعی شدید گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ تھک چکا تھا، مگر اس کے دل میں ایک عجیب سی خوشی

تھی۔ ورنہ اس نے اتنے سالوں سے اپنے گھر میں کام کرتے ہوئے کبھی بھی ان سارے موسموں کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔ اسے کبھی کسی نے اتنی اہمیت نہیں دی تھی کہ اس سے گرمی یا سردی کا فرق محسوس ہوتا، یا کوئی اس کی تھکن پر غور کرتا۔

یہاں ڈاکوؤں کے قبیلے میں سب کچھ کتنا الگ تھا۔ یہاں اسے ہر کوئی اہمیت دیتا تھا، اس کا خیال رکھتا تھا۔ میرو کی فکر مندی، اور سردار دلدار کا اسے بچن سے باہر نکالنے کا غصہ، یہ سب اس کے لیے نیا اور خاص تھا۔ وہ سب لوگ کس طرح اس کی خدمت کرتے تھے، اس کے آرام کا خیال رکھتے تھے، جیسے وہ ان کی اپنی ہو۔ دعام کو محسوس ہوا کہ یہاں آکر اسے زندگی کو جیسے ایک اصل پہچان مل گئی ہو۔ ایک ایسی پہچان جہاں اسے خود کی قدر کا احساس ہو رہا تھا۔

○○○○○○○

رباب کے گھر کا ماحول شدید پریشانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ مدھم روشنی کمرے میں پھیلی تھی جو ماحول کی اداسی کو اور بڑھا رہی تھی۔ باہر صحن میں، لکڑی کی ایک پرانی چارپائی پر رباب کے ابا بیٹھے تھے، ان کے چہرے پر گہری تھکن اور مایوسی تھی۔ ان کے ساتھ ہی اماں بیٹھی تھیں، ان کی آنکھوں میں مسلسل آنسو تھے اور آواز میں بے بسی صاف سنائی دے رہی تھی۔

"آپ بات کریں نا اکر م سے! آپ ایک دفعہ پھر سے جائیں پولیس اسٹیشن۔" اماں کی آواز بھرا گئی تھی، وہ روتے روتے ہلکان ہو چکی تھیں۔ "نہ وہ فون اٹھا رہا ہے، نہ ہی وہ ہماری کوئی بات سننے کو راضی ہے۔ ہماری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے۔" وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ "ہماری رباب کی یہ حالت ہو گئی ہے، اور وہ پتھر بن کر بیٹھا ہے۔"

وہیں پر رباب کے چچا اور چاچی بیٹھے ہوئے تھے،

ان کے چہروں پر رباب کے لیے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ان کے لیے رباب کی یہ حالت اور اس کی بیماری صرف چونچلے ہی تھے۔

حد نہیں ہو گئی سارے گھر کا ماحول تباہ کر رکھا ہے اس لڑکی نے "صرف نکاح ہی تو ہوا تھا، کون سا رخصتی ہو گئی تھی جو وہ اتنی پاگل ہو رہی تھی اس آدمی کے پیچھے؟" چاچی نے منہ بسورتے ہوئے کہا، ان کے لہجے میں طنز تھا۔ "اور پھر ان سب لوگوں سے چھپ چھپا کر اسے اکر م کے ساتھ اس طرح کی ڈیل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جس کا بعد میں اس طرح خمیازہ نہ بھگتنا پڑے؟ یہ سب اس کی اپنی غلطیاں ہیں۔" ان کے الفاظ رباب کے ابا کے دل پر پتھر کی طرح گر رہے تھے، مگر وہ خاموش بیٹھے تھے۔

تم چپ کر جاؤ ہماری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے۔ اللہ نہ کرے تمہاری بیٹی پر ایسا وقت آئے رضیہ  
- اماں کا لہجہ سخت تھا جب کہ چاچی اپنا سامنہ لے کر رہ گئی۔

ابانے ایک گہرا سانس لیا، ان کی نگاہیں دور خلا میں جمی تھیں۔ ان کے چہرے پر تھکن اور بے بسی  
صاف نظر آرہی تھی۔ "نہیں، وہ کوئی بات سننے کو راضی نہیں ہے۔" ابانے کہا، ان کی آواز میں  
مایوسی اور بے چارگی تھی۔ "اس نے مجھ سے بات کی ہے، اس نے میرے سامنے ایک شرط رکھی  
ہے۔" ابانے اماں کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جیسے انہیں کوئی  
راستہ نظر آیا ہو۔ "اگر ہم وہ شرط پوری کر دیتے ہیں تو وہ رباب کو رخصت بھی کرے گا اور اسے  
ساری زندگی اپنے ساتھ خوش بھی رکھے گا۔ یہ اس کا وعدہ ہے۔" ابانے جیسے اماں کو ایک امید کی  
کرن دکھائی تھی، اور اماں تو پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں ایک  
نئی چمک ابھری، جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔

○○○○○○○

ڈاکوؤں کے قبیلے کے باہر، کچی مٹی کا ایک کھلا میدان تھا جہاں شام ڈھلنے کے بعد موسم خوشگوار  
ہو جاتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور دور کہیں سے چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آرہی

تھیں۔ وہیں ایک بڑے سے چبوترے پر سب لوگ مل کر کھانا کھا رہے تھے۔ ہنسی مذاق اور باتوں کی آوازیں ماحول میں گھل رہی تھیں۔ سردار دلدار بھی وہیں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان تھا۔ دعام بھی آج اوپر اپنے کمرے سے نیچے آگئی تھی اور سب کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ نیلے رنگ کی سوتی فراک میں بے حد پیاری اور معصوم لگ رہی تھی، اس کی سادگی اور خوبصورتی سب کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

جبرو، جو ابھی تک تکلیف سے نڈھال تھا، اسے بھی ٹھنڈی ہوا لگوانے کے لیے اس کی چارپائی باہر چبوترے کے قریب لا کر رکھی گئی تھی۔ وہ بھی وہیں چارپائی پر لیٹا، پیچھے تکیوں کے سہارے بیٹھتے ہوئے اپنا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی کافی حد تک سکون آچکا تھا، کیونکہ اب اسے ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی۔

جمر نے اپنے سامنے رکھی یخنی کا ڈونگا اٹھایا اور ایک چمچ بھر کر منہ میں ڈالا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ اسے اپنی زبان پر ایک انوکھا اور لذیذ ذائقہ محسوس ہوا۔

"ایسی مزیدار یخنی میں نے زندگی میں نہیں کھائی! بہت اچھی بنی ہے!" اس نے دعام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں سچی تعریف تھی اور چہرے پر مسکراہٹ۔ "مجھے تو پتہ ہی نہیں

تھا یخنی ایسی بنائی جاتی ہے! یہ میر و تو پتہ نہیں یخنی کے نام پر آج تک مجھے کیا کھلاتا رہا ہے!" وہ میر و کو ہنسی میں باتیں سناتے ہوئے دعام کی تعریف کر رہا تھا۔ میر و نے شر مندہ ہو کر اپنا سر جھکا لیا اور ہلکا سا مسکرا دیا۔

دعام کے چہرے پر ایک شر میلی سی مسکراہٹ آئی، اس کے گال ہلکے سے سرخ ہو گئے۔  
- "آپ کو اتنا پسند آیا ہے؟" اس نے خوشی سے کہا۔

میں روز بنادوں گی! جب تک آپ کا دل کرے گا۔"

سردار نے گھوڑ کر اسے دیکھا اس کا لہجہ فوراً سخت ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے، ایک حقیقی سردار کے انداز میں کہا۔ "خبردار! جو آج کے بعد تم نے کچن میں قدم رکھا! اگر آج تمہاری ضد مان لی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اپنی من مانیوں پر اتر آؤ گی! میری بات سنو گی!" اس کی آواز میں سرداری رعب تھا، جو قبیلے میں سب اس سے ڈرتے تھے۔

دعام کی مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔ اس نے ہونٹ باہر لٹکا لیے اور بے یقینی سے سردار کو دیکھا۔ اس کی معصومیت اور ضد دونوں ایک ساتھ عیاں تھیں۔ "آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں؟"



اس کی آواز میں حیرت اور ہلکی سی شکایت تھی۔ سردار تو اپنا سر پکڑ کر رہ گیا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا حکم دعام پر یوں اثر کرے گا۔ اس کے رعب کا دعام پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

سردار دلدار نے آہ بھری، جیسے اس نے ہار مان لی ہو۔ "نہیں، میرا سجن سائیں! میں نہیں ڈانٹ رہا تمہیں!" اس کا لہجہ نرم ہو گیا، اس کے رعب کی جگہ محبت نے لے لی تھی۔ "بس بتا رہا ہوں کہ گرمی بہت ہے! اپنے یہ شوق تم سردیوں میں پورے کرنا۔" وہ دعام کے سامنے پوری طرح سے بے بس تھا، اس کی خوبصورتی اور معصوم ضد کے سامنے اس کا سارا رعب بالکل پگھل گیا تھا۔ دعام نے اپنی آنکھوں میں ایک شرارت بھری چمک لائی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی انگلی اٹھا کر سردار کی طرف اشارہ کیا، اس کی آواز میں اب اعتماد تھا، جیسے وہ سردار کو چیلنج کر رہی ہو۔ "میرے شوق، میری مرضی! میں جب دل کرے گا تب پورا کروں گی۔" اس نے سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

"خبردار جو آپ نے مجھے ان آنکھوں سے گھورا! دیکھ لیں کتنے بھائی ہیں میرے یہاں!" اس نے سامنے بیٹھے ڈاکوؤں کی طرف اشارہ کیا جو خود ہی سردار کی آنکھیں دیکھ کر سہم سے گئے تھے، یہ دیکھ کر کہ دعام سردار سے کیسے بات کر رہی تھی

- "یہ نہ ہو کہ آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں!"

سردار دلدار کے ہونٹوں پر ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ آئی، اس نے سر ہلا دیا۔

"ڈر گیا میں تمہارے بھائیوں سے...." اس نے مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے جلدی

سے ایک نوالہ بنایا اور دعام کے کچھ بولنے سے پہلے ہی اس کے منہ میں ڈال گیا۔ دعام، اگرچہ

سردار سے ناراض ہونے کا پکا پلان بنا رہی تھی، لیکن اب نوالہ کھانے اور کھانا کھانے میں

مصروف ہو گئی۔

اس سب کے دوران، بالانہ جانے کہاں گیا تھا۔ اس کی واپسی اب تک نہیں ہوئی تھی، جس کا

مطلب تھا کہ اس کا ڈاکٹرانی سے ملنا ابھی باقی تھا۔ سردار نے ایک نظر اس خالی جگہ پر ڈالی جہاں

بالا بیٹھا ہوتا تھا۔ پھر مسکرا دیا

○○○○○○○

بالا اس وقت شہر کے ایک چھوٹے سے ہسپتال پہنچا تھا۔ ہسپتال کی عمارت پرانی تھی، اور اندر سے

دوائیوں کی تیز بو آرہی تھی۔ اس کا ہاتھ کا زخم تو بالکل چھوٹا سا تھا جو سردار دلدار نے جاگو سے

لگایا تھا، لیکن آتے آتے اس نے اپنے زخم کو اچھا خاصا بگاڑ لیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ پر گندی پٹی

باندھ رکھی تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسی بہانے ڈاکٹر بیلا سے اپنا علاج بھی کروائے گا، اور کچھ دیر اس کے پاس رکے گا۔

ہسپتال کے مرکزی کاؤنٹر پر پہنچ کر، بالانے اپنی مخصوص ڈاکوؤں والی چال میں قدم اٹھائے اور ایک روکے انداز میں پوچھا۔ "ڈاکٹر بیلا کہاں ہے؟" اس کی آواز میں ایک ایسا رعب تھا جو عام ہسپتال کے ماحول میں ناگوار گزر رہا تھا۔

اس کے سامنے، کاؤنٹر میں کھڑا ایک نوجوان لڑکا نقاب پوش ڈاکو کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا اور اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "اندر... اندر ہے وہ... وہاں... ڈاکٹروں کے کمرے میں!" اس کی آواز کانپ رہی تھی اور اس کے ہاتھ پسینے سے بھیگ گئے۔ بالانے اسے دوسری نظر بھی نہ دیکھا اور کسی کی اجازت کا انتظار کیے بغیر سیدھا اندر داخل ہو گیا۔

اندر آپریشن تھیٹر جیسا ایک کمرہ تھا، جہاں روشنیاں تیز تھیں اور مشینوں کی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ ڈاکٹر بیلا ایک مریض کو دیکھ رہی تھی، اور اس کے ساتھ تین چار ڈاکٹر ز اور بھی موجود تھے۔ بیلانے جب بالا کو یوں اچانک اندر آتے دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں،

اس نے فوراً اسے پہچان لیا۔ بالاسیدھا اس کے پاس آیا اور ایک کرسی کھینچ کر اس کے بالکل ساتھ آکر بیٹھ گیا۔

"ڈاکٹر بیلا! چوٹ لگی ہے مجھے! علاج کرو!" اس نے حکم دیا، جیسے یہ اس کا حق ہو اور بیلا کی ڈیوٹی۔ اس کا انداز بہت بے تکلف تھا۔

بیلا نے فوراً اس کے پاس سے اٹھی، اس کے چہرے پر سختی اور ناگواری صاف تھی۔ "معذرت، میں یہ کام نہیں کرتی۔" اس نے صاف انکار کیا، اس کی آواز میں مضبوطی تھی۔ "آپ باہر نرس سے کروائیں! میرا کام یہ نہیں ہے۔" وہ یقیناً اسے پہچان چکی تھی کہ سامنے کون ہے،

بیلا کے ساتھ کھڑی ایک ڈاکٹر نے جو شاید بالا کے ڈھکے ہوئے چہرے اور ریو الوردیکھ کر سہم گیا تھا، آہستہ سے بیلا کے کان میں سرگوشی کی۔ "بیلا! دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟" اس نے بیلا کو جھنجھوڑا۔ "یہ کوئی عام انسان نہیں، بہت بڑا ڈاکو ہے! اس سے پہلے کہ یہ بندوق نکال کے ہم تینوں کا نشانہ لگا دے، تو اس کی پٹی کر دے اور معاملہ ختم کر!"

بالا نے ایک لمبی سانس لی، اس نے ڈاکٹر کی سرگوشی سن لی تھی اور اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آئی۔ اس نے اپنے جبہ سے فوراً ایک براؤن رنگ کا ریو الور نکال کر وہیں ڈیسک پر رکھ دیا۔ ریو الور کی ٹھنڈی دھات کی آواز کمرے میں گونجی۔ پھر اس نے اپنا زخمی ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ بیلا مرتی کیا نہ کرتی؟ اسے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان پیاری تھی۔ اس نے مجبوری میں، خاموشی سے اس کے زخم پر پٹی کرنا شروع کر دی۔

زخم واقعی بہت چھوٹا تھا، لیکن اس طرح بگاڑا گیا تھا کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے بالا نے جان بوجھ کر اسے خراب کیا ہو تا کہ اسے ڈاکٹر بیلا سے ملنے کا موقع ملے۔ بیلا کے چہرے پر اکتاہٹ کے باوجود ایک عجیب سی تجسس بھی تھا کہ یہ ڈاکو اس سے ہی کیوں علاج کروانے آیا ہے۔

oooooooo

ندی کنارے پتھروں پر سنہری دھوپ پھیل رہی تھی۔ دعام ایک بڑے پتھر پر بیٹھی، بے چینی سے کچے راستے پر نظریں جمائے تھی، جہاں سے بالا کو آنا تھا۔

کل رات سردار نے اسے بتایا تھا کہ بالا ڈاکٹر بیلا سے ملنے ہسپتال گیا ہے۔ دعام بالا سے اس ملاقات کی کہانیاں سننے کے لیے بیتاب تھی۔

اور اس سے بھی زیادہ اس سے اپنی کچی کیری کا انتظار تھا جو بالاروز اس کے لیے لاتا تھا۔

آخر کار، دھول اڑاتا ہوا غبار ابھرا اور بالا خالی ہاتھ نمودار ہوا۔ دعام اسے خالی ہاتھ دیکھ کر فوراً مایوس ہو گئی۔

"یہ کیا؟" دعام نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

کیا کیا۔۔۔۔۔! "بالا انجان بنا۔

خالی ہاتھ کیوں آگئے ہو؟ میرا آم کدھر ہے؟ میں کب سے انتظار کر رہی تھی!" اس نے منہ بسور لیا۔

بالا نے آہ بھر کر سر پر ہاتھ مارا۔

"کیسے لے کر آتا؟" تمہارا آم اس نے دور آم کے درخت کی طرف اشارہ کیا، جہاں آج سردار دلدار کی نظریں جمی تھیں۔

تمہارا وہ ڈاکو جی... وہ چارپائی پر لیٹا مجھے گھور رہا ہے! مجھے تو لگ رہا ہے اس کی نظر ہے مجھ پر! میں تو درخت کے قریب گیا ہی نہیں، اس کی ایک نظر ہی کافی تھی مجھے ڈرانے کے لیے!" اس کے لہجے میں خوف اور چڑچڑاہٹ تھی۔

"اچھا، بیٹھنے دو پہلے مجھے سکون سے وہ اس کے پاس ہی بیٹھنا راضگی اب بھی تھی۔

"آم کی بات میں دیکھی جائے گی، پہلے میں تمہیں کل والی ملاقات کا بتاتا ہوں!" بالا کا چہرہ جوش سے چمک رہا تھا، کہ اسے اپنی "محبت کی داستان" سنانے کا موقع مل رہا ہے، جب دعام نے اسے ہاتھ کے اشارے سے چپ کر وایا۔

"جی نہیں جناب! پہلے میرا آم!" دعام نے ضد سے کہا۔

مجھے ایسے آپ کی بورنگ باتیں سننے میں مزہ نہیں آئے گا! جب تک میرا ٹیکس مجھے نہ مل جائے، تب تک میں کسی کی کوئی بات نہیں سنتی۔ پہلے جائیں، میرے لیے ایک کچا اور کھٹا آم لے کر آؤ۔ پھر آکر اپنی محبت کی داستان سنانا۔" اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

یار دعام پہلے سن تولو، قسم سے بورنگ ملاقات نہیں تھی وہ اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

ٹیکس لگے گا میں فری میں کچھ نہیں سنتی، وہی ہی لا پروا انداز۔ بالا مجبوراً واپس اٹھا۔ اس نے بے چارگی بھری نظر دعام پر ڈالی، جس کا چہرہ آم کے لیے ضد سے چمک رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ دعام کی ضد کے آگے سردار دلدار بھی ہار مان لیتا تھا، تو اس کی کیا اوقات۔ وہ ایک لمبی آہ بھر کر، قبیلے کی طرف، جھجکتے قدموں سے آم کے درخت کی طرف چل دیا۔

رباب کے گھر کا صحن، جو ہمیشہ ہنسنے بولنے کی آوازوں سے گونجتا تھا، آج کل ایک گھرے سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ دوپہر کی دھوپ بھی بے جان سی لگ رہی تھی، اور گھر کے ہر کونے میں ایک ان دیکھے خوف کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ وہ خوف تھا ڈاکوؤں کا،

جن کا ذکر ہی گھر کے ہر فرد کے دل میں دہشت پیدا کر دیتا تھا۔ ابا اور اماں کے چہرے گہری پریشانی میں ڈوبے ہوئے تھے،

جبکہ چچا، جو ایک چارپائی پر بیٹھے حقہ گڑ گڑا رہے تھے، ان کے تیور چڑھے ہوئے تھے۔

"ہمارے سروں پر پہلے ہی ڈاکوؤں کا ڈر سوار ہے اور ایسے میں اکرم کی بات ماننا ہمارے لیے بے حد مشکل ہے۔" ابا نے کہا، ان کی آواز میں بے بسی تھی۔

انہیں یاد تھا کہ کس طرح مشکل سے ان کی جان ان ڈاکوؤں سے چھوٹی تھی۔

ہم خود بھی ان ڈاکوؤں سے ڈرتے ہیں، اور اب اکرم نے جو شرط ہمارے سامنے رکھ دی ہے، اسے دیکھ کر تو پریشانیاں مزید بھر گئی ہیں۔" ان کا دل رباب کے حال سے بے چین تھا۔



چچا نے غصے سے اپنا حقہ ایک طرف رکھا اور ابا کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں شدید ناراضگی تھی۔

خبردار بھائی صاحب خبردار! جو کسی نے ڈاکوؤں کا ذکر بھی اس گھر میں کیا! "ان کی آواز گونجی۔  
بڑی مشکل سے جان چھوٹی ہے ان ڈاکوؤں سے، اللہ کا شکر ہے۔ اور وہ لوگ صرف دعام کے لیے اتنے بے قرار ہو رہے تھے؟" چچا نے اماں اور ابا دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

شکر کریں کہ صرف دعام کو ان کے حوالے کیا تو ہماری جان چھوٹ گئی، اگر وہ ہماری کسی اور بیٹی کا مطالبہ رکھ دیتے تو ہمارے سروں پر تو خاک پر جاتی۔

کتنی مشکل سے یہ کہہ کر بات کو دبایا ہے کہ دعام کا اس ڈاکو کے ساتھ چکر چل رہا تھا اسی لیے اس کے ساتھ نکاح پر وادیا۔ اب اگر آپ ان ڈاک منہ میں گھسیں گے نا تو ہماری دو کوڑی کی عزت نہیں رہ جائے گی

"آپ کو اپنی بیٹیوں کی پرواہ ہونہ ہو، مجھے اپنی بیٹیوں کی پرواہ ہے۔ میں بار بار یہ بدنامی نہیں سہ سکتا! پہلے ہی لوگوں کی زبانیں بند نہیں ہوتیں۔" ان کے لہجے میں غصہ اور سماجی دباؤ صاف جھلک رہا تھا۔

ابا کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ انہیں تو بس اپنی رباب نظر آرہی تھی، اس کا زرد چہرہ، اس کی بے جان آنکھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر رباب کی ایک دفعہ طلاق ہو گئی، تو اس کی زندگی مکمل طور پر برباد ہو جائے گی۔

"اگر ایک دفعہ طلاق ہو گئی تو زندگی برباد ہو جائے گی،" یہ بات سوچ کر ہی ابا کا دل دھک کر رہ گیا تھا

ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔ "اور بغیر رخصتی کے طلاق... یہ تو ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا! معاشرے میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔" یہ وہ بہت اچھے طریقے سے جانتے تھے۔ وہ اپنی بیٹی کی زندگی کسی صورت برباد نہیں کر سکتے تھے۔

ایسے میں، ایک طرف تو اکرم کی کڑی شرط کا دباؤ تھا اور دوسری طرف چچا کی طرف سے بھی بہت دباؤ تھا۔

چچا کی باتیں ان کے دل پر تلوار کی طرح چل رہی تھیں کہ اگر یہ مسئلہ زیادہ بڑھ گیا تو رباب کو طلاق دلوا دی جائے۔ ابا بے حد پریشان تھے، انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس دوہری مشکل سے کیسے نکلیں۔ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔

قبیلے کا میدان کھلا اور وسیع تھا۔ شام کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دور مغرب میں سورج غروب ہونے والا تھا، اور آسمان پر نارنجی اور گلابی رنگ پھیل رہے تھے۔

سردار دلدار ایک بڑے درخت کے سائے میں کھڑا تھا، دعام ندی کی طرف گئی تھی اور اس نے اب بالا کو آم لینے بھیجا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی، وہ بالا کی چالاکی کو سمجھ رہا تھا۔

بالا کی ہر حرکت پر اس کی نظر تھی بالا کبھی آم کے درخت کے قریب جاتا، کبھی اس کی طرف مڑ کر پیچھے دیکھتا، اور پھر واپس آ جاتا۔ اس کا انداز بڑا عجیب اور جاسوسانہ تھا، جیسے وہ کوئی چوری کر رہا ہو۔ سردار دلدار کب سے یہ سب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

بالا جب دوبارہ سردار کی طرف آتے دکھائی دیا تو سردار نے اسے روکا۔

"یہ تم بار بار میدان کے چکر کیوں کاٹ رہے ہو، بالا؟" سردار نے پوچھا،

"دعام ندی پر اکیلی ہے، اسے تمہارا انتظار ہے۔ اور وہ سردار نی ہے، اسے زیادہ انتظار نہیں کروا

سکتے۔"

- "کچھ نہیں بس دیکھ رہا ہوں، سردار! میدان تھوڑا گندا ہو رہا ہے، کچرا پھیلا ہوا ہے، اور دھول بھی ہے۔ اس کی صفائی کروانی چاہیے، میں سوچ رہا تھا آج رات ہی کروالوں۔ تم کیا کہتے ہو؟" بالا نے جلدی سے بہانا بنایا، اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی

سردار دلدار کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز، گہری مسکراہٹ آئی۔ وہ بالا کی چالاکی کو بخوبی سمجھ چکا تھا۔

"ہاں، میدان بھی کافی گندا ہو رہا ہے اور لوگوں کی نیت بھی۔ آج میرو کو بول کر یہ آم کے درخت کی چھٹائی کرواؤ! اور سنو، سارے آم اتار کر پھینک دو! مجھے اس درخت پر ایک بھی آم نظر نہیں آنا چاہیے۔" اس نے حکم دیا، اس کی آواز میں ایسی سختی تھی جو بالا کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ بالا نے اپنی چوری پکڑے جانے پر شرمندگی سے سر کھجایا،

"ہاں، کیوں نہیں! مجھے کوئی اعتراض نہیں!" بالا نے ہکلاتے ہوئے،

"بس تمہارا سجن سائیں ناروٹھ جائیں تم سے!" اس نے سردار دلدار کے اس عمل کا سنگین نتیجہ اسے بتایا، اس کا اشارہ دعام کی طرف تھا جو آم کے بغیر ناراض ہو سکتی تھی۔ اس پر سردار دلدار نے اسے گھورا، اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو بالا کو مزہ دے گئی۔

بالا نے سردار کی گھورتی نظروں کو محسوس کیا اور فوراً اپنے لہجے میں نرمی لائی، مگر اپنے دل کی بات کہنے سے باز نہیں آیا۔

"مجھے مت بھولو سردار! میرا کیا ہے، میں تو تمہاری ایک نظر سے گھبرا جاؤں گا۔ لیکن وہ... وہ نہیں ڈرتی! یہ نہ ہو کہ تمہارے اس قدم سے تمہیں ہی قبیلے سے اٹھا کر باہر پھینک دے! یا تمہیں ہی آم کے درخت پر لٹکا دے! باقی آگے تمہاری مرضی ہے!" وہ کندھے اچکا کر وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ بالا کو جاتے دیکھ سردار کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آئی تھی، اسے دعام کی ضد اور بے خونی پر بے انتہا پیار آرہا تھا۔

اس کا میٹھا سائیں دن بدن شرارتی ہوتا جا رہا تھا۔

oooooooo

رباب کے گھر کا لکڑی کا دروازہ آہستگی سے کھلا اور اکرم اندر داخل ہوا۔ اس کے انداز میں ایک ناقابل شکست غرور اور اکڑ صاف نظر آرہی تھی۔ اس کا چہرہ پر سکون تھا، اس پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

باہر اماں اور ابا ایک پرانی چارپائی پر بیٹھے تھے، ان کے چہرے پر گہری پریشانی کے سائے تھے اور ان کی آنکھیں امید اور خوف کے ملے جلے تاثرات لیے تھیں۔

"السلام علیکم!" اکرم نے اپنی بھاری، گہری اور پر اعتماد آواز میں سلام دیا، اس کی نظریں براہ راست ابا پر جمی تھیں۔

ابا نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا،

"وعلیکم السلام۔" ان کے دل میں اکرم کے لیے شدید غصہ تھا، لیکن وہ مجبوری اور بے بسی کے عالم میں تھے۔

اکرم نے ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ابا کی طرف دیکھا۔

"بہت اچھا فیصلہ کیا ہے آپ لوگوں نے۔ آپ کا یہ فیصلہ آپ کی بیٹی کی زندگی بدل دے گا، یہ میرا وعدہ ہے۔ وہ زندگی بھر خوش رہے گی۔" پھر اس نے اپنی نظریں گھر میں ادھر ادھر گھمائیں، جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

"کہاں ہے میری منکوہہ رباب؟ میں اس سے ملاقات کر سکتا ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو؟"

ابانے سر کے اشارے سے کمرے کے اندر اشارہ کیا، جہاں رباب لیٹی تھی۔ اکرم کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، وہ اٹھ کر تیزی سے اندرونی کمرے کی طرف چلا گیا۔ اماں اور ابا ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھتے رہ گئے، ان کے چہرے پر ایک دوسرے کے لیے ہمدردی اور مشترکہ دکھ تھا، جیسے ان کی قسمت پر سے پردہ اٹھ گیا ہو اور وہ خود کو بے بس محسوس کر رہے ہوں۔

oooooooo

اندرونی کمرے میں، ایک چھوٹے سے بستر پر رباب بے جان سی لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے میں صرف ایک بلب کی زرد روشنی پھیلی تھی جو ماحول کو مزید اداس بنا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چھت پر جمی تھیں، جسم لاغر تھا اور چہرہ زرد پڑ چکا تھا، ہونٹ سوکھے ہوئے تھے۔ اس کے بازو میں ڈرپ ابھی بھی لگی ہوئی تھی، جس سے قطرہ قطرہ دوا اس کے جسم میں جارہی تھی۔ اس کا وجود دکھ اور تھکن سے چور چور تھا۔ اکرم اندر داخل ہوا، اس کے قدموں میں ایک خاص وقار تھا، جو اس کے مغرور مزاج کا آئینہ دار تھا۔ وہ رباب کے قریب آیا اور اس کے بستر کے پاس جا کر جھکا، اس کے چہرے پر ایک ہمدردی کا تاثر تھا۔

"السلام علیکم، رباب میری جان!" اکرم نے نرم آواز میں کہا، اس کے لہجے میں اچانک پیار بھر آیا تھا۔ اس نے رباب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے...؟ تم تو میری دنیا ہو۔ میری تو جان نگلی جا رہی ہے تمہیں اس حالت میں دیکھ کر۔" رباب میں صرف تم سے ناراض تھا کوئی چھوڑ کر تھوڑی گیا تھا تمہیں۔

اکرم کی آواز سنتے ہی رباب نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ اس نے اکرم کو اپنے سامنے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک دم سے آنسو بھر آئے۔ اس کا بے جان جسم جیسے اچانک زندہ ہوا اٹھا۔ وہ جذباتی ہونے لگی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ "اکرم...!" اس کی آواز لرز رہی تھی، جیسے صدیوں کے دکھ اس میں سمٹ گئے ہوں۔

"آپ مجھے چھوڑ رہے ہیں؟ آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟ میں مر جاؤں گی اکرم! میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر!" وہ اپنی تمام توانائی اکٹھی کر کے بستر پر اٹھ بیٹھی اور تیزی سے اس کے قریب آئی، اس کا لاغر وجود دکھ اور خوف سے کانپ رہا تھا۔

اکرم نے تیزی سے اسے اپنے بازوؤں میں بھرا اور اس کے لاغر وجود کو اپنے سینے سے لگالیا۔ اس کا ہاتھ رباب کے بالوں میں پیار سے پھرنے لگا۔ اس "محرم محبت" کا یہ پہلا لمس رباب کو اندر تک



سرشار کر گیا تھا۔ اسے لگا جیسے اسے ایک بار پھر زندگی مل گئی ہو، جیسے وہ ایک طویل اندھیرے کے بعد روشنی میں آگئی ہو۔ اس نے اکرم کو مضبوطی سے تھام لیا، جیسے وہ اسے کبھی جانے نہیں دے گی۔

"اکرم، میں نہیں رہ سکتی آپ کے بغیر۔" رباب نے روتے ہوئے کہا، اس کی آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔

"میں مر جاؤں گی اگر میں... اگر میں آپ کے ساتھ نہ رہی۔ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں، آپ نہیں جانتے یہ کتنا سچا پیار ہے۔ یہ نکاح میرے لیے صرف ایک تعلق نہیں ہے، یہ میرے لیے میری پوری زندگی ہے۔" اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس کے آنسو اکرم کے کندھے پر گر رہے تھے

"خدا کے لیے مجھے مت چھوڑیے! میں طلاق کا داغ اپنے سر پر نہیں سجا سکتی۔ میں سماج میں کیسے جیوں گی؟ میرا تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

اکرم نے اس کے بالوں کو پیار سے سہلایا، اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم مسکراہٹ تھی۔

"رباب، میں نہیں چھوڑ رہا تمہیں! کیا ہو گیا ہے میری جان؟ اس طرح سے کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی؟"

"اس دن میں بہت ڈسٹرب تھا اسی لیے چلا گیا تھا، میری حالت بھی ٹھیک نہیں تھی، مجھے بھی کچھ مسائل تھے۔ لیکن اب آگیا ہوں تمہارے لیے، تمہیں لینے آیا ہوں! میں ہر گز تمہیں نہیں چھوڑوں گا! تم پریشان مت ہو! میں نے تمہارے والد صاحب سے بات کی ہے، بس تمہارے والد میری تھوڑی سی مدد کر دیں اس کام میں، جو میں نے ان سے کہا ہے۔"

اس نے رباب سے نظریں چرا کر دروازے کی طرف دیکھا، جہاں اسے اماں کا سایہ نظر آیا۔  
"باقی دیکھنا، دھوم دھام سے بارات لے کر آؤں گا تمہاری! میں تمہیں ایک شہزادی کی طرح رکھوں گا، کوئی غم تمہارے قریب نہیں آئے گا!" وہ اسے سنہری خواب دکھا رہا تھا، اس کا لہجہ مٹھاس سے بھرا تھا۔

جبکہ دروازے پر کھڑی اماں اس کی یہ تمام باتیں سن کر پریشان ہو گئی تھیں۔ ان کی نظریں اکرم کے چہرے پر تھیں اور انہیں صاف نظر آ رہا تھا اکرم اب بھی صرف اپنے مطلب کے لیے یہاں آیا تھا۔ ان کا دل کانپ اٹھا کہ اگر اس کا مطلب پورا نہیں ہوا، تو وہ رباب کو طلاق دینے میں

ایک لمحہ بھی نہیں لگائے گا اور رباب کی زندگی مکمل طور پر تباہ ہو جائے گی۔ اماں کی آنکھوں میں گہرا خوف تھا، وہ رباب کی معصومیت اور اکرم کی چالاکی دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

○○○○○○○

دعام نے رات کے کھانے کے وقت بالا کو اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کا موڈ پہلے ہی خراب تھا۔ اس کی آنکھوں میں انتظار تھا اور دل میں ایک بے چینی، جو اس کی خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے تھی۔ جیسے ہی بالا نے کھانا اس کے سامنے رکھا، دعام نے اسے گھور کر دیکھا، اس کی آواز میں گہرا غصہ اور مایوسی تھی۔

"یہاں میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے اور کسی کو میرا احساس تک نہیں ہے!" دعام نے تیکھے لہجے میں کہا، اس کی نظریں بالا کے ہاتھ میں موجود کھانے پر جمی تھیں۔

"آپ خالی ہاتھ کیوں آئے ہو؟ میرا آم کہاں ہے؟"

بالا نے ایک لمبی آہ بھری، جیسے اس پر بہت بڑا بوجھ ہو۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا برتن میز پر رکھا اور مایوسی سے دعام کی طرف دیکھا۔

ایسی کی تیسری تمہارے نشے کی! تمہارا ڈاکو جی تو پورا کاپورا درخت اکھاڑنے کے چکر میں ہے!" اس کے لہجے میں سردار کا خوف نمایاں تھا۔

"اسے کم مت سمجھو! اسے سب پتہ ہے، ہر بات کی خبر ہے۔ یہ جو تم چوری چوری مجھ سے اور کبھی جمرے سے کیریاں منگواتی تھی نا، ہر بات کی خبر ہے اسے!" بالانے سچائی بتاتے ہوئے کہا۔

"اور اس نے آج حکم بھی دے دیا ہے میرو کو کہ آم کے درخت پر کوئی ایک آم بھی نہ بچے، یہ سارے کے سارے اتار کر پھینک دو!" بالانے یہ کہہ کر کھانا اس کے سامنے رکھا تو دعام کا منہ حیرت سے کھل گیا، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سردار ایسا بھی کر سکتا ہے۔

"نہیں بھیا پلیز نہیں!" دعام فوراً بستر سے اٹھی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"پلیز، پلیز ایسا نہیں کریں نا! میرے آموں نے کیا بگاڑا ہے؟ آپ کے سردار کا۔۔۔! ان معصوم آموں نے کیا بگاڑا ہے اس ظالم کھڑوس سردار کا" وہ روہانسی ہو کر بولی، اس کی آواز میں التجا تھی۔

اسی لمحے دروازہ زور سے دھکیلتے ہوئے سردار دلدار اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی، جو اس کی رعب دار شخصیت کو مزید پرکشش بنا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔

"تو جابہاں سے بالا...." سردار دلدار نے پراعتما د اور رعب دار لہجے میں بالا کو حکم دیا، اس کی آواز میں ایک ایسا ٹھہراؤ تھا جو کسی بھی بات کو اٹل بنا دیتا تھا۔

"میں اپنے سجن سائیں کو خود بتاؤں گا کہ آموں نے میرا کیا کیا بگاڑا ہے!" وہ دعام کی طرف دیکھتے ہوئے، محبت اور ایک خاص انداز میں مسکرایا۔

سردار نے بالا کو دیکھتے ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا اور پھر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بالا فوراً وہاں سے کھسکا، اسے معلوم تھا کہ اب سردار نی کی خیر نہیں

○○○○○○○

کمرے کے اندر، مدھم روشنی میں سردار دعام کو اپنی باہوں میں لیے بیٹھا تھا۔ باہر کی دنیا، ڈاکوؤں کا راج، اور قبیلے کے معاملات سب پس پشت چلے گئے تھے۔ سردار کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی، اس کی آنکھیں دعام کے چہرے پر جمی تھیں۔

"هاں تو اب ميں تمهيں تفصيل سے بتاتا هوں كه كيا بگاڑا هے تمهارے آموں نے!" سردار نے گهري، پركشش آواز ميں كهيا۔ اور ايك هي جهٹكه ميں اس نے دعام كو اپني باهوں ميں كهنيچا، اس كا وجود سردار كه مضبوط بازوؤں ميں قيد هو كيا۔ اس كا چهره دعام كي گردن پر جهكا، اور اس كه بے تاب لبوں كا لمس دعام كي نازك گردن پر بكهر كيا۔

دعام كا سارا وجود جيسے بجلي كي لهر سے كانپ اٹھا۔ وه اسے خود ميں قيد كرتا اس كه بازو كو اپنے لبوں سے چھونے لگا، اس كي جلد پر سردار كه هوئوں كي نرمي محسوس هو رهي تهي۔

وه بے باكي سے اسے چومتے هوئے، دوسرے هاتھ سے كهانے كا ايك نواله بنايا اور دعام كه منہ ميں ڈال كيا۔

"ديكهو سجن سائين، آم كهانے كه ليے نه كوئي وجه هوئي چاهيے، اور خاص كر لڑكيوں كي توجه هوئي هي چاهيے۔" اس نے دعام كي آنكهوں ميں گهري نظريں ڈال كر كهيا۔

"تم مجھے كوئي وجه نهين دے رهي، اور ميں تمهيں اس طرح سے كچے آم كهانے نهين دوں گا۔" ميري سردارني كي صحت پے ميں كوئي سمجهوتہ نهين كر سكتا۔

دعام سردار کی باہوں میں بری طرح قید تھی۔ اس کا چہرہ لال ہو چکا تھا، لیکن اس کی معصوم ضد ابھی بھی باقی تھی۔

"وجہ؟ کیسی وجہ؟ ڈاکو جی۔۔۔" کہاں سے وجہ لے کر آؤں میں؟" دعام نے سوال کیا،

اس کی آواز میں معصومیت اور حیرت تھی۔ "میں تو بچپن سے کچے آم کھاتی ہوں، آج تک کوئی وجہ نہیں دی! اب کہاں سے وجہ دوں میں؟" اس نے مزید کہا،

اور سب لوگ کھاتے ہیں، کوئی وجہ نہیں ہوتی! پھر میں ہی کیوں وجہ دوں؟" سردار اسے نوالے پر نوالے بنا کر کھانا کھانے پر مجبور کر رہا تھا، اور وہ شرمندہ ہو کر کھا رہی تھی۔

سردار دلدار نے ایک لمبی سانس لی، اور اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیلی۔

"اف، میرا بھولا سائیں!" اس نے دعام کے گال کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"ضرورت سے زیادہ ہی بھولا ہے۔" وہ اس کے کان کے قریب جھکا، اس کی گرم سانسیں دعام کی گردن پر پڑیں۔

"وجہ بنانی پڑے گی تمہیں، اور وہ وجہ خاص ہونی چاہیے..." اس نے سرگوشانہ انداز میں کچھ ایسا کہا جو دعام کے کانوں میں گھل گیا، اور اس کی یہ سرگوشی سچ مچ میں دعام کے چہرے کو لمحے میں سرخ کر گئی،

سردار دلدار نے دوبارہ دعام کی آنکھوں میں دیکھا، اس کے لہجے میں ایک خاص کشش تھی۔  
"اگر تم کچے آم کھانا چاہتی ہو تو تمہیں مجھے اس طرح کی کوئی وجہ دینی ہوگی۔" اس نے نوالہ بناتے ہوئے کہا۔

"جب تک اس طرح کی کوئی وجہ مجھے نہیں ملتی، تب تک میں اپنے سجن سائیں کی صحت پر کسی طرح کا کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ کچے آم تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"  
دعام نے نوالہ لیتے ہوئے شرما کر کہا، اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

میں کہاں سے دوں ایسی والی وجہ؟ وہ تو اللہ پاک کی طرف سے تحفہ ملتا ہے!" اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"اور ویسے بھی اس چیز کا آم کھانے سے کوئی تعلق ہوتا۔ یہ آپ کو کس نے بتایا؟"



"تعلق تو ہوتا ہے، بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔" سردار نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی چھیڑ تھی۔

"اور جب تک تم مجھے یہ وجہ نہیں دو گی، تب تک تم کچا آم بالکل نہیں کھا سکتی، اور جو تم کھا سکتی ہو وہ میں تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے کھلاؤں گا!" وہ ایک اور نوالہ اس کے منہ میں ڈال گیا۔  
دعام نے اسے غصے سے دیکھا، اس کی آنکھوں میں ناراضگی تھی۔

"آپ بہت ظالم ہیں ڈاکو جی!" وہ اچانک ہی کھانا چھوڑ کر اس کی طرف مڑتے ہوئے اس کی قمیض کے بٹنوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے لگی، جیسے اسے اپنے میں منار ہی ہو۔  
"آپ میرے سارے آم توڑ دیں گے؟"

"تم ضرورت سے زیادہ ہی اس درخت پر مہربان ہو چکی ہو سجن سائیں۔" سردار نے دعام کے ہاتھ کو پکڑ کر پیار سے قمیض سے ہٹایا۔ وہ یہ بات ہر گز نہیں ماننے والا تھا چاہے وہ کچھ بھی کیوں نہ کر لے۔

"درخت سے دور رہا کرو مجھے تمہارے اس درخت کے ساتھ اتنی بے تکلفی گوارا نہیں!" اس نے نرمی سے اس کے لبوں کو چوما، اور پھر پیچھے ہٹا۔ اس کی آنکھوں میں گہری چاہت تھی۔

"استغفر اللہ! کتنے جل کر رہے ہیں آپ!۔" ایک درخت سے جلتے ہیں؟ مجھے درخت سے مطلب نہیں! مجھے تو اس پر لگے سبز سبز، کھٹے میٹھے آموں سے مطلب ہے! ان کے ذائقے سے مطلب ہے!"

دعام نے باقاعدہ چٹخارہ لیتے ہوئے کہا، اس کا لہجہ شرارت سے بھرا تھا اس کے معصوم اور چلبے انداز پر سردار دلدار مسکرا دیا،

اس نے دعام کے معصومانہ چٹخارے پر مسکراتے ہوئے، اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری محبت اور ملکیت کا جذبہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیر رہا تھا، جبکہ دعام ابھی بھی اپنے آموں کی فکر میں تھی۔

"میں جانتا ہوں میرے سجن سائیں کو صرف اس پر لگے آموں سے مطلب ہے،"۔

لیکن تمہاری آموں کے لیے بھی اتنی محبت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر دعام کا گال تھپتھپایا۔

ویسے یہ جو تم اتنی محنت بالا کی منتوں اور جمرہ کی خدمتوں میں کرتی ہو صرف ایک آم کے لیے، اگر اپنے دلدار سائیں کی کرو تو ہو سکتا ہے تمہیں بہت کچھ حاصل ہو، بہت کچھ۔" اس نے اپنی

کالی گھنی مونچھوں کو ہلکا سا تاؤ دیتے ہوئے، ایک خاص انداز میں کہا، جیسے اسے کوئی بہت بڑا راز بتا رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ایک گہرا وعدہ تھا۔

دعام نے سردار کی طرف دیکھا، اس کی نظروں میں تجسس تھا، مگر ساتھ ہی ایک ڈر بھی کہ وہ کوئی ایسی شرط نہ رکھ دے جسے پورا کرنا مشکل ہو جائے۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

اچھا جی "کیا چاہیے آپ کو؟" اس نے پوچھا، اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

اور کیسے یقین کروں آپ پر کہ آپ اپنا مطالبہ منوا کر اپنی بات سے مکرریں گے نہیں؟" اس نے سردار کی آنکھوں میں گہری نظریں ڈال کر سوال کیا، اس کے لہجے میں شک اور ڈر دونوں تھے۔ سردار اسے گھور کر رہ گیا تھا، جیسے اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا ہو کہ دعام اسے قابل یقین نہیں سمجھتی۔

"خیر، اسے اس پر یقین کرنا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ وہ اپنا مطالبہ منوا کر بھی اس کی بات نہیں ماننے والا تھا۔"

"کر لو یقین بس... "سردار نے گہری سانس لی، اس کے لہجے میں ایک خاص قسم کی بے پروائی تھی، جیسے اسے دعام کے سوال سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اگلے ہی لمحے تیزی سے دعام کو

اپنی باہوں میں کھینچتے ہوئے اسے بستر پر گرایا، اس کا مضبوط وجود دعام پر سایہ فگن ہوا۔ اس کے لبوں نے دعام کے لبوں کو چومنا شروع کر دیا۔ یہ ایک بے خودی کا لمحہ تھا، جس میں اس نے دعام کی کوئی بات نہیں سنی، بلکہ اپنی بے قرار دھڑکنیں اسے سناتا رہا، اور اپنے لبوں کی نرمی اسے محسوس کرواتا رہا۔

اس کے بعد اس نے دعام کو مزید بات کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ کبھی اس کے معصوم چہرے کو چومتا، کبھی اس کے سرخ ہوتے لبوں کو چھوتا۔ لبوں کی یہ گستاخیاں ہر حدود کو تجاوز کرتی گئیں، اور دعام اس کی باہوں میں پوری طرح قید ہو گئی۔ باہر کی دنیا، آموں کی فکر، اور سردار کی شرائط سب کہیں گم ہو گئے تھے۔ اس لمحے صرف ان کی بے خودی اور بڑھتی ہوئی قربت تھی، جس میں دعام خود کو مکمل طور پر سردار کے حوالے کر چکی تھی۔

○○○○○○○

پہاڑوں میں گھرا قبیلہ ابھی جاگ رہا تھا، صبح کی پہلی شعاعیں اونچی چوٹیوں سے پھسل کر پہاڑوں پر پڑ رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا میں صبح کی تازگی محسوس کی جاسکتی تھی، اور وادی میں پرندوں کی چہچہاہٹ گونج رہی تھی۔ ایسے میں، ناہموار، پتھریلے راستے سے دو سائے نمودار ہوئے جو دھول

اڑاتے اور ہانپتے ہوئے قبیلے کی حدود میں داخل ہوئے۔ یہ کوئی اور نہیں، دعام کے تایا اور تائی امی تھے۔ ان کے چہروں پر خوف، عجلت اور ایک چھپی ہوئی بے چینی نمایاں تھی۔ ان کی نظریں بے چینی سے چاروں طرف کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

بالا، جو صبح سے ہی اپنی ڈاکوانہ چوکی میں مصروف تھا اور سردار کے احکامات کے مطابق قبیلے کے داخلی راستوں پر نظر رکھے ہوئے تھا، انہیں دیکھتے ہی چونکا۔ اس کی آنکھوں میں فوراً شناسائی کے ساتھ شک نے جگہ لی اور ماتھے پر گہری تیوری ابھر آئی۔ وہ آہستگی سے، اپنی مخصوص دبنگ ڈاکوانہ چال کے ساتھ، پتھروں پر قدم رکھتا ہوا ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کا مضبوط، گٹھا ہوا وجود، اس کا انداز، اور اس کی آنکھوں میں بھڑکتی چمک نے تایا اور تائی کو وہیں جمادیا۔

"ارے تاؤ!" بالا کی آواز گرجدار تھی، جو پہاڑوں میں گونج کر واپس آئی۔ اس کی آواز میں ایک طنزیہ حیرت تھی، جیسے وہ کسی ناممکن چیز کو دیکھ رہا ہو۔ "کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا؟ اور اس صبح، یوں منہ اٹھا کر یہاں کیسے چلے آئے؟" اس کی نظریں سیدھی ان کے چہروں پر گڑی تھیں، ان کے جھوٹ اور ان کے چھپے ارادوں کو بھانپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

تایا اور تائی امی نے ایک دوسرے کو دیکھا، خوف سے ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ بالا کا یہ رعب دار اور بے باک انداز ان کے لیے کسی جھٹکے سے کم نہ تھا۔ تائی امی نے کانپتی ہوئی آواز میں ہمت کی، اس کی آواز میں لرزش تھی۔ "بی۔۔۔ بیٹا، ہم تو بس اپنی۔۔۔ اپنی دعام سے ملنے آئے تھے۔ اس کا حال پوچھنے۔"

بالا کے ہونٹوں پر ایک کرخت، تمسخرانہ مسکراہٹ پھیلی۔ اس کی آنکھوں میں سختی اور غصہ صاف جھلک رہا تھا۔ وہ ایک قدم ان کی طرف بڑھا، جیسے کوئی شکاری اپنے شکار پر قدم اٹھاتا ہو۔ "بیٹی؟ کون سی بیٹی؟" اس کی آواز اس قدر گرجدار تھی کہ جیسے کوئی پہاڑ دھاڑا ہو۔ "آپ کا ہماری دعام سے کوئی تعلق نہیں ہے، تاؤ!"

وہ آپ کی سگی اولاد نہیں! جسے آپ نے کبھی اپنا سمجھا نہیں، اس کے وجود کو کبھی بوجھ کے سوا کچھ نہ جانا، جس کے نام پر آپ نے دنیا بھر کی بے غیرتی اور لالچ کمایا، آج اس کے ساتھ رشتے داریاں بنانے کیوں آئے ہیں؟"

بالا کا لہجہ مزید تند ہوا، اور اس کی آواز میں ایک خوفناک وحشت چھا گئی۔ اس نے انگلی کے اشارے سے انہیں خبردار کیا، اس کی آواز میں قبیلے کے قانون کی گونج تھی۔ "ہم سب سردار

دلدار کے حکم کے غلام ہیں، اور سردار دلدار کے بعد یہ قبیلہ میرے احکامات مانے گا۔ مجھے سب معلوم ہے تمہارے مکروہ ارادے۔ کوئی نہ کوئی گھناؤنا مقصد ہو گا، کوئی لالچ جو تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔ سچ اگل دوور نہ۔۔۔!" بالانے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، لیکن اس کی آنکھوں میں بھڑکتی چنگاری اور اس کے چہرے پر پھیلی ڈاکوانہ وحشت نے ایک نامعلوم، شدید خطرے کا پیغام دیا۔

تایا اور تائی امی بری طرح خوفزدہ ہو گئے۔ بالاکا یہ رعب دار اور بے رحم انداز انہیں سردار دلدار کے غصے کی یاد دل رہا تھا۔ ان کے چہرے پسینے سے شرابور ہو گئے، اور وہ فوراً ہاتھ جوڑ کر منتیں کرنے لگے۔ "بی۔۔۔ بیٹا بالا، ہم صرف اس سے ایک دفعہ ملنے کے لیے آئے ہیں! خدا کے لیے ہمیں ایک بار اس سے ملو! ہم صرف اس کا حال پوچھنے آئے ہیں۔" تائی امی کی آواز میں گڑ گڑاہٹ تھی، جیسے ان کی جان حلق میں اٹکی ہو۔

بیٹا وہ۔۔۔۔"

ابے نکل تاو میرا دماغ مت خراب کر بالا کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا، اس کی آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ تایا اور تائی کی گڑ گڑاہٹ نے اس کے اندر کی وحشت کو مزید

بڑھاوا دیا۔ ایک جھٹکے میں اس نے تایا کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گر پڑا۔ تائی امی چیخ پڑیں۔

"نکل جاؤ یہاں سے!" بالا کی آواز گرجی، اس کے لہجے میں ایسی وحشت تھی جو قبیلے کے ڈاکوؤں کو بھی خوفزدہ کر دے۔

"اور آئندہ اس قبیلے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی مت دیکھنا! ورنہ لاشیں گرانے میں ہمیں لمحہ بھر بھی نہیں لگے گا!" اس نے اپنی کالی آنکھوں میں خون اتارے ہوئے انہیں گھورا، اس کا ہاتھ تیزی سے کمر پر لٹکی خنجر کی طرف بڑھا۔

اسی لمحے، سردار دلدار کی آواز ابھری۔ "کیا کر رہے ہو بالا؟" سردار وہاں نمودار ہوا، اس کے چہرے پر ایک شرارتی مسکراہٹ تھی جو اس کی گہری، چالاک نگاہوں میں چمک رہی تھی۔ "میرے سسرالی رشتہ داروں پر اتنی سختی؟ اتنا جبر؟ نہ بالا، یہ اچھا نہیں۔" اس کا انداز طنزیہ اور شرارتی تھا کیونکہ وہ بھی ان لوگوں کے لالچ اور حقیقت کو بہت اچھے طریقے سے سمجھتا تھا۔

بالا سردار کی طرف پلٹا، اس کے چہرے پر اب بھی وحشت تھی۔ "سردار! یہ دعام سے ملنے کی بات کر رہے ہیں!" اس کی آواز میں ایسی دھمکی تھی کہ تایا تائی کے دل دہل گئے۔ "میں کاٹ کر



رکھ دوں گا اگر اس کا نام بھی اپنی زبان سے لیا ان لوگوں نے تو! یہ یہاں کسی لالچ کی وجہ سے آئے ہیں،

سردار! میرا یقین کرو! "بالا نے پر اعتماد لہجے میں کہا، اس کی نظریں تایا تائی پر جم گئیں تھیں۔  
تایا نے فوری طور پر ہاتھ جوڑ لیے، ان کے چہرے پر خوف اور مکر کا امتزاج تھا۔ "نہیں بیٹا! ہم یہاں کسی لالچ کی وجہ سے نہیں آئے!"

سردار دلدار، اپنی شرارتی نگاہوں سے انہیں گھورتا ہوا، قدم بڑھا کر ان کے قریب آیا۔ اس کی آواز میں ایک طنزیہ نرمی تھی۔ "دیکھو بیٹا، میں جانتا ہوں تم یہی سوچ رہے ہو کہ ہم یہاں اپنے مطلب کے لیے آئے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔" تائی نے تایا کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "ہم بس دعام کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم نے دعام کے ساتھ برا سلوک کیا، وہی اب ہماری اپنی بیٹی کے نصیب میں آگیا ہے، اللہ پاک نے ہمیں اسی لیے سزا دی ہے۔ ہم صرف معافی مانگنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم دعام بیٹی سے ایک دفعہ مل کر اس سے معافی مانگنا چاہتے ہیں اور ہم تم سے بھی معافی مانگنا چاہتے ہیں۔ آج تم سے بھی تو گہرا رشتہ ہے ہمارا۔" تایا نے یہ کہتے ہوئے نگاہیں چرائیں، ان کی آواز میں بناوٹ نمایاں تھی۔

سردار دلدار نے تایا کی بات سنی، اس کی سرخ، وحشی نگاہیں لمحہ بھر میں بدل گئیں۔ اس کے چہرے پر ایسی غضبناک سختی آئی جیسے ان لوگوں نے اس کے ساتھ اپنا نام جوڑ کر کوئی ناقابلِ معافی گناہ کر دیا ہو۔ اس کی آواز شیر کی دھاڑ میں بدل گئی، جس سے وادی گونج اٹھی۔

"خبردار! خبردار جو اپنے نام کے ساتھ میرا نام لگایا! ورنہ جان نکال دوں گا تمہاری!" سردار کی آواز میں وہیشیانہ غصہ تھا، اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ "کچھ نہیں لگتے تم میرے! کچھ بھی نہیں! کوئی تعلق نہیں ہے میرا تمہارے ساتھ! تم جیسے لوگوں سے میں کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔" سردار نے تایا پر ایک ایسی وحشیانہ نگاہ ڈالی کہ ان کا وجود کانپ اٹھا، جیسے وہ ماضی کے کسی گھناؤنے جرم پر پردہ چاک کر رہا ہو۔ "تم لوگوں سے میرا بس ایک ہی تعلق ہے — نفرت کا تعلق! اور یہ تعلق میں زندگی بھر نبھاؤں گا!" سردار کے الفاظ تلوار کی طرح تیز تھے، جو تایا کے دل میں اتر گئے۔ تایا سردار کی بات سن کر غصے سے پاگل ہو گیا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر خوف کی گہری لکیریں بھی نمایاں تھیں۔

○○○○○○○○

سردار کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا، اس کی سرخ، وحشی نگاہیں تایا اور تائی پر جمی تھیں۔ اس کی آواز شیر کی دھاڑ میں بدل چکی تھی، جس سے پہاڑی وادی گونج اٹھی تھی۔

سردار نے اپنا ہاتھ بلند کیا، بالا کو انہیں یہاں سے نکالنے کا حکم دینے ہی والا تھا کہ اچانک ایک میٹھی، مانوس آواز ابھری۔

"تایا! تائی امی!"

یہ دعام تھی! قبیلے کے دوسرے کنارے سے دوڑتی ہوئی وہ ان کی طرف آئی، اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی تھی۔ اپنے رشتہ داروں کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس کی معصومیت نے ان کے پچھلے تلخ رویوں کو یکسر بھلا دیا تھا۔ اسے بس یہی علم تھا کہ اس کے اپنے اسے ملنے آئے ہیں۔ سردار اور بالا کے چہروں پر سختی لمحہ بھر کے لیے ٹھہر گئی، پھر بالا کی آنکھوں میں فکر مندی آئی اور سردار کے چہرے پر محبت اور پریشانی کا ملا جلا تاثر ابھرا۔

دعام لپک کر تایا کی طرف بڑھی۔ تایا نے جھوٹے جذبات کا ڈرامہ کرتے ہوئے اپنے بازو پھیلائے اور اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ اسے اس انداز میں بھینچ رہا تھا کہ جیسے اسے چھوڑنے کا ارادہ ہی نہ ہو۔ دعام کی آنکھوں میں نمی آگئی، وہ خوشی سے پھولے نہیں سمار ہی تھی یہ سوچ کر

کہ اس کے باپ جیسے تایا کو اس پر تھوڑا ترس آگیا ہے، اور وہ واقعی اسے پیار کرتے ہیں۔ تائی امی بھی فوراً آگے بڑھیں اور دعام کے ماتھے، گالوں اور بالوں کو چومنے لگیں۔ ان کے اس ظاہری لاڈ پیار میں بھی مکاری چھپی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے انہیں کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے، وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھے، اور اس کے لیے انہیں اکرم کی ہر بات ماننی تھی۔ اکرم نے انہیں جو کچھ کہا تھا، وہی کرنا تھا، اور پھر اکرم نے تو انہیں ایک اور راز بھی بتا دیا تھا، ایک ایسا راز جو ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا گیا تھا: "سردار کے ساتھ ان لوگوں کا بھی گہرا تعلق ہے!"

تایا اور تائی یہ بات سن کر تو حیران رہ گئے تھے کہ یہ سردار کوئی اور نہیں، بلکہ ڈاکو دلا اور یلغار کا بیٹا ہے۔ ڈاکو دلا اور کا نام سن کر تو ان کے اندر ایسا خوف پیدا ہوا تھا کہ قبیلے کی طرف آنے کی ان کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی، ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، لیکن آنا تو تھا ہی، آخر ان کی بیٹی کی زندگی کا سوال تھا۔ انہیں لگا تھا کہ سردار کو یہ حوالہ دے کر کہ وہ اپنے اور اس کے بیچ رشتے کے بارے میں جانتے ہیں، سردار شاید حیران ہو گا اور تھوڑی نرمی دکھائے گا، لیکن یہ بات جان کر تو سردار غصے سے اور بھی پاگل ہو گیا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ یہاں دعام آگئی تھی، جس نے منظر کو بدل دیا۔

سردار دلدار نے دعام کو تیا تائی کے جھوٹے لاڈ پیار میں لپٹا دیکھا، اس کے چہرے پر غصے کے ساتھ ایک گہری فکر مندی چھا گئی۔ وہ آگے بڑھا، اور انتہائی نرمی اور پیار سے دعام کو تیا کے بازوؤں سے چھڑاتے ہوئے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

"میرا سوہنا مکھڑا!" اس نے دعام کے ماتھے پر بوسہ دیا، اور اس کے بالوں کو پیار سے سہلایا۔ "تم اتنی خوش کیوں ہو رہی ہو؟"

سردار کی آواز میں وہ نرمی تھی جو صرف دعام کے لیے تھی، اور اس کی آنکھیں اب دعام کی طرف صرف محبت سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے دعام کو اپنے سینے سے لگالیا، گویا اسے تیا اور تائی کی مکاری سے بچا رہا ہو۔ اس کی معصومیت ان مکاریوں سے بے خبر تھی۔

"میرے تیا ابو آئے ہیں! تائی امی آئی ہیں مجھ سے ملنے کے لیے!" دعام کی آواز میں ایسی سرشاری تھی جیسے اسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ وہ اپنے پیاروں کو دیکھ کر اتنی خوش تھی کہ ان کے پچھلے رویوں کو بالکل فراموش کر چکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس لالچ اور خوف کے تحت یہاں آئے ہیں۔

وہ پلٹی اور سردار دلدار اور بالا کی طرف دیکھتے ہوئے، تقریباً حکم دینے والے انداز میں بولی، "تایا جی! آپ یہاں کھڑے کیوں ہیں؟ آئیے نا!" پھر اس نے بالا کی طرف دیکھا، "بھیا! آپ پنکھا لگائیں! ڈاکو جی! آپ چارپائی بچھائیں نا! تائی امی کھانا کھا کر جائیں گی، میں میرا بھیا کو بولتی ہوں کچھ اچھا سا بنانے کے لیے!"

دعام ضرورت سے زیادہ ہی خوش ہو گئی تھی۔ اس کی معصومیت اور بے ساختہ خوشی نے ماحول میں لمحہ بھر کو تناؤ کم کر دیا۔ وہ تیزی سے اپنے رشتہ داروں کو قبیلے کے اندر لے جانے لگی، اور اپنی میزبانی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

تایا ابو اور تائی امی، جو ابھی تک سردار اور بالا کی سرخ، وحشی نگاہوں کے سائے میں تھے، خاموشی سے دعام کے پیچھے چل دیے۔ بالا اور سردار کی نگاہوں نے انہیں اس قدر خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ کیسے بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتے تھے، جیسے وہ کسی شکاری کے سامنے آگئے ہوں۔ ان کے اندر کا خوف انہیں قدم قدم پر کانپنے پر مجبور کر رہا تھا۔ انہیں دعام کی خوشی تو نظر آرہی تھی، لیکن ان کا اپنا وجود اس وقت سردار کے رعب کے نیچے دبا ہوا تھا۔

سردار دلدار نے بالا کو دیکھا، اس کے چہرے پر ایک مختصر سا مسکراتا ہوا تاثر آیا اور اس نے صرف سر ہلاتے ہوئے دعام کی بات ماننے کا اشارہ کیا۔ یہ سردار کا وہ انداز تھا جس میں وہ دعام کی ہر ضد مان لیتا تھا۔ بالا، جو ابھی تک غصے میں تھا، سردار کے اشارے پر فوراً سمجھ گیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

اس نے ایک گہری سانس لی، اپنے غصے کو قابو کیا اور پھر باقی ڈاکوؤں کو تیزی سے اشارے کیے کہ ان "خاص مہمانوں" کی "مہمان نوازی" کی جائے۔ ڈاکو، جو اپنے سردار کے حکم کے پابند تھے، فوراً ان کی مہمان نوازی کرنے پر مجبور ہو گئے، حالانکہ ان کے چہروں پر بھی حیرت اور کچھ ناگواری کے تاثرات تھے۔

oooooooo

قبیلے میں اچانک ایک غیر معمولی سرگرمی شروع ہو گئی تھی۔ بالا کے اشارے پر، ڈاکو مہمان نوازی کی تیاریوں میں لگ گئے تھے، گویا کسی شاہی دعوت کا اہتمام کیا جا رہا ہو۔ جلدی جلدی چارپائیاں بچھائی جا رہی تھیں، تازہ پانی لایا جا رہا تھا، اور میر و جیسے ہی باورچی خانے میں گھسا، شاہی

کھانوں کی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی۔ یہ سب کچھ دعام کی خوشی کی خاطر کیا جا رہا تھا، جو اپنے تایا اور تائی امی کو دیکھ کر پھولے نہیں سمار ہی تھی۔

دعام ان دونوں کے بچوں بچ، نہایت شگفتہ انداز میں بیٹھی تھی، اور اپنے رشتہ داروں سے باتیں کر رہی تھی۔

"تائی امک! گھر میں سب کیسے ہیں سب کے بارے میں بتائیں! رباب، سمیرا، صفا، نوشی، باجی.. اور چاچا چاچی سب کیسی ہیں؟" وہ ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھ رہی تھی، اس کی آواز میں معصومیت اور اپنائیت تھی۔ تائی امی، گھبراتے ہوئے اور نپے تلے الفاظ میں جواب دے رہی تھیں، ان کی نظریں بار بار سردار پر پڑ رہی تھیں، جو کسی بت کی طرح اپنی جگہ جما بیٹھا تھا۔

سردار دلدار نے تایا کے بے حد قریب ایک چارپائی پر اپنی جگہ بنالی تھی، اور اس کی نظریں مسلسل تایا پر گڑی تھیں۔ ان نگاہوں میں ایک ایسی وحشت تھی جو بغیر کچھ کہے بھی ہزاروں دھمکیاں دے رہی تھی۔ تایا، جس کا ماتھا مسلسل پسینے سے بھیگ رہا تھا، سردار کی ان خوفناک، سرخ آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں کر پارہا تھا اور کچھ بول ہی نہیں پارہا تھا۔ وہ یہاں ایک مقصد کے لیے آئے تھے۔ دعام کو اپنی باتوں میں الجھانے اور اپنے مفادات حاصل کرنے کے



لے، لیکن اس آدمی کے سامنے یہ ممکن نہیں تھا جو اس انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا کہ لگتا تھا جیسے آنکھوں سے ہی انہیں نگل جائے گا۔ سردار ان کے اتنے قریب بیٹھا تھا کہ انہیں اپنے سینے کی دھک دھک بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

بالا بھی ان لوگوں کے سر پر ہی سوار تھا، اس کی نظریں بھی ہر لمحے ان کے ہر فعل کا جائزہ لے رہی تھیں۔

سردار دلدار ان کی فطرت سے بخوبی واقف تھا؛ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کس نیت سے آئے ہیں۔ اس نے اپنی دعام کا غلط استعمال نہیں ہونے دینا تھا، اب بہت ہو گیا تھا، بہت کر لیا تھا ان لوگوں نے دعام پر ظلم، اب وہ مزید کچھ نہیں ہونے دینے والا تھا۔ سردار کی خاموش موجودگی ہی ان کے لیے ایک ناقابل برداشت سزا تھی۔

جبکہ دعام کیا سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ سردار پہلی دفعہ اس کی فیملی کو اہمیت دے رہا ہے، ان لوگوں کو کچھ بھی الٹا سیدھا بولنے کے بجائے، ان کے پاس بیٹھا ان کی مہمان نوازی کر رہا ہے۔ اس کے لیے یہ بات بہت اہمیت رکھتی تھی کہ سردار اس کے فیملی والوں کا احترام کرتا ہے، اس کے بڑوں کی عزت کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ سردار کی اس کی لیے گہری محبت کو ظاہر کرتا تھا، یہ

ثابت ہو رہا تھا کہ وہ صرف اس کا ڈاکو جی ہی نہیں، بلکہ اس کا دیوانہ تھا۔ ورنہ اس علاقے میں، اس قبیلے میں، سردار کی پہچان ایک رعب دار ڈاکو کی تھی جو اپنی ذات سے زیادہ اہمیت اور کسی کو نہیں دیتا تھا، نہ کسی کی پرواہ کرتا تھا۔ لیکن دعام کے لیے وہ اپنے اصول توڑ رہا تھا، اور دعام اس بات پر فخر محسوس کر رہی تھی۔

oooooooo

قبیلے میں مہمان نوازی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ڈاکوؤں کی مستعدی دیکھنے لائق تھی۔ تایا اور تائی امی گھبراہٹ میں پسینے میں شرابور تھے، انہیں سردار اور بالا کی تیز نگاہوں نے بے چین کر رکھا تھا۔ بالا کی نگرانی میں جلدی جلدی کھانا لگ گیا تھا۔ دعام خود اپنے ہاتھوں سے دسترخوان سجانے میں مصروف تھی، اس کی آنکھوں میں خوشی چمک رہی تھی۔

اس سب کے دوران، سردار دلدار اپنے دو تکیوں پہ نیم دراز بیٹھا تھا، اس کی نگاہیں تایا کو گھول رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر ایک تنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی، جو تایا کے اندرونی خوف کو مزید بڑھا رہی تھی۔ تایا بار بار پسینے سے شرابور ہوتے، گھبرا کر سردار کو دیکھتے اور پھر فوراً نگاہیں

جھکا لیتے۔ وہ ڈرے ہوئے، سہمے ہوئے اچھے لگ رہے تھے۔ سردار نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کی آواز گرجی

"کیا تاو! آج تمہارے ماتھے پہ پسینہ زیادہ ہی چمک رہا ہے۔ یہ گھبراہٹ میرے نام کی ہے یہ میرے باپ کے نام کی۔"

میرا نام دلدار دلاور یلغار ہے، اور دلاور یلغار کا بیٹا تم جیسوں کو پل بھر میں خاک میں ملا سکتا ہے۔ اور یہ تم بھی جانتے ہو کہ دلاور کس آگ کا نام ہے!

کسی خوش فہمی میں مت رہنا کی دلدار کے قبیلے میں تمہاری دعوت چل رہی ہے، یہ میری دعاء کی خاطر ہے۔ اسے اپنی موت کا سامان سمجھو تمہاری ایک سازش تمہیں زمین سے دو فٹ نیچے لے جانے میں صرف لمحہ لگائے گی

اس کے الفاظ، تایا کے دل میں خنجر کی طرح اترے۔ تایا کا رنگ فق ہو گیا، وہ مزید سہم کر رہ گیا۔ اور ہاں تاو اپنے جمائی راجہ کو بولو کہ سنبھل جائے، تمہاری بیٹی بیوہ ہو جائے گی۔ کم آواز میں اس کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے بول رہا تھا جب کہ تایا ابانے باقاعدہ کانپنا شروع کر دیا تھا انہیں اپنا یہاں انا غلطی لگ رہا تھا

اسی لمحے، دعام کی معصوم آواز ابھری۔

اے ناتایا ابو کھانا لگ گیا ہے وہ پیار سے ان کا بازو پکڑ کر انہیں چارپائی سے اٹھانے لگی  
"میرے ڈاکو جی! دسترخوان لگ چکا ہے۔" وہ سردار کے قریب آئی اور اس کا بازو تھامتے ہوئے  
میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ لیکن سردار نہیں اٹھا

"آپ بھی کھانا کھا لیجیے!" وہ پیار سے بولی آج وہ ضرورت سے زیادہ ہی چہک رہی تھی۔

سردار کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے شرارت چمکی۔ اس نے ایک ادا سے دعام کو دیکھا اور  
مصنوعی ناراضگی دکھاتے ہوئے بولا

آج ڈاکو جی کی پرواہ کہاں ہے؟ آج تو بس تایاجی نظر آرہے ہیں!" دعام اس کی ناراضگی بھانپ کر  
فوراً اس کے سامنے بچھ سی گئی۔ "ہائے اللہ! میرے دلدار سائیں! آپ تو روٹھ گئے مجھ سے؟" وہ  
معصومیت سے اس کا بازو مزید مضبوطی سے تھامنے لگی،

"وہ تایا ہی میرے۔ مہمان ہیں اسی لیے پیار سے لے کر گئی ان کو دسترخوان تک، آپ کو بھی  
ایسے ہی پیار سے لے کر جاؤں گی!" وہ کہتے ہوئے اس کا بازو تھامے اسے کھینچنے لگی۔

سردار نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچا، دعام اس کے سینے سے جا لگی۔ سردار کے چہرے پر ایک پُر سکون مسکراہٹ پھیل گئی، جو صرف دعام کے لیے تھی۔

اگلے ہی لمحے، وہ دعام کو یوں ہی اپنے سینے سے لگائے، اس کے ساتھ ہی اٹھا اور دسترخوان کی طرف بڑھا۔ تایا اور تائی نے اس منظر کو حسد بھری نگاہوں سے دیکھا، کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ وہ دعام پر اپنی اجارہ داری کھو چکے ہیں۔

دعام تو پوری طرح سردار دلدار کے رنگ میں رنگ چکی تھی، اسے ہر حال میں اسی شخص کی پرواہ تھی۔ جب وہ تایا ابو کے ساتھ بیٹھنے لگی تو سردار دلدار نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی جانب کھینچ لیا اور اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔ اس کا یہ انداز دعام کے لیے فطری تھا، کیونکہ وہ اب اس کی ملکیت تھی، اس کی محبت تھی۔

کھانا کھانے کے دوران بھی سردار دلدار خود اپنے ہاتھوں سے نوالے توڑ توڑ کر اس کے منہ میں ڈالنے لگا۔ دعام تھوڑا سا شرماتی ہوئی، لیکن پوری چاہت سے اس کے ہاتھ سے کھانا کھاتی رہی۔ یہ منظر تایا اور تائی امی کے لیے ایک واضح پیغام تھا کہ دعام اب ان کی نہیں، بلکہ پوری طرح سردار دلدار کی ہے۔

تایا اور تائی دونوں ہی سمجھ چکے تھے کہ دعام یہاں کس قدر خوش ہے۔ یہاں اسے ایسی زندگی ملی تھی جو کسی شہزادی سے کم نہ تھی۔ یہ ایک عجیب صورتحال تھی؛ ایک طرف ان کی اپنی بیٹی رباب گھر میں تڑپ رہی تھی، مر رہی تھی، صرف انسپکٹر اکرم کے لیے، اور دوسری طرف اکرم کی ضد کے سامنے بیٹھا سردار دلدار تھا جس کی کمزوری اب دعام تھی۔

یہ ایک عجیب سادائرہ تھا جسے سمجھنا بہت مشکل تھا۔ کیونکہ سردار دلدار نے صرف دعام کو اپنی کمزوری نہیں بنایا تھا بلکہ وہ اس کا محافظ بھی بن چکا تھا۔ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور کسی کو اس کے قریب بھٹکنے بھی نہیں دے رہا تھا۔

○○○○○○○

جاتے وقت تک تایا اور تائی امی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح سے دعام سے اکیلے میں ایک لمحے کے لیے ہی بات کر سکیں، لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ بالا اور سردار دلدار دونوں دعام کا سایہ بنے ہوئے تھے، ہر لمحہ اس کے ساتھ۔ وہ جانتے تھے کہ دعام ان سازشوں اور خطرناک کھیلوں میں ابھی بچی ہے، وہ اس دائرے کو سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن سامنے بیٹھا تایا آج بے شک معصوم بنا ہوا تھا، ڈراسہا تھا، لیکن کسی زمانے میں اس سے زیادہ شاطر انسان کوئی نہیں تھا۔

سردار دلدار اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھا؛ ایک ایسا شخص جس نے اپنی سانسوں کی خاطر، اپنے فائدے کے لیے، اپنی سولہ سالہ بہن کو درندوں کے آگے پھینک دیا تھا۔ ایسے انسان پر اعتبار کرنا سردار دلدار کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ اپنی محبت، دعام کی حفاظت کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتا تھا، اور ان مکروہ لوگوں کو اپنی دعام کے قریب بھی نہیں آنے دے سکتا تھا۔

○○○○○○

تایا اور تائی جیسے ہی قبیلے سے واپس اپنے گھر پہنچے، گھر کے اندر باقی سارے افراد بے تابی سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

ماحول میں ایک گہری خاموشی تھی جو کسی طوفان سے پہلے کا سکوت ہو۔ چاچا، جن کے چہرے پر پریشانی صاف عیاں تھی، فوراً ان کی طرف بڑھے۔

"بھابھی بھائی صاحب! کیا ہوا؟ سردار کا کیا کہنا ہے؟" چاچا نے بے چینی سے سوال کیا۔

تایا نے ایک گہری سانس لی، ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے جو قبیلے میں گزری وحشت کی داستان سن رہے تھے۔ ان کی آواز میں خوف اور شکست کا امتزاج تھا۔

،وہ... وہ بہت خطرناک انسان ہے!" ان کے الفاظ کانپ رہے تھے۔

ہم نے باتوں ہی باتوں میں اسے یہ بھی بتایا کہ ہم اپنے اور اس کے تعلق کے بارے میں جانتے ہیں، لیکن یہ بات سن کر تو وہ غصے سے برق اٹھا!"

تایا نے ہاتھ بڑھا کر اپنی گردن پر پھیرا، جیسے وہ لمحہ اب بھی انہیں دبوچ رہا ہو۔

"اس کی بری حالت تھی،

مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں وہ بندوق نکال کر گولی نہ مار دے۔"

تائی امی نے بھی خوفزدہ نظروں سے سر ہلا کر تایا کی بات کی تصدیق کی، ان کا چہرہ بھی سفید پڑا ہوا تھا۔

چاچا نے افسوس اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ سر ہلایا۔

"تو یہی تو میں پہلے بتا رہا تھا آپ کو! آپ لوگ ہی اپنی بیٹی کے شوہر کے چکر میں وہاں پہنچ گئے!

ارے وہ بہت خطرناک انسان ہے! بہتر ہو گا کہ ہم اس سے دور ہی رہیں۔"

ہماری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے ہم کیا کریں۔ اماں نے بے بسی سے کہا تھا۔



جبکہ رباب، کمرے کے اندر اپنے بستر پر لیٹی، ان تمام باتوں کو سن رہی تھی۔ گاؤں کے چھوٹے گھر میں آوازیں ایک کونے سے دوسرے کونے تک آسانی سے سفر کرتی ہیں، اور آج یہ آوازیں اس کے دل پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔

کیا کریں کا کیا مطلب ہے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے طلاق کروائیں بات ختم کریں ہماری رباب کی دیکھیں جائے گی کم سے کم خود پر کوئی مصیبت نہ ڈالیں چاچا مشورہ دے رہے تھے۔ اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہو رفاقت، اپنی بیٹی کی بات کرتے ہوئے بھی زبان کانپتی ہے اور تم کتنی آسانی سے کہتے ہو طلاق کروادو، طلاق آسان تھوڑی ہے یہ لفظ بھی سات زمینوں اور سات اسمانوں میں گھوجتا ہے۔

ہاں تو کیا کریں کہ آپ ہی بتائیے آسان تھوڑی ہے اکرم کی بات ماننا اکرم ہماری مجبوری کا فائدہ اٹھا رہا ہے اور کچھ نہیں۔۔۔۔۔" رفاقت چاچا نے یقین سے کہا تھا جب کہ اس بار پر تو تائیا بھی اتفاق کرتے تھے۔

لیکن بیٹی کا معاملہ تھا وہ کیا کرتے اندر پڑی وہ ان کی ساری باتیں سن رہی تھی۔

وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔ اسے اکرم کے وعدے، اس کی یقین دہانیاں، اور اس کی پیار بھری باتیں یاد آنے لگیں جو اس نے کل کہی تھیں۔ اکرم نے کہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے، اسے کبھی نہیں چھوڑے گا، بس اسکے ابا اس کی بات مان لیں۔ لیکن اس کے ابا تو خالی ہاتھ لوٹے تھے، اور اب تو سردار کا غصہ بھی پہلے سے زیادہ بڑھ چکا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟" یہ سوچ کر رباب کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی، اور وہ اور بھی زیادہ پریشان ہو کر بستر پر بے جان سی پڑی رہی۔

طلاق کا داغ اپنے ماتھے پر سجانے کو وہ تیار نہ تھے اتنی محبت کیسے ہوئی تھی اسی اکرم سے یہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

oooooooo

آج دعام کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کے چہرے پر صبح سے ہی ایک خاص چمک تھی جو اس کی اندرونی سرشاری کا پتہ دے رہی تھی۔ آج اس کے تایا اور تائی اس سے ملنے آئے تھے، اور یہ بات ہی اسے بے حد خوش کر چکی تھی۔ ان رشتوں نے اس کے ساتھ جو بھی سلوک کیا تھا، کیسا ہی رویہ رکھا تھا، لیکن یہ تو اس کے اپنے تھے۔ وہ تو بچپن سے انہیں چاہتی تھی، انہی کے ساتھ پلی

بڑھی تھی، انہی لوگوں نے پالا تھا۔ اپنے مطلب کے لیے ہی سہی، لیکن وہ انہی کی بیٹی بن کر جو ان ہوئی تھی۔

اور پھر دلدار اور قبیلے والوں نے انہیں اتنی عزت دی تھی، ان کی ایسی مہمان نوازی کی تھی، اس بات نے دعام کو بے حد خوش کر دیا تھا۔ اسے فخر محسوس ہو رہا تھا کہ سردار نے اس کے خاندان کا احترام کیا ہے۔

کمرے میں آکر وہ دلدار کا انتظار کرنے لگی تاکہ اس کا شکریہ ادا کر سکے، اس محبت اور احترام کے لیے جو اس نے اس کے رشتہ داروں کو دیا تھا۔ ابھی وہ اس کے آنے کا انتظار ہی کر رہی تھی کہ اچانک ہی خیال آیا کہ کیوں نہ اس کے آنے سے پہلے تیار ہو جائے۔ کتنے دنوں سے دلدار کہہ رہا تھا کہ آج سرخ رنگ کا لباس پہنو، اور وہ خود ہی سے تنگ کرنے کے لیے خوب نکھرے دکھا رہی تھی، اس کی بات نہیں مان رہی تھی۔ لیکن آج، اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے الماری سے اس کی سب سے پسندیدہ سرخ رنگ کی ڈریس نکالی اور پھر اچھے سے تیار ہو کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

اس نے اپنے ہاتھوں میں بھر بھر چوڑیاں پہنی تھیں، جو کلائیوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ سردار باتیں کرتے ہوئے اکثر اس کی چوڑیوں کو چھیڑتا رہتا تھا، انہیں اپنے ہاتھوں

سے چھوتا تھا۔ جب کہ اس کی اپنی پسند تو ہمیشہ سے ہی پازیب تھی جو ہر وقت اس کے پیروں میں رہتی تھی اور ہر قدم پر چھٹکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ پازیب سردار کو کتنی پسند تھی؛ وہ دور سے آ رہی ہوتی تو سردار کے لبوں پر اس پازیب کی آواز سے ہی ایک پرسکون مسکراہٹ بکھر جاتی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ پازیب اس کے لیے کتنی خاص ہے، یہی تو وجہ تھی کہ جس دن سے سردار نے اسے یہ پہنائی تھی، اس نے اسے ایک لمحے کے لیے بھی اتارا نہیں تھا۔ آج وہ پوری طرح سے سچ سنور کر اپنے ڈاکو جی کا انتظار کر رہی تھی، جو صرف اس کا تھا۔

○○○○○○

کمرے کے اندر ایک پرسکون سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، جو دعام کی بے چینی کو مزید بڑھا رہی تھی۔ وہ پلکیں بچھائے اپنے محبوب کا انتظار کر رہی تھی، آج وہ خاص طور پر سچ سنور کر بیٹھی تھی۔ ٹھیک اسی لمحے، سردار دلدار قدم بڑھاتا اس پر تکلف کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اس کی نگاہیں ایک لمحے کو بھی دعام پر پڑتے ہی کھٹک گئیں۔ اس کے قدم وہیں رک گئے، اور اس کی نگاہیں دعام کے حسین سرخ لباس کے ساتھ چپک کر رہ گئیں، جو اس کی دلکش شخصیت کو مزید چار چاند لگا رہا تھا۔

وہ آہستگی سے، جیسے کسی حسین خواب کو تعبیر مل رہی ہو، قدم بڑھاتا اس کے قریب آیا۔ اس کی آنکھوں میں گہری چاہت اور حیرت صاف نمایاں تھی۔ اس نے نرمی سے دعام کا چہرہ تھاما، اس کی نازک ٹھوڑی کو اوپر اٹھایا اور اس کے حسین لبوں کو چوم گیا۔ اس کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی، اور اس نے دھیمی، سریلی آواز میں کہا،

میں نے اس سے زیادہ خوبصورت چاند نہیں دیکھا۔"

دعام کے لہجے میں شرارت تھی، اس نے مصنوعی ناراضگی سے کہا،

لیکن چاند تو سفید رنگ کا ہوتا ہے اور یہ تو میں نے تو سرخ لباس پہنا ہے۔"

سردار دلدار قہقہہ لگا کر ہنسا، اس کی ہنسی سے کمرہ گونج اٹھا۔ اس نے پیار سے اس کے گال کو تھپتھپایا۔

میں نے کبھی اس چاند پر غور نہیں کیا، میرا سارا دھیان تو ہمیشہ سے میرے اپنے چاند پر رہتا ہے۔ اس نے اس کی آنکھوں میں گہرائی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نہیں جانتا وہ چاند کس رنگ کا ہے، لیکن کہتے ہیں کہ چاند بہت خوبصورت ہے، اسی لیے میں تمہیں چاند کہتا ہوں۔ خیر، چاند بھی تمہارے آگے کیا ہی ہوگا؟ میرا سجن سائیں تو میرے لیے پوری دنیا ہے!"

وہ اسے اپنی باہوں میں بھرتا، اچانک ہی اس کی کمر کے گرد بازو ڈالتا اسے کمرے میں ایک چکر گھما گیا۔ دعام کھکھلا کر ہنسی، اس کے قہقہے کمرے میں گونج اٹھے۔ اس نے اپنے ہاتھ سردار کے کندھے پر رکھے اور اس کی گردن میں باہیں ڈال گئی۔

"ڈاکو جی! تھینک یو سوسو میچ! دعام کی آواز میں بے پناہ خوشی اور شکریہ کے جذبات تھے۔

آج آپ نے میرے لیے جو کیا، مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں جانتی ہوں آپ تایا ابو اور تائی امی کو تو کیا، میرے گھر میں کسی کو بھی پسند نہیں کرتے۔" اس نے سردار کی آنکھوں میں دیکھا، "لیکن میری خاطر آپ نے ان کو عزت دی، ان کے لیے دعوت کا انتظام کروایا، انہیں اتنی اہمیت دی، اتنی ساری دیر ان کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں جانتی ہوں یہ سب کچھ آپ نے صرف میرے لیے کیا ہے کیونکہ آپ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔

دعام نے گردن میں باہیں ڈالے ہوئے، پورے یقین سے کہا۔

سردار نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک پراسرار چمک تھی۔  
"تمہیں کس نے کہا میں تم سے پیار کرتا ہوں، میرا سوہنا مکھڑا؟" وہ یوں ہی اس کی کمر میں ہاتھ  
ڈالے، اچانک ہی اسے اپنے ساتھ بیڈ پر گرا تھا۔

"کیا مطلب؟ آپ مجھ سے پیار نہیں کرتے؟" دعام حیرت اور بے یقینی سے بڑی بڑی آنکھیں  
کھولے اسے گھورنے لگی تھی۔ اس کی گہری، کاجل بھری آنکھیں اس وقت حیرت سے مزید  
قاتل لگ رہی تھیں۔ آج اس نے اپنے لبوں کو بھی بڑی خوبصورتی سے سجایا تھا، ایسا لگ رہا تھا  
جیسے خاص محنت کی گئی ہو صرف ان لبوں کی سجاوٹ میں، باقی چہرہ ویسا ہی تھا جیسا ہوتا تھا۔ بنا  
کسی ہار سنگار کے، ساری دنیا کی معصومیت سمیٹے ہوئے۔

"نہیں، میں تو نہیں کرتا تم سے محبت۔" سردار نے صاف انکار کیا۔ دعام حیرانگی سے اسے  
دیکھتی، اس کی باہوں سے نکلنے کو بے چین ہو چلی تھی۔

سردار نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کے لبوں پر ایک سچی، گہری مسکراہٹ پھیلی۔  
"کوئی لفظ نہیں ہے میرے اندر کے احساسات کو بیان کرنے کے لیے۔ یہ لفظ بیان ہی نہیں کر  
سکتا، بہت چھوٹا سا لفظ ہے یہ محبت! عشق، دیوانگی، جنون — ان لفظوں سے بھی میری محبت

واضح نہیں ہو سکتی! جو ہے وہ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ "اس نے پیار سے اس کے بالوں کو سہلایا، اور اس کے ماتھے پر ایک گہرا بوسہ دیا۔

ہاں لیکن یہ سچ ہے کہ میں نہیں کرتا تم سے محبت۔ "میرے اندر جو تمہارے لیے ہے اس کو بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ بنا ہی نہیں سچن سائیں

"کوئی لفظ نہیں ہے میرے اندر کے احساسات کو بیان کرنے کے لیے۔ یہ لفظ بیان ہی نہیں کر سکتا، بہت چھوٹا سا لفظ ہے یہ محبت! "سردار کے الفاظ فضا میں گونجنے۔ "اس عشق، اس دیوانگی، اس جنون میں وہ چیز نہیں ہے جو میں محسوس کرتا ہوں۔" وہ ایک لمحے کو رکا، اس کے چہرے پر گہرے جذبات ابھرے۔

"تمہیں پتا ہے، میرا دل اس قبیلے کی طرح آزاد رہا ہے۔ کسی بندھن کو نہیں مانتا۔ لیکن جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو، یہ دل یوں تمہارا اسیر ہوا ہے کہ لگتا ہے میری دھڑکن تمہارے نام سے چلتی ہے۔"

اس نے دعام کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے سینے پر رکھا۔



یہ جو میرا سینہ دھڑک رہا ہے نا، یہ میری زندگی کی گواہی نہیں، یہ تمہاری موجودگی کا اعلان ہے۔ جس دن تم نظروں سے اوجھل ہو جاؤ گی، یہ دھڑکن بھی ختم جائے گی۔ میری روح کا ہر ذرہ، میرے وجود کی ہر سانس، صرف تمہاری غلام ہے۔ محبت تو بہت چھوٹا لفظ ہے، تم میرے لیے میری ذات سے بھی بڑھ کر ہے!" اس نے پیار سے اس کے بالوں کو سہلایا، اور اس کے ماتھے پر ایک گہرا بوسہ دیا۔

آپ سچ میں مجھ سے اتنا زیادہ پیار کرتے ہیں ڈاکو جی۔۔۔۔۔ "وہ موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو بھرے بولی تو اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں کے نیچے سے آنسو صاف کرتے وہاں اپنے لب رکھے تھے۔

ابھی تو بتایا پیار نہیں کرتا تم سے یہ کچھ اور ہی اس کے لیے کوئی لفظ نہیں بنا اگر بن گیا تو بتا دوں گا ویسے بھی انے والے 7060 سال تو ساتھ ہی گزارنے ہیں نا۔ ہو سکتا ہے عاشق کوئی لفظ ایجاد کر ہی لیں میرے جذبات کو بیان کرنے کے لیے وہ اسے تھام کر اپنے سینے سے لگاتا اس کی چوڑیوں کے ساتھ چھیر خوانی کرنے لگا کبھی اس کی انگلیاں اس کے لبوں پہ آکر رکتی کبھی وہ اس کی پلکوں پر آہستہ سے اپنا انگوٹھا پھرتے ہوئے اس کی پلکوں کی جھال کو محسوس کرتا۔

اچھا ڈاکو جی بتائیں میں آپ کو بہت زیادہ خوبصورت لگتی ہوں نا۔۔۔؟ پوری دعام میں آپ کو سب سے زیادہ کیا پسند ہے وہ اس کے سینے سے سرٹکاتی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوال کرنے لگی انداز معصوم نہ تھا جبکہ وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

جسے سچ مچ میں اس کا کوئی ایک نقش تعریف کے قابل قرار دے گا۔ وہ کافی دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا تو اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔

"تیرے نیناں وچ سمندر ڈٹھم، اکھیاں چوں جد گم تھیں سجن

میڈے دل دی کشتی ڈب ویسی، روح وچ وسا گھدے تیکوں انج

تیرے لبوں دی لالی میڈے لب چم کے، ساہواں نوں کریندی بے حال

انگوٹھے نال جد چھوہویں توں، میڈا ہر دکھ بھج ویندے حال

تیرے رُخسار دے تل تے قربان میڈی جان، میڈی ہر شام

زُلفاں دی چھاں وچ ہتھ پھیریں جد، میڈا ہر دکھ تھیوے آرام

تیرے ہتھوں دیاں چوڑیوں دی چھنکار، ہتھ لاویں تے چھڑ ویندے ہاڑ

تیرے پیریں دی پائل دی آواز، میڈی زندگی دی ہر ریت ہر ساد  
تیکوں ویکھاں تے ساہ رُک ویندے، میڈی دُنیا اُتھوں شروع تھیوے  
توں میڈے دل دی ہر دھڑکن، توں میڈی جان، ہاڑے! توں جیویں  
تیرے عشق دا قیدی ہا میں، نہ کتھے ونج سگداں میں اج  
ہر شے چوں تیڈی خوشبو آوے، میں کنج بھل سگداں ہاڑے؟  
(ارتج شاہ)

وہ اس کے چہرے کے ہر ایک نقش کو چومتے ہوئے بولے جارہا تھا وہ اس کی باتوں کو کیا سمجھنے کی  
کوشش کرتی اس کے لہجے میں کھوئی ہوئی اس کی بے باکیاں محسوس کر رہی تھی۔  
اچھا اچھا نا بس پتہ چل گیا میں بہت زیادہ خوبصورت ہوں، وہ اس کے لبوں کو لگام لگاتے ہوئے  
بولی کیونکہ اب وہ ساری حدود کر اس کرتا جا رہا تھا۔  
ابھی کیسے پتہ چل گیا ابھی تو میں نے ٹھیک سے بتایا ہی نہیں مجھے پوری طرح بتانے تو۔

وہ ایک جھٹکے میں اسے بیڈ پر گراتے ہوئے خود اس پر سایہ فگن ہوا تھا اور اب دعام بھی جانتی تھی وہ اسے کس طرح سے بتانے والا ہے۔

میں چاہتا ہوں میں ساری رات تمہاری تعریفیں کروں۔ وہ اس کے رخسار پر مونچھ رگڑتے ہوئے بولا۔

یہ والی تعریفیں مجھے سمجھ نہیں آتی نا! وہ بے قراری سے اس کے رخساروں سے گردن کا سفر کر رہا تھا۔ جب وہ شرم سے بے حال ہوتے ہوئے بولی۔

کیوں سمجھ نہیں آتی۔ وہ حیران ہوا تھا  
سراییکی مشکل ہے نا اس کی آنکھیں دکھانے پر وہ معصومیات سے بولی تھی۔

مجھ سے کیا امید رکھتی ہو سجن سائیں میں تمہیں اپنی بے قرار یوں بے تابیوں کا ترجمہ اردو ادب میں کر کے بتاؤں۔۔۔۔؟ وہ۔ اب بھی آنکھیں دیکھا رہا تھا۔

ہاں بتا دیجیے وہ شرارت سے بولی۔

ٹھیک ہے بتا دوں گا لیکن صرف زبان سے نہیں لبوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا تمہیں۔۔۔" وہ اسے کھینچ کر اپنی مزید قریب کرتا اپنی باہوں میں جکڑ گیا تھا۔

نہیں مجھے نہیں جاننا میں سمجھ لوں گی خود ہی آہستہ آہستہ ویسے بھی 7060 سال پڑے ہیں، وہ اس کی باتوں کو دہرانے لگی۔

لیکن میں تو ابھی بتانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ایک ایک لفظ کا مطلب۔

لیکن مجھے نہیں جاننا۔۔۔۔۔'

تو میں کیا کروں مجھے تو بتانا ہے نا وہ اس سے اپنی باہوں میں قید کرتا۔ اس کے کان میں محبت بھری میٹھی سرگوشیاں کرتے ہوئے نہ جانے اسے کون کون سے مطلب بتا رہا تھا جبکہ وہ شرم سے بے حال ہوتی اس کے سینے میں چھپ گئی تھی۔

○○○○○○○

صبح سویرے ہی سورج کی پہلی کرنوں نے ابھی گھر کے صحن کو پوری طرح روشن بھی نہیں کیا تھا کہ ایک زوردار دستک نے گھر کے سکوت کو توڑ دیا۔ اندر سے تایا نے ہانپتے ہوئے دروازہ کھولا، ان کے چہرے پر خوف اور پریشانی کی گہری لکیریں نمایاں تھیں،

جورات بھر کی بے خوابی اور قبیلے کی وحشت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ سامنے اکرم کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں بے چینی اور غصے کی ملی جلی چمک تھی، جو اس کی بے صبری کو عیاں کر رہی تھی۔

کل رات کی مختصر فون کال، جس میں تایا نے صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ قبیلے سے ہو کر آئے ہیں، نے اکرم کو صبح ہوتے ہی یہاں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ معاملہ سیدھا نہیں ہے، اور کچھ بڑا غلط ہو چکا ہے۔

اکرم بغیر کسی تاخیر کے سیدھا گھر کے اندر داخل ہوا، اس کی نظریں سیدھی تایا اور پھرتائی کی طرف اٹھیں جواب صحن میں آچکی تھیں۔

"انکل، آنٹی! کیا ہوا؟ دعام سے ملاقات ہوئی ہے آپوگوں کی؟" اکرم کی آواز میں بے چینی اور دباؤ کا ایک ملا جلا تاثر تھا، جو اس کی توقعات اور اندرونی بے چینی کو ظاہر کر رہا تھا۔ اس کی نظریں تایا کے چہرے پر گڑی تھیں، جیسے ہر تفصیل جاننے کو بے تاب۔

تایا نے ایک گہرا، لرزتا ہوا سانس لیا، ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے

- "بیٹا، وہ... وہ بہت خطرناک انسان ہے!" ان کے الفاظ کانپ رہے تھے، جیسے وہ منظر دوبارہ ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہو۔

ہم نے ہر ممکن کوشش کی، دعام سے بات کرنے کی، لیکن وہ سر پر سوار رہا ہلا تک نہیں دعام کے قریب سے۔

کیا مطلب آپ تین چار گھنٹے وہاں رہے ہیں وہاں پر کھانا تک کھایا اور ایک سیکنڈ کے لیے بھی دعام سے بات نہیں کر سکے۔

"اس کی آواز اب اونچی ہو چکی تھی، جس میں بے یقینی، مایوسی، اور توہین صاف تھی۔ اس نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں،

اپنی بیٹی کے لیے اتنا نہیں کر سکتے آپ لوگ؟ تو میں آپ سے آگے کے لیے کیا امید رکھوں؟" اکرم کے لہجے میں سرد غصہ اور شدید مایوسی صاف جھلک رہی تھی، لیکن اس کے پیچھے ایک چھپی ہوئی، واضح دھمکی تھی۔

اکرم نے ایک گہرا، غضبناک سانس لیا، اور اس کی آنکھیں تاپا اور تائی پر جم گئیں۔ اس کی آواز اب پہلے سے بھی زیادہ سرد، واضح، اور بے رحم تھی۔

"سن لیں! یہ میری آخری بات ہے!" اس نے دھیمی، لیکن مضبوط آواز میں کہا۔

"اكر مير اكالم نهيل هو، تو يادر كهنا، ميل آپ كا بهي كوئي كام نهيل كروں گا!" اس نے يه كهتے هوئے ايك خوفناك، تمسخرانه مسكراهٹ دي، جوان كه دلوں ٲر بجلي بن كر گري۔

اكر آپ ميرے كسي كام نهيل آئے تو مجھ سے بهي كوئي اميد مت ركهيه گا آپ لوگوں كو اپني بيٲي كو ساري زندگي كه ليے گھر ٲر بٲها كر ركهنا ٲڑے گا۔ "اكرم كي آواز ميل ايك واضح، بے رحم دھمكي تهي، اس كه الفاظ هو ايل زهر گول رهے تھے اس كه لجه ميل ايلسي سختي تهي كه تايا اور تائي كه قدموں تلے زمين نكل گئي هو۔ وه دونوں اپني جگه ساكت ره گئے۔ ان كه ٲهرے مزيد زرد ٲڑ گئے اور انهيل اپني بے بسى كاشدت سے احساس هو۔ انهيل سمجھ نهيل آر ها تھا كه وه كيا جواب ديں۔ گھر كا ماحول ٲهله يه سے بهاري تھا، اور اكرم كي ان دھمكيوں نے اسے مزيد تناؤ سے بهر ديا۔

ٲاٲا، جو يه سب سن رهے تھے۔ اكرم كي اس بد تميزي اور دھمكي ٲر شديد غصے ميل تھے۔ ان كي مٲھيل بے اختيار بهنچ گئيں، ان كا خون كهولنے لگا،

ليكن وه خاموش رهے ٲكه نه كهه سكه كيونكه آخر كو وه ان كه گھر كا جمائي تھا، اور اس وقت ان كه ليے اپني بيٲي كي قسمت سب سے اهم تهي،



بے شک رباب ان کی اپنی بیٹی نہ تھی لیکن بیٹی تو اسی گھر کی تھی اور پھر رباب کی طلاق سے ان کی اپنی بیٹیوں کی زندگی پر برا اثر پڑھنا تھا۔

وہ لوگ اکرم کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ان کی مجبوری نے انہیں زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا۔

○○○○○○

اکرم کی دھمکیوں کے بعد، تایا اور تائی کی امیدیں ٹوٹ چکی تھیں۔ انہیں کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تایا نے بے بسی سے اکرم کی طرف دیکھا۔  
"تو اب ہم کیا کریں، بیٹا؟" تایا کی آواز میں لرزش تھی۔

وہ آدمی تو ایک لمحے کے لیے بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑتا۔ ہم اس سے بات کیسے کریں؟ تم ہی کوئی راستہ بتاؤ۔ تائی امی بھی سوالیہ نظروں سے اکرم کی طرف دیکھ رہی تھیں، جیسے ان کا آخری سہارا وہی ہو۔

اکرم کے ہونٹوں پر ایک باریک، شاطرانہ مسکراہٹ پھیلی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چال چمک رہی تھی۔

"اسے یہاں گھر پر بلایا جائے!" اس نے ایک لمحے کو توقف کیا، ان کے حیران چہروں کو دیکھتے ہوئے بولا،

"لیکن کیسے؟ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا، وہ تو دعام کے معاملے میں ہم پر اعتبار ہی نہیں کرتا تھا۔" تایا ابانے پریشانی سے کہا تو اکرم نے سر ہلایا جیسے ان کی پریشانی سمجھ رہا ہو، لیکن اس کے چہرے پر ایک چالاکی تھی۔

"بہت آسان ہے!" اکرم نے مسکراہٹ کو گہرا کرتے ہوئے کہا، اس کی آنکھیں اب تایا اور تائی پر جم گئی تھیں۔

"آپ بیمار ہو جائیں۔ دل پکڑ لیں۔ اداکار تو کمال کے ہیں، آپ ادکاری کر لیجیے کچھ بھی کر لیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا، اس کی نظریں سیدھی ان کے چہروں پر تھیں۔

اب اپنے تایا کو موت کے منہ میں دیکھ کر تو آئے گی ہی ناوہ۔ "اکرم کالجہ سردار اور حساب کیا ہوا تھا۔

سردار اسے اکیلا نہیں انے دے گا وہ اس کے ساتھ ائے گا چچا جو کب سے خاموش بیٹھے تھے یقین سے بولے۔

"زبردستی رات میں روک لیجیے اسے۔" سردار رات کو یہاں ہر گز نہیں رکے گا کیونکہ اس کا قبیلہ اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اس کے قبیلے پر ہر وقت خطرہ منڈراتا ہے کیونکہ جیسا نڈر سردار ہے ویسا کوئی نہیں وہ قبیلہ سردار کے اعتبار پر چلتا ہے، وہاں کے لوگ سکون سے سوتے ہیں صرف اور صرف اس لیے کیونکہ وہاں سردار ہوتا ہے سردار کی غیر موجودگی میں وہ قبیلہ ایک رات بھی سکون سے نہیں رہ سکے گا

تایا اور تائی اکرم کی بات سن کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، یہ ایک ایسا خطرناک کھیل تھا جس کی وہ ہمت نہیں کر پارہے تھے۔

"باقی میں آجاؤں گا اسے تفصیل بتانے کے لیے، اسے اپنی باتوں میں کس طرح سے الجھانا ہے یہ میں دیکھ لوں گا۔" اکرم نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی، لیکن اس کی آواز میں ایک دباؤ تھا۔ "آپ کم سے کم اسے یہاں بلانے کا انتظام کر دیجیے، میری اس کے ساتھ ملاقات فکس کر دیجیے۔" وہ انہیں دیکھتے ہوئے بول رہا تھا جبکہ اس کی باتیں انہیں مزید الجھا رہی تھیں، یہ ایک ایسا خطرناک جال تھا جس میں وہ سب پھنسنے والے تھے۔

تایا نے ایک بار پھر ہمت کی، ان کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔

"اور اگر یہ بات دلدار کو پتہ چل گئی تو...؟" وہ کہتے ہوئے ایک لمحے کے لیے کانپ سے گئے۔  
دلدار کا نام سن کر ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

اکرم کے چہرے پر پھر وہی بے رحم، سرد مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہی دھمکی بھری چمک تھی۔

"تو میں دیکھ لوں گا!" اس کی آواز میں اب کوئی لچک نہیں تھی۔

"آپ لوگ وہ کیجیے جو میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں، ورنہ بیٹی کو بٹھا کے رکھیے ساری زندگی کے لیے گھر پر!" اس نے اپنا آخری تیر چھوڑا تھا، جو سیدھا ان کی کمزوری یعنی رباب کی مستقبل کی زندگی پر لگا تھا۔ تایا اور تائی بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے، انہیں سمجھ آ گیا تھا کہ اب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

oooooooo

صبح کی پہلی نرم کرنیں قبیلے کے کمرے میں جھانک رہی تھیں، جو دعام کے چہرے پر پڑ کر اسے مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔

وہ گہری نیند میں تھی اور سردار دلدار کی بانہوں میں سکون سے سو رہی تھی۔ سردار نے کروٹ بدلی، اور اس کی نگاہ دعام کے معصوم چہرے پر پڑی۔

اس کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"میڈی سوہنی نینداری پگلی، جاگ پئے سجن سائیں!" (میری خوبصورت نیند کی دیوانی، جاگ جاؤ سجن سائیں) اس نے دعام کے گال کو ہلکے سے تھپتھاپایا۔

دعام نے آنکھیں کھولیں، نیم بیداری کی حالت میں شرما کر مسکرائی اور سردار کی باہوں میں مزید سمٹ گئی۔

وہ سردار کی بات پوری طرح سمجھی نہیں، مگر اس کے لہجے کی نرمی اور پیار کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے دبی آواز میں سردار کے سینے میں سر چھپاتے ہوئے کہا

"ہوں... کیا ہے؟ اور تھوڑی دیر سونے دیں نا۔"

اے وی کوئی گال ہے؟ صبح تھی گئی ہے، میڈادل تیکوں ویکھنٹ نال ای کھل اٹھدا ہے۔" (یہ بھی کوئی بات ہے؟ صبح ہو گئی ہے، میرادل تو تمہیں دیکھنے سے ہی کھل اٹھتا ہے۔) اس نے پیار سے اس کے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا، جو اس کے ماتھے پر بکھرے تھے۔

"پتا نہیں کیا بولتے ہیں... مگر لگتا ہے بہت میٹھی باتیں کر رہے ہیں آپ صبح صبح۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔

سردار ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہنسا۔

"مٹھیاں گلاں کے کرساں توں تے خود میڈی زندگی داہر سکھ ایں۔" (میٹھی باتیں کیا کروں گا تم تو خود میری زندگی کی ہر خوشی ہے۔) اس نے دعام کی کمر پر اپنا بازو مضبوط کیا اور اسے مزید قریب کھینچا۔

"کچھ سمجھ نہیں آیا، پر اتنا پتا ہے کہ آپ کو بہت پیار آرہا ہے مجھ پر۔" اس نے ہلکے سے سردار کے سینے پر ہاتھ رکھ کے سردار پھر سے مسکرایا تھا۔

"میڈی جان۔ ہن اٹھ تے میڈی باہواں وچ ہی ناشتہ کر۔" (میری جان۔ اب اٹھو اور میری باہوں میں ہی ناشتہ کرو۔)

دعام ہلکا سا شرماکر مسکرائی، دھیمی آواز میں بولی۔ "آپ کی باہوں میں؟ پھر تو سارا ناشتہ گر جائے گا، اور مجھے سرانیکی سمجھ بھی تو نہیں آتی آپ کی۔" وہ ہلکے سے اس کے سینے ہفتہ رکھتی اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

سمجھ نہیں آتی تو پھر یہ کیسے سمجھ گئی وہ جو اٹھنے کی کوشش میں تھی اگلے ہی لمحے پھر سے بیڈ پر اس کے سینے پہ آگری تھی۔

سرانیکی نہیں آئی لیکن اتنی پاگل بھی نہیں ہوں کہ اتنا بھی نہ سمجھ سکوں، سارے الفاظ تو اردو کے چکر کاٹ رہے ہیں کچھ کچھ سمجھ میں آگیا مجھے دماغ کام کرتا ہے میرا وہ شرارت سے بولی۔

تو مطلب حسین کے ساتھ ذہین بھی کیا بات ہے۔ وہ اسے مزید اپنے قریب کرتا خود میں بینچنے لگا تھا جب کہ وہ اٹھنے کے لیے پر تول رہی تھی

"نہ، نہ! ہن تیکوں کتھوں ونجٹ دینا میں؟ توں ہن میڈی ہانڑاں، میڈا مقدر۔" (نہیں، نہیں!) اب تمہیں کہاں جانے دینا ہے میں نے؟ تم اب میری ہدم، میرا مقدر کو)

دعام نے شرم سے اپنی نظریں جھکا لیں اور اس کے سینے سے لگ کر ہنسی۔ وہ سردار کے الفاظ پوری طرح نہیں سمجھ رہی تھی، مگر اس کے لہجے، اس کے لمس اور اس کے انداز سے محبت اور

پیار کو بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ اسے سردار کا یہ پیار بھرا انداز بہت پسند تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ شخص اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے اور اسے دنیا کی ہر خوشی دینا چاہتا ہے۔ وہ معصومیت سے مسکراتے ہوئے اس کے سینے پہ سر رکھ گئی تو سردار نے اسے خود میں جکڑ کر لیا تھا

○○○○○○○

"ڈاکٹر بیلا! خدا کے لیے جلدی دیکھ لیں اسے۔ یہ کوئی عام بندہ نہیں ہے، ڈاکو ہے! غصہ آگیا تو معلوم نہیں کیا کر بیٹھے۔ ایک منٹ بھی نہیں لگے گا اسے گولی چلانے میں۔"

ہسپتال کے تنگ کوریڈور میں اس وقت سر اسیمگی پھیلی ہوئی تھی جب بالا اپنے مخصوص بے پرواہ انداز میں اندر داخل ہوا۔ اس کا دایاں بازو خون میں لت پت تھا، اور بائیں ہاتھ سے اس نے اس کٹ کو تھام رکھا تھا جس سے تازہ خون رس رہا تھا۔ آج اس نے اپنی کلانی پر جان بوجھ کر ایک گہرا کٹ لگایا تھا۔ بیلا کی نظریں جیسے ہی اس پر پڑیں، اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ اندر ہی اندر غصے اور کوفت سے ابل رہی تھی، مگر اس کے چہرے پر خوف کی ایک لہر بھی دوڑ گئی۔ ایک نرس جو اس کے پیچھے دوڑی چلی آرہی تھی، بالا کو دیکھتے ہی جیسے زمین میں گر گئی۔ ہسپتال کا عملہ بالا کے روز روز کے آنے سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ وہ اسے دیکھتے ہی سہم جاتا تھا۔ یہ سب بیلا کے لیے



مزید پریشانی کا باعث بن رہا تھا کیونکہ بالا کا روزانہ کسی نہ کسی بہانے سے خود کو زخمی کر کے آنا، اور پھر اسی سے علاج کروانے کی ضد کرنا اسے بری طرح تھکا رہا تھا۔ کبھی اس کا کندھا زخمی ہوتا، کبھی بازو، کل تو اس کا پیر زخمی تھا۔ بالا کی گہری آنکھیں نقاب کے پیچھے سے بیلا پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی پراسرار چمک تھی جو بیلا کے دل میں بیک وقت خوف اور ایک عجیب سی الجھن پیدا کر رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ آنکھیں اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر رہی ہوں۔

○○○○○○○

"آپ روز کیسے زخمی ہو جاتے ہیں، جناب؟ یہ کوئی مذاق ہے؟ آپ کے ہاتھ پہ روز اتنی زیادہ چوٹیں کیسے لگ جاتی ہیں؟ کبھی آپ کا کندھا زخمی ہوتا ہے، کبھی بازو، کبھی ہاتھ، کل پیر زخمی تھا! آخر آپ کو اتنی زیادہ چوٹیں کیوں لگتی ہیں؟"

بیلا نے جھنجھلاہٹ سے تقریباً چیختے ہوئے بالا کی کلائی پر پٹی باندھنا شروع کی۔ اس کی آواز میں ناراضگی صاف عیاں تھی۔ بالانے بڑے اطمینان سے، گویا اسے کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہو، کہا،

"ڈاکو ہوں سرکار اور ڈاکو کہیں نہ کہیں تو سر پیر مارتے ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے چوٹیں لگ جاتی ہیں۔ آپ کا کام ہے علاج کرنا۔ آپ علاج کیجیے نا، یہ تفصیلات میں کیوں پڑ رہی ہیں آپ؟" بیلا نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔

"جی ہاں! میرا کام علاج کرنا ضرور ہے، لیکن پیٹی باندھنا میرا کام نہیں ہے، یہ نرس کا کام ہے۔ آپ کو ہر چھوٹی چوٹ کے لیے ڈاکٹر کے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ اب انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ بالاکار روز روز کا آنا اس کے لیے ہسپتال میں نئی بدنامی کا سبب بن رہا تھا۔

ہر کوئی اسے شک کی نظروں سے دیکھتا تھا، یہاں تک کہ سینئر ڈاکٹر زبھی اب اس پر انگلیاں اٹھانے لگے تھے۔

"میں کسی نرس سے اپنا علاج نہیں کرواؤں گا! میرا علاج تم نے ہی کرنا ہے، ڈاکٹر بیلا۔ صرف تم نے ہی کرنا ہے۔" بالاکار کی آواز میں ایک ایسا فیصلہ تھا جسے ٹالنا ناممکن تھا۔

اس کی گہری آنکھیں بیلا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، اور اس کے لہجے میں ایک عجیب سی ملکیت تھی۔ وہ ایک لمحہ رکا، پھر ایک گہری سانس لے کر گویا کوئی اہم بات کہنے لگا، "ویسے ڈاکٹر نی! کتنی

ڈاکٹری رہ گئی ہے تمہاری؟ جلدی سے ڈاکٹر بن جاؤ۔ ہمارے قبیلے کو ایک اچھی ڈاکٹر کی ضرورت ہے، اور میں تو تمہیں چیک کر رہا ہوں کہ تم کتنی اچھی ڈاکٹر ہو۔ آخر کو تم نے ہی قبیلہ سنبھالنا ہے۔

تم ہمارے قبیلے کی پہلی ڈاکٹر بنو گی!" وہ نہ جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا۔

"ہا ہا ہا! بڑی خوش قسمت ہو تم زراسوچو، ڈاکوؤں کے قبیلے کی ڈاکٹر!" اس نے خود ہی مسکرا کر کہا۔  
بیلا کا دماغ جیسے ماؤف ہو چکا تھا۔ اسے بالائی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی تھی،

بس وہ جلد از جلد اس عجیب و غریب شخص سے جان چھڑانا چاہتی تھی۔ یہ نقاب پوش آدمی اس کے پیچھے پڑ چکا تھا۔ اس کا نقاب اس کی شخصیت کو مزید پراسرار اور خوفناک بنا رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں جو جنون تھا وہ بیلا کے دل میں خوف کی لہریں دوڑا رہا تھا۔ جیسے ہی بالادھاں سے نکلا، بیلا نے ایک گہرا سکون کا سانس لیا۔ اس کی موجودگی ہی اس کے لیے ایک مستقل اذیت بن چکی تھی۔

○○○○○○○

"لوجی، آج پھر چوٹ لگ گئی۔"

بالا قبیلے میں واپس آیا، اس کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ سیدھا سردار دلدار یلغار کے پاس آیا جو ایک پرانی، لکڑی کی چارپائی پر بیٹھا تھا۔ سردار نے اسے سر سے پیر تک دیکھا، اس کی آنکھوں میں فکر مندی صاف عیاں تھی۔ بالا ہلکا سا شرارتی انداز میں سر کھجاتا ہوا، اس کے ساتھ چارپائی پر آکر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ کی بجائے ایک عجیب سی تازگی اور شوخی تھی۔

"دیکھ بالا، پیار محبت اپنی جگہ، پر یہ ڈاکٹری کے چکروں میں شہید نہ تھی ونجیں۔ کبھی تُو ٹانگ کٹوا رہا ہے، کبھی پیر کٹوا رہا ہے، کبھی کندھے پر زخم کر رہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے زخم لگا، مجھے تیری محبت سمجھ آرہی ہے، لیکن تُو میرے لیے بہت خاص ہے۔"

سردار کی آواز میں محبت اور فکر دونوں نمایاں تھیں۔ اسے بالا کا روز روز خود کو زخمی کرنا بالکل پسند نہیں آرہا تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ سب صرف بیلا کے قریب رہنے کے بہانے تھے۔

"ہائے سردار، کیا بتاؤں تجھے! چھوٹا زخم لگاؤں گا تو جلدی پٹی بند جائے گی، اور پٹی جلدی بن گئی تو اس کی خوشبو کا حصار جلدی ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کی خوشبو کا حصار ٹوٹ گیا تو بالا کا اتنا لمبا سفر

ضائع ہو جائے گا۔ بس اسی لیے چوٹ ذرا بڑی لگاتا ہوں تاکہ سکون سے اسے اپنے قریب محسوس کر سکوں۔"

بالا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، گویا وہ اب بھی بیلا کی قربت محسوس کر رہا ہو۔ اس کے لہجے میں ایک گہرا سرور تھا۔

سردار نے اسے غور سے دیکھا، اس کی بے قراریاں اب اس سے چھپی نہیں تھیں۔

"یہ قربت حرام ہے بالا! پہلے نکاح کر، اس کو جائز کر خود پر۔" سردار کی آواز میں ایک سختی تھی، وہ بالا کو کسی نامحرم کی محبت کے گناہ سے بچانا چاہتا تھا۔

"آج بتا دیا ہے میں نے اسے کہ قبیلے کی ڈاکٹر رانی بنے گی، جلدی جلدی اپنی پڑھائی ختم کر لے۔ میں نے تھوڑی معلومات بھی حاصل کی ہیں، ابھی تو اس کی ہوم جاب شروع ہوئی ہے، باقی ڈاکٹر پوری بن چکی ہے۔"

بالا نے فخر سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک نیا عزم تھا۔ سردار گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"ان سب باتوں سے مطلب ہے۔ کہ تجھے اگلا قدم اٹھالینا چاہیے۔ پتہ کر اس کے والدین کے بارے میں، لڑکی کا رشتہ مانگتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ تو کوئی اور چند چڑھا دے۔ مجھے ہی اس مسئلے

کا کوئی حل نکالنا ہو گا!" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، اس کے ماتھے پر فکر مندی کی لکیریں تھیں۔

سردار کی بات سن کر بالا خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو کیوں نکالے گا معلومات؟ میں خود تجھے ساری معلومات لے کر دیتا ہوں، کل شام تک۔ کہاں کی ہے، ماں باپ کون ہیں، ایک ایک بات تجھے بتاتا ہوں۔"

بالا خوشی سے اچھلتا ہوا سیدھا ہوا۔ اس کا دل جیسے پر لگا کر اڑنا چاہتا تھا۔ اس کی نظر اچانک میدان میں لگے آم کے درخت پر پڑی، جو خوب آموں سے لدا ہوا تھا۔ اس نے التجا بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ سردار کی نظر بھی آم کے درخت پر پڑی اور اس کے چہرے پر سختی آگئی۔

"خبردار جو تو درخت کے پاس گیا۔ اپنی محبت کے چکر میں میرے سجن سائیں کو بیمار کرے گا۔"

سردار نے تقریباً حکم دیا، اس کی آواز میں دعان کے لیے ایک خاص محبت تھی۔

بالا نے معصومیت سے کہا، "

سردار! وہ لالچی بلی! جب تک اس کو کچھ کھانے کو نہ دو، وہ بات ہی نہیں سنتی۔ سمجھا کر یار، چھوٹا والا اتار کے لے کر جاؤں گا۔ "وہ منت کر رہا تھا، اس کی نظریں آم پر ہی جمی تھیں۔ سردار نے آنکھیں گھماتے ہوئے، دوبارہ سے چارپائی پر تکیے پر سر رکھا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا، جیسے اس نے بالا کی بات سنی ہی نہ ہو۔ بالانے موقع غنیمت جانا اور آہستہ سے اس کے قریب سے کھسکتا ہوا آم کے درخت کے پاس آیا۔ اس کے قدموں میں تیزی تھی اور دل میں اپنی لالچی بلی کے لیے آم حاصل کرنے کی دھن۔

○○○○○○○

اماں اکرم کا فون آیا تھا وہ پوچھ رہے تھے کیا فیصلہ کیا آپ لوگوں نے۔۔۔۔۔"

کچے گھر کے چھوٹے سے صحن میں، جہاں دو چارپائیاں بچھی تھیں، رباب کی آواز میں پریشانی صاف جھلک رہی تھی۔

آج رباب کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی اور صفا سے صحن میں لے کر آئی تھی۔ رفاقت چاچا نے رباب کو دیکھتے ہی منہ بنایا۔ ان کے ماتھے پر غصے اور کوفت کی لکیریں صاف ابھر آئی تھیں۔

ان کے خیال میں اس لڑکی کی وجہ سے تو ان کے گھر پر اتنی بڑی مصیبت ٹوٹی تھی، پہلے وہ دعام کم تھی جواب یہ بھی ان کے لیے مصیبت بن گئی تھی۔ چاچی کو بھی اسے دیکھتے ہوئے غصہ آرہا تھا۔

ابا تو اس کی بات سن کر پریشان ہو گئے تھے۔ اکرم آج کل ان کے گھر میں کچھ زیادہ ہی آتا جاتا تھا۔ اس کے پیچھے کی وجہ صرف یہ ہی تھی کہ سردار دلدار یلغار کو کیسے پکڑنا ہے، کس طرح جال بچھانا ہے۔ سردار کو گرفتار کرنا اس کا مقصد ہر گز نہیں تھا، سردار کو قبر تک پہنچانا اس کا مقصد تھا۔

جس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جاسکتا تھا۔ اکرم یقیناً اب رباب کو ذہنی طور پر ٹارچر کر رہا تھا، کسی بھی طریقے سے ان لوگوں کو بات منوانے پر مجبور کر رہا تھا۔

بس دعام کو کسی طرح سے قبیلے سے ایک دفعہ گھر بلانا تھا اور اکرم کے ساتھ اس کی ملاقات کروانی تھی۔ لیکن سردار کا خوف بھی تو اپنی جگہ تھا، وہ قبیلے کا حکمران تھا، اس کا نام ہی کافی تھا۔

ابا کوئی جواب دیں نا اکرم صبح سے فون کر رہے ہیں مجھے، رباب نے بے بسی سے کہا تو چچا کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

"مصیبت ڈال دی ہے تیرے اکرم نے! جان کو آگیا ہے ہماری۔ آسان سمجھ کے رکھا ہے اس نے؟ یہ سب کچھ اس کے کہنے پر قبیلے سے ہو کر آئے ہیں! ارے اس نے گولی نہیں ماری، پرزندہ



بھی تو نہیں چھوڑا ہے! سانسیں تک اٹکی ہوئی تھیں تیرے باپ کی وہاں قبیلے میں! اور تجھے اب بھی صرف اسی کی فکر ہے؟ وہ صرف تیرا استعمال کر رہا ہے رباب!"

رفاقت چاچا نے بے بسی سے سمجھانے کی کوشش کی، ان کی آواز میں درد صاف جھلک رہا تھا۔  
رباب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

چاچا! وہ کچھ بھی کر لے، ہے تو میرا شوہر نا؟ اور میں اس بات سے مکر نہیں سکتی کہ کہیں نہ کہیں غلطی میری ہے! میں نے اسے لالچ دیا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا، اسے اس کے مقصد سے ہٹانے والی میں تھی۔  
وہ رکی، اس کی آواز بھرا گئی۔

ابا! خدا کے لیے، میں اکرم کے بغیر نہیں رہ سکتی! میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میرے لیے میرا سب کچھ اکرم ہی ہے! اور اس نے کہا ہے، وہ مجھے بہت خوش رکھے گا، بس ایک دفعہ سردار پکڑا جائے! خدا کے لیے ابا، میری محبت مجھ سے مت چھینو! وہ جو کہتا ہے، وہ کر دو! اگر اس نے مجھے چھوڑ دیا نا، میں مر جاؤں گی!"

وہ اگلے ہی لمحے اپنی شرم و حیا بھلائے، اپنے باپ کے قدموں میں پڑ چکی تھی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

"ابا! میں مر جاؤں گی اگر اکرم نے مجھے طلاق دے دی نا، تو میرا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا! ابا، میں نہیں جانتی میری محبت میں اتنی شدت کیسے آگئی، لیکن میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میرے لیے وہ میرا سب کچھ ہے۔ ابا، خدا کے لیے اپنی بیٹی کی خاطر ایک دفعہ اس کی بات مان لو۔ ایک دفعہ سردار پکڑا گیا، میں وعدہ کرتی ہوں میں ساری زندگی آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی۔"

اس کی آواز میں سسکیاں بھری تھیں۔ وہ جانتی تھی اس کا باپ خوفزدہ ہے۔ سردار کا وحشی روپ کسی کی بھی آنکھوں سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

وہ ایک ڈاکو تھا، اس قبیلے پر اس کی حکومت تھی، اس گاؤں پر اس کی حکومت تھی۔ یہاں کے لوگ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ تو وہ کیسے اس کے خلاف سازش کرتے؟

یہ مشکل تھا، لیکن اپنی بیٹی کے لیے وہ یہ کر سکتے تھے۔ وہ ان کی پہلی اولاد تھی، ان کے لیے وہ کتنی خاص تھی، یہ تو خود رباب بھی جانتی تھی، اور اب تو اکرم بھی جان چکا تھا، اسی لیے تو وہ ان کی کمزوری کا استعمال کر رہا تھا۔

○○○○○○○

"ڈاکو جی کے آنے سے پہلے میں سارے کچے آم چھپا دوں گی۔"

دعام قبیلے کے اندرونی، پتھریلے راستوں سے چوری چوری، خفیہ انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چار کچی کیریاں تھیں،

جنہیں اس نے بڑی احتیاط سے اپنے دوپٹے میں چھپایا ہوا تھا۔ اس کے قدموں میں تیزی تھی اور نگاہیں ہر طرف جائزہ لے رہی تھیں، کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔

بالا نے آج اسے لمبی کہانی سنائی تھی اور اسی وجہ سے وہ سردار سے چھپا کر اس کے لیے پانچ چھ کیریاں لے کر آیا تھا۔

دو تو اس نے بالا کے ساتھ بیٹھ کر وہیں کھائی تھیں اور باقی سردار کے اچانک بلانے کی وجہ سے، بالا کے چلے جانے کے بعد، چھپا کر لے آئی تھی۔

اس نے بالا کے سامنے قسم کھا رکھی تھی کہ کسی بھی حالت میں سردار کو اس بارے میں پتہ نہیں چلنے دے گی، کیونکہ بالا کا کہنا تھا کہ باقی کی کیریاں وہ ندی میں پھینک دے گا۔

بالا کی لوسٹوری میں اسے بہت زیادہ دلچسپی تھی، لیکن وہ تب تک نہیں سنتی تھی جب تک بالا اس کے لیے کیریاں نہ لے کر آجائے۔ یہی تو ایک طریقہ ملا تھا اسے کچے آم کھانے کا، جس پر وہ بالکل بھی کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنے شاہی کمرے میں اندر آتے ہوئے ہر طرف جگہ ڈھونڈنے لگی کہ وہ کیریاں کہاں چھپائے۔ اس کی نظر کمرے کے کونے میں بنے ایک چھوٹے سے خفیہ خانے پر پڑی، جو دیوار سے بڑی خوبصورتی سے ملا ہوا تھا۔

پھر آخر کار اسے ایک جگہ مل ہی گئی تھی جہاں وہ قبیلے کا خفیہ نقشہ رکھتی تھی۔ وہیں پر اس کا ارادہ آج اپنی کیریاں چھپانے کا بھی تھا۔ ساتھ میں اس نے مصالحہ اور نمک مرچ بھی وہیں پر سنبھال کر رکھا تھا، جو اس نے خاص طور پر کیریاں کھانے کے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

اب مغرب کی نماز کا وقت ہو رہا تھا اور باہر سے اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دعاء نے جلدی سے کیریوں کو چھپایا اور نماز کے لیے وضو کرنے چل دی۔

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد اس کا ارادہ پھر سے سکون سے بیٹھ کر کیریاں کھانے کا تھا۔ اسے کسی قسم کی ٹینشن نہیں تھی کیونکہ سردار تو ویسے بھی کمرے میں آٹھ نوبے کے بعد ہی آتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک چھوٹی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس نے اپنی چھوٹی سی کامیابی حاصل کر لی ہے، اور اب کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

○○○○○○

"بچیاں تو بچیاں، اب تو بچے بھی محفوظ نہیں ہیں۔"

گاؤں کے کچے راستوں سے ہوتی ہوئی، ایک غم زدہ ماں سردار دلداریلغار کے ٹھکانے پر پہنچی تھی۔ اس کے ساتھ گاؤں کا ایک آدمی بھی تھا جس نے اسے سردار تک پہنچنے میں مدد کی تھی۔

سردار اپنی مخصوص چارپائی پر بیٹھا تھا، اس کی نگاہیں سامنے سیدھے راستے پر جمی ہوئی تھیں جو گاؤں سے سیدھا قبیلے کی طرف آتا تھا۔ یہ واحد سیدھا راستہ تھا، ورنہ قبیلے تک آنے کے راستوں سے کوئی واقف نہیں تھا، یہ قبیلہ اتنا الجھا ہوا تھا کہ آج تک کوئی اسے سمجھ نہیں پایا تھا۔ ان لوگوں کو لگتا تھا کہ قبیلے میں آنے کا واحد ایک ہی راستہ ہے، جو پتھر سے بند کیا جاتا ہے،

حالانکہ حقیقت تو یہ تھی کہ یہاں ہزاروں راستے نکلتے تھے۔ بچے کی ماں کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، اس کے چہرے پر بے بسی اور بے پناہ دکھ صاف عیاں تھا۔

اس کا سات سالہ یتیم بچہ، جس کے ساتھ مسجد کے قاری نے ظلم کیا تھا، ایک ہفتے سے ہسپتال میں داخل تھا اور وہ اکیلی یہاں انصاف طلب کرنے آئی تھی۔

وہ عورت ماتھا پیٹتی اپنے بچے کے ساتھ ہوئے ظلم کی داستان سنارہی تھی۔

سات سالہ بچے کے ساتھ درندگی کی انتہا کی گئی تھی۔

"گھر جاؤ مائی! تمہارے بچے کے ساتھ ہوئے ظلم کا حساب سردار یلغار لے گا۔"

سردار نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو ہاتھ جوڑے اس کے سامنے کھڑی تھی، اس کی آواز میں ایک ایسا ٹھہراؤ اور یقین تھا جو کسی بھی مصیبت زدہ دل کو ڈھارس دے سکتا تھا۔ اس نے بچے کی ماں کی حالت کو بغور دیکھا اور اس کے چہرے پر غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عورت نے سسکیوں کے بیچ اپنا درد بیان کرنا شروع کیا۔

"سردار، صرف ایک میرا ہی بیٹا نہیں وہاں کتنی ماؤں کے بیٹوں کے ساتھ وہاں ظلم ہو رہا ہے!

کہنے کو وہ مدرسہ ہے لیکن یہاں بھی ایسے درندے رہتے ہیں۔ میرے بچے کے ساتھ جو ظلم ہوا

ہے، وہ کسی اور کے ساتھ نہ ہو، ایسا انجام ہونا چاہیے اس درندے کا! پہلے سوچا تھا میں کورٹ میں کیس کرواؤں گی،

پھر تاریخیں بھگتنے کی اوقات نہیں تھی میری۔ اسی لیے سیدھی آپ کے پاس آئی ہوں، آپ سے صرف انصاف کی امید ہے۔ میرے بچے کے ساتھ ہونے والے ظلم پر آپ خاموش نہیں رہیں گے، میں یقین سے کہتی ہوں۔ ورنہ لوگوں نے تو مجھے کہا کہ 'چھوڑو بات کو! دفع کرو، بچے کے سر پر باپ نہیں ہے اور تمہاری کون سا بیٹی لٹی ہے، بیٹا ہی تو ہے، سنبھل جائے گا! خاموشی اختیار کر لو!' مگر میں یہ نہیں کر سکتی۔ نا جانے لوگوں کے ذہن سے یہ بات کب جائے گی، بیٹی ہو یا بیٹا ظلم ظلم ہوتا ہے! اور میرے بیٹے پر ظلم ہوا ہے!"

وہ عورت تڑپ رہی تھی، اس کے الفاظ دل کو چھلنی کر رہے تھے۔ سردار کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی، وہ صرف اسے سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک ٹھنڈا، پتھر یلا تاثر تھا، جو اس کے اندر کے طوفان کو چھپا رہا تھا۔ اس کی مٹھیاں خود بخود بھیج رہی تھیں، اور اس کے جبروں میں سختی آچکی تھی۔ وہ درد میں ڈوبی اس ماں کی فریاد سن کر خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔

○○○○○○○○

"یہی وہ درندہ ہے؟" سردار دلدار یلغار نے مدرسے میں داخل ہوتے ہی گرجدار آواز میں پوچھا۔ اس کا چہرہ کپڑے سے ڈھکا تھا، صرف اس کی سبز آنکھیں غصے سے چمک رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک پتھریلی سختی چھائی ہوئی تھی۔

سردار اپنے طاقتور گھوڑے پر سوار ہو کر مدرسے پہنچا تھا، اس کے پیچھے اس کے چند وفادار، بھاری اسلحے سے لیس ساتھی تھے۔ ان سب کے چہرے بھی کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے، صرف ان کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں مدرسے کی خاموشی کو چیرتی ہوئی سنائی دے رہی تھیں، جو کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھیں۔

سردار کے ہاتھ میں ایک لمبی، نوکیلی برچھی تھی جو سورج کی روشنی میں بری طرح چمک رہی تھی۔ وہ سیدھا اس مدرسے کی طرف بڑھا تھا جہاں معصوم بچے کے ساتھ ظلم ہوا تھا۔

مدرسے کے قریب پہنچ کر سردار گھوڑے سے اترا۔ اس کے ساتھی بھی فوری طور پر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ مدرسے میں اس وقت سناٹا چھایا تھا، کسی کو بھی اس اچانک آمد کی خبر نہیں تھی۔



سردار نے ایک گہری سانس لی، اس کی سبز آنکھوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ آہنی عزم کے ساتھ مدرسے کے اندر گھس گئے۔

اندر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ مدرسے کے بچے خوفزدہ ہو کر ایک کونے میں دبکے ہوئے تھے، ان کی آنکھوں میں شدید ڈر اور حیرت صاف نظر آرہی تھی۔ قاری، جو اس وقت بچوں کو پڑھا رہا تھا، سردار اور اس کے مسلح آدمیوں کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر سردار کے تیز رفتار ساتھیوں نے اسے ایک پل میں دبوچ لیا۔

"اسے گھسیٹ کر باہر لے چلو! اور گاؤں والوں کو جمع کرو! سب کو دیکھنا چاہیے کہ ایسے درندوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔" سردار نے مزید غصے سے کہا۔

○○○○○○○

سردار کے حکم کے ساتھ قاری کو بے رحمی سے گھسیٹ کر مدرسے کے صحن میں لایا گیا۔ اس کی چیخیں اور منتیں ہوا میں گونج رہی تھیں، مگر کسی نے اس کی مدد کے لیے ایک قدم بھی نہیں

اٹھایا۔ گاؤں والے بھی خوف اور تجسس سے وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سردار کا چہرہ نقاب میں چھپا تھا، مگر اس کی سبز آنکھوں میں رحم کا کوئی نشان نہیں تھا، وہ صرف ایک وحشت ناک طاقت کا مجسمہ بنا وہاں کھڑا تھا۔

"تم نے ایک معصوم بچے کی عزت کو پامال کیا ہے! تم نے ایک پاک جگہ کو گندا کیا ہے! تمہارا جرم اتنا بڑا ہے کہ اس کی کوئی معافی نہیں!" سردار کی آواز میں گرج تھی۔ اس نے بالا کو اشارہ کیا اور وہ ایک جلتی ہوئی مشعل لے کر آگے بڑھا

۔ گاؤں والوں کی نظریں دہشت سے اس منظر پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ سردار کے انصاف کا طریقہ بے حد سخت اور وحشت ناک ہوتا تھا۔

اس نے قاری کی جانب دیکھا، جس کی آنکھوں میں موت کا خوف واضح تھا۔

"آج تمہیں وہ درد ملے گا جو اس بچے نے سہا ہے۔ آج تمہیں معلوم ہو گا کہ کسی کی عزت لوٹنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

اس کے بعد جو ہوا، اس نے گاؤں والوں کی روح تک کو ہلا دیا۔ سردار کے اشارے پر اس کے آدمیوں نے اس قاری کے ہاتھ اور پاؤں مضبوط رسیوں سے باندھے۔ پھر ایک رسی کو درخت

کی اونچی شاخ سے باندھ کر قاری کو لٹکا دیا گیا۔ اس کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں جب سردار کے ایک آدمی نے اس کے نیچے لکڑیوں کا ڈھیر لگا کر اسے آگ لگا دی۔ قاری کی چیخیں ایک ہی لمحے میں خاموش ہو گئیں اور اس کا جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔

سردار نے ایک ٹھنڈی نظر اس جلتے ہوئے جسم پر ڈالی، اس کی سبز آنکھیں کسی شکاری کی طرح چمک رہی تھیں، اور گردار آواز میں اعلان کیا، "اس کی جلی ہوئی لاش کو اسی طرح لٹکا رہے دو تاکہ آئندہ کسی کی ہمت نہ ہو کہ وہ کسی معصوم بچے کی طرف غلط نظر سے دیکھے یہ صرف ایک عبرت ہے۔"

وہاں جمع گاؤں والوں کے چہروں پر خوف اور دہشت کے ملے جلے تاثرات تھے۔ انہوں نے آج دیکھ لیا تھا کہ سردار دلدار یلغار اپنے علاقے میں انصاف کیسے قائم کرتا ہے۔ یہ محض ایک سزا نہیں تھی، بلکہ سردار کی وحشت کا ایک کھلا اظہار تھا۔

oooooooo

"میں کچھ نہیں کھا رہی تھی! وہ بالا بھیا نے لا کر دیا تو میں نے سوچا میں صرف ٹیسٹ کر لوں! مجھے تو اب اچھے بھی نہیں لگتے، میں تو کھاتی بھی نہیں ہوں!"

سردار نے اپنے چہرے سے ہر طرح کا غصہ اور سختی ختم کر کے، صرف محبت لیے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی سبز آنکھوں میں اب نرمی اور پیار نمایاں تھا۔ اس نے کمرے کے بچوں بچ آ کر قدم روکے، اس کی نظریں سیدھی بستر کی طرف گئیں۔ بستر پر دعام تھی، جو دوسری طرف چہرہ کیے، ہاتھ میں پلیٹ لیے، تیز تیز کچھ کھانے میں مصروف تھی۔ سردار کے قدموں کی آہٹ سنتے ہی اس کے ہاتھ رک گئے اور اس نے فوراً ہی اپنے الفاظ بول ڈالے۔

اس کے چہرے پر دنیا جہان کی معصومیت تھی، جیسے اس نے کوئی جرم کیا ہی نہ ہو۔ سردار کی سبز آنکھوں میں بے پناہ محبت تھی، مگر چہرے پر ہلکا سا غصہ بھی در آیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دعام کچے آم کھا رہی ہے۔

سردار نے بنا کچھ کہے، ڈسٹ بین کی طرف قدم بڑھائے جو کمرے کے ایک کونے میں پڑا تھا۔ اگلے ہی لمحے ڈسٹ بین پر اپنا قدم رکھ کر اس کا ڈھکن فوراً ہی کھل گیا تھا۔ اس نے اپنی سبز آنکھوں سے واپس بستر کی طرف دیکھا، جہاں دعام آرام سے پلیٹ ہاتھ میں پکڑے بیٹھی تھی۔ اس نے ابھی ابھی کیری کاٹی ہی تھی کہ سردار، جسے وہ 'جن' وہاں نمودار ہو گیا تھا۔

"ڈاکو جی میں۔۔۔۔۔" دعام نے بات شروع کرنی چاہی۔

"میرا سوہنا مکھڑا!" سردار نے آواز کو سخت کرتے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔ مطلب صاف تھا، وہ کچھ بھی سننے یا سمجھنے کی حالت میں نہیں تھا۔ وہ اسے صاف الفاظ میں نہیں بلکہ اپنی سبز آنکھوں سے یہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنی پلیٹ میں موجود سارا سامان اس ڈسٹ بین میں پھینکے۔

"ڈاکو جی وی۔۔۔" دعام آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اس کے پاس آرہی تھی۔

"تم خود پھینکو گی یا میں اپنے طریقے سے پھینکوں؟" سردار اس کی بات سننے بغیر بولا۔ اس کی آواز میں اب سختی اور بڑھ گئی تھی۔

دعام ایک قدم اور آگے بڑھی۔

"میں نے ایک بھی نہیں کھایا! قسم لے لیں! ابھی تو صرف میں دیکھ رہی تھی!" اس کے لہجے میں منت اور معصومیت دونوں شامل تھیں۔

"پھینکو!" سردار نے پھر سے سخت لہجے میں کہا۔ اس کی سبز آنکھوں میں اب بھی غصے کی چمک تھی۔

"آپ اس کے بدلے مجھ سے کوئی بھی کام کروالیں گے! میں کر دوں گی!" اس کی معصومیت تو اب عروج پر تھی۔ وہ اپنی پسند کی چیز سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"میرا بھولا سائیں! اگر تم نہیں چاہتی کہ پورا درخت اکھاڑ کر پھینک دوں، تو اسے پھینکو!" اس نے پھر سے ڈسٹ بین کی طرف اشارہ کیا تھا۔

جبکہ دعام نے ایک اور قدم آگے اٹھاتی، جلدی جلدی ایک دو کیری کے سلائس اپنے منہ میں ڈال لیے۔ اس کی اس معصومانہ حرکت پر سردار نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی تھی۔ اس کے چہرے پر محبت کی ایک لہر دوڑ گئی، مگر اس نے اسے ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنی سبز آنکھوں کو مزید سخت کرنے کی کوشش کی۔ دعام نے جلدی سے باقی بچی ہوئی کیریاں پلیٹ سمیٹی۔

ڈاکو جی۔۔ میں ناراض ہو جاؤں گی" اس نے دھمکی دی تھی۔

پھینکو۔۔۔۔۔ "وہ سخت نہیں جی میں بولا۔

دعام نے اگلے ہی لمحے ساری کیریوں سمیٹ کر آخر وہ کام کر ہی ڈالا تھا جو اس کے لیے کسی گناہ سے کم نہ تھا۔

"بس، مل گیا سکون؟ کر لی اپنی من مانی؟ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی اس کے لیے! آئی ہیٹ یو! خبردار جو مجھ سے بات کی! کوئی سوہنا مکھڑا نہیں ہوں میں، نہ ہی آپ کی سجن سائیں ہوں! آپ بھی میرے سوہنے ڈاکو جی نہیں ہیں! گندے ہیں آپ! کٹی!"

دعام نے غصے سے پیر پٹکتے ہوئے، ڈسٹ بین میں کیریاں پھینکنے کا اپنا کام مکمل کیا اور اب اپنی ناراضگی دکھانے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصوم ناراضگی تھی اور اس وقت اسے سردار کی آنکھوں سے کوئی ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر الٹی لیٹی، اونچی اونچی آواز میں اپنی ناراضگی ظاہر کرنے لگی، جیسے وہ ایک چھوٹے بچے کی طرح اپنی شکایتیں کر رہی ہو۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سردار کو وہاں سے بھگادے۔

جبکہ سردار، جو ابھی تک ڈسٹ بین کے پاس کھڑا تھا، اب سیدھا ہوا اور اس کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ اس کی سبز آنکھوں میں غصے کی جگہ اب صرف بے پناہ محبت اور ہلکی سی شرارت تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل چکی تھی، اسے معلوم تھا کہ اس نے دعام کو ناراض کر دیا تھا، اور اب اسے منانا بھی تو تھا۔

○○○○○○○

"اٹھو نامیرا بھولا سائیں! دیکھو تو سہی میں نے تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔ اس کی سبز آنکھوں میں محبت اور نرمی صاف جھلک رہی تھی، وہ دعام کے بستر کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی جس سے دعام کی ناراضگی کو دیکھ کر مزید گہری ہو رہی تھی۔ دعام اب

بھی الٹی لیٹی ہوئی تھی، اس کا چہرہ تکیے میں چھپا تھا اور وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی، جس سے اس کی ناراضگی واضح تھی۔ سردار نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

دعام نے جھٹکے سے اپنا کندھا ہٹایا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

اسے کچی کیریاں چھیننے کا شدید دکھ تھا اور وہ اس پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں تھی۔

سردار نے ایک لمبی سانس لی۔ کمرے میں لائٹ بلب کی مدھم روشنی پھیل رہی تھی،

اور دروازے کے پیچھے سے باہر کے درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ہوا میں مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

جو قبیلے کے ماحول کو پرسکون بنا رہی تھی، مگر دعام کے دل میں طوفان برپا تھا۔ سردار جھک کر دعام کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگا، اس کے نرم و نازک بالوں کا لمس اس کے ہاتھوں کو سکون دے رہا تھا۔

"کچھ نہیں چاہیے مجھے! آپ کو میرا ذرا سا بھی خیال نہیں ہے! گندے ہیں آپ!" دعام نے تکیے میں منہ چھپائے ہوئے ہی غصے سے کہا، اس کی آواز دبی ہوئی تھی۔ اس نے ابھی تک پلٹ کر سردار کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کی چھوٹی سی دنیا میں اس وقت صرف اس کی کیریاں اور



سردار کی زیادتی تھی۔

سردار کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، اس کی سبز آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

وہ جھک کر اس کے مزید قریب ہوا، دعام کے کانوں کے پاس سرگوشی کے انداز میں کہا،

"اچھا بابا، غلطی ہو گئی! ادھر تو دیکھو نا تمہارا پیارا ڈاکو جی تمہارے سامنے کھڑا ہے تمہیں مناتا ہے

سوری کر رہا ہے اور تم بات بھی نہیں کر رہی؟"

اس نے دعام کی کمر کو ہلکے سے چھوا، اس کے ہاتھ کا لمس دعام کو سکون دینے لگا تھا مگر وہ اب بھی

ناراض تھی۔

دعام نے ایک گہری سانس لی اور اچانک پلٹ کر سردار کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں

آنسو نہیں تھے مگر چہرے پر ایسی ضد اور ناراضگی تھی جسے توڑنا مشکل لگ رہا تھا۔

"میں آپ سے بات ہی نہیں کروں گی! آپ گندے ہیں! آپ نے میرے آم پھینک دیے!"

اس نے بازو فولڈ کرتے منہ پھیر لیا۔

"میرا سوہنا مکھڑا، ایسے ناراض نہیں ہوتے۔ تمہاری صحت خراب ہو جائے گی، تمہارا دلدار سائیں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔" سردار نے اسے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی، مگر دعام نے خود کو مزید سخت کر لیا۔

"میں نہیں مانوں گی! کبھی نہیں مانوں گی! جب تک میری بات نہیں مانیں گے آپ، میں آپ سے بات بھی نہیں کروں گی!" دعام نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا، اس کی آواز میں اب مزید ضد تھی۔

"کیسی بات؟" سردار نے اس کی ناراضگی سے لطف اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں سارے کچے آم کھا جاؤں گی درخت پہ لگے ہوئے! سارے کے سارے! اور آپ مجھے منع نہیں کریں گے! ورنہ میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی! ہمیشہ ناراض رہوں گی!" دعام نے آنکھوں میں شرارت اور ضد لیے سردار کی طرف دیکھا۔ یہ اس کی بچوں جیسی ضد تھی، اور وہ جانتی تھی کہ سردار اسے منائے بغیر ہار نہیں مانے گا۔

سردار نے دعام کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی سبز آنکھوں میں صرم محبت تھی۔ وہ دعام کے چہرے پر پھیلی اس معصومانہ ضد کو دیکھ کر ہنسی روک نہیں پایا۔

اس کا جاندار قہقہہ کمرے میں گونجا۔ اس نے دعام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور نرمی سے دبایا۔  
بالاٹھیک تمہیں لالچی بلی کہتا ہے "میرا معصوم سائیں! تم سارے کے سارے آم کھا لینا! میں  
تمہیں منع نہیں کروں گا! نہ ابھی، نہ صبح، نہ کبھی!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا، اور اس کی  
مسکراہٹ میں ایک وعدہ تھا جو دعام کے دل کو چھو گیا۔

دعام نے اپنی آنکھیں بڑی کیں، گویا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"سچ میں؟"

"سچ میں، میرا یار سائیں۔" بس تم یوں روٹھنا نہ کرو، سردار نے پیار سے اس کے بالوں پر ہاتھ  
پھیرا۔

ابھی چلیں نیچے۔۔۔ "وہ کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گئی تھی۔

ارے نہیں ابھی نہیں کھا سکتی تم، ابھی رات ہو گئی ہے۔ صبح کھا لینا، جتنا دل کرے تمہارا۔"

دعام نے پھر منہ پھیر لیا اور آہستہ سے بڑبڑائی، "میں سارے کھا جاؤں گی۔۔۔ کوئی نہیں بچے  
گا۔" وہ اب بھی ناراضگی دکھا رہی تھی، مگر اس کے لہجے میں اب وہ شدت نہیں تھی، ایک چھپی

ہوئی خوشی صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک چھوٹی سی مسکراہٹ آکر غائب ہو گئی، گویا اس کی ناراضگی اب ختم ہونے والی تھی۔

سردار نے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھر لیتے اپنے سینے سے لگا لیا۔ دعام نے ہلکی سی مزاحمت کی، مگر پھر اس کے سینے سے لگ کر خاموش ہو گئی۔ اس کی ناراضگی ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی، وہ اب بھی دل ہی دل میں آموں کی تباہی پر ناراض تھی۔ لیکن سردار کا وعدہ اسے خوش کر گیا تھا۔

وہ الٹی ہی لیٹی سردار کے بازوؤں میں سو گئی۔ سردار نے اس کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، اس کی سبز آنکھوں میں سکون تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی سوہنی سبجی اب ناراض نہیں ہے، بس اپنی من پسند چیز نہ ملنے کی وجہ سے بچوں کی طرح روٹھی ہوئی ہے۔ سردار اپنی روٹھی ہوئی رانی کو منائے بغیر سونہ سکا۔ اس کے دل کو سکون تھا کہ وہ واقعی میں ناراض نہیں ہے، بس نخرے کر رہی تھی۔ اور اس کی نخرے تو وہ ہر قیمت پر اٹھانے کو تیار تھا

○○○○○○○

"میرو بھیا! اس آم کے درخت سے سارے آم کدھر گئے؟"

صبح کا وقت تھا، سورج کی پہلی کرنیں قبیلے کے پہاڑوں پر پڑ رہی تھیں اور ہر طرف ایک نئی تازگی کا احساس تھا۔

دعّام خوشی خوشی تیار ہو کر نیچے آئی تھی۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، آج اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اس نے رات سردار سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ جتنے چاہے آم کھا سکتی ہے، اور اب وہ خوب سارے آم کھانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت اور جوش تھا۔

وہ تیزی سے کی طرف بڑھی جہاں آم کا درخت لگا تھا۔ لیکن نیچے آتے ہی یہ کیا! سارا کا سارا درخت ویران پڑا ہوا تھا! صرف پتے ہی پتے تھے، دور دور تک کوئی آم نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ کل تو اس پر اتنے سارے آم تھے، بلکہ یہ آموں کے ساتھ لد اہوا تھا۔ دعّام نے یقینی انداز میں آم کے درخت کو دیکھا،

اس کی آنکھوں میں حیرت اور پھر مایوسی چھا گئی۔

اس کے پیچھے پیچھے میرو بھی آیا تھا، اس نے دعّام کا سوال سنتے ہی سر جھکا لیا۔

"رات کو طوفان آیا تھا سردارنی۔" میرو نے دھیمی آواز میں کہا۔ دعام نے اسے گھور کر دیکھا، جیسے جانتی ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، اسے لگا جیسے اس کے ساتھ کوئی چال کھیلی گئی ہے۔

"ہاں دعام بیٹی! رات کو یہاں بہت بڑا طوفان آیا تھا، پورے کے پورے درخت کو چھانٹ کر چلا گیا۔" ایک بڑا ڈاکو، دعام کو دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں بناوٹ صاف تھی۔

"بڑا گند پڑا ہوا تھا پورے میدان میں۔ ابھی ہم صفائی کر کے فارغ ہوئے ہیں۔"

"اور میں تو ابھی تک صفائی کر رہا ہوں!" بالا جھاڑواٹھائے بھاگتے ہوئے آیا، اس کے چہرے پر ایک چالاک مسکراہٹ تھی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا، جیسے اپنے پلاننگ کو یقینی بنانا چاہ رہا ہو۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا! میں مانتی ہی نہیں! آپ سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں!" دعام یقین سے بولی، اس کی آواز میں اب ناراضگی اور مایوسی تھی۔

"بیٹے! میں کیا جھوٹ بولوں گا اب اس عمر میں؟" بزرگ ڈاکو نے ڈرامائی انداز میں کہا تو دعام کا منہ کھل گیا۔ وہ اس ڈاکو کو بھی اس سازش میں شامل دیکھ کر حیران تھی۔

"میں سب کچھ جانتی ہوں بابا! آپ بھی ان لوگوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں! سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں! سب پتہ ہے مجھے! کوئی طوفان نہیں آیا! مجھے بھی تو خبر لگتی، میں بھی تو اسی دنیا میں رہتی ہوں!" دعام نے غصے سے پیر پٹکتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! تم صرف اس دنیا میں رہتی ہو۔ اب جس پہاڑ میں تمہارا بسیرا ہے، اس پہاڑ میں صرف دروازہ کھلے رہنے تک آوازیں آتی ہیں۔ رات کو یہاں کیا کیا ہوا، کیا بتائیں تمہیں!" بزرگ ڈاکو نے سمجھانے والے انداز میں کہا،

پھر ادھر ادھر اشارہ کرتے ہوئے بولا،

"دیکھو تو سہی، وہاں سے جھنڈا بھی گر گیا ہمارا!" انہوں نے ایک ایسی جگہ اشارہ کیا جہاں دعام نے کبھی کوئی جھنڈا دیکھا ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس نے کبھی اس جگہ کی طرف بھی دھیان نہیں دیا تھا اسے کیا پتہ کہ وہاں کبھی کوئی جھنڈا موجود تھا بھی یا نہیں، اس نے تو کبھی نوٹ ہی نہیں کیا تھا۔

"اور وہاں پر جو درخت تھا پتلے ڈنڈے والا، وہ بھی تو گر گیا! بڑا خوبصورت تھا!" بالا پھر سے بولا، وہ اپنی پلاننگ کو مزید مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اور وہاں جو جھونپڑی تھی..." میرو نے بیچ میں اچانک جھونپڑی لانے کی کوشش کی تو بابا اور بالا دونوں نے اسے گھورا، کیونکہ اس جگہ پر وہ اکثر بیٹھتی تھی اور وہ جانتی تھی کہ وہاں کوئی جھونپڑی نہیں تھی۔

"کون سی جھونپڑی؟" دعام فوراً بولی، جیسے ان کی چوری پکڑنے کی کوشش کی ہو۔

"ارے! وہ جھونپڑی پچھلے طوفان میں گر گئی تھی! تم تو ابھی بڑی بعد میں آئی ہو! تم بھی نا، پرانی چیزوں کو بھی یاد رکھے ہوئے ہو میرو!" بزرگ ڈاکو نے جلدی سے بات سنبھالی، پھر دعام کو دیکھتے ہوئے کہا،

"چلو بیٹی، آؤ تم ناشتہ کر لو۔" وہ بزرگ ڈاکو کہتے ہی میرو اور بالا کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے وہاں سے نکلے۔ دعام لاجواب سی وہیں کھڑی بے یقینی سے خالی درخت کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی ساری خواہشات کا جنازہ نکل چکا تھا۔ کتنے ارمانوں کے ساتھ سوئی تھی، اب تو اسے خوابوں میں بھی صرف آم ہی نظر آئے تھے۔ "اور یہاں طوفان آگیا؟ ایسے کیسے طوفان آ سکتا ہے؟ پہلے بھی تو آ سکتا تھا طوفان! آج ہی کیوں آیا؟ اور اگر آج ہی آیا ہے تو ضرور یہ کسی کی سازش ہے!" دعام نے غصے سے سوچا، اس کی آنکھوں میں اب سردار سے انتقام کا جذبہ تھا۔



رات کے تقریباً ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔ قبیلے میں سناٹا چھایا ہوا تھا، صرف دور کہیں سے پہرے داروں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اچانک بالا کے فون کی سکریں روشن ہوئی، یہ سردار کی کال تھی۔ بالانے بنا کوئی دیر کیے فون اٹھایا۔ دوسری طرف سے سردار کی گرجدار آواز سنائی دی۔

"آم کے درخت پر کوئی ایک بھی آم نہیں رہنا چاہیے۔ اب طوفان آئے یا تم لوگ خود طوفان بن جاؤ، لیکن صبح جب دعام نیچے آئے تو اسے کوئی ایک بھی آم نظر نہ آئے۔"

یہ حکم سردار دلداریلغار کا تھا، اور اس کے حکم پر بالانے بنا کوئی سوال جواب کیے، فوراً ہی چند ڈاکوؤں کو اپنے ساتھ لگایا۔ راتوں رات پورا کا پورا آم کا درخت خالی کروا دیا گیا تھا۔ یہ درخت قبیلے کی خوبصورتی بڑھاتا تھا، اور سردار کو بے حد پیارا تھا۔

یہ اس کی ماں کے ہاتھوں کا لگا ہوا درخت تھا، جو اس کے ساتھ ہی بڑا ہوا تھا۔ سردار کو ویسے بھی خود درختوں سے بہت پیار تھا؛ اس نے کبھی بھی میدان سے کسی درخت کو توڑنے یا اکھاڑنے نہیں دیا تھا۔ اسے پودوں اور درختوں سے خاص لگاؤ تھا۔ مگر آج دعام کی ضد کے آگے اسے یہ قربانی دینی پڑی تھی۔

سردار نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ اگر وہ آم وہاں رہتے تو دعام اسے یقیناً نہیں چھوڑتی۔  
جس طرح وہ ان کے پیچھے لگی تھی، وہ پورا درخت ہی خالی کر دیتی۔

اور وہ اس کی صحت پر کوئی کپڑا نہیں کر سکتا تھا وہ ہر گز نہیں چاہتا تھا وہ کچے آم اور چاٹ  
مصالحے کے ساتھ نمک مرچی لگا کر اپنے معدے کی حالت خراب کرے۔

وہ جانتا تھا اس طرح کے شوق لڑکیاں پالتی ہیں لیکن وہ دعام کا یہ شوق پورا کرنے سے قاصر تھا  
کچھ آموں کو میرو نے اچار ڈالنے کے لیے رکھ لیا، تو کچھ راتوں رات ہی گاؤں کی طرف بھجوا  
دیے گئے۔ اور کچھ جو کسی قابل نہیں تھے، انہیں پھینک دیا گیا۔ ہاں، لیکن صبح دعام کو وہاں کچھ  
بھی نظر نہیں آیا تھا، بالکل سردار کے حکم کے مطابق۔ یہ سب سردار کی دعام سے محبت کا نتیجہ  
تھا، جہاں وہ اس کی چھوٹی سی ضد پر بھی اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا تھا۔

○○○○○○

دعام صحن میں ایک چارپائی پر منہ پھلا کر بیٹھی ہوئی تھی، اس کا چہرہ ناراضگی سے سرخ ہو رہا تھا۔  
وہ بار بار آم کے ویران درخت کو دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں شدید مایوسی چھائی تھی۔

اسے یقین تھا کہ یہ سب سردار کی سازش ہے، مگر ثابت نہیں کر پار ہی تھی۔ اتنے میں سردار وہاں آیا،

اس کی سبز آنکھوں میں دعام کے لیے محبت بھری تھی۔ سردار کو دیکھتے ہی دعام کا منہ بن گیا، اس نے فوراً اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا، گویا وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ سردار اس کی اس ادا پر ہلکا سا مسکرایا اور آہستگی سے اس کے قریب کھسک کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے دعام کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی، مگر دعام نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"اب بھی ناراض ہو میرا سوہنا مکھڑا؟" سردار نے نرمی سے پوچھا، اس کی آواز میں دلداری تھی۔

دعام نے کوئی جواب نہیں دیا، بس گردن اکڑائے بیٹھی رہی۔ وہ اپنی ضد پر قائم تھی۔

میرا سوہنا سائیں۔۔۔۔۔"

نہیں ہوں میں کچھ بھی۔۔۔ آپ نے جان بوجھ کر کیا ہے یہ سب کچھ میں جانتی ہوں آپ نے بھی سارے آم تڑوا کر پھینکے ہیں یہاں سے آپ چیڑ ہیں میرے ساتھ بے ایمانی کی ہے آپ نے میں آپ سے بات نہیں کروں گی وہ سخت غصہ تھی۔

میری جان کے ٹوٹے میں ایسا کیوں کروں گا میرا معصوم سائیں میں نے تو خود تم سے کہا تھا کہ کہ صبح اٹھ کر تمہارا جتنے دل چاہے اتنے آم کھا لینا اب اگر طوفان آگیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے وہ معصوم بننے کی اداکاری کر رہا تھا۔

اپ کا ہی قصور ہے میں جانتی ہوں یہ سب کچھ آپ نے جان بوجھ کر کیا ہے اور اب آپ جتنے بھی معصوم بننے کے ڈرامے کر لیں آپ معصوم ثابت نہیں ہوں گے میں تب تک آپ سے بات نہیں کروں گی جب تک آپ میرے سارے آم مجھے واپس لا کر نہیں دیتے۔ وہ سخت غصے سے بولی۔

میرا معصوم سائیں۔۔۔۔۔ "میرا سوہنا سجن۔۔۔۔۔" وہ کبھی اس کا چہرہ تھامتا کبھی اس کا ہاتھ وہ ہر بار اس کا ہاتھ جھٹک رہی تھی جبکہ منہ پر خاموشی کا بورڈ لگا تھا۔

۔ سردار اس کی خاموشی اور بچوں جیسی ناراضگی پر بھی دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیسے منانا ہے۔ ابھی سردار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک آدمی ہانپتا کانپتا ہوا ان کی طرف بھاگتا آیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی صاف عیاں تھی۔

وہ ہانپتا ہوا سردار کے سامنے رکا، سردار نے ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں ناگواری تھی۔

اس کی دعام کو منانے کا وقت خراب ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ آدمی اچانک ہی بولنا شروع ہو گیا،

"سردار! تمہارے سر کا دل بند ہو گیا ہے! دل کا دورہ پڑا ہے اسے! ہسپتال لے کر گئے ہیں!"  
یہ سننے کی دیر تھی کہ دعام کی آنکھیں پھیل گئیں، اس کے چہرے پر موجود ساری ناراضگی ایک لمحے میں غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور پریشانی چھا گئی، اور وہ تیزی سے چارپائی سے اٹھی۔ سردار کا چہرہ بھی سنجیدہ ہو چکا تھا، اس کی سبز آنکھوں میں فوری فیصلے کا تاثر تھا۔  
"ڈاکو جی! میرے تایا ابو کو کچھ نہیں ہو گا نا؟"

دعام کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ وہ آدمی اس کے تایا ابا کی بات کر رہا ہے۔ اس کے تایا ابا کو دل کا دورہ پڑا تھا، یہ سنتے ہی جیسے اس کی جان لبوں میں اٹک گئی تھی۔ آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے تھے۔ سردار نے اسے تھام کر اپنے سینے سے لگایا

تھا۔ دعام بری طرح رو رہی تھی۔ اس وقت سردار کے ذہن میں یہ بھی چل رہا تھا کہ اب وہ لوگ کون سی چال چل رہے تھے، یہ کون سا نیا کھیل کھیلا تھا ان لوگوں نے۔

دعام کے دل میں اپنے تایا ابا کے لیے بے پناہ محبت تھی، جو اس کی تمام ناراضگی اور شکایات پر حاوی ہو گئی تھی۔

سردار کی سبز آنکھوں میں اب صرف پریشانی اور دلا سہ تھا، اس نے دعام کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"میرا سوہنا مکھڑا، کچھ نہیں ہو گا! میں ہوں نا!" وہ پیار سے اس کا چہرہ صاف کرتا، ہاں میں سر ہلا گیا۔ اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔

"مجھے میرے تایا ابا کے پاس لے چلیں ناپلیز! اللہ نہ کرے انہیں کچھ ہو جائے! تایا ابا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے!" دعام نے روتے ہوئے سردار کے سینے سے لگے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا انہیں، میرا سوہنا مکھڑا۔ ابھی ابھی ہم چلتے ہیں تمہارے تایا ابا کے پاس۔ کچھ نہیں ہو گا انہیں، میں تمہیں ابھی ہسپتال لے کر چلتا ہوں۔" سردار نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور دور کھڑے بالا کو اشارہ کیا۔

بالا، سردار کے اشارے اور دعام کی حالت دیکھ کر کچھ نہ کچھ گڑبڑ کو سمجھ چکا تھا۔ وہ فوراً سردار کے قریب آیا۔

"ہمیں ہسپتال جانا ہے۔ پتہ لگاؤ کہ تایا کو کون سے ہسپتال لے کر گئے ہیں سننے میں آیا ہے کہ انہیں دل کا دورہ پڑا ہے۔" سردار نے بالا کو حکم دیا۔ اس کی آواز میں اب فیصلہ کن انداز تھا۔ "سجن سائیں، تم کپڑے بدل کر آؤ۔ تب تک ہم نکلنے کی تیاری کرتے ہیں۔" سردار نے دعام کو زبردستی اوپر بھیجا اور خود بالا کے ساتھ باہر نکلا، اس کے چہرے پر سنجیدگی اور تشویش تھی۔

○○○○○○○

"میں نے پتہ کروایا ہے سردار، یہی پتہ چلا ہے کہ ہارٹ اٹیک آیا ہے اور اسے ہسپتال لے کر گئے ہیں!"

بالا، جس کا چہرہ نقاب میں تھا مگر آنکھوں میں تشویش تھی، تیزی سے ساری معلومات لے کر سردار کے پاس آیا۔ وہ سردار کے سامنے رکا، سردار کا چہرہ بے نقاب تھا اور اس کی سبز آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔ "بچ میں کوئی نہ کوئی جھول تو ہے! اچانک سے یہ ہارٹ اٹیک کیسے آیا اور مجھے نہیں لگتا کہ دعام کے تایا کو اس طرح کی کوئی بیماری تھی۔ کوئی کھیل چل رہا ہے!" بالانے

سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "اکرم بھی ہسپتال میں موجود ہے! یہ وہی ہسپتال ہے تمہاری بھابھی والا!" بالا اپنی لواسٹوری والے ہسپتال کا نام لیتے ہوئے بھی اپنے خیالوں میں گم تھا۔ اس نے ایک نظر بالا کو دیکھا جو اس سیریس کنڈیشن میں بھی اپنی لواسٹوری بیچ میں گھسارہا تھا، پھر نفی میں سر ہلاتا ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس وقت تک دعام بھی تیار ہو کر نیچے آچکی تھی۔ اس کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں اور چہرہ پریشانی سے سفید پڑ چکا تھا۔

"میرا سوہنا مکھڑا بالا نے ساری انفارمیشن حاصل کر لی ہے، تمہارے تایا کہاں پر داخل ہیں، ہر چیز پتہ کر چکا ہے۔ چلو، ہم نکلتے ہیں۔" سردار نے دعام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، اس کی آواز میں مضبوطی تھی تاکہ دعام کو ڈھارس مل سکے۔ "بالا، گاڑی چلاؤ۔" اس نے بالا کو اشارہ کیا۔ بالا سردار کے ساتھ لے جانے پر راضی ہونے پر کافی خوش تھا، اس نے فوراً سر ہلایا۔

سب لوگ تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھے۔ قبیلے کے پہاڑی راستوں پر ان کی مضبوط فور و ہیل ڈرائیو گاڑی ایک تیز تیر کی طرح بڑھنے لگی۔ دعام اب بھی بہت زیادہ اداس تھی، خاموش بیٹھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی اداسی سردار سے دیکھی نہیں جا رہی تھی، اس کا دل اپنی سجن سائیں کی حالت پر کٹ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب اکرم کی چال ہے، اور اس کا



غصہ اندر ہی اندر بڑھ رہا تھا۔ اس نے ایک مضبوط ہاتھ دعام کے ہاتھ پر رکھا، جیسے اسے بتا رہا ہو کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

○○○○○

"ہائے دعام! دیکھ تیرے ابا کے ساتھ کیا ہو گیا! ڈاکٹر کچھ نہیں بتا رہے ہیں!"

سردار کی گاڑی ایک چھوٹے شہر کے ہسپتال کے باہر آ کر رکی۔ یہ وہی ہسپتال تھا جہاں ڈاکٹر بیلا کام کرتی تھی۔

ہسپتال کے اندر ایک پریشان کن خاموشی چھائی ہوئی تھی جو کسی بڑے حادثے کے بعد ہوتی ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی دعام کی نظر سامنے انتظار گاہ میں بیٹھے اپنی تائی امی، چچا اور اکرم پر پڑی۔ اس کے تایا ابا کا آپریشن تھیٹر میں آپریشن ہو رہا تھا اور باہر لگا سرخ لیمپ جل رہا تھا جو اندر کی سیریس حالت کو بتا رہا تھا۔

دعام تیزی سے تائی امی کی طرف بھاگی۔ تائی امی نے اسے دیکھتے ہی ڈرامائی انداز میں اپنے سینے سے لگالیا اور رونے لگیں۔

"کل رات سے ہی سینے میں درد کا کہہ رہے تھے! طبیعت زیادہ خراب ہو گئی! لیکن ہم کہاں جانتے تھے کہ یہ دل کا دورہ ہے! تیرے تایا ابا کو تو ایسی کوئی بیماری ہی نہیں تھی!" "تائی امی بری طرح سے رو رہی تھیں، ان کے الفاظ میں دکھ اور بے بسی تھی۔ دعام بھی ان سے لپٹ کر رو رہی تھی، اسے اپنے تایا ابا کی فکر کھائے جارہی تھی۔

سردار، جواب بالا کے ساتھ اندر آچکا تھا، اپنے چہرے پر نقاب پہنے ہوئے تھا۔ اس کی سبز آنکھیں ہسپتال کے اس ماحول اور دعام کے خاندان والوں پر گہری نظر ڈال رہی تھیں۔ اسے دعام کے خاندان کی یہ ساری پریشانی کچھ بناوٹی لگ رہی تھی۔ ہر چیز میں اسے ایک عجیب سا جھول نظر آ رہا تھا۔

بالا بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا، اس کا چہرہ بھی نقاب میں تھا۔ جہاں سردار انہیں گہری نگاہوں سے جانچ رہا تھا، وہیں بالا کی نگاہیں تو کہیں اور ہی گھوم رہی تھیں۔ وہ اس ہسپتال کے ہر کونے کو اس امید سے دیکھ رہا تھا کہ شاید اسے ڈاکٹر بیلا نظر آ جائے۔

اس کے چہرے پر اس سنگین صورتحال میں بھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی جسے سردار نے نوٹ کیا اور سرنفی میں ہلادیا۔ وہ ہسپتال میں موجود ہر شخص، خاص کر اکرم پر بھی گہری نظر رکھے ہوئے تھا، جو ایک کونے میں کھڑا بار بار فون پر بات کر رہا تھا اور دعام کی طرف دیکھ رہا تھا۔

oooooooo

یہ کافی عجیب سا منظر تھا۔ ہسپتال کے انتظار گاہ میں ایک طرف وردی والا پولیس افسر اکرم تھا تو دوسری طرف قبیلے کا خطرناک ترین ڈاکو سردار، جو اپنے ساتھی بالا کے ساتھ نقاب میں کھڑا تھا۔ کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اکرم سردار کو صرف گھور سکتا تھا، اس کی آنکھوں میں بے بسی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ سردار کی سبز آنکھوں میں ہلکی سی چمک تھی، اس کی نقاب میں چھپے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی، وہ اکرم کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی مسکراہٹ پر اکرم مٹھیاں بھیجنے کر رہ گیا، اس کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ایک سینئر ڈاکٹر باہر نکلا، اس کا انداز بھی سردار کو بناوٹی ہی لگا۔ "ہم نے آپریشن کر دیا ہے لیکن حالت بہت نازک ہے۔ فی الحال ہم کوئی گارنٹی

نہیں دے سکتے۔ "ڈاکٹر کے پیچھے ہی ڈاکٹر بیلا بھی نکلی تھی، اس نے سامنے کھڑے نقاب پوش بالا کو ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی اور خوف کا ملا جلا تاثر تھا۔

"ان کی کنڈیشن بہت زیادہ خراب ہے۔ اس طرح کی کنڈیشن میں ہم کسی کو دلا سہ بھی نہیں دیتے۔ بس اتنا ہی کہیں گے کہ انہیں کسی طرح کی ٹینشن مت دیجیے گا، وہ جو کہیں ان کی بات فوراً مان لیجیے گا۔" ڈاکٹر بیلا پرو فیشنل انداز میں بول رہی تھی، مگر اس کی آواز میں بھی کچھ ہچکچاہٹ تھی۔ "فی الحال تو آپریشن ہو چکا ہے، ہو سکتا ہے انہیں کچھ گھنٹوں میں ہوش بھی آ جائے۔" جبکہ بالا اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کی نظروں سے وہ بری طرح سے ہائف تھی، بار بار نظریں چرا رہی تھی۔

"ڈاکٹر بیلا! اس طرح کے بڑے اور خطرناک آپریشن تو سینئر ڈاکٹر کرتے ہیں، تم تو جونیئر ڈاکٹر ہو اور تمہیں اس ہسپتال میں ہاؤس جاب کرتے صرف دو مہینے ہوئے ہیں۔ تو تم اس آپریشن میں ان کے ساتھ کیسے تھیں؟" بالانے اچانک ہی سوال کیا تھا۔ سوال کافی منطقی تھا اور بیلا کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے خوف سا ٹھہرا تھا۔ اس نے فوراً کرم کی طرف دیکھا۔

"وہ جو نیئر ڈاکٹر ہے، ڈاکٹر ز کو اسسٹ کرتی ہے۔ اگر ان لوگوں کے ساتھ آپریشن میں شامل نہیں ہوگی تو کام سیکھے گی کیسے؟" اکرم نے اچانک ہی اس کے پاس آتے ہوئے اس کے گرد اپنا حصار بنایا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ یہ دیکھ کر بالا کے اندر جیسے لاوا سا پھٹا۔ اس کا یوں بیلا کو ہاتھ لگا کر اپنی قریب کرنا بالا کو جیسے وحشی بنا گیا تھا، اس کی نقاب میں چھپی آنکھوں میں شعلے بھڑک اٹھے۔ سردار نے اگلے ہی لمحے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پیچھے ہٹایا تھا۔

"کنٹرول بالا! کنٹرول! سالہ ہے تیرا، وہ بھی سگا والا۔" سردار نے اس کے کان میں سرگوشی نما آواز میں کہا۔ اس کی سبز آنکھوں میں اب بھی محتاط نظر تھی۔ سردار کے ان الفاظ سے بالا کے اندر پھٹتا لاوا جیسے پانی سے نہلا گیا تھا، وہ فوراً سمجھ گیا۔ اس نے اکرم کو بھی پہلی دفعہ اچھی نگاہوں سے دیکھا۔ یہ پہلی بار تھا کہ اسے اکرم کی رفاقت قابل قبول لگی تھی۔

○○○○○○○

"تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے گڑیا، میں ہوں تمہارے ساتھ۔ تم بس وہ کرو جو میں کہتا ہوں۔ ان ڈاکوؤں کو ان کے انجام تک پہنچانا میرا مقصد ہے جس میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

اکرم، اپنی پولیس کی وردی میں ملبوس، بیلا کو ہسپتال کے ایک خالی کمرے میں لے کر آیا تھا۔ کمرے میں صرف دو کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز تھی، ماحول میں ایک عجیب سی خاموشی اور تناؤ چھایا ہوا تھا۔

بیلا بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھی، اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس صورتحال میں پھنس گئی ہے۔

اکرم نے اس کی طرف تسلی بخش نظروں سے دیکھا، اس کی آواز میں مضبوطی تھی۔

"آپ کا ساتھ تو دے رہی ہوں بھائی، لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر یہ سارا ڈرامہ کیوں ہو رہا ہے؟ وہ آدمی اندر بالکل ٹھیک ہے! اسے کچھ بھی نہیں ہوا! وہ بھی بہت زیادہ ڈرا ہوا ہے! آپ کو پتہ ہے آپریشن تھیٹر میں اسے اندر سے دروازہ بند کر کے رکھا تھا کہ یہ نہ ہو کہ ڈاکو اندر گھس آئیں!" بیلا نے پریشانی سے کہا، اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ایک ڈاکو روز خود کو زخمی کر کے آتا ہے، وہ وہی جو کھڑا تھا، وہی تھا۔ وہ جسے دوسرا نقاب پوش بالاناام سے بلارہا تھا، وہ بالائی آتا ہے روز یہاں پر۔۔۔۔۔"

"تم پریشان مت ہو، ان سب کو اندر کروں گا۔ بالا تو کیا، سردار کا ایک ایک آدمی جیل میں سڑے گا، وہ بھی ساری زندگی کے لیے! بس تم ڈرنا مت۔ اکرم نے بیلا کی بات کاٹی، اس کے چہرے پر ایک چالاک مسکراہٹ تھی۔

اور اپنے باقی سینئرز کو بھی اس بات کا یقین دلانا کہ پولیس تمہارے ساتھ ہے۔ بس زیادہ دیر کے لیے نہیں، دو تین دن کے لیے ہی یہ ڈرامہ چلانا ہے۔"

اس نے بیلا کے کندھے پر ہاتھ رکھا

"بس تم اپنے ان ڈاکٹرز کو کہو کہ ڈرامہ اچھے سے کر لے، اگر پکڑے گئے نہ تو سردار کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔" اس کے لہجے میں دھمکی کا عنصر تھا۔

"وہ سب کچھ تو ٹھیک ہے، لیکن مجھے بھابھی سے کب ملوائیں گے آپ؟" بیلا کو اچانک یاد آیا جب اکرم باہر نکلنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک امید سی تھی۔

اکرم لمحے بھر کو رکا، پھر مسکرایا۔

"ارے، ملواؤں گا اس سے بھی تمہیں! آج کل اس کی اپنی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی اور پھر ہو سکتا ہے اب اپنے بابا سے ملنے کے لیے ہسپتال آجائے۔ وہ جو اندر آدمی ہے وہ رباب کا باپ ہی ہے۔"

"کیا؟ کیا مطلب بھائی؟ یہ سب کچھ کیا چل رہا ہے؟ کس سے شادی کی ہے آپ نے؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا!" بیلا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس کے چہرے پر خوف اور الجھن کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اسے یقین نہیں آیا کہ اکرم اتنے بڑے کھیل میں شامل ہے، اس نے ڈاکوؤں سے جڑے لوگوں کے بیچ میں کسی لڑکی سے نکاح کر لیا ہے۔

"ارے بیٹا، نہ سمجھنے والی کیا بات ہے؟ شادی تو کسی نہ کسی سے کرنی ہی تھی نا۔ رباب بہت اچھی لڑکی ہے بس مجھے غلط حالات میں ملی ہے۔ باقی زندگی تو میں نے اسی کے ساتھ گزارنی ہے، بس یہ مسائل حل ہو جائیں۔"

تم فکر مت کرو میں ملواؤں گا تمہیں اس سے۔ "اکرم نے جلدی سے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اب باہر چلو اور ہر مسئلے کو یہاں پر تمہی نے دیکھنا ہے۔" اس نے بیلا کو کمرے سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔



"ٹھیک ہے، آپ پریشان مت ہوں، میں سب کچھ دیکھ لوں گی۔" بیلانے اسے یقین دلاتی ہوئی، اندر ہی اندر ڈرتے ہوئے، اس کے ساتھ باہر آئی جہاں وہ سب لوگ انتظار گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

○○○○○○

شام تک ہسپتال کے ماحول میں قدرے سکون چھا گیا۔ ایک سینئر ڈاکٹر خوشخبری سنانے باہر آیا کہ تایا ابا کو ہوش آ گیا ہے۔ یہ سن کر سب کے چہروں پر ایک لمحے کے لیے سکون آیا۔ دعام نے سردار کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں امید کی چمک تھی۔ سردار نے اسے پیار سے سر ہلایا اور سب کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

دعام، تائی امی اور چچا جلدی سے کمرے میں داخل ہوئے جہاں تایا ابا بستر پر لیٹے تھے۔ ان کے چہرے پر تھکاوٹ تھی لیکن وہ آنکھیں کھول چکے تھے۔

دعام نے جیسے ہی اپنے تایا ابا کو ہوش میں دیکھا، اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے اور وہ تیزی سے ان کے پاس پہنچی۔ سردار بالا کے ساتھ پیچھے ہی رہا، ان دونوں کے چہرے نقاب میں چھپے ہوئے تھے۔ سردار کی سبز آنکھیں کمرے کے ہر کونے اور تایا ابا کے چہرے پر موجود کسی

بھی آپریشن کے نشان کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی نظر خاص طور پر تایا ابا کے سینے پر تھی جہاں سٹنٹ ڈالے جانے یا ہارٹ سرجری کا کوئی نشان ہونا چاہیے تھا، مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ سردار کے لیے واضح تھا کہ یہ سب ایک ڈرامہ ہے۔

بالا تیزی سے بیلا کی طرف بڑھا، جواب بھی وہیں کھڑی تھی۔ اس کی نقاب میں چھپی آنکھوں میں تفتیش تھی۔

"بیلا! ہارٹ اٹیک کا آپریشن ہوا ہے، سٹنٹ ڈالا گیا ہے تو کوئی نشان بھی تو ہونا چاہیے؟ یہ کہاں کا آپریشن ہوا ہے؟ کیسے ڈالا گیا ہے سٹنٹ؟" بالا کے سوالوں کی بوچھاڑ سن کر بیلا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے غصہ آ رہا تھا کہ بالا اتنی اہم بات پر بھی اسے تنگ کر رہا ہے۔

بیلا نے غصے سے کہا،

"دیکھیے مسٹر، یہاں ڈاکٹر ہم ہیں! ہم نے اپنا کام بہت بہتر طریقے سے کیا ہے! اگر آپ کو زیادہ مسئلہ ہے تو انہیں کہیں اور لے جائیے! آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسئلہ کیا ہے!" بیلا کو اب بلاوجہ کا غصہ چڑھ رہا تھا، شاید اندر ہی اندر وہ ڈر رہی تھی کہ ان کی چوری پکڑی جائے گی۔

جبکہ اس کی ترتر چلتی زبان بالا کو بڑا سکون دے رہی تھی، کیونکہ یہ آواز تو وہ ساری زندگی سننے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اسی لیے شاید وہ اس کی ترتر کا سٹیمنا چیک کرنا چاہ رہا تھا۔

بس کیجیے آپ لوگ پیشنٹ کو تنگ مت کیجیے اس طرح آپ لوگ پیشنٹ کے سامنے روئیں گے تو ان کی حالت مزید خراب ہوگی ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے، انہیں آرام کرنے دیجیے۔ کچھ دنوں میں ہم انہیں ڈسچارج کر دیں گے، بعد میں آپ لوگ اپنی تفتیش کرتے رہیے گا۔ فی الحال پیشنٹ کو تنگ نہ کریں، یہاں زیادہ رش نہ لگائیں!"

"نہیں، ہم زیادہ رش نہیں لگاتے! ہم تو بس جاننا چاہتے ہیں کہ آپریشن ہوا کہاں کا ہے؟ دل بند ہو گیا تھا، دورہ پڑا ہے تو کچھ نہ کچھ تو ہمیں بھی سمجھ میں آنا چاہیے نا!" بالا نے ہنسی دباتے ہوئے مزید چھیڑا۔ اسے معلوم تھا کہ بیلا کو سچ چھپانا پڑ رہا ہے، اسی لیے وہ چڑچڑی ہو رہی ہے اس کے چہرے پر عجیب سی بے بسی تھی اور وہ اس کی اس بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

بیلا نے سردار کی طرف دیکھا جو خاموشی سے سب کچھ نوٹ کر رہا تھا، اس کی سبز آنکھوں میں گہرائی تھی جسے وہ پڑھ نہیں پائی۔ اس نے دوبارہ غصے سے بالا کو گھورا۔

میم پلینز آپ لوگ یہاں سے باہر جائیں یہاں پر جتنے زیادہ لوگ ہوں گے اتنی پیشینٹ کی حالت خراب ہوگی۔

"بالا بھیا! ہم سب باہر چلتے ہیں۔ تایا ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ہمارا یہاں رش لگانا صحیح نہیں ہے۔" دعام نے نرم آواز میں بالا کو سمجھایا۔ دعام کو اپنے تایا ابا کی حالت دیکھ کر مزید پریشان نہیں ہونا چاہتی تھی۔

اس نے بیلا کی درخواست پر بالا سے کہا اور بالا فوراً راضی ہو گیا۔ سردار تو پیچھے آرام سے کھڑا تھا، اسے نہ تو کسی سے کوئی مطلب تھا اور نہ ہی اس ڈرامے سے کوئی لینا دینا۔ وہ صرف دعام کو دیکھ رہا تھا، اس کی سبز آنکھوں میں اطمینان تھا کہ دعام اب رو نہیں رہی تھی۔ اس کے لیے بس یہی کافی تھا کہ دعام کی پریشانی کچھ کم ہوئی ہے۔

اور پھر ڈاکٹر بیلا کے سمجھانے پر وہ سب لوگ باہر چلے گئے، سردار نے آخری نظر تایا ابا پر ڈالی، اس کے نقاب میں چھپے ہونٹوں پر ایک بار پھر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔

تاوا چھا ایکڑ تھا لیکن پھر بھی بہت اچھا نہیں

oooooooo

"زیادہ لوگ رات کو یہاں نہیں رک سکتے، آپ میں سے ایک یا دو لوگ ہی یہاں پر رکیں گے، باقی سب کو جانا ہو گا۔"

ڈاکٹر بیلا، جواب سب کے ساتھ کمرے کے باہر آچکی تھی، نے ایک اور شوشہ چھوڑ دیا۔ اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی سختی تھی، جیسے وہ سردار اور بالا کو وہاں سے ہٹانا چاہتی ہو۔ سردار کو بیلا کی یہ بات کافی اچھی لگی، کیونکہ وہ بھی دعام کو جلد از جلد وہاں سے لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں ایک بار پھر نرمی اور اطمینان جھلک رہا تھا۔

"ہاں، ڈاکٹر ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں یہاں نہیں رکنا چاہیے۔ چلو ہم واپس قبیلے میں چلتے ہیں، دعام۔" سردار نے دعام کو دیکھتے ہوئے کہا، جواب بھی ادا اس تھی۔ اس کا چہرہ پریشانی سے سفید پڑا ہوا تھا، اور آنکھوں میں نمی تھی۔

"ڈاکو جی! میرے تایا ابو بیمار ہیں، انہیں چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں؟" دعام نے التجا بھرے لہجے میں کہا، اس کی آواز میں ایک معصوم بے چارگی تھی۔

"میرا سوہنا مکھڑا! وہ تمہارے یہاں رکنے سے ٹھیک نہیں ہوں گے، انہیں جتنا ٹائم ریکور ہونے میں لگنا ہے اتنا لازماً لگے گا۔ تم فی الحال گھر چلو، ہم انہیں دیکھنے کے لیے دوبارہ آجائیں گے۔ فی

الحال اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بہت بہتر حالت میں ہیں۔ "سردار نے اسے نرمی سے سمجھایا، لیکن اس کی سبز آنکھوں میں ہلکی سی سختی تھی جس کا مطلب صاف تھا کہ وہ ہر قیمت پر اسے اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دعام اس بناوٹی پریشانی میں مزید الجھے۔

"یہاں پر کسی پڑھے لکھے انسان کا ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ مجھے شکل سے پڑھی لکھی لگتی ہیں اور باقیوں کی طرح بھی نہیں ہے اس نے اندر چچا اور تائی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

آپ کو یہاں رکنا چاہیے آپ کی یہاں ہونے سے ہم ڈاکٹرز کو بھی اسانی رہے گی ڈاکٹر بیلا نے زور دیتے ہوئے کہا، اس کی نگاہیں سردار اور اس کے ساتھی پر تھیں،

"ڈاکٹر بیلا، آپ کے بھائی صاحب جناب ریان اکرم ملک صاحب کافی پڑھے لکھے اور ڈسینٹ انسان ہیں۔ ایک اچھی خاصی بڑی پوسٹ پر بھی ہیں۔ وہ ہر چیز کو بہت بہتر طریقے سے ہینڈل کریں گے۔" سردار نے نرمی سے کہا، اس کی سبز آنکھوں میں معنی خیز چمک تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن وہ اپنی ڈیوٹی پہ جا رہے ہیں۔ ان کے پاس ہر گز اتنا ٹائم نہیں ہو گا کہ وہ یہاں رکیں۔" بیلا نے مسکرا کر کہا، اس کی کوشش تھی کہ ان کے بہانے پر پانی پھیر دے۔ وہ سردار اور بالا کی چالاکی کو سمجھ رہی تھی، مگر خود بھی اپنے بھائی کی چال کے تحت مجبور تھی۔

# اردو ناولز کلیکشن

Website

<https://urdunovelscollection.com/>

Whatsapp Channel

<https://www.whatsapp.com/channel/0029VaEcPFVChq6Ho15o1E0Q>

Youtube Channel

<https://www.youtube.com/@urdunovelscollection1>

Facebook Page

<https://www.facebook.com/profile.php?id=61565379262101>

Tiktok

<https://www.tiktok.com/@urdu.novels1>

اس جیسے اور اچھے ناولز پڑھنے کے لئے سامنے  
دیے گئے لنکس پے کلک کر کے ہماری ویب سائٹ  
یا واٹس ایپ چینل جوائن کر لیں

ناولز کے شارٹس ویڈیو سٹیٹس آپ ہمارے

**Youtube , Facebook , Tiktok**

پروفائلز سے حاصل کر سکتے ہیں

بالا نے بیلا کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ چمک تھی۔ اس نے اپنے بازو سینے پر فولڈ کیے اور ایک دلکش انداز میں بولا،  
میں رک جاتا ہوں بالا نے فوراً کہا۔

شاید آپ نے سنا نہیں میں نے کیا کہا میں نے کہا کسی پڑھے لکھے انسان کا یہاں رکنا ضروری ہے جو ہمیں سمجھ سکے جسے ہم کچھ سمجھا سکے بیلا نے اپنی بات پر زور دیا۔

Okay, fine... so is a PhD the highest qualification you need for me to stay here?

اوکے ٹھیک ہے تو کیا پی ایچ ڈی تک کی پڑھائی کافی رہے گی میرے یہاں رکنے کے (لیے)

بالا نے صاف اور رواں انگریزی لہجے میں کہا۔ اس کا لہجہ کسی پڑھے لکھے انگریز سے کم نہیں تھا۔ یہ سن کر بیلا اور وہاں موجود دوسرے لوگوں کو حیرانی ہوئی، انہیں توقع نہیں تھی کہ ایک ڈاکو اتنی اچھی انگریزی بول سکتا ہے۔

سردار نے اس صورتحال کا فائدہ اٹھایا، اس کے چہرے پر ایک چالاک مسکراہٹ ابھر آئی۔



"!Doctor. I am here to handle everything ,"

(، ڈاکٹر۔ میں ہوں یہاں ہر چیز کو ہینڈل کرنے کے لیے!) اس کی آواز میں گہرا اعتماد تھا۔

آپ ارے لکھے ہیں الفاظ جیسے اس کے گلے میں اٹک گئے تھے۔

میں صرف پڑھا لکھا ہی نہیں ہوں ڈاکٹر صاحبہ، آپ کو شاید معلوم نہ ہو، میں نے سندھ یونیورسٹی

سے پی ایس ٹی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے پورے پاکستان میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی

تھی۔ مجھے بھی چیزوں کو سمجھنا اور ہینڈل کرنا آتا ہے

Perhaps, your own brother, Akram, isn't as educated as I am,

after all."

(شاید، آپ کا اپنا بھائی، اکرم، آخر اتنا پڑھا لکھا بھی نہیں ہو گا۔) بالانے ہلکی سی ہنسی

کے ساتھ کہا، اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

جس پر بیلا کا منہ کھلا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اسے کبھی توقع نہیں تھی کہ

ایک ڈاکوؤں کے سردار کا ساتھی اتنا پڑھا لکھا بھی ہو سکتا ہے، اور وہ بھی پورے پاکستان میں

دوسری پوزیشن لینے والا۔ دعام کا بھی منہ کھلا رہ گیا تھا، وہ بھی بالان کی پڑھائی کے اس لیول سے

واقف نہیں تھی، اس کی آنکھوں میں حیرت اور فخر کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اکرم، جو تھوڑا دور کھڑا تھا، بالا کی بات سن کر چو نکا اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

سردار نے یہ سن کر خفیف سی مسکراہٹ دہالی، اس کی سبز آنکھوں میں بالا کے لیے ایک خاص قسم کا فخر تھا، جو اس نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ بالا نے ایک نظر تائی امی اور چچا پر ڈالی، پھر اکرم کی طرف دیکھا، جواب پریشان نظر آ رہا تھا۔ سردار نے آہستہ سے دعام کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے گاڑی کی طرف لے جانے لگا۔ دعام نے سردار کی بات مان لی تھی، کیونکہ اسے بالا کی باتوں میں بھی سچائی نظر آ رہی تھی کہ یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

کیونکہ جتنے اچھے سے بالا ہر چیز کو ہینڈل کر سکتا تھا اتنے اچھے سے وہ نہیں کر سکتی تھی

بیلا نے غصے سے بالا کی آنکھوں میں دیکھا، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس شخص نے ڈگری لی ہی اسے چڑھانے کے لیے یا پھر اس کے آج کا دن دکھانے کے لیے ہے۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ بمشکل خود کو کنٹرول کر پار ہی تھی۔

اس نے ایک نظر اکرم کی طرف دیکھا "دعام کو وہ یہاں روکنے میں کامیاب نہیں ہو پائی بلکہ الٹا بالاناام کا گھنٹا اس کے گلے میں بچ رہا ہے۔"

اکرم اور گھر والوں کے بنے پلان پر پانی پھر چکا تھا۔ دعام کو ہسپتال میں روکنے کی سازش ناکام ہو چکی تھی جس کی وجہ سے وہ کافی زیادہ مایوس تھے۔

ہسپتال میں اب صرف بالا ہی تھا اور سردار کی دہشت پھیلانے کے لیے بالا بھی کافی تھا۔ آخر وہ بھی کوئی عام انسان نہیں، بلکہ سردار کے بعد قبیلے کی سرداری سنبھالنے والا آدمی تھا۔ ہر چیز اس کے کنٹرول میں تھی، اس کی نقاب میں چھپی آنکھوں میں ایسی وحشت تھی جو سامنے والے کو بے حال کر کے رکھ دے۔ اس وقت تو وہ صرف بیلا کو تنگ کر رہا تھا، اسے بیلا کے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر لطف آرہا تھا۔

بالا نے تایا ابا کے کمرے کے باہر ہی ڈیرہ جمالیا تھا۔ بیلا جیسے ہی کوئی پیپر اٹھاتی یا کسی فائل کو ہاتھ لگاتی، بالا فوراً اسے روک کر پوچھنے لگتا کہ اس کے پشینٹ کے ساتھ اس پیپر یا فائل کا کیا تعلق ہے۔

"یہ کیا ہے ڈاکٹر؟ اس مریض کا اس فائل سے کیا لینا دینا؟"

یا پھر ساری میڈیسنز اٹھا کر چیک کرنے لے لگتا اور پھر اس سے طرح طرح کے سوال کرتا۔

کیا اس میں کوئی ایسا انجیکشن ہے جو مریض کو ٹھیک کر دے؟"

وہ کبھی کچھ پوچھتا، کبھی کچھ۔ بیلا اس کی اس پوچھ گچھ سے اچھی خاصی تنگ پڑی ہوئی تھی۔ اوپر سے اس کے پیشینٹ کی ڈیوٹی پر بیلا کو لگا دیا گیا تھا۔ اسے نہ چاہتے ہوئے بھی بالا کے ان سب سوالوں کا جواب دینا پڑ رہا تھا کیونکہ ہسپتال میں ریننگرز چل رہی تھیں۔

اس ہسپتال کے ہر ڈاکٹر کو ہر ہفتے ڈاکٹر آف دی ویک کا ایوارڈ ملتا تھا، اسی لیے وہ سب لوگ ہی اس دوڑ میں بھاگ رہے تھے اور بیلا بھی اس میں شامل تھی۔ جس کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہر انسان کے ساتھ اچھے سے بات کرنی پڑ رہی تھی ورنہ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس بالا نامی آدمی کو اٹھا کر ہسپتال سے باہر پھینک دے۔ وہ غصے سے دانت پیس رہی تھی، مگر بالا کے سامنے مسکرا نے پر مجبور تھی، جبکہ بالا اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات سے خوب لطف اٹھا رہا تھا۔

○○○○○○○

دعام کی رات بے چینی میں گزری۔ تایا ابا کی بیماری، نے اسے بہت پریشان رکھا۔ صبح اٹھتے ہی سردار اسے پھر سے ہسپتال لے آیا تھا۔ دعام کی آنکھوں میں اب بھی نمی تھی، مگر وہ اپنے تایا ابا کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔

کل تو تایا ابا سے کوئی بات نہیں ہو پائی تھی، لیکن آج دعام تایا ابا کے پاس بیٹھے ان سے باتیں کر رہی تھی۔ تایا ابا بستر پر لیٹے تھے، ان کے چہرے پر نقلی کمزوری نمایاں تھی۔ ان کی آواز بہت دھیمی تھی، جسے سن کر سردار کو مزید شک ہوا۔

"مجھے معاف کر دے میری بچی! میں نے جو تیرے ساتھ کیا، بہت غلط کیا۔ ہم نے کبھی تیرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہی نہیں! تبھی تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے، دیکھ نامیری بیٹی پر کیا دن آئے ہیں!"

تایا ابا نے بہت دھیمی، ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔ ان کے الفاظ میں خود ساختہ کچھتاوا اور دکھ تھا، مگر وہ جان بوجھ کر اپنی آواز کم رکھے ہوئے تھے تاکہ سردار تک ان کی بات نہ جائے۔

"کیا مطلب ہے تایا ابو؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں سمجھ نہیں پا رہی۔" دعام پریشانی سے انہیں دیکھتے ہوئے بے حد کم آواز میں بات کر رہی تھی، اس کے دل میں اپنے تایا ابا کے لیے فکر مندی تھی، جب کہ دماغ ان کی باتوں میں الجھا ہوا تھا کہ وہ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں۔

سردار وہیں دیوار کے قریب کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ نقاب میں تھا اور سبز آنکھیں تایا ابا اور دعام پر گہری نظر رکھے ہوئے تھیں۔ تایا ابا جتنا ہو سکے اپنی آواز میں دکھ لانے کی کوشش کر رہے تھے، جبکہ خود کو تکلیف میں بھی ظاہر کرنے کی مکمل اداکاری چل رہی تھی۔

سردار نے ان کے چہرے کے تاثرات اور جسمانی زبان کو بغور دیکھا۔

ہارٹ سرجری کے بعد اس طرح کی باتیں، اس طرح کا پرسکون انداز، اور آواز میں مصنوعی کمزوری۔ سردار آنکھیں گھما کر رہ گیا، اسے پہلے ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہ سب ایک بناوٹی کھیل ہے

○○○○○○○○

"ڈسچارج؟ اتنی جلدی ڈسچارج؟ ان کی ہارٹ سرجری ہوئی ہے! آپ لوگ اتنی جلدی ڈسچارج کیسے کر سکتے ہیں انہیں؟" بالانے حیرت سے پوچھا، اس کی آنکھوں میں شک تھا۔

بیلا، جو کمرے میں تایا ابا کا معائنہ کر رہی تھی، باہر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ تھی مگر وہ اپنا پیشہ ورانہ انداز برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ ٹھیک ہیں اور دوسرا ان کا کہنا ہے کہ وہ ہسپتال کے ہیوی اماؤنٹ پے نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر ان کی کنڈیشن ٹھیک ہے تو ہم انہیں واپس بھیجنے کو تیار ہیں۔" بیلا نے صاف الفاظ میں کہا۔

اسی وقت تائی امی اور چچا بھی کمرے سے باہر آ گئے، ان کے چہروں پر بھی ایک بناوٹی سکون تھا۔

"ہاں بیٹا، ڈاکٹر نے کہا ہے ان کی حالت بالکل ٹھیک ہے تو ہم انہیں گھر لے جاتے ہیں یہاں ہسپتال میں رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور ہسپتال کے چار جز بھی بہت زیادہ ہو چکے ہیں، ہمارے لیے مشکل بن جائے گا!" تائی امی نے ڈرامائی انداز میں کہا، ان کی آواز میں بے بسی تھی۔

"نہیں، انہیں ہسپتال میں ہی رکھیے۔ اگر پیسوں کا مسئلہ ہے تو وہ ہم حل کر لیں گے۔" سردار نے پر سکون انداز میں کہا، اس کے لہجے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ صرف بہانے ہیں۔

"ارے نہیں نہیں بیٹا! اب ایسے بھی بُرے دن نہیں آئے ہیں کہ گھر کے جمائی سے کچھ لیں۔

ویسے بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم تو ہماری بیٹی کے شوہر ہو اور بیٹی کے شوہر کا پیسہ تو حرام ہے ہم پر!" چچا اور تائی امی ان کے پاس ہی کھڑے بول رہے تھے۔ ان کی آواز میں مٹھاس تھی،

سردار، کی سبز آنکھوں میں طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

دلدارم

"کاش یہ بات آپ لوگ تیس سال پہلے بھی سوچ لیتے۔ تب بھی وہ پیسہ خود پر حرام کر لیتے۔ مرضی ہے آپ لوگوں کی۔ کروالیجیے ڈسپارچ "سردار کندھے اچکا گیا۔ اس کے طنزیہ الفاظ تائی امی اور چچا کو چبھ گئے، مگر وہ کچھ کہہ نہ سکے۔

جبکہ دعام ابھی ٹھیک سے اس بات کی خوشی بھی نہیں مناپائی تھی کہ تایا کو واپس گھر لے جایا جا رہا ہے۔ سردار دعام اور بالا کے ساتھ وہاں سے جانے کے لیے نکل گیا۔

دعام جاتے ہوئے ان لوگوں سے مل کر بھی نہیں گئی تھی، پتہ نہیں سردار نے اس سے کیا کہا تھا کہ وہ سردار کے ساتھ چپ چاپ چل پڑی۔

○○○○○○○

"بہت جوانی چڑی ہے تجھے! آرام سے بیٹھا نہیں جاتا؟ گولی لگی ہوئی ہے تیری ٹانگ پر، کوئی چھوٹا موٹا زخم نہیں ہے تو اٹھ کر اچھلنا شروع کر دے گا!"

وہ اندر داخل ہوتے ہی غصے سے بولا تھا جبکہ جمرو چارپائی پر مایوس سا بیٹھا تھا۔



سردار نے دعام کو ہسپتال سے یہ کہہ کر نکالا تھا کہ قبیلے میں جمرہ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اور انہیں فوراً نکلنا ہو گا۔ جمرہ کی طبیعت خراب ہونے کا سن کر دعام پریشان ہو گئی تھی۔ آج تو وہ صبح سے جمرہ سے ملنے بھی نہیں گئی تھی۔

قبیلے میں واپس آ کر اس نے جمرہ کو دیکھا جس کی حالت واقعی کافی خراب لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے چینی اور درد کے آثار تھے۔ سننے میں آیا تھا کہ جمرہ نے زبردستی چلنے کی کوشش کی تھی، ابھی فی الحال وہ اپنے پیروں پر چل نہیں سکتا تھا لیکن وہ ضد کر رہا تھا اور ضد کرنے کا انجام یہ نکلا تھا کہ وہ گر گیا تھا اور گرتے ہوئے اسے کافی زیادہ چوٹ لگی تھی، جس سے اس کا زخم مزید خراب ہو گیا تھا۔

سردار نے تونہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، کمرے میں داخل ہوتے ہی جمرہ کو اچھی خاصی سنا دی، اس کا چہرہ بے نقاب تھا اور سبز آنکھوں میں غصہ تھا۔

"مجھ سے نہیں بستر پر رہا جاتا میں کیا کروں!" جمرہ پریشانی سے بولا، وہ واقعی اکتا چکا تھا۔ سردار نے تو رکھ کر ایک اس کے سر پر لگائی، جس پر دعام تڑپ اٹھی۔

"کیا کر رہے ہیں آپ! ڈاکو جی! وہ پہلے ہی تکلیف میں ہیں اور آپ انہیں اور مار رہے ہیں! دور  
ہٹیں خبردار جو میرے بھائی کو ہاتھ لگایا!" دعام نے غصے سے سردار کا بازو پکڑا اور زبردستی پیچھے  
ہٹاتے ہوئے خود اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی، جیسے اسے سردار سے بچانا چاہتی ہو۔ جمرو  
پہلے ہی اتنی تکلیف میں تھا اور اوپر سے سردار اسے اور ڈانٹ رہا تھا اور غصہ کر رہا تھا، اسے بالکل  
اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک طرف سے تایا ابو کی پریشانی تھوڑی ختم ہوئی تھی تو اب جمرو کی پریشانی  
شروع ہو گئی تھی۔

"یہ ایسے ہی کرتا ہے میرے ساتھ! مجھے نہیں رہنا یہاں اس کمرے میں! مجھے ندی پر جانا ہے!  
میں یہاں بیٹھے بیٹھے گل سڑ مر جاؤں گا!" جمرو نے پریشانی سے بولا، اس کی آنکھوں میں بے بسی  
تھی۔ دعام کو اس کی کنڈیشن بہت اچھے سے سمجھ میں آرہی تھی، وہ جانتی تھی کہ بند کمرے میں  
رہتے رہتے وہ اکتا گیا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں، میں آپ کو لے کے جاؤں گی جمرو بھیا۔" دعام نے جمرو کو دلا سہ دیا۔ پھر اس  
نے بالا کی طرف دیکھا جو دروازے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کھڑے کھڑے میری شکل کیا دیکھ رہے ہیں؟ بلائیے سب کو! ان کی چارپائی کوندی پر لے کر چلیں! میں خود اپنے جمر و بھیا کا خیال رکھ لوں گی۔" اس نے اچانک حکم دیا تو جہاں سردار اسے گھور کر رہ گیا تھا، وہیں بالا کی ہنسی نکل گئی۔ سردار کی سبز آنکھوں میں حیرت تھی، اسے توقع نہیں تھی کہ دعام اس طرح حکم دے گی۔

"شکل کیا دیکھ رہے ہیں؟ چلیے، کام پر لگ جائیں! میرا دماغ پہلے ہی خراب ہو چکا ہے، مزید خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے!" دعام نے سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے غصے سے کہا، اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ جمر و ہنسی دبا گیا تھا وہیں بالا کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ اسے دعام کا یہ انداز بہت پسند آیا تھا۔

"اوئے اندر آؤ! سردار نی کا حکم ہے کہ جمر و کی چارپائی کوندی پر لے کر جانا ہے! اس کا بھائی اندر پڑا پڑا گل سڑ مر جائے گا! اسی لیے اس کی خدمت کی جائے! چلو چلو اندر آؤ!" بالانے دروازے پر کھڑے ڈاکوؤں کو حکم دیا۔

"کیا یہ سردار کا حکم ہے؟" باہر کھڑے ڈاکوؤں نے حیرت سے پوچھا، سردار کو چپ دیکھ کر انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"ارے! سردار گیتیل لینے! یہ سردار نی کا حکم ہے! چلو، ٹائم نہیں ہے!" بالا مزے سے ہنستے ہوئے بولا تو سارے ڈاکو اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ چوری چوری سردار کو دیکھتے وہ سچ مچ میں جمرہ کی چارپائی اٹھا کر باہر لے گئے تھے۔

کمرے میں اب صرف سردار اور دعام رہ گئے تھے۔ "کیا ہے؟ گھورنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے! میں ڈرتی نہیں ہوں آپ سے! ویسے بھی آپ نے میرے آم کی کیریوں والا پورا درخت خالی کیا ہے! آسانی سے بخشوں گی نہیں میں! انتقام لوں گی آپ سے، انتقام!" دعام نے خود کو سردار کو گھورتے پایا، اس کی آنکھوں میں اب غصے کے ساتھ شرارت بھی تھی۔

سردار نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بنا کچھ بولے اگلے ہی لمحے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا اسے اپنے قریب کھینچتے ہوئے اس کے لبوں پر جھک گیا تھا۔ انداز انتہائی شدت لیے ہوئے تھا، وہ ایسی دیوانگی سے اس کے لبوں پر جھکا تھا کہ دعام کچھ دیر کے لیے کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔ اس کے لبوں کا لمس ایسا تھا جیسے وہ اس کی ساری ناراضگی کو چوم لینا چاہتا ہو۔

سردار نے آہستہ سے اس کے لبوں سے اپنے لب ہٹائے، اس کی سبز آنکھوں میں گہرا پیار اور ہنسی تھی۔

"میرا بیٹھا سائیں! تمہارا ہر حکم سر آنکھوں پر! میری اوقات جو میں تمہیں ایسی ویسی آنکھوں سے گھوروں۔" وہ اس کے لبوں کی ساری مٹھاس چراتا، نرمی سے اس کے چہرے کو تھپتھپاتا، مسکرا کر باہر نکل گیا تھا، دعام کو وہیں حیران و پریشان چھوڑ کر۔

○○○○○○

ندی کے کنارے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور پانی کی دھیمی آواز ماحول کو پرسکون بنا رہی تھی۔ ڈاکو جمرہ کی چارپائی کو اٹھا کر نندی کے کنارے لے آئے تھے اور اسے ایک بڑے درخت کے گھنے سائے میں رکھ دیا تھا۔ جمرہ کے چہرے پر اگرچہ تھکن اور درد کی پرچھائیاں تھیں، مگر کھلی فضا میں آکر اسے گہرا سکون ملا تھا۔ وہ آہستہ سے کراہا یا جب اس نے اپنی پوزیشن بدلی، اس کی ٹانگ میں لگی گولی کا درد اب بھی اسے محسوس ہو رہا تھا۔

دعام اس کی چارپائی کے قریب بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر اپنے بھائی کی تکلیف دیکھ کر فکر مندی تھی۔

بالا بھی وہیں قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھا تھا،

اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں یہاں باہر آکر اچھا لگ رہا ہے کیسی طبیعت ہے اب جمرو بھیا؟  
زیادہ درد تو نہیں؟" دعام نے نرمی سے پوچھا، اس نے جمرو کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"اب بہتر ہے میری بہنا، یہاں کھلی ہوا میں آکر سکون ملا ہے۔ بس یہ ٹانگ کا درد ہے جو چھوڑتا  
نہیں۔" جمرو نے دھیمی آواز میں کہا۔

بالا ان دونوں کو دیکھ کر مسکرایا، پھر دعام کی طرف مڑا۔

"اچھا دعام، ہسپتال گئی تھی، تو بتاؤ تمہیں ڈاکٹر بیلا کیسی لگی؟" بالانے ہو چھا۔

دعام کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

"ہاں بالا بھیا! خوبصورت تو بہت ہے۔ مجھے تو بڑی پسند آئی! مجھے دیورانی کے روپ میں قبول  
ہے!" دعام جوش سے بولی، اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ اسے بالا اور بیلا کی جوڑی پسند آ  
گئی تھی۔

جمرو نے، جس نے بیلا کو دیکھا نہیں تھا، یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

"کوئی کتنی بھی بھا بھیاں لے کر آجائے، میری بھابی دعام بس ایک ہی ہے! نمبرون بھا بھیاں! جس کا  
کوئی مقابلہ نہیں۔" جمرو نے منہ بتاتے ہوئے کہا،

اس کی بات پر جہاں دعام کھل کھلا کر ہنسی تھی وہیں بالا مسکرایا،

"ارے، میں مقابلہ تھوڑی کر رہا ہوں! دعام جیسی تو واقعی کوئی نہیں! وہ تو بس تیرے بھائی کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ہونی چاہیے، اسی لیے ڈاکٹر بیلا کو دل میں آنے کی اجازت دے دی ہے!"  
بالا ذرا شاہی انداز میں بولا، جیسے اس نے بیلا پر کوئی بڑا احسان کیا ہو۔

اتنے میں سردار بھی ان لوگوں کو آکر جوائن کر چکا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں محبت اور شرارت چھپی تھی۔ دعام نے اسے دیکھ کر منہ بنایا تھا جب کہ وہ دعام کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا اور ندی کے پانی میں ہاتھ ڈالا۔

اس نے ایک مٹھی میں پانی بھرا اور چوری چوری دعام کی طرف پھینکا۔ پانی کے قطرے دعام کے چہرے پر پڑے تو وہ چونک گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر سردار کو دیکھا، جس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا کر رہے ہیں آپ! گندے کہیں کے!" دعام نے غصے سے پانی میں ہاتھ ڈال کر اس کی طرف پانی اچھالتے اسے اچھا خاصا بھگو دیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ فل ناراضگی کا اظہار کیا، لیکن اس کی

آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی۔ یہ ایک عجیب سی ناراضگی تھی، وہ اس کے ساتھ شرارتیں بھی کر رہی تھی اور مستیاں بھی۔ اس کی ناراضگی اب صرف ایک بہانہ رہ گئی تھی۔ سردار مزید چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

جبکہ وہ بھرپور مقابلہ کر رہی تھی بیچ میں بالا اور جمرو کو بھی گھسیٹ رہی تھی سردار اس کی اس ادا پر مسکرا رہا تھا، اس کی سبز آنکھوں میں گہرا پیار تھا۔ جمرو اور بالا بھی ان دونوں کی اس نوک جھوک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک بھرپور دن ایک دوسرے کے ساتھ گزار کر وہ سورج ڈھلنے سے پہلے واپس لوٹے تھے۔

○○○○○○○○

"یہ تم کہاں جانے کی تیاری کر رہی ہو، میرا سوہنا مکھڑا؟"

سردار کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا عام کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھی، اس نے اپنے لباس کا انتخاب کر لیا تھا اور چہرے پر ایک عجیب سی فکر مندی چھائی ہوئی تھی۔



سردار کے چہرے پر اگرچہ تھکن تھی مگر سبز آنکھوں میں دعام کے لیے وہی گہرا پیار اور تجسس تھا۔

"تایا ابا کو دیکھنے کے لیے جا رہی ہوں۔ وہ لوگ انہیں گھر لے آئے ہیں نا۔" دعام نے بتایا، اس کی آواز میں تشویش تھی۔

"بہت زیادہ جذباتی ہو رہے تھے، بات بات پر مرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ مجھے بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ سو ان سے ملنے کے لیے جا رہی ہوں اور آپ بھی میرے ساتھ چل رہے ہیں۔ میں نے آپ کے کپڑے بھی نکال دیے ہیں۔" دعام مصروف انداز میں بولی، اس نے سردار کے لیے لباس نکال کر بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

"دیکھ کر آتو گئے ہیں، کتنی دفعہ جانا ہے وہاں؟ ہو تو گیا دو دفعہ ہسپتال گئے ہیں اب کیا انہی کے گھر میں ڈیرے جما کر بیٹھ جائیں گے۔۔۔" اب بار بار وہاں جانا۔۔۔۔۔ "سردار نے بات ادھوری چھوڑی، اس کی سبز آنکھوں میں ناگواری تھی۔ اسے یہ سارا کھیل بے معنی لگ رہا تھا اور وہ اب مزید اس میں شامل نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کے اس بات کا ڈاکو جی! ہم وہاں جائیں گے! وہ میرے تایا ابو ہیں، میرے باپ کی جگہ پر ہیں۔ آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے! میں مانتی ہوں آپ انہیں پسند نہیں کرتے لیکن پھر بھی وہ میرے تایا ہیں، میرے خون کے رشتے ہیں!" دعام نے اداسی سے کہا، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اسے سردار کا یہ رویہ بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

سردار نے دعام کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی ناراضگی اور دکھ کو محسوس کیا۔ اس کی سبز آنکھوں میں موجود سختی لمحے بھر میں نرمی میں بدل گئی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے! زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے سجن سائیں! چلو میں تمہیں وہاں لے چلتا ہوں۔ لیکن رکنے کی بات مت کرنا اور نہ ہی میں تمہیں وہاں رکنے دوں گا۔ تم میرے ساتھ جارہی ہو اور میرے ساتھ ہی واپس آؤ گی۔" سردار نرمی سے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے بیڈ سے اپنے کپڑے اٹھانے لگا، اس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اسے دعام کا یہ محبت بھرا غصہ پسند تھا۔ دعام نے خوشی خوشی ہاں میں سر ہلا دیا، اسے سردار کا راضی ہونا ہی کافی تھا۔

○○○○○○○

"هم كس طرأ بلائیں اسے یہاں ٱر اكرم بیٹا؟ تم ہی بتاؤ نا! دو دفعہ وہ ہسپتال آئی ہے لیكن ڈاكوكی مرضی كے ساتھ۔ اب اگر ڈاكوكی مرضی نہیں ہوگی تو وہ اسے یہاں کیوں لائے گا؟ ہسپتال میں اس سے بہت بات كرنے كی كوشش كی لیكن كوئی بھی بات نہیں كر پایا۔"

گھر میں تائی امی اور چچا اكرم كے ساتھ بیٹھے پریشانی سے دعام كو یہاں بلانے كی حكمت عملی پر غور كر رہے تھے۔ تائی امی نے لمبی سانس لی اور اكرم كی طرف ديكھا۔ ان كے چہروں پر واضح پریشانی اور مایوسی تھی۔

"باتوں ہی باتوں میں تو میں نے اس سے یہ بھی كہا كہ وہ گھر آئے مجھ سے ملنے كے لیے لیكن اس نے اس بات كو نظر انداز كر كے بس یہی ديكھا كہ میں بیمار ہوں اور میری حالت خراب ہے۔

اسے بس یہی فكر تھی اور مجھے كہہ رہی تھی كہ میں یہ الٹی سیدھی باتیں نہ كروں۔ میں نے جتنا ہو سكے اسے جذباتی كرنے كی كوشش كی ہے لیكن اس لڑكی پر كوئی خاص اثر ہوا نہیں۔" تایا ابانے بیچارگی سے كہا۔

اكرم، جو بے چینی سے ٹھل رہا تھا، غصے سے بولا،

میں یہ سب کچھ نہیں جانتا! آپ لوگوں کے پاس اس کا فون نمبر تو ہو گا نا؟ آپ لوگ اسے بلائیے  
یہاں پہ! اس کے یہاں پر ہونا بے حد ضروری ہے! مجھے وہ لڑکی یہاں چاہیے تب ہی میرا مسئلہ کچھ  
حل ہو گا! اتنا لمبا ڈرامہ کرنے کا فائدہ تب ہو گا جب وہ یہاں ہو گی!" اکرم نے غصے سے کہا، اس  
کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا سارا پلان بے کار جا رہا ہے۔

وہ سب ابھی یہی ساری باتیں کر رہے تھے اور مزید منصوبے بنا رہے تھے جب اچانک کمرے کا  
دروازہ بجا۔ سب نے حیرت سے دروازے کی طرف دیکھا، انہیں توقع نہیں تھی کہ اس وقت  
کوئی آئے گا۔ تائی امی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور چچانے اپنے چہرے کے تاثرات  
درست کیے۔ اکرم کی آنکھوں میں بھی تجسس تھا۔

○○○○○○○

دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی دعام اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے سردار بھی تھا۔  
دعام کو دیکھتے ہی تایا ابا کے چہرے پر اچانک بیماری کے اثرات نمودار ہو گئے تھے،

جیسے ہی اس نے دعام کو دیکھا اس کی ساری نقلی بیماری واپس آ گئی تھی۔ دعام تیزی سے ان کے  
پاس آتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی تو وہ اس کے سر پر کتنی ہی دیر پیار کرتے رہے تھے۔

"میری بچی، میرے جگر کا ٹکڑا! تو آگئی! مجھے یقین نہیں آ رہا!" وہ زیادہ ہی خوش لگ رہے تھے، ان کے لہجے میں جذباتی پن تھا۔

سردار وہیں دروازے کے قریب کھڑا، ان سب کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا، خاص کر تایا ابا کے۔

اس کی سبز آنکھوں میں گہرا مشاہدہ تھا۔

"آؤ بیٹا، اندر آؤ نا! بیٹھو یہاں پر، تم یوں کھڑے ہوئے کیوں ہو؟"

چاچی بھی دعام کی آواز سے ہی اپنے کمرے سے تیزی سے باہر نکلی تھیں اور سردار کی طرف بڑھی تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک نقلی خوشی اور پریشانی کا ملا جلا تاثر تھا۔

سردار نے انہیں زیادہ اہمیت نہ دی، بس ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا تھا جیسے یہاں صرف بیٹھنے کے لیے ہی آیا ہو، اس کا چہرہ بے نقاب نہ تھا سبز آنکھوں میں اب صرف بوریت تھی۔ وہ اس سارے ڈرامے سے اکتا چکا تھا۔ جبکہ دعام تایا ابا کے سینے سے لگی ان سے دعائیں لے رہی تھی، اسے اپنے تایا ابا کو بہتر حالت اور ہوش میں دیکھ کر اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

○○○○○○○

سردار کے سامنے رکھی گئی میز پر کافی سارے پھل کاٹ کر رکھے گئے تھے، جیسے داماد کی خدمت کرنے کے لیے ہی وہ سب لوگ پہلے سے تیار بیٹھے ہوں۔

اکرم بھی وہیں موجود تھا، اور اس کی موجودگی میں رباب بھی باہر آچکی تھی، لیکن بالکل خاموش تھی۔

حالانکہ آج کل اکرم کا روز ہی ادھر آنا جانا تھا۔ اس کی ماں اکرم کے آنے کا سن کر فوراً اس کے پیچھے لگ جاتی کہ

"اٹھو اپنی حالت بہتر کرو، باہر چل کر بیٹھو، اکرم آیا ہے، تمہارا شوہر ہے، اس کی موجودگی میں تمہارا بیٹھنا اچھا ہے۔"

رباب دل میں ہزاروں شکوے لیے اٹھ کر باہر نکل آتی تھی، اسے اکرم سے محبت تھی جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن اور بے بسی کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کو کچھ نہیں ہی ہوا،

بلکہ گھر کے سارے لوگ ہی جانتے تھے کہ یہ سارا ڈرامہ کیوں کیا گیا ہے۔ ان سب کا مقصد دعام کو قبیلے سے واپس لا کر اپنے مفادات حاصل کرنا تھا، اور اسی وجہ سے یہ سب جھوٹ اور اداکاری کی جارہی تھی۔

○○○○○○○

"چلو دعام، کافی وقت ہو چکا ہے، اب ہم لوگوں کو چلنا چاہیے۔" سردار نے اونچی آواز میں کہا، اس نے ابھی تک اپنا نقاب اتارا نہیں تھا۔ یہ اتفاق تھا یا کچھ اور، اکرم اس کے بالکل سامنے اسی لیے بیٹھا تھا تاکہ وہ آج اس کا چہرہ دیکھ سکے۔ حالانکہ تایا ابا اور تائی امی اس کا چہرہ دیکھ چکے تھے، ان کے لیے وہ انجان نہیں رہا تھا، لیکن پھر بھی وہ یہاں پر نقاب میں ہی بیٹھا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں اب صبر کی حد ختم ہو رہی تھی۔

"نہیں، دعام کہیں نہیں جائے گی، یہ میرے پاس ہی رکے گی آج! میں اس سے بہت ساری باتیں کروں گا! میں چاہتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزاروں۔ بیٹا، میرے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھو! میری بیٹی کو آج مجھ سے دور مت کرو!" تایا ابا جذباتی انداز میں بولے، ان کی

آواز میں نقلی دکھ تھا۔ سردار نے آنکھیں گھمائیں، اسے یہ سب ڈرامہ لگ رہا تھا۔ جو کہ ڈرامہ ہی تھا۔ لیکن دعام اس ڈرامے کو سمجھ نہیں سکتی تھی

"تایا ابا، میں دوبارہ آجاؤں گی! میرا اس طرح سے یہاں رکنا مناسب نہیں! میں کل آجاؤں گی اپنے ڈاکو جی کے ساتھ واپس، آپ فکر نہ کریں۔" اس سے پہلے کہ سردار کچھ کہتا، دعام نے نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی، اس کی آنکھوں میں فکر مندی تھی۔

"نہیں دعام، رک جاؤنا یہیں پر! میں بھی تم سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" رباب نے بھی اسے فورس کیا، اس کی آواز میں ایک دبی ہوئی التجاء تھی۔

"ہاں بیٹی، رک جاؤ آج تم یہیں ہمارے پاس رہ جاؤنا۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، کیا پتہ کل آتے آتے بہت دیر ہو جائے۔" تائی امی کے لہجے میں ایسا دکھ تھا کہ سردار کو وہ سب سے بہترین اداکارہ لگی، اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

"اب سب بار بار کہہ رہے ہیں سالی صاحبہ تو رک جائیے یہیں پر۔ آپ جا کر کیا کریں گی اس وقت؟ آپ کے والد کو آپ کی ضرورت ہے!" اکرم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، اس کی نظریں سردار پر تھیں جو اسے گھور رہا تھا۔



"دلدار بیٹا، تم نے تو کچھ لیا ہی نہیں! کچھ تو کھاؤ میرے بچے۔۔۔" تائی امی نے سردار کو مخاطب کیا۔

"نہیں، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ چلو دعام!" سردار اٹھ کر کھڑا ہوتا دعام سے بولا، اس کی آواز میں فیصلہ کن انداز تھا۔

"اسے مت لے کر جاؤ نابیٹا! اسے رہنے دو آج یہیں پر ہمارے پاس! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں! میری بیٹی کو مجھ سے دور مت کرو ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا!" تایا ابا نے ڈرامائی انداز میں کہا، ان کی آنکھوں میں زبردست اداکاری تھی۔

"تایا ابا، میں دوبارہ آجاؤں گی! آپ پلیز پریشان مت ہوں! ان شاء اللہ میں کل صبح ہی آجاؤں گی۔" دعام نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، جیسے وہ خود بھی وہاں نہیں رکنا چاہتی۔ اکرم کی موجودگی میں اسے بہت عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ جب سے اکرم نے یہ کہا تھا کہ اس کے والدین کے قتل میں ڈاکو شامل ہیں تب سے ہی اس کا دل اس آدمی سے اکتا گیا تھا۔ وہ اسے دیکھنا تک نہیں چاہتی تھی اور اس طرح گھر کے لوگوں میں اس کا یوں بیٹھے رہنا بھی اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ہائے دعام! کتنی منتیں کر رہے ہیں تیرے! اس طرح سے چلی جائے گی، اپنے تایا کا دل توڑ دے گی!" چاچی اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"جانے دیجیے بھائی صاحب! آپ کو بھی نہ جانے اس سے اتنا لگاؤ کیوں ہو گیا ہے! حالانکہ ہے تو وہی ناس نے ہمارا دل توڑ دیا تھا! اس کی بیٹی ہمارا دل کیوں رکھے گی!" اب کی دفعہ چچا بھی کمرے سے نکلتے ہوئے بولے تو دعام کے قدم رک سے گئے تھے۔ اس کا دل ایک لمحے کو دہل گیا۔

"ہائے کتنی منتیں کی تھی اس کی، گھر چھوڑ کر مت جاؤ، گھر چھوڑ کر مت جاؤ!" لیکن نہیں سنی تھی ناس نے ہماری! اس کی بیٹی کیوں سنے گی! اس کے آخری دیدار کے لیے تڑپتے رہے ہیں ہم۔۔۔ اس کی بیٹی کے لیے بھی تڑپ لیں گے!" چچا کا لہجہ بڑا سخت تھا، دعام سے ایک قدم نہ اٹھایا گیا، اس کی آنکھوں میں بے بسی اور دکھ صاف جھلک رہا تھا۔

"رک جاؤ دعام!" اس کی آنکھوں میں عجیب سی بے بسی اور بے چینی دیکھ کر دلدار نے کہا، اس کی سبز آنکھوں میں اب فیصلہ کن نرمی تھی۔ دعام بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی

کہ وہ اسے رکنے نہیں دے گا لیکن وہ خود کہہ رہا تھا کہ وہ رک جائے۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان آئی تھی جیسے وہ اسی کے کہنے کا انتظار کر رہی ہو۔

"رک جاؤ۔ میں صبح تمہیں لینے کے لیے آجاؤں گا۔" سردار نے نرمی سے اس کے چہرے کو تھپتھپایا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ یہ لمحہ اتنا بے یقین تھا کہ کوئی بھی اس پر یقین نہیں کر پایا تھا کہ سردار اسے اپنی مرضی سے چھوڑ کر گیا ہے۔

○○○○○○

سردار کے جانے کے بعد دعام کے گھر رکنے پر سارے لوگ ایکساٹڈ ہو گئے تھے، جیسے دعام نہ ہو کوئی وی آئی پی سلیبریٹی آگئی ہو۔ اور ان کے لیے تو شاید وہ کسی سلیبریٹی سے کم بھی نہیں تھی۔۔

سب لوگ اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے تھے، اس کے لیے اسپیشل دعوت کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ تائی امی ہر تھوڑی دیر بعد اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھیں اور چچا بار بار اسے پانی یا پھل پیش کر رہے تھے۔

اکرم بھی خاموشی سے بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جبکہ اس کی نگاہیں بار بار رباب سے جا کر ٹکرا رہی تھیں۔

رباب اسے دیکھ کر نگاہیں نیچی کر لیتی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے سکونی محسوس ہو رہی تھی۔ رباب کی ویران آنکھوں میں یہ ویرانی دیکھ کر اکرم پریشان ہو رہا تھا کہ اس نے اس لڑکی کو کیا کر دیا تھا۔ مانا وہ چالاک تھی، مانا وہ آج کل کی ماڈرن لڑکیوں کو ٹکر دینے والی لڑکی تھی، لیکن تھی تو ایک لڑکی ہی نا! وہی لڑکی جو زندگی کے ہر موڑ میں بس ایک پیار کرنے والے شخص کو دیکھ کر اس پر سب کچھ لٹا دیتی ہے۔

رباب بالکل خاموشی سے دعام کو دیکھ رہی تھی یہاں جو کچھ ہو رہا تھا، کہیں نہ کہیں وجہ وہی تھی، کیا تھی دعام ان کی زندگی میں کچھ بھی نہیں اسے ان لوگوں نے زندگی میں کبھی کوئی اہمیت نہیں دی تھی آج یہی گھر والے اسے سر آنکھوں پر بٹھا رہے تھے۔ تو وجہ صرف اور صرف اس کی خوشیاں تھیں اور سامنے بیٹھا شخص جو اس کی خوشیوں کی ضمانت دے رہا تھا۔ رباب کو اکرم کی آنکھوں میں اسے اپنے لیے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ عجیب طرح کے گلٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ ان سب چیزوں کی وجہ رباب تھی لیکن جس شخص کے لیے وہ سب کچھ کر رہی تھی اس کی زندگی میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی صرف زبردستی کا رشتہ تھا

وہ جانتی تھی کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف اس کی وجہ سے ہو رہا تھا، اس کے گھر والے اس حد تک مجبور ہو گئے تھے کہ دعام کے رحم و کرم پر آ گئے تھے۔

○○○○○○

"ارے میں کر لوں گی دعام، تم کیوں کر رہی ہو؟ تم بیٹھو نا آرام سے، تم آج ہماری مہمان ہو۔" رباب نے نرمی سے اس کے گال چھوئے، اس کی آواز میں غیر متوقع نرمی تھی۔

دعام کچن میں رباب کے ساتھ کچھ کام کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے رباب کے چہرے پر عجیب سی کمزوری دیکھی۔ جس طرح وہ اپنا خیال رکھتی تھی، سچ سنور کر رہتی تھی، وہ سب کچھ کہیں ختم سا ہو گیا تھا۔ دعام کو اس کا یہ روپ اچھا نہیں لگ رہا تھا، اسے رباب کے چہرے پر ایک عجیب سی ویرانی اور مایوسی نظر آرہی تھی۔ وہ لہجے کی تیزی، وہ تیز طراری، چلاکی،

شاطرانہ انداز۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ سمیرہ بھی خاموش ہو گئی تھی کیونکہ اس سے لڑنے والی ہی خاموش ہو گئی تھی۔ گھر کا ماحول عجیب سا ہو گیا تھا، ایک اداسی چھائی ہوئی تھی۔

دعام رباب کی مدد کرنا چاہتی تھی لیکن سمیرہ اور تائی امی اسے کچھ بھی نہیں کرنے دے رہی تھیں۔ حالانکہ صفا اور نوشی باہر کے کام سنبھال رہی تھیں۔ دعام کو یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔ وہ رباب کی بدلی ہوئی حالت پر پریشان تھی اور سمیرہ و تائی امی کے زیادہ لاڈ پیار سے بھی الجھن محسوس کر رہی تھی۔

جب اچانک ہی دعام کو کمرے میں بلایا گیا۔ یہ وہ کمرہ تھا جہاں تایا ابا اور اکرم کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ تو اسے وہاں کیوں بلایا جا رہا تھا؟ دعام کچھ کنفیوز ہوتی کچن سے نکل کر اس کمرے میں جانے لگی تو چچا بھی اس کے پیچھے ہی آ گئے تھے۔ ان کے چہرے پر بھی ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔ دعام کے قدم کمرے کے دروازے پر رکے، اس کے دل میں ایک انجانا خوف سراٹھا رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اندر کوئی اہم اور شاید ناخوشگوار بات ہونے والی ہے۔

oooooooo

سردار قبیلے میں واپس آچکا تھا، اس کے چہرے پر اگرچہ کوئی خاص تاثرات نہیں تھے، مگر اس کی آنکھوں میں ایک گہری سوچ تھی۔ بالانے اسے دیکھتے ہی اس کے پاس آگیا تھا، اس کی آواز میں حیرت اور تشویش تھی۔

"آگئے تم واپس؟ دعام کہاں ہے؟" دعام کو اس کے ساتھ نہ دیکھ کر اسے سچ مچ میں حیرانی ہوئی تھی۔ اسے لگا جیسے کچھ گڑبڑ ہے۔

"وہ وہیں پر رک گئی ہے اپنے تایا کے گھر۔ اس کا تایا بہت ڈرامے کر رہا تھا، سو میں نے اسے چھوڑ دیا۔" سردار نے سادگی سے جواب دیا، اس نے اپنا نقاب ابھی بھی نہیں اتارا تھا، گویا ابھی وہ اس دنیا میں الجھا ہوا تھا۔

"سردار! دماغ خراب ہو گیا تو نے؟ تو نے اسے ان لوگوں کے بیچ میں چھوڑ دیا؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ لوگ اسے کس طرح تیرے خلاف استعمال کر سکتے ہیں؟ سردار، وہ معصوم ہے، ان لوگوں کی سازشوں کو نہیں سمجھتی! تو تو سمجھدار ہے! تجھے اسے وہاں پر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا!" بالا سچ مچ میں پریشان ہو گیا تھا، اس کی آواز میں تشویش بڑھ گئی تھی۔ اسے دعام کی فکر تھی۔

سردار نے ایک ٹھنڈی سانس لی، اس کی سبز آنکھوں میں اب ایک دھیمی سی روشنی تھی۔ "وہ میری وجہ سے نہیں رک رہی تھی۔ وہ بار بار پلٹ کر میری طرف دیکھ رہی تھی، میں اسے ناامید نہیں کر سکتا تھا بالا۔ وہ بار بار انکار کر رہی تھی، وہ لوگ اسے فورس کر رہے تھے لیکن اس کے ناں ہاں میں نے ہی بدلی۔ یہاں تک کہ جب میں نے اسے رکنے کے لیے کہا تب بھی وہ مجھے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ میں اسے زبردستی چھوڑ کر آیا۔" سردار کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت تھی، جیسے وہ خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"لیکن کیوں سردار؟ تو کیوں چھوڑ کے آیا ہے اسے؟ وہ اسے تیرے خلاف کر دیں گے! انہیں بس موقع چاہیے! وہ لوگ کتنے چال باز اور کتنے کمینے ہیں تو بہت اچھے سے جانتا ہے!" بالانے زور دے کر کہا، اس کا غصہ بڑھ رہا تھا۔

سردار نے بالا کی آنکھوں میں دیکھا، اس کی سبز آنکھوں میں ایک گہرا عزم تھا۔ اس کے نقاب میں چھپے ہونٹوں پر ایک نرم مسکراہٹ ابھری۔

"تو یہی تو وقت ہے نا بالا سمجھنے کا کہ وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہے یا مجھ پر اعتبار بھی کرتی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھی ہے اور جب سے محبت دیکھی ہے، اس کی



آنکھوں میں اپنے لیے اعتبار دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ میں صرف اس کی محبت کا کیا کروں گا؟ مجھے اس کا اعتبار چاہیے! اور اس کا اعتبار حاصل کرنے کے لیے مجھے ایک دفعہ تو اسے آزمانا ہو گا نا؟"

بالا نے سردار کی بات پر سرنفی میں ہلایا۔ "محبت کو آزما یا نہیں جاتا سردار! کب سمجھے گا تو! آج تک محبت کی آزمائش میں انسان ناکام ہی ہوا ہے۔ میں نے آج تک محبت کی آزمائش میں کامیاب ہوتے لوگ نہیں دیکھے۔" بالا نے مایوسی سے کہا، اس کی آواز میں ایک پرانی درد جھلک رہا تھا۔ سردار نے بالا کے کندھے پر ہاتھ رکھا، اس کی سبز آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور ایک فیصلہ کن انداز میں بولا، "محبت اگر زنجیر ہے، تو اعتبار وہ قفل ہے جو اسے توڑ دیتا ہے، بالا۔ میں جانتا ہوں میں نے اسے بھیجا ہے امتحان کی آگ میں، مگر یقین رکھ، اس آگ میں وہ کندن بن کر نکلے گی۔ اس کی پاکیزہ محبت مجھے کبھی مایوس نہیں کرے گی! میری محبت پر بھروسہ نہیں تو اس کے اعتبار پر ہے۔"

سردار کے الفاظ میں غیر متزلزل یقین تھا۔ بالانے ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اور اسے سردار کے اس فیصلے کی گہرائی سمجھ میں آگئی۔ اسے معلوم تھا کہ سردار نے یہ قدم کیوں اٹھایا ہے۔

"لیکن پھر بھی وہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہیں سردار، چل اسے واپس لے آتے ہیں! میں اسے ان لوگوں کے بیچ میں نہیں چھوڑ سکتا!" بالابے چینی سے کہہ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں فکر مندی صاف نظر آرہی تھی۔ وہ واپس جانے کو تیار تھا، دعام کو اس کے ساتھ نہ دیکھ کر اسے سچ میں حیرانی اور پریشانی ہوئی تھی۔

سردار مسکراتے ہوئے اس کے گرد ہاتھ ڈالتا اسے زبردستی اپنے ساتھ قبیلے کے اندر لے آیا۔ اس کے چہرے پر اگرچہ اطمینان تھا مگر سبز آنکھوں میں اب بھی کہیں نہ کہیں ایک خفیف سی بے چینی جھلک رہی تھی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ارے پاگل ہے کیا! اتنی مشکل سے بیوی کو بھیجا ہے، آج تو ہم جشن منائیں گے!"

وہ بالا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہنس رہا تھا۔ "آج تین مہینوں کے بعد سردار کی آزادی کا دن ہے! آج خوب مزے کریں گے، پارٹی ہوگی پارٹی!" سردار نے جوشیلے انداز میں کہا، جیسے وہ واقعی اس آزادی کا جشن منانا چاہتا ہو۔

"جا، بول میرو کو کوئی اچھا سا کھانا لائے، بکر اذبح کرو! آج مزیدار سا گوشت! تین مہینے سے گوشت کی شکل نہیں دیکھی! آج سردار، سردارنی کے بغیر آزاد ہے!" وہ مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، جبکہ بالا کو اس کی یہ ہنسی کھوکھلی لگ رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے سردار خود اندر سے ڈرا ہوا ہے، کچھ بُرا ہونے کے ڈر سے، لیکن اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور بالا مطمئن کیسے ہوتا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ خود اپنے لیے سازشوں کا راستہ کھول رہا ہے۔

بالا نے سردار کی بات پر طنزیہ انداز میں سر ہلایا۔

"تیری سردارنی کو پتہ چلانا کہ اس کے بغیر تو یہاں جشن مناتا پھرتا ہے، ہڈی پسلی ایک کر دے گی تیری! ویسے بھی اس پر تیری تو چلتی نہیں ہے۔"

"عشق نے نکما کر دیا ہے تجھے سردار!" بالا نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا،

"کرسی چھوڑ اور مجھے سردار بنادے! تو آج کل معشوقی کے چکر میں پڑ چکا ہے، اب تیرے سے سرداری نہیں ہوتی!"

سردار نے بالا کو گھورا، اس کی سبز آنکھوں میں اب مصنوعی غصہ تھا۔

"ایک دفعہ ڈاکٹر بیلا کو آنے دے قبیلے میں، پھر دیکھوں گا تیری سرداری کدھر سے نکلے گی! آیا بڑا مجھے نکما کہنے والا!" سردار نے ایک گہری سانس لی، اس کی آنکھوں میں وہی پرانی شدت لوٹ آئی۔

اس نے اچانک ہی اپنی بندوق نکالی اور آسمان پر ہوائی فائرنگ کر دی۔

"او کدھر مر گئے بیج سارے قبیلے والو! جشن کا سماں ہے! جشن مناؤ! سردار کی یقین کا امتحان چل رہا ہے!" اس کی آواز پورے قبیلے میں گونجی، جیسے وہ اپنے دل کے شور سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہ پہلا جشن ہے اس دنیا کا، جس میں کامیابی حاصل کرنے سے پہلے جشن منایا جا رہا ہے۔" اس نے ایک اور فائر کیا، اس کی آواز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔

○○○○○○○

سکون، چین، ہر چیز جیسے صرف نام کا ہی رہ گیا تھا۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد بھی اسے سکون نہ ملا تھا۔

وہ اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کر رہا تھا آج تک اس نے خود کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

رات کے دو بجے کا وقت تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی، لیکن سردار کے لیے یہ رات کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ نہ جانے آنے والا کل اس کے لیے کیا لانے والا تھا؟ کیا اس کی محبت، اس کا یقین ہار جائے گا؟

وہ لوگ چالاک تھے سازشی تھے اور اس کی دعام معصوم تھی۔ دنیا کی چالاکوں سے انجان اپنی ہی ایک چھوٹی سی دنیا بسانے والی وہ معصوم لڑکی نہیں جانتی تھی کہ وہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

بستر پر بیٹھتے ہوئے بھی نیند سردار کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج واپس آنے کے بعد اس نے سب کے سامنے خوش رہنے کا ڈرامہ کیا تھا، ایک ایسا جشن منایا تھا۔ جس میں کامیابی کی ضمانت نہیں تھی۔

بس سب کو یہ دکھایا تھا کہ سردارنی کے جانے سے تو اپنی مرضی کا مالک بن گیا ہے جس پر سارے ہی ڈاکو اس کی زندگی میں اس لڑکی کی اہمیت سے واقف ہو چکے تھے۔

اس کے قبیلے کی شادی شدہ ڈاکو تو اس کی حالت پر رات خوب ہنسے تھے۔ جیسے وہ بھی اس کی حالت سے واقف ہوں یا اس کو خوب سمجھ رہے ہوں

کیونکہ جب ان کی بیویاں ان پر پابندیاں لگاتی تھیں۔ ان کی حالت کافی قابلِ رحم ہوتی تھی۔

وہ کہتے تھے کہ وہ تو اب اتنی بیوی کے قیدی بن گئے حالانکہ سردار ایسی قید میں خوش تھا وہ یہ سب جانتا نہیں تھا، کیونکہ پچھلے تین مہینوں میں وہ اپنی سجن سائیں کا پابند ہو گیا تھا۔

اور اسے وہ پابندیاں بے حد پیاری تھیں۔ وہ اس کی ہر بات کو دل سے مانتا تھا، اس کے لیے اپنے غصے اور وحشت کو قابو میں رکھتا تھا۔

لیکن اب وقت اور حالات اسے کون سا نیاروپ دکھانے والے تھے، وہ نہیں جانتا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، مگر اس نے سونے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ جیسے آج نیند سے مقابلے پر اتر آیا ہو، وہ جانتا تھا اگر اسے سکون کی نیند آئی تو آج ہی آئے گی کل سے ہو سکتا تھا نیندیں اس سے روٹھ جائیں وہ یہ آخری نیند لینا چاہتا تھا۔

وہ کروٹیں بدلتا رہا، کبھی اپنی آنکھیں سختی سے بند کر کے، کبھی چھت کو گھورتا ہوا۔

ایک دفعہ پھر سے تین مہینے پہلے والی بے سکونی اس پر غالب آگئی تھی۔ وہ سو نہیں پاتا تھا۔ عجیب سے خواب اسے ستاتے تھے۔ وحشت سے جڑی راتیں اسے بھولتی نہیں تھیں، اور وہ راتیں بھلائی جا بھی نہیں سکتی تھیں۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے خود کو ہر طرح سے خود میں قید کرنے کی کوشش کی تھی، جیسے بے حس ہو گیا ہو۔ اس کی روح تک بے چین تھی، دعام کی غیر موجودگی اسے اندر تک چھلنی کر رہی تھی۔ وہ اپنی سبز آنکھوں کو بند کیے، خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا فیصلہ درست ہے، کہ دعام اس کی محبت اور اعتبار کو سمجھے گی۔ لیکن ایک دہی ہوئی بے چینی تھی جو اسے سونے نہیں دے رہی تھی۔

○○○○○○○

اس کی آنکھ بڑی مشکل سے لگی۔ جیسے اندرونی جنگ سے لڑتے ہوئے اس نے نیند کو شکست دی تھی لیکن پھر اس کی آنکھ اپنے سینے میں ہوتی ہلچل سے کھلی تھی۔

سردار نے بے یقینی سے اپنا بازو اپنے سینے کے گرد پھیلا یا تو ایک وجود اس کے حصار میں آیا۔ وہ آنکھیں کھولنا نہیں چاہتا تھا،

اسے یقین نہیں آ رہا تھا، ایسا ممکن نہیں تھا، وہ اکیلی نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن یہ... یہ وجود، یہ خوشبو، یہ لمس! اس نے نرمی سے آنکھیں بند رکھے اس کے ماتھے کو چھوا تو وہ مزید اس کے سینے میں چھپ گئی تھی۔ اگر یہ خواب تھا تو وہ یہ خواب کبھی توڑنا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اسے اپنے سینے پر ہلکی سی نمی محسوس ہوئی۔ اس نے اسے خود میں مزید جکڑا تھا۔

"تم رورہی ہو، سجن سائیں؟" سردار نے بند آنکھوں سے پوچھا، جیسے اسے ڈر تھا کہ آنکھیں کھولے گا تو وہ غائب ہو جائے گی۔ یہ ڈر تھا جو اسے آنکھیں کھولنے نہیں دے رہا تھا۔

"نہیں، سو جائیں، میں نہیں رورہی۔" وہ نرمی سے اس کے دل کے مقام پر اپنے لب رکھتے ہوئے بولی تو وہ ایک جھٹکے میں اسے بیڈ پر گراتا۔ خود اس پر سایہ فگن، کھلی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ دعام، سوجی ہوئی آنکھوں اور سرخ چہرے سمیت اس کے سامنے تھی، ایسا لگتا تھا جیسے وہ بہت روئی ہے، بہت زیادہ۔

"سجن سائیں! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم یہاں کیسے آئی؟ کون لے کر آیا تمہیں؟" سردار بے یقینی سے دعام کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ یہاں اکیلے تو نہیں آ سکتی تھی، کیا بالا اسے لینے گیا تھا؟ اور وہ اتنی روئی کیوں تھی؟ اس کی آنکھیں بری طرح سو جھی ہوئی تھیں۔



"کوئی نہیں مجھے لینے گیا! پھینک کر آگئے تھے، ذرا خیال نہیں آیا میرا! میں خود آئی ہوں، بالکل اکیلے، اتنی رات کو!" دعام اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سردار کو بتانے لگی، اس کا سو جا ہوا چہرہ بہت کچھ بیان کر رہا تھا۔ لیکن اس کے اکیلے آنے والی بات پر وہ یقین نہیں کر پارہا تھا، یہ بہت خطرناک تھا۔ یہ راستہ جنگلی کتوں سے بھرا ہوا تھا، اور پھر قبیلے کی طرف آتے لوگوں پر تو پولیس کی بھی گہری نظر ہوتی تھی۔

"کیا مطلب؟ کیسے آئی ہو تم یہاں اکیلے؟" سردار پوچھے بغیر رہ نہیں پارہا تھا، اس کی سبز آنکھوں میں فکر مندی تھی۔

"بس آگئی! وہاں سے نکلی اور بھاگتے بھاگتے یہاں آگئی!" دعام نے سادگی سے جواب دیا۔

"میرا سوہنا مکھڑا، کوئی تو چھوڑ کر گیا ہو گا!" سردار نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"آپ کو ایک بار میری بات سمجھ میں نہیں آرہی؟ میں کہہ رہی ہوں کہ میں اکیلے آئی ہوں تو مطلب صاف ہے کہ اکیلے آئی ہوں! کوئی بھی چھوڑ کر نہیں گیا ہے مجھے! اتنا ڈر لگ رہا تھا مجھے آتے ہوئے لیکن پھر میں نے خود کو سمجھایا کہ میں کوئی معمولی انسان نہیں ہوں! اس قبیلے کی سردارنی ہوں!"

اور سردارنی کو ڈر نہیں لگتا۔ دعام نے غصے سے اپنی چکوٹی سی ناک رگڑتے ہوئے کہا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

میں وہاں سے نکلی اور پھر میں بھاگتے بھاگتے آگئی!"

"لیکن کیوں آگئی؟ صبح میں آجاتا تمہیں لینے کے لیے؟" سردار کی آواز میں پریشانی تھی۔ جس طرح دعام ضدی انداز میں اپنی ناک رگڑ کر بات کر رہی تھی، مطلب صاف تھا کہ وہ سچ بول رہی تھی، اور یہ سچ سردار سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے گھر سے قبیلے کا فاصلہ بہت زیادہ تھا۔

"نہیں رہنا تھا مجھے وہاں پر! وہ آپ کے بارے میں غلط باتیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں آپ برے ہیں، آپ غلط ہیں اور وہ سب لوگ دودھ کے دھلے ہیں۔" دعام کی آواز میں رونا شامل ہو گیا۔

"کوئی میرے شوہر کے بارے میں غلط بات کرے گا تو میں اس کا منہ توڑ دوں گی! لیکن عزت کرتی ہوں تایا ابا کی، اسی لیے خاموش ہو گئی!" اس نے پھر سے اسی ادا سے ناک رگڑ کر کہا تھا۔

سردار کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کی سبز آنکھوں میں حیرت، فخر اور محبت کا طوفان تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ دعام اس کے لیے اتنا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔ پھر اگلے ہی لمحے اس نے دعام کو تھام کر اپنے سینے میں اس انداز میں بھینچا جیسے ہمیشہ کے لیے اسے اپنے حصار میں قید کر

لینا چاہتا ہو۔ اس کے ہاتھ دعام کی کمر پر مضبوطی سے بندھے تھے، وہ اسے خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اب مجھے کبھی ایسے لوگوں کے بیچ میں چھوڑ کے مت آئیے گا، ورنہ پکی والی ناراض ہو جاؤں گی آپ سے، کبھی بات نہیں کروں گی!" دعام اس کے سینے سے لگی اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، جیسے بہت کچھ ہو جو اس نے اپنے دل میں چھپا لیا ہو۔ سردار جانتا تھا وہ سب کچھ بتا دے گی، وہ کچھ بھی چھپائے گی نہیں۔ اس نے بس دعام کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا، اس کے آنسو اس کے دل میں اتر رہے تھے۔

○○○○○○○

وہ ساری رات سردار کے سینے میں یوں ہی قید رہی تھی۔ نہ تو سردار نے اسے خود سے دور کیا تھا نہ ہی آزاد ہونے دیا تھا۔ اسے اپنے سینے میں چھپائے، وہ کتنی ہی دیر اس کی سسکیاں محسوس کرتا رہا۔ اس کے انداز میں درد تھا، تکلیف تھی جو بڑھی ہوئی لگ رہی تھی۔ سردار اس کے گرد اپنی باہوں کا حصار مضبوط کیے اسے ہر ڈر سے بچاتا رہا تھا۔

پہلے تو نیند کو شکست دے دی تھی لیکن اب ایسا ممکن نہیں تھا۔ اس کی کل کائنات اس کی پناہوں میں تھی، نیند کو اب اس کے قریب بھٹکنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ وہ دعام کے ماتھے پہ لب رکھے، غیر مرئی نقطے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سبز آنکھوں میں اب نہ کوئی بے چینی تھی اور نہ کوئی ڈر، صرف ایک گہرا سکون اور اطمینان تھا کہ دعام اس کے پاس تھی۔

صبح کی پہلی کرن، جو کمرے کے دروازے سے اندر جھانک رہی تھی، اس کی زندگی میں بھی روشنی بکھیر چکی تھی۔ دعام کالوٹ آنا اس کے لیے صرف ایک محبت کی جیت نہیں تھی، بلکہ ایک نئے آغاز کا اشارہ تھا۔

○○○○○○○

دعام کو یوں ہی سوتے چھوڑ کر وہ نیچے قبیلے کی طرف آیا تھا۔

"چل سردار، اب اٹھ گیا ہے تو چل اسے لینے چلتے ہیں! نہ جانے کیا کیا ایک رات میں اس کے دماغ میں ڈال دیا ہو گا! میں کب سے تیری جاگنے کا انتظار کر رہا ہوں، تو کیا گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا؟ مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی!"

سردار جیسے ہی تیار ہو کر نیچے آیا، بالا تقریباً بھاگتا ہوا سردار کے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کے ساتھ ایک بے چینی بھی تھی۔ سردار نے مسکرا کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک پرسکون مسکراہٹ تھی۔ وہ جانتا تھا بالا کتنا پریشان ہو رہا ہے۔

"کس کو لینے جانا ہے بالا؟ جس کے لیے تو اتنا پریشان ہو رہا ہے وہ رات کو دوجے ہی قبیلے میں آگئی تھی!" سردار نے پرسکون انداز میں کہا، اس کی سبز آنکھوں میں شرارت تھی۔

"ہیں؟ کیا بول رہا ہے تو؟ دعام قبیلے میں ہے؟" بالا بے یقینی سے بولا، اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

"ہاں، دوجے ہی وہ آگئی تھی!" سردار مسکرایا۔

"دوجے؟ کون لینے گیا تھا؟ تجھ سے رہا نہیں گیا نا اس کے بغیر! چلا گیا تھا اسے لینے کے لیے تو مجھے بھی ساتھ لے جاتا! کتنا خطرناک راستہ ہے، جانتا ہے تو!" بالانے سردار کو دیکھ کر پریشانی سے کہا تھا،

یہ راستہ سچ میں بہت خطرناک تھا رات کا سفر ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ یہاں ہر وقت پولیس کی نظر رہتی تھی اس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی

"جانتا ہوں، سب جانتا ہوں۔ اور اس خطرناک راستے پر کل رات اکیلی آئی ہے! صرف اس لیے کیونکہ وہ لوگ میرے خلاف باتیں کر رہے تھے اور میری سجن سائیں سے وہ باتیں برداشت نہیں ہوئیں۔" سردار کی آواز میں فخر تھا، اس کی سبز آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"تو غلط کہتا تھا بالا، محبت کی آزمائش میں محبت ہار جاتی ہے۔ میری محبت توجیت کر آئی ہے! میرا یقین سرخرو ہو کر آیا ہے بالا! وہ سب کچھ چھوڑ کر آئی ہے۔"

سردار نے ایک لمحے کے لیے گہری سانس لی۔ "ابھی پریشان ہے، میں نے زیادہ کچھ پوچھا نہیں۔ لیکن میرا سجن سائیں اس امتحان میں پورے 100 نمبر لے کر پاس ہوا ہے! اصل جشن تو آج کریں گے اور ایسا جشن منائیں گے کہ پورا گاؤں دیکھے کہ سردار کی محبت جیت کر آئی ہے!" اس نے بالا کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو بالا قہقہہ لگا کر ہنسا، اسے سردار کی خوشی دیکھ کر سکون ملا۔

○○○○○○○

اس کی آنکھ کھلی تو صبح کے دس بج رہے ہیں تھے گہری سانس لیتے ہوئے اس نے کمرے کو دیکھا تھا پھر کتنی ہی دیر یوں ہی چھت کو دیکھتی بستر پر لیٹی رہی تھی کل کا دن اس کی زندگی کا سب سے برادن تھا۔

دعام قدم قدم چلتی، الجھن کے عالم میں اس کمرے کے دروازے تک پہنچی جہاں تایا ابا اور اکرم پہلے سے موجود تھے۔ چچا بھی اس کے پیچھے ہی آگئے تھے اور اب وہ سب اس چھوٹے سے کمرے میں تھے۔ کمرے کا ماحول بہت سنجیدہ اور پر اسرار تھا۔ تایا ابا بستر پر لیٹے تھے، ان کے چہرے پر پھر وہی کمزوری اور مظلومیت کے آثار نمایاں تھے۔ اکرم کمرے کے ایک کونے میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک چالاک چمک تھی۔

دعام نے ایک نظر سب پر ڈالی۔ اسے محسوس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی۔

"جی تایا ابا، آپ نے مجھے بلایا تھا؟" دعام نے دھیمی آواز میں پوچھا، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

تایا ابا نے ایک لمبی سانس لی، جیسے کوئی بہت بڑی بات کہنے والے ہوں۔

"میری بچی! آج میں تجھے وہ سب کچھ بتانے جارہا ہوں جو میں نے آج تک تجھ سے چھپایا ہے۔"  
ان کی آواز کانپ رہی تھی، مگر یہ کانپنا حقیقی کم اور ڈرامائی زیادہ تھا۔

ہم اس وقت ڈر گئے تھے ڈاکوؤں کے ڈرنے ہمیں بے حال کر دیا تھا لیکن یہ بات جاننے کا تجھے حق ہے کہ تیرے ماں باپ کا قتل کس طرح سے ہوا۔

وہ شخص تجھ سے محبت کر کے تجھے اپنے نکاح میں نہیں لے رہا تھا بلکہ ان سب چیزوں کے پیچھے ایک سازش تھی۔

"تیرے والدین، میرے جگر کے ٹکڑوں کو، انہیں ڈاکوؤں نے مارا۔!"  
وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے جبکہ انہیں سنتے ہوئے دعام کے پیروں تلے زمین نکل گئی، اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ تایا ابا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ اسے یاد آیا کہ اسے بتایا گیا تھا کہ اس کے ماں باپ کی نارمل حادثے میں موت ہوئی تھی۔

"نہیں میری بچی، یہ سچ ہے۔" تایا ابا نے سر ہلایا،



اور میں نے یہ بات تجھ سے اس لیے چھپائی کیونکہ میں ڈر گیا تھا۔ میں نے ڈاکوؤں کا نام لیا تو وہ لوگ مجھے بھی قتل کر سکتے تھے، لیکن اب میں مزید یہ بوجھ اٹھا نہیں سکتا۔"

"دعام، اصل میں تمہارے والدین کو انہی ڈاکوؤں نے مارا ہے یہ بات میں تمہیں ہسپتال میں بھی بتانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن تم اس دن کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔۔۔"

تمہارا باپ ایک بہت بہادر حوالدار تھا ان ڈاکوؤں کے خلاف وہ کام کر رہا تھا لیکن اس ڈاکوؤں نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔

وہ ان کا دوست بن کر ان کے قبیلے میں گھس گیا تھا۔ اور پھر اس نے خوب بہادری سے ان ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا تھا۔

لیکن ان ڈاکوؤں نے بے دردی سے تمہارے باپ کو قتل کر دیا اور پھر تمہاری ماں کو بھی "بی ڈاکو قاتل ہیں دعام! ہمارا بہت کچھ چھینا ہے ان لوگوں نے!" بتایا ابا کے لہجے میں بے بسی تھی، جیسے وہ واقعی مظلوم ہوں۔

"کیا چھینا ہے ان لوگوں نے ہمارا بتایا؟ مجھے بھی تو بتائیں! آخر کیا چھین لیا تھا ان لوگوں نے آپ سے جو آپ ان سے اتنی نفرت کرتے ہیں؟ وہ میرا شوہر ہے، مجھ سے محبت کرتا ہے! وہ دنیا کا پہلا

انسان ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔" دعام نے غصے سے کہا، اس کی آواز میں یقین تھا۔ اسے سردار پر مکمل بھروسہ تھا۔

"نہیں کرتا وہ تم سے محبت! بالکل کوئی محبت نہیں کرتا تم سے! صرف تمہیں دھوکہ دے رہا ہے! جانتی ہو وہ کون ہے؟ تمہاری پھوپھو زائرہ کا بیٹا ہے!" اکرم نے اچانک چیخ کر کہا۔ اس کی بات سن کر دعام کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔

"تمہاری وہی پھوپھو جو ایک ڈاکو کے ساتھ بھاگ گئی تھی! فقط 16 سال کی عمر میں ہمارا منہ کالا کر گئی تھی! غیرت کے نام پر قتل کر دینا چاہتا تھا تمہارا باپ اسے! اس کے باپ نے ہی تمہارے باپ کا قتل کیا تھا!" تایا ابا نے مزید غصیلے انداز میں کہا، جیسے دعام کو اپنی باتوں میں الجھنا چاہتے ہوں۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ! سب جھوٹ بولتے ہیں! اور اگر یہ سچ ہے تو میرے ڈاکو جی ان سب چیزوں میں شامل نہیں ہیں! وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں! میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھی ہے!"

وہ محبت جو کبھی کسی نے مجھ سے نہیں کی میرے والدین اس دنیا سے چلے گئے تو آپ سب کے لیے میں بوجھ بن گئی آپ سب کی آنکھوں میں میں نے 20 سال سے وہ محبت نہیں دیکھی جو پچھلے تین مہینوں سے دن رات اس شخص کی آنکھوں میں دیکھتی ہوں وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اللہ نے اسے میرے لیے بنایا ہے مجھ سے محبت کرنے کے لیے آپ لوگ اسے مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں سب جانتی ہوں میں آپ لوگوں سے میری خوشیاں برداشت نہیں ہو رہی ہیں میرے ماں باپ کی جانے کے بعد میں آپ کے لیے بوجھ بن گئی تھی۔

آپ لوگوں نے ہمیشہ مجھ سے نفرت کی ہمیشہ مجھے دھتکارا، زندگی میں پہلی دفعہ مجھے کوئی ایسا انسان ملا ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے تو آپ لوگ اسے مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکو جی آپ سب لوگ سازشی ہیں آپ لوگ میری خوشیاں نہیں دیکھ سکتے۔

اب آپ کچھ بھی کہہ لیں، میں یقین نہیں کرتی آپ لوگوں پر! انہوں نے پہلے ہی بتایا تھا آپ لوگ دشمن ہیں ہمارے!" دعام نے غصے سے چیخ کر کہا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"اور اس انسان پر تو مجھے بالکل یقین نہیں ہے جس کا ساتھ آپ لوگ دے رہے ہیں! اس انسان کے ہاتھوں آپ لوگ میرے ڈاکو جی پر الزام لگا رہے ہیں! حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ انسان

صرف مطلب پرست ہے! اپنے مطلب کے لیے جیتا ہے! اپنے مطلب کے لیے یہ کچھ بھی کر سکتا ہے! اور میں اسے اس کے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دوں گی!

یہ انسان صرف خود کو ایک دوسرے مقام پر لے جانے کے لیے آپ سب لوگوں کو استعمال کر رہا ہے۔ ارے جو انسان آپ کی بیٹی کو دھوکہ دے رہا ہے آپ اس پر یقین کر رہے ہیں۔

اور آپ کو لگتا ہے اس گھٹیا انسان کی گھٹیا باتوں میں آکر میں اپنے ڈاکو جی پر شک کروں گی۔۔!! نہیں کبھی نہیں میں جارہی ہوں یہاں سے!" وہ غصے سے اٹھ کر باہر نکلی۔

"دعام! تم یہیں رکو! بات تو سنو ایک دفعہ! صرف اس لیے کہ میں نے رباب سے نکاح اپنے مقصد کے لیے کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں غلط ہوں! ایک دفعہ میری بات کو سمجھنے کی کوشش تو کرو!" اکرم نے اسے سمجھانا چاہا تھا، اس کی آواز میں بے چینی تھی۔

اگر ایک دفعہ دعام یہاں سے چلی جاتی تو اس کے لیے مسئلہ بن جاتا اس کا سارا کھیل دھراکا دھرا رہے۔ لیکن دعام نے اس کی کوئی بات نہ سنی تھی وہ صرف کمرے سے ہی نہیں، گھر سے بھی باہر نکل گئی تھی، اس کا دل غصے اور دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔

جب کہ اکرم کو اپنا پر موشن اپنا ٹرانسفر اپنی کامیابی سب کچھ اندھیر کنویں میں جاتا محسوس ہو رہا تھا۔

oooooooo

آج تک جتنی بھی دفعہ وہ یہاں آئی تھی، یا تو گاڑی پر آئی تھی یا پھر گھوڑے پر سوار ہو کر۔ اسی لیے یہ راستہ اس کے لیے مشکل تھا، ناہموار اور تاریک۔ لیکن دور قبیلے پر لگا جھنڈا چاند کی چاندنی میں صاف نظر آرہا تھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے، اس جھنڈے کو اپنی منزل بنائے، قبیلے کی طرف بھاگنے لگی۔

پیچھے سے اکرم اور تایا ابا کی آوازیں سنائی دیتی رہیں،

"دعام! رکو! کہاں جا رہی ہو!" جسے وہ پوری طرح سے نظر انداز کرتی رہی۔ اس نے کسی کی آواز پر کان نہیں دھرے، اسے بس اپنے ڈاکو جی کے پاس واپس جانا تھا۔ اسے نہیں رہنا تھا ایسے لوگوں کے بیچ جو سوائے دھوکے کے اور کچھ بھی نہیں تھے۔

آج انہیں اس کے باپ کا قتل یاد آرہا تھا، اس کی ماں کا قتل یاد آرہا تھا۔ اور یہی لوگ جب دن رات اس سے کام کرواتے، اس کے ماں باپ کو کوستے تھے، تب انہیں اس کے ماں باپ یاد کیوں

نہیں آتے تھے؟ وہ کوئی بھی دن بھولی نہیں تھی۔ آج تک اس نے شکایت نہیں کی تھی لیکن وہ ان باتوں سے انجان نہیں تھی۔ وہ بس بھاگے چلی جا رہی تھی، ڈر لگ رہا تھا، بے حد ڈر لگ رہا تھا، لیکن اسے اس وقت صرف اور صرف اپنے ڈاکو جی کے پاس جانا تھا۔

اچانک پتھر راستے میں آنے کی وجہ سے وہ بری طرح سے گری، اس کی ٹانگ پر خراش آئی، لیکن اس نے درد کی پرواہ نہ کی۔ ایک دفعہ پھر سے اٹھی، اس کی آنکھوں میں عزم تھا، اور اپنے قبیلے کی طرف بھاگنے لگی جیسے وہی اس کی اصل منزل تھی اور بس یہی اس کا صحیح راستہ تھا۔ پل پل پیچھے سے آتی اکرم کی آوازیں، چچا کی آوازیں، تایا کی آوازیں وہ ہر چیز کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اور صرف قبیلے کی طرف بھاگی۔ اسے اس وقت صرف اور صرف اپنے ڈاکو جی کے پاس جانا تھا۔ اس کا دل صرف سردار کے پاس پناہ چاہتا تھا۔

○○○○○○○

وہ دو گھنٹے میرو کے سر پر سوار خود اس کے لیے ناشتہ بنوا رہا تھا وہ اب تک جاگی نہیں تھی سردار کا ارادہ اب اسے جگانے کا تھا۔

ویسے بھی آج رات قبیلے میں بہت بڑا جشن ہونے والا تھا۔

سردار اس کے لیے ناشتہ لے کر کمرے میں آیا تو وہ اب تک سو رہی تھی۔ وہ نرمی سے کھانا میز پر رکھتے ہوئے اس کے پاس آیا اور اسے پیار سے جگانے لگا۔

"میرا سجن سائیں، میرا سوہنا مکھڑا، اٹھ جاؤ نایہ کیا اب تک نیند پوری نہیں ہوئی؟" وہ اس کے پاس آتے ہوئے اس پر جھکا۔

جب اس کی نگاہ دعام کے گھٹنے پر پڑی تو اس پر ہلکا سا خون لگا دیکھا۔ پریشانی سے اس کا خون دیکھنے لگا، شاید وہ کل رات گری تھی، اسے چوٹ لگی تھی۔

"سجن سائیں! تمہیں چوٹ لگی ہے؟" وہ بے قراری سے بیڈ سے اٹھتے ہوئے فرسٹ ایڈ باکس لے کر آیا، جبکہ اس کی آواز سن کر دعام نے ہلکی سی آنکھ کھولی اور اسے دیکھنے لگی۔

"خون بہہ رہا ہے میرا سوہنا مکھڑا۔" لگتا ہے زخم گہرا ہے۔ وہ اس کی نیند بھری آنکھیں دیکھتے ہوئے اس کے پاس بیٹھا تھا، جبکہ وہ اٹھ کر بیٹھتی خود ہی اپنی شلووار کو اوپر کرنے لگی۔ اسے خود بھی اپنے گھٹنے پر جلن ہو رہی تھی۔

"ہاں، میں گر گئی تھی، اتنی زور کی چوٹ لگی تھی مجھے۔ باہر راستے میں بہت پتھر تھے نا۔" میں دو دفعہ گری تھی۔

"میں سارے پتھر ہٹوا دوں گا اس راستے سے۔ لے کر گاؤں تک کوئی پتھر نہیں ہو گا جو تمہیں چوٹ پہنچا سکے!" سردار نے نرمی سے اس کے چہرے کو چوما اس کے زخم پر مرہم لگانے لگا، اس کی سبز آنکھوں میں گہرا پیار اور فکر مندی تھی۔

"وہاں راستے میں کتنے کتے بھی بھونک رہے تھے، مجھے اتنا ڈر لگ رہا تھا۔" مجھے لگا وہ مجھے چیر مار کر کھا جائیں گے لیکن میں بھاگتی رہی۔

دعالم اس کے کندھے پہ سر رکھتے ہوئے بتانے لگی۔

"اب اس راستے میں کوئی کتا نہیں ہو گا، کبھی نہیں ہو گا! میرے سوہنے مکھڑے کو ڈرانے کی سزا ملے گی سب کو۔۔۔" سردار کی آواز میں ایک عجیب سی شدت تھی۔

"ڈاکو جی آپ کو پتا ہے مجھے اپنی چاچی بالکل اچھی نہیں لگتی۔ میرے بال بچپن میں اتنے لمبے تھے، انہوں نے میرے بال کاٹ دیے تھے۔" دعالم پتہ نہیں اچانک اپنا موضوع بدل کر اسے کچھ اور کیوں بتانے لگی تھی، جبکہ اس کی بات سن کر سردار کو سچ مچ میں غصہ آ گیا تھا۔ اس کے لمبے بال کبھی کاٹے بھی گئے تھے؟ یہ بات اسے تکلیف دے گئی تھی کیونکہ یہ بات اس کے سوہنے مکھڑے کی آنکھوں میں آنسو لے آئی تھی۔



چاچا میرے منہ پر تھپڑ مارا کرتے تھے۔ بہت زور سے لگتا تھا، بہت درد ہوتا تھا۔ میں بہت روتی تھی کوئی مجھے چپ نہیں کرواتا تھا۔

"اور تایا ابا مجھے ڈراتے تھے۔ چولہے سے جلتی ہوئی لکڑی نکال کر پھر بازو پہ لگائی تھی۔" وہ اپنا بازو سامنے کرتے ہوئے اسے کوئی پرانا نشان دکھانے لگی۔

سردار نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں بے یقینی بھی تھی۔ وہ لوگ صرف بے حس نہیں، ظالم بھی تھے۔ اپنے سگے بھائی کی اولاد کے ساتھ انہوں نے کبھی ایسا سلوک بھی کیا تھا؟ اسے یقین نہ آیا تھا۔

"آپ کو پتہ ہے تائی امی۔۔۔"

"مجھے نہیں پتہ سچن سائیں! مجھے مت بتاؤ! مجھ سے برداشت نہیں ہوگا! تمہاری تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی!" سردار اسے اچانک تھام کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولا، اس کی سبز آنکھوں میں ایسی وحشت تھی جو سب کو لمحے میں برباد کر دیتی۔ اسے خود سے لگائے وہ نرمی سے اس کے ماتھے کو چومتا اچانک بیڈ سے اٹھا۔

"تم ناشتہ کر لو سجن سائیں، مجھے ایک ضروری کام ہے۔ میں تمہیں ایک گھنٹے میں ملتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے اچانک کمرے سے باہر نکل گیا، جبکہ دعام آنسو صاف کرتی، ہاں میں سر ہلا گئی۔ آج اپنی گھنٹے کی تکلیف سے اسے بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ لوگ جو اس کے خیر خواہ بننے کی کوشش میں تھے، وہ اتنے سالوں سے کیا تھے، وہ اس کے کتنے اپنے تھے وہ بہت اچھے طریقے سے جانتی تھی یہاں تک کہ ان کے کیے گئے ظلم وہ بھولی نہیں تھی۔

○○○○○○○

اردو ناولز  
کلیکشن

# اردو ناولز کلیکشن

Website

<https://urdunovelscollection.com/>

Whatsapp Channel

<https://www.whatsapp.com/channel/0029VaEcPFVChq6Ho15o1EQQ>

Youtube Channel

<https://www.youtube.com/@urdunovelscollection1>

Facebook Page

<https://www.facebook.com/profile.php?id=61565379262101>

Tiktok

<https://www.tiktok.com/@urdu.novels1>

اس جیسے اور اچھے ناولز پڑھنے کے لئے سامنے  
دیے گئے لنکس پے کلک کر کے ہماری ویب سائٹ  
یا واٹس ایپ چینل جوائن کر لیں

ناولز کے شارٹس ویڈیو سٹیٹس آپ ہمارے

**Youtube , Facebook , Tiktok**

پروفائلز سے حاصل کر سکتے ہیں